تاریخ
مشائخِ چشت

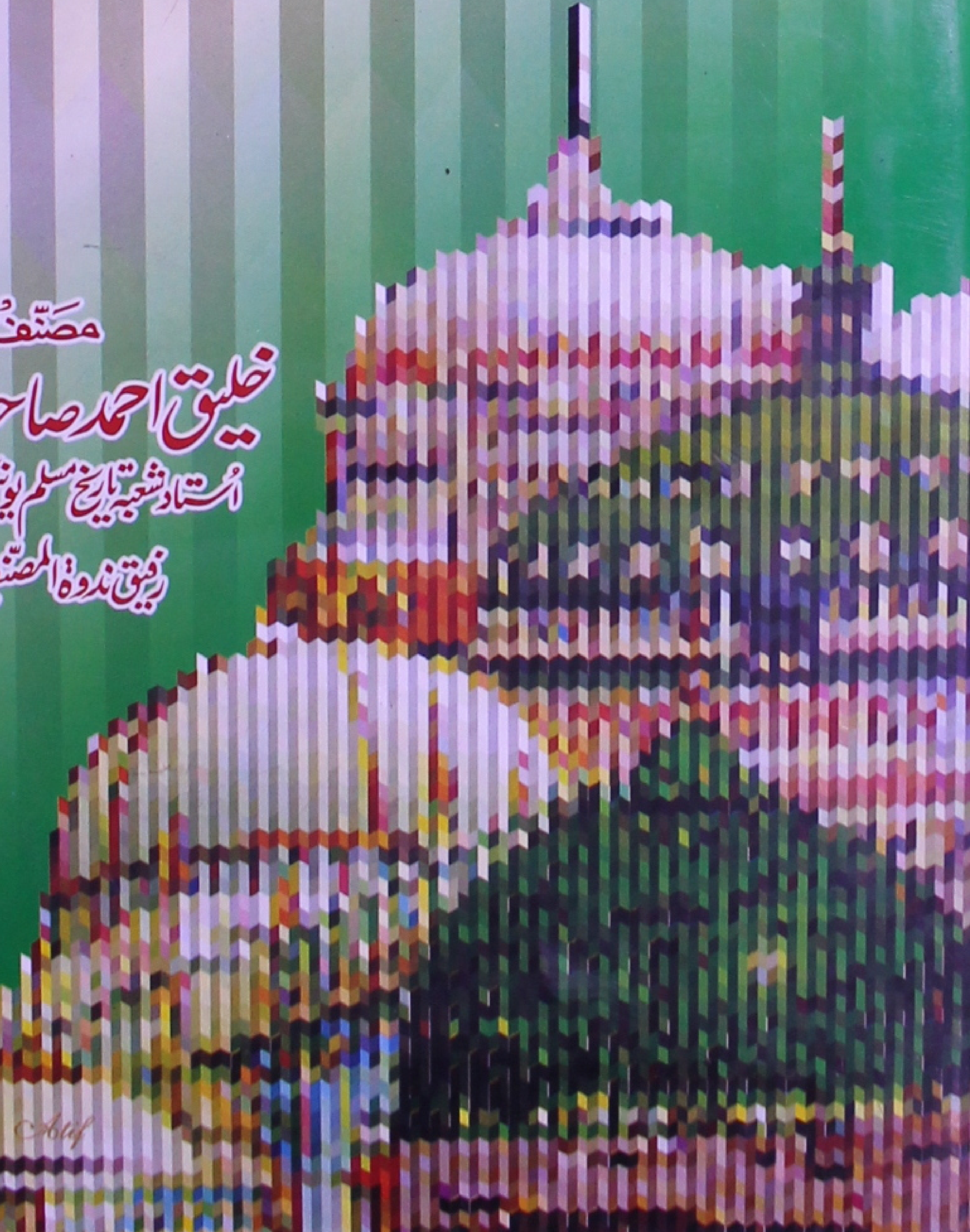

مصنّفہ
خلیق احمد صاحب نظامی
اُستاد شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
رفیق ندوۃ المصنّفین دہلی

تاریخ
مشائخِ چشت

مصنّفہ

خلیق احمد صاحب نظامی
اُستاد شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
رفیق ندوۃ المصنّفین دہلی

توضیح و تخریج

محمد حامد مرتضیٰ چشتی صابری | نثار احمد چشتی صابری

مشتاق بُک کارنر
الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ⌘ تاریخ مشائخ چشت
مصنف ⌘ خلیق احمد صاحب نظامی
توضیح و تخریج ⌘ محمد حامد مرتضیٰ چشتی صابری
معاونت ⌘ نثار احمد چشتی صابری
ناشر ⌘ مشتاق احمد
باہتمام ⌘ سلمان خالد
کمپوزنگ ⌘ گل گرافکس
پرنٹرز ⌘ اسلم عصمت پرنٹرز لاہور
قیمت ⌘ 350 روپے

نوٹ: کتاب ہذا میں اگر کہیں کوئی کمپوزنگ کی غلطی ہو تو ادارہ کو اطلاع فرما کر اپنا دینی فرض پورا کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کی تصحیح ہو سکے۔ شکریہ

ادارہ

Marfat.com

انتساب

اپنے دادا مرحوم

مولوی فرید احمد نظامی ؒ

کے نام

اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام
دگر کشادہ جبینم ، گل بہار توام

Marfat.com

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
انتساب	5	قرون اولیٰ میں مسلمانوں کا سیاسی و	
تعارف	17	سماجی نظام	92
پیش لفظ	35	صوفیہ کا پہلا طبقہ	100
مقدمہ	38	صوفیہ کا دوسرا طبقہ	106
تصوف اسلام پر ایک نظر	52	صوفیہ کا تیسرا طبقہ	114
لفظ "صوفی" کی تحقیق	52	تصوف دسویں صدی عیسوی میں	122
تصوف کی ماخذ	55	تصوف گیارھویں صدی عیسویں میں	123
تصوف کتاب وسنت کی روشنی میں	60	تصوف بارھویں صدی عیسوی میں	128
تصوف اور صوفیہ کا مقصدِ حیات	67	تصوف تیرھویں صدی میں	149
محبت الٰہی	67	سلسلہ خواجگان	153
خدا کے لیے جینا	70	سلسلہ قادریہ	155
محبت الٰہی کا اثر انسانی زندگی پر	73	سلسلہ چشتیہ	155
محبت الٰہی کی عملی راہ	77	سلسلہ سہروردیہ	155
صوفیہ اور تعلیم اخلاق	85	روحانی سلاسل ہندوستان میں	156
ارتقاء روحانی	90	ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کا نشو ونما	159
تصوف اسلام کی تاریخ	82	وجہ تسمیہ	159

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
مشائخ سلسلہ	162	مولانا فخرالدین زرادیؒ	198
ہندوستان میں سلسلہ کا اجراء	165	مولانا علاؤالدین نیلیؒ	199
خواجہ معین الدین چشتیؒ اوران کے خلفا	168	مولانا شہاب الدین امامؒ	199
دہلی میں چشتیہ سلسلہ کا مرکز	172	قاضی محی الدین کاشانیؒ	200
قطب صاحبؒ کے خلفاء	175	امیر حسن سنجریؒ	201
شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ	178	شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ	201
بابا فریدؒ کے خلفاء	183	سلسلہ کے دوراول کا خاتمہ اور اس	
شیخ جمال الدین ہانسویؒ	184	کے اسباب	205
شیخ بدرالدین اسحاقؒ	185	چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں ہندوستان	
شیخ عارفؒ	187	کے مختلف صوبوں میں	216
بابا فرید کی اولاد	187	بنگال میں چشتیہ سلسلہ	217
شیخ نصراللہ	188	حضرت اخی سراج اوران کے خلفاء	218
شیخ شہاب الدین	188	دکن میں چشتیہ سلسلہ	222
شیخ بدرالدین سلیمان	189	شیخ برہان الدین غریبؒ	223
خواجہ نظام الدین	189	سید گیسو درازؒ	225
شیخ یعقوب	190	گجرات میں سلسلہ چشتیہ	226
بی بی مستورہ	190	علامہ کمال الدین	227
بی بی فاطمہ	190	شیخ کبیرالدین	228
شیخ نظام الدین اولیاؒ اور سلسلہ کا عروج	191	شیخ علی متقی	230
شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خلفاء	195	مالوہ میں چشتیہ سلسلہ	230
مولانا شمس الدین یحییٰ	196	شیخ وجیہ الدین یوسف	230
شیخ حسام الدین ملتانیؒ	197	صابریہ سلسلہ	232

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
شیخ شمس الدین ترکؒ	233	ترک دنیا	288
شیخ احمد عبدالحقؒ	234	تعمیر شخصیت	293
شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ	235	خاص مریدین کی تربیت	297
چشتیہ سلسلہ سولہویں اور سترہویں صدی میں	240	علم مریدین کی اصلاح	298
شیخ جلال الدین تھانیسریؒ	240	عوام	303
شیخ عبدالعزیز چشتیؒ	242	ہندوؤں سے تعلقات	306
شیخ سلیم چشتیؒ	243	سماع کی شرائط	313
چشتیہ سلسلہ کا نشاۃ ثانیہ	246	مشائخ چشت (سلسلہ نظامیہ) متاخرین	315
شاہ کلیم اللہ اور ان کا سلسلہ	247	اٹھارویں اور انیسویں صدی کا ہندوستان	317
شاہ عضد الدین امروہیؒ	248	سیاسی حالات	317
حاجی امداد اللہ مکیؒ	248	سلاطین و امراء	318
مولانا محمود الحسنؒ	248	سکھوں کی تحریک	321
مولانا اشرف علی تھانویؒ	249	مرہٹوں کی تحریک	326
مولانا محمد الیاسؒ	249	جاٹوں کی تحریک	329
مشائخ چشت کا نظام اصلاح و تربیت	251	بیرونی حملے	332
بیعت کا مقصد	253	انگریزوں کا تسلط	333
معلم اخلاق کا کردار اور خصوصیات	261	اس ماحول میں مسلمانوں کی حالت	335
اصلاح و تربیت کے طریقے	264	اقتصادی حالت	338
نظام اصلاح و تربیت میں خانقاہ کی اہمیت	277	سلاطین و امراء کی فضول خرچی	339
دینی تربیت	279	اقتصادی تباہی کے اسباب	341
خلفاء کی تربیت	285	معاشرہ اور تمدن	342
علم	286	دہلی کی تمدنی حالت	344

Marfat.com

مضمون	صفحہ
محلات شاہی	345
امراء کی مجلسیں	345
بازار	346
مدرسے	347
خانقاہیں	347
میلے	348
مشاعرے	348
غدر کے اثرات دہلی پر	349
ہندو مسلم تعلقات	350
اخلاق اور مذہب	356
سلاطین و امراء کی اخلاقی حالت	356
صوفیہ خام اور علماء سو کی حالت	360
عام مسلمانوں کی دینی زندگی	361
شیعہ سنی تنازعات	364
شاہ کلیم اللہ دہلوی کے حالات	365
باب اوّل	
حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی	367
شاہ کلیم اللہ کا خاندان	367
خاندان کلیمی کے تعمیری کارنامے	369
شاہ صاحب کی ولادت	372
تعلیم و تربیت	377
شیخ ابوالرضا الہندی	377
مدینہ کو روانگی	378
حضرت یحییٰ مدنیؒ	379
حضرت مدنی کے قدموں پر	381
درس و تدریس	382
توکل کی زندگی	383
اخلاق	384
تصانیف	386
مکتوبات	387
تبلیغی جدوجہد	392
نظام تعلیم و تربیت	392
اشاعت سلسلہ	398
نظام خلافت	403
اتباع شریعت کی تلقین	404
امراء کی اصلاح	406
سماع	408
وصال	410
اولاد	412
خلفاء	415
خواجہ مصطفٰے مرادآبادی	417
باب دوم	418
حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ	419
ولادت و نسب	419
	420

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
وطن	421	اولاد	445
دہلی میں	421	خلفاء	446
بیعت	422	خواجہ نورالدین	447
دکن کو روانگی	424	**باب سوم**	449
لشکر شاہی میں	425	حضرت شاہ فخر الدین دہلوی ؒ	449
مختلف مقامات پر قیام	426	ولادت	450
قیام خانقاہ	428	سلسلہ نسب	452
صحبت کی کشش	429	تعلیم	453
تبلیغی جدوجہد	430	بیعت	454
اتباع سنت	430	لشکر میں ملازمت	455
نظام اوقات	431	اورنگ آباد میں	456
لباس	432	دہلی کو روانگی	457
مرشد کی نظر میں	432	پاک پٹن شریف کا سفر	459
مریدوں کی روحانی تربیت	433	درس وتدریس	460
فتوح وخیرات	436	علمی ذوق	463
سماع	437	تصانیف	464
اخلاق	437	نظام اوقات	467
اعظم شاہ	439	لباس اور خوراک	468
شاہ وقت	439	اخلاق	469
خاندان آصفیہ پر اثرات	440	صحبت کے اثرات	475
نظام القلوب	443	شاہ عبدالعزیز اور شاہ صاحب	476
وصال	444	اتباع سنت کی تلقین	478

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
سکھ اور شاہ صاحب	481	شاہ فخر صاحب کی خدمت میں	515
بادشاہ کو ہدایت	481	بیعت	517
شیعہ اور شاہ صاحب	483	پاک پتن اور مہار میں قیام	517
امراء و سلاطین سے تعلقات	484	مہار میں قیام خانقاہ	520
بہادر شاہ ظفر اور شاہ صاحب	487	مریدوں کی اصلاح و تربیت	522
اسلامی سوسائٹی کی درستگی کی کوششیں	489	علالت اور وصال	526
نظام سلسلہ	493	اولاد	528
وفات	494	خلفاء اور مریدین	531
اولاد	496	شیخ محمد نارووالہؒ	532
میاں کالے صاحب	499	حافظ غلام حسین	536
غلام نظام الدین صاحب	500	**باب پنجم**	537
خلفاء	500	شاہ نیاز احمد صاحب بریلویؒ	537
سید بدیع الدین	504	ولادت اور ابتدائی حالات	538
میر محمدی صاحب	504	دہلی میں درس و تدریس	539
مولانا ضیاء الدین	506	صوفی اور شاہ صاحبؒ	539
مولوی جمال الدین	506	بہ حیثیت شاعر	540
مولانا حاجی لعل محمد صاحب	508	وحدت وجود	543
باب چہارم	510	وحدت ادیان	544
خواجہ نور محمد مہاروی	510	عشق حقیقی	544
پیدائش اور خاندان	511	تبحر علمی اور تصانیف	546
ابتدائی تعلیم	512	خلفاء و مریدین	547
لاہور میں تحصیل علم	513	سجادہ نشین	549

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
عزیز میاں صاحب	549	میاں احمد علی	565
مسکین شاہ صاحب	549	میاں خدا بخش	566
باب ششم	551	میاں تاج محمود	568
خواجہ محمد عاقلؒ	551	خلیفہ اکبر	569
خاندان ونسب	551	مولوی عبداللہ	570
کوٹ مٹھن	553	مولوی محمد اعظم	570
کوریجہ لقب	554	میاں شریف الدین	570
تعلیم	554	خواجہ گل محمد احمد پوری	571
اجراء مدارس	555	**باب ہفتم**	572
خواجہ مہاروی کی خدمت میں	556	حافظ محمد جمال ملتانیؒ	572
شاہ فخر صاحب کی خدمت میں	557	قبلہ عالم کی خدمت میں	573
مجاہدات	558	علمی تبحر	575
قید وبند کی مصائب	559	درس وتدریس	575
مقبولیت	560	اخلاق	575
فتوح اور لنگر	561	سکھوں سے مقابلہ	576
اتباع سنت	561	اصلاح رسوم	578
توزیع اوقات	562	لباس	578
لباس وخوراک	562	ملفوظات	579
اصلاح مریدین	563	وصال	579
شاہان مغلیہ کی عقیدت	565	خلفاء	579
وصال	565	**باب ہشتم**	581
سجادہ نشین	565	شاہ محمد سلیمان تونسویؒ	581

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
پیدائش اور خاندان	583	مذہبی اور روحانی تعلیم	617
تعلیم و تربیت	584	عبادت	618
بیعت	586	توکل	618
دہلی کا سفر	587	حکومت کے متعلق نظریات	620
والدہ کی تشویش	588	غیر مسلموں سے تعلقات	622
مرشد سے عشق	589	عیسائی اور شاہ صاحب	623
خلافت	591	سرکاری ملازمت شاہ صاحب کی نظر میں	625
قیام خانقاہ	591	امراء سے بے تعلقی	626
مدارس کا اجراء	592	نواب بہاول خاں	628
درس و تدریس	594	والیان ریاست	630
علمی تبحر	594	شاہ شجاع	631
عسرت کی زندگی	595	امیر دوست محمد خاں	632
لنگر	597	وصال	633
مقبولیت	599	اولاد	634
نظام اوقات	599	خلفاء	634
تعلیم اخلاق	600	**باب نہم**	639
ارکان اسلام کا تحفظ	606	حافظ محمد علی خیرآبادیؒ	639
صوفیہ کی اصلاح	607	ولادت اور نسب	639
علماء کو تنبیہ	610	ایام طفلی	639
سماع	612	تعلیم	640
اتباع شریعت	614	مجاہدات	640
متابعت رسول	616	بیعت	641

Marfat.com

مضمون	صفحہ
پیرومرشد سے عقیدت	642
بری رسموں کو دور کرنے کی کوشش	642
اخلاق	644
اتباع سنت	645
مریدوں کی تربیت	646
تعویذ و عملیات سے اجتناب	647
مثنوی مولانا روم	647
درس تدریس	648
معاصرین کی نظر میں	648
امراء سے اجتناب	649
بہادر شاہ ظفر	650
نواب بہاول خاں	651
انگریزوں سے تنفر	651
وحدت وجود	652
سماع	652
ہندوؤں کو عقیدت	652
واجد علی شاہ	652
بہ حیثیت شاعر	653
وصال	654
خلفاء	654
سجادہ نشین	655
باب دھم	657
حاجی نجم الدین صاحبؒ	657
ولادت	657
تعلیم	658
بیعت	658
شیخاوائی میں قیام	660
اتباع سنت	661
عشق حقیقی اور وحدت وجود	661
تصانیف	664
وصال	667
اولاد	668
خلفاء	668
حکیم سید محمد حسین امروہوی	670
مولانا محمد نصیر الدین صاحب	671
مولانا غلام سرور صاحب	672
باب یاز دھم	673
خواجہ شمس الدین سیالویؒ	673
ولادت اور ابتدائی حالات	673
خواجہ تونسوی کی خدمت میں	675
قیام خانقاہ	675
اخلاق	675

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
وصال	677	ابتدائی تعلیم وتربیت	688
اولاد	677	ہندوستان کا سفر	689
خلفاء	677	تعمیر کا شوق	690
پیر سید غلام حیدر علی شاہ (جلالپور)	679	اخلاق	691
پیر مہر علی شاہ (گولڑہ)	684	اصلاحی کوششیں	692
باب دوازدھم	688	مولوی ارشاد علی صاحبؒ	693
خواجہ اللہ بخش تونسویؒ	688	مولوی فرید احمد صاحبؒ	695
ولادت	688	فہرست مآخذ	699

Marfat.com

تعارف

از جناب پروفیسر محمد حبیب صاحب صدر شعبہ سیاسیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

خلیق احمد صاحب نظامی کی تصنیف "تاریخ مشائخ چشت" کو جو ہندوستان کے سب سے اہم مذہبی سلسلے سے متعلق ہے' دنیا سے روشناس کراتے وقت میں فخر و مسرت کی ایک عجیب کیفیت محسوس کرتا ہوں۔

عرصہ ہوا ایک سلسلہ میں مجھے میرٹھ جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہاں مصنف سے جو میرے ایک پرانے شاگرد مسٹر عزیز احمد ایڈوکیٹ کے صاحبزادہ ہیں پہلی بار ملاقات ہوئی اس وقت وہ ایم۔ اے کے طالب علم تھے لیکن ہندی قرون وسطیٰ کی تاریخ میں ان کا غیر معمولی انہماک بالخصوص تصوف کے وسیع مطالعہ کو دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی میں نے یہ طے کر لیا کہ اس ہونہار نوجوان کو علی گڑھ بلا لینا چاہیے کچھ ہی دنوں بعد خوش قسمتی سے حالات نے ساتھ دیا تو میں نے فوراً خلیق صاحب کو علی گڑھ بلا لیا۔

انسان کے مستقبل کی تشکیل و تعمیر میں بعض اوقات اتفاقات کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ خلیق صاحب کی زندگی کے مقاصد اور کام کا تعین ان فارسی مخطوطات نے کیا جن کا ایک بیش بہا ذخیرہ ان کے دادا چھوڑ گئے تھے۔

میرٹھ اور علی گڑھ دونوں مقامات پر خلیق نظامی صاحب نے مشائخ کی تاریخ کا مواد بڑی محنت سے فراہم کیا ہے' انھوں نے چشتیہ سلسلے کی تاریخ کو پانچ جلدوں میں مرتب کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ پیش نظر جلد اس مجوزہ سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس میں شاہ کلیم اللہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ تک کے تمام صوفیائے چشت کے مفصل حالات درج ہیں۔ اس نوع کے سلسلے کو ایک درمیانی کڑی سے شروع کرنے میں دقتیں ضرور ہیں' لیکن ایک محقق اس معاملہ میں بالکل مجبور ہوتا ہے جس طرح اور جس وقت اس کا مواد جمع ہو جاتا ہے اسی طرح اور اسی وقت وہ اپنی تحقیق کے نتائج پیش کر سکتا ہے' اس

Marfat.com

ہی وقت کے پیشِ نظر خلیق صاحب نے کتاب کے ابتدائی حصہ میں تصوفِ اسلام کی نوعیت سے بحث کی ہے اور تصوف کے ان ارتقائی مدارج کا جائزہ لینے کے بعد جن سے وہ دوسرے ممالک میں گذرا ہے چشتیہ سلسلے کی تاریخ بھی دے دی ہے یہ تمام تفصیلات شروع کے 308 صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ مصنف سے گفتگو کے دوران میں مجھے اس بات کا پتہ چلا کہ یہ صفحات محض تمہیدی ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ پہلی جلد میں فلسفہ تصوف کی اس طرح تشریح کریں کہ تصوف کی اہمیت ایک ہمہ گیر نظام کی حیثیت سے واضح ہو جائے۔ ایک ایسا نظام جو فلسفہ حیات سے لے کر خدمتِ خلق تک انسانی زندگی کے ہر گوشہ پر حاوی ہے۔

خلیق صاحب نے جس کام کا بیڑہ اٹھایا ہے اس کے لیے ان کی اہلیت اور موزونیت مسلّم ہے۔ یہاں میں ان کی تین خصوصیات کی طرف اشارہ کروں گا۔ اولاً یہ کہ انھوں نے تصوف کے ان تمام ماخذ کا وسیع اور غایر مطالعہ کیا ہے جن تک انسانی دسترس ممکن ہوسکتی ہے۔ میرے خیال میں ان سے بہتر اس کام کو اب تک کوئی انجام نہیں دے سکا ہے۔ دورِ حاضر کے مصنفین میں اگر کوئی شخص اس وسعتِ مطالعہ میں ان کے لگ بھگ آتا ہے تو وہ صرف شیخ غلام سرور لاہوری ہیں کوئی اسی نوے برس ہوئے ان کی کتاب ''خزینۃ الاصفیا'' دو جلدوں میں شائع ہوئی تھی۔ لیکن اس کتاب کا بڑا نقص یہ تھا کہ مصنف نے عقاید کا سہارا لے کر ان تمام اصول اسناد کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا جو علمائے اسلام کی نظر میں صدیوں تک علم و حکمت کی روح سمجھتے جاتے رہے ہیں۔ تنقیدی اصولوں سے چشم پوشی کر کے محض عقائد پر علم کی عمارت تعمیر کرنا نا سمجھی نہیں تو کیا ہے۔ اس قسم کی تحریریں متضاد افکار کا مجموعہ بن کر رہ جاتی ہیں اور بالآخر ان کا نتیجہ بدعقیدگی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے صاحب خزینۃ الاصفیا نے اپنی کتاب میں ہیبت ناک قسم کی ایسی کرامات کی تفصیل دی ہے جن کو پڑھ کر انسانی عقل و خرد کو شرم آجاتی ہے موجودہ نسلیں ان پر بحث و مباحثہ کرنے کی بجائے بے توجہی سے ان کو نظر انداز کرنا بہتر سمجھتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کشف و کرامات کے بے معنی قصوں کا تصوف سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ کا کہنا ہے کہ کرامات تصوف کے سلسلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ حقیقتاً تصوف اخلاقی زندگی کا ایک نظام اور

Marfat.com

نظام کائنات کی ایک مکمل توجیہہ پیش کرتا ہے۔ اس کو کشف و کرامات سے کیا تعلق! خلیق صاحب نے شیخ نظام الدین اولیاؒ کے اس قول کو مستقلاً مدِنظر رکھا ہے اور یہی وہ خصوصیت ہے جو ان کی تصنیف کو ایک امتیازی حیثیت دیتی ہے۔

دوم یہ کہ گو تصوف کی تعریف و توجیہہ میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے خلیق صاحب کی یہ تصنیف ہی ایک ایسی واحد کتاب ہے جس میں تصوف کو تاریخی نقطہ نظر سے پیش کیا گیا ہے۔ مصنف نے ہر دور کے فکر کو اس عصر کے مخصوص مسائل سے متعلق کر کے واضح کیا ہے' یہ بڑی مستحسن کوشش ہے' تاریخ کے کر کسی دور میں بھی تصوف کی ایک جامد حیثیت نہیں رہی۔ انسان کے افکار کا اس کے مادی ماحول سے متعلق ہونا ایک لازمی چیز ہے۔ اس کے افکار خلا میں زندہ نہیں رہ سکتے۔ تصوف کو ایک جامد طریقہ فکر خیال کر لینا ہماری مستقل عادت بن چکی ہے۔ خلیق صاحب نے اس غلط اور فرسودہ راہ سے ہٹ کر تصوف کے انقلابات کو سماجی اور سیاسی نظام سے جس طرح منسلک کر کے مسائل کی وضاحت کی ہے اس کے لیے وہ قابلِ ستائش و مبارک باد ہیں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس نکتہ کی یہاں مزید تشریح کر دی جائے۔

ہندوستان کے قرونِ وسطیٰ کے صوفیہ کی جو تصانیف دستیاب ہوتی ہیں ان میں اس دور کے فرمان رواؤں کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ امیر حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ نے ''فوائد الفواد'' میں شیخ نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظات کو جمع کیا ہے لیکن کتاب میں معاصر فرمانروا سلطان علاؤ الدین خلجی کا یکسر کوئی حوالہ ہی نہیں ملتا۔ حالانکہ جن تاریخوں میں یہ ملفوظات جمع کیے گئے ہیں اس وقت علاء الدین سربر آرائے سلطنت تھا۔ بالکل یہی حال خیر المجالس کا ہے اس میں حمید قلندر نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے ملفوظات جمع کیے ہیں لیکن فیروز شاہ کا ذکر بالکل مفقود ہے۔ اس کے کئی سبب ہیں خلیق صاحب نے بالکل قطعی طور پر ثابت کیا ہے کہ نہ صرف ابتدائی دور کے صوفیا بلکہ دورِ متوسط کے تمام مشائخ و اکابرِ دین حکومتِ وقت اور حکام سے تعلق رکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کی یہ بے نیازی اور استغنیٰ ان کے مذہبی تقدس اور برتری کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ بعد کو جو غیر مستند قسم کی حکایات ان

Marfat.com

بزرگوں کے متعلق مشہور ہوئیں ان کا انداز کچھ ایسا ہے جس سے یہ محسوس ہوتا ہے گویا دورِ سلطنت میں چشتیہ سلسلے کے اکابر مشائخ فرماں روایان وقت پر بڑا گہرا اثر رکھتے تھے اور حکمراں طبقے سے ان کی بڑی رسم و راہ تھی۔ بعض حکایتوں میں تو یہ صوفیہ درباریوں کے پیرایہ میں نظر آتے ہیں۔

اس تبدیلی کا سبب یہ ہے کہ بعد میں خود صوفیہ کے نقطۂ نظر میں ایک بہت بڑا فرق ہوگیا تھا۔ بابا فریدؒ کی سالکوں کو یہ قطعی ہدایت تھی کہ وہ امراء اور سلاطین سے کوئی رسم و راہ نہ رکھیں۔ دورِ سلطنت میں اس تنبیہ کی برابر تکرار بھی ہوتی رہی اور اس پر عمل درآمد بھی بڑی سختی سے ہوا لیکن 1357ء میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے انتقال کے بعد ایک زبردست تغیر رونما ہوا۔ سہولت و آسائش کی خاطر یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ صوفیہ فرماں رواؤں اور حکام بالا سے راہ و رسم ضرور پیدا کریں تاکہ ان پر خیر و نیکی کا اثر ڈالا جاسکے۔ اس نظریہ کی ترویج کے وقت یہ حقیقت بالکل فراموش کردی گئی کہ حکومت سے مفاہمت اپنے اصولوں سے سو فی صدی دستبردار ہونے کے بعد ہی ممکن ہے۔ اس ہی کے ساتھ ساتھ ایک اور تبدیلی یہ ہوئی کہ بیشتر صوفیہ نے خلافت اور سجادہ نشینی اپنے لڑکوں کے سپرد کردی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پندرھویں صدی کے بہت سے حکمراں صوبائی خاندانوں سے صوفیہ کا ایک ایسا سلسلہ منسلک ہوگیا جن کے یہاں خلافت کا تعلق وراثت سے تھا۔ سلاطین نے صوفیہ اور ان کے مریدین کی خوشنودیِ مزاج کی خاطر بڑے بڑے اوقاف دیئے اور نذریں پیش کیں اور اس کے بدلے ان کے اثر سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ ان تمام تبدیلیوں کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو انسانیت کی فلاح اور بہبود کے لیے ایک آفاقی جدوجہد کے طور پر پیش کیا تھا۔ دنیا میں اسلام کا ظہور ایک ایسے ضابطہ کے طور پر ہوا جو مظلوموں کا حامی تھا۔ حکمراں طبقہ کی نفسیات اُسے چھو کر بھی نہ گذری تھیں۔ حقیقتاً اسلام خدمتِ خلق کا ایک عالمگیر اصول لے کر آیا تھا۔ لیکن سولہویں صدی میں صوفیہ بھی مسلمانوں کے اس تعلیم یافتہ طبقہ سے جاملے جو اسلام کے عالمگیر اصولوں کی توجیہ حکمراں طبقہ کے معتقدات کے زیرِ اثر کرتا تھا۔

Marfat.com

بعد کے صوفیہ نے ان توجیہات کو ایک نئے ضابطہ کی شکل دے دی اس کے اولین آثار تو خیر ابتدا ہی سے موجود تھے لیکن ہندوستانی ماحول کے پس منظر میں اس کی مکمل ترین تشریح ضیاء الدین برنی کی ''فتاویٰ جہانداری'' میں ملتی ہے۔ برنی نے فیروز شاہ تغلق کی حکومت کے پہلے چھ برس میں اسے تصنیف کیا تھا' یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے اس بیش بہا تصنیف میں (جو ہماری یونیورسٹی کی افسر افضال الدین ایم اے لندن اسکول آف اورنٹیل اسٹیڈیز میں ایڈٹ کر رہی ہیں) برنی نے رسول خدا ﷺ اور خلفاء کی روایات اور معمولات کو یہ کہہ کر برطرف کر دیا ہے کہ یہ اصول ایک ایسے دور کی یادگار ہیں جو محض وقتی تھا اور جس کا دوبارہ ظہور میں لانا اس لیے ناممکن ہے کیونکہ وہ ایک مثالی چیز تھی اور تبدیل شدہ حالات میں اس کے حصول کی کوشش بے سود ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی طرف سے وحی آتی تھی اور خلفائے راشدین کو انھوں نے تربیت دی تھی۔ نتیجہ ظاہر ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جو واقعات گذر گئے ہیں ان کی تکرار ناممکن ہے۔ جہاں داری چونکہ حکمراں طبقہ کا حق ہے اس لیے سماجی نظام کو وراثت کے ذریعہ برقرار رکھنا ضروری ہے' جہاں تک مسلمان عوام کا تعلق ہے ان کی جگہ معین ہے۔ علماء کے لیے از بس ضروری ہے کہ وہ عوام کو دینی رسوم مثلاً نماز روزہ حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے ماورا کوئی تعلیم نہ دیں۔ رہے وہ لوگ جو محکوم ہیں اور اسلام قبول کر چکے ہیں مثلاً ہندو اور منگول ان کی طرف توجہ کی چنداں ضرورت اس لیے نہیں ہے کیونکہ توحید کا تصور جسمانی طور پر انھیں ورثہ میں نہیں ملا ہے اور انہیں اس قسم کا کوئی عقیدہ ان کے خون میں جاری و ساری ہے آگے چل کر برنی کہتا ہے نہ تو ہم میں وہ مسلمانی باقی ہے اور نہ ہمیں وہ مسلمان میسر ہیں جن پر ہم ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح حکومت کر سکیں۔ اپنی دلیل کو مستحکم کرنے کے لیے برنی کہتا ہے کہ ہم اس واقعہ کو نظر انداز نہ کریں کہ چار خلفائے میں سے جنہوں نے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے رستہ پر چلنے کی کوشش کی تین کو اس لیے شہید کر دیا گیا کیونکہ وہ حکمرانوں کی طرح اپنا ذاتی تحفظ غیر ضروری سمجھتے تھے۔

برنی کی اس تصنیف کا لوگوں پر کچھ اثر نہ ہوا عہدِ سلطنت میں جب کہ حکمراں

Marfat.com

خاندانوں میں پے بہ پے تبدیلی ہورہی تھی حکومت کے ضوابط کے متعلق اس کی سفارشات کے کچھ کارگر ہونے کا امکان تھا ورنہ بعد میں تو ان کی طرف کسی نے توجہ بھی نہ کی۔ حالانکہ برنی کے بتائے ہوئے ضابطے حکمراں طبقہ کو عوام سے نفع اندوزی کی بڑی سہولتیں بہم پہنچاتے تھے لیکن پھر بھی حکمراں طبقہ نے ان ضوابط کو ایک نظریاتی حیثیت دے کر بھی تو نہ نوازا۔ برنی نے مذہب کے حریری پردہ میں نظریہ وراثت اور نفع اندوزی کا جواز بھی تلاش کرلیا۔ لیکن فرمانرواؤں کے نزدیک اس کتاب کے نظریات نے بار نہ پایا۔ برنی کی تصنیف نے عوام کے ضمیر میں اس تضاد کو حق بجانب اور جائز رکھا جس کی رو سے جہانبانی اور نفع اندوزی کو مخلوط کردیا گیا تھا اور جس نے عوام کو دوطرفہ حیثیت دے کر انسان کا ایک رخ خدا کی طرف پھیر دیا تھا اور دوسرا بندوں کی طرف۔ بہرکیف۔ برنی نے حکمراں طبقہ کا جو تجزیہ کیا ہے اس سے ہمارا یہاں کوئی تعلق نہیں ہے میں تو صرف اس تغیر کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جس کی وجہ سے امتدادِ وقت کے ساتھ ساتھ صوفیہ حکمراں طبقہ سے منسلک ہوگئے۔ علمائے ظاہری اور علمائے دینوی کا جو فرق شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کو اس قدر عزیز تھا آہستہ آہستہ ختم ہوگیا اور صوفیا کی وہ بات نہ رہی جو پچھلے زمانہ میں تھی۔ دورِ مغلیہ اور اس کے بعد صوفیہ کے مراکز کا طرۂ امتیاز فقر کے بجائے اوقاف ہوگئے۔ ان اوقاف کی ضامن حکومتِ وقت تھی نتیجتاً انگریزی اقتدار ہندوستان میں رونما ہوا اور رفتہ رفتہ پوری طرح مستحکم ہوگیا۔ چیرمین ماؤ سی تنگ کا قول ہے کہ پوری شہنشاہیت کا مقابلہ صرف عوام کے ذریعہ تو ممکن ہے' لیکن مشرقی حکمراں طبقہ کے طریقہ کار کے مطابق اس کا انسداد ناممکن ہے کیونکہ اس طبقہ کی جڑیں اب بہت کمزور ہوچکی ہیں۔ عوام کے طریقہ کار کا ہی سہارا لے کر اس نسل نے ہندوستان اور چین کو آزاد کرایا ہے۔ خلیق صاحب نے اٹھارھویں صدی کے پیچیدہ عقائد پیچیدہ سیاست و افکار اور متضاد و افعال (جن کی وجہ سے ہندوستان میں غیرملکی حکومت قائم ہوئی تھی) کے سلسلے میں بڑی کاوش کی ہے۔ عوام کا طریقہ کار ہمیں انگریزی اقتدار کی توسیع کے وقت بھی اس ہی طرح محفوظ کرسکتا تھا جس طرح اس نے ہماری آج مدد کی ہے۔ لیکن اس طریقہ کار کے لیے تین چیزیں درکار ہیں۔

Marfat.com

(1) غیر مذہبیت (2) ترقی پسند مقاصد (3) حکمراں طبقہ کی مکمل تحلیل، منگولوں کے حملوں کے زمانہ میں ان تینوں میں سے کسی ایک کے لیے بھی کوئی تیار نہ ہوتا تھا صرف صوفیہ یہ جانتے تھے کہ جان کس طرح سے دی جاتی ہے۔ اٹھارھویں صدی میں یہ کام بھی ان کے بس کا نہ رہا تھا۔ کچھ لوگوں نے تلوار اٹھائی اور تلوار ہی کے ذریعہ ختم ہو گئے۔ کچھ صوفیہ نے تحریر وتقریر کے ذریعہ آنے والے طوفان سے آگاہ کیا اور لوگوں کو تنبیہ بھی کی، لیکن ان کی اکثریت خاموش رہی۔ صوفیہ اور علماء نے تو نہیں البتہ وہابیوں نے اس مایوسی کے دور میں انگریزی حکومت کے قیام کے خلاف ہندی مسلمانوں کے ردِ عمل اور اضطراب کو ظاہر کیا۔ اس دور میں بیشتر صوفیہ کی حالت زبوں تھی۔ وہ مغل منصب داروں اور اودھ کے بدکار امراء سے بھی کہیں زیادہ پست ہو چکے تھے مزاروں سے عقیدت اور دیگر خارجی شواہد سے اگر اندازہ لگایا جائے تو ہندوستان اور بیرون ہند کے مسلمان تصوف سے تو اب بھی وابستہ نظر آئیں گے لیکن وابستگی کے اس انداز میں فرار کا پہلو ملے گا اس میں کسی اعلیٰ کام کو انجام دینے کے جذبہ کو ابھارنے کی صلاحیت نام کو نہیں۔ اس وابستگی پر تو خود ایک مردنی کا رنگ چھایا ہوا ہے۔

تاریخ عالم کے طالب علم کے لیے جو کائنات کی جدوجہد کو ایک بہتر دور کا پیش خیمہ سمجھنے کا عادی ہو چکا ہے یہ انقلاب تعجب کی چیز نہیں ہے۔ عہدِ حاضر تصوف کے لیے ابتلا اور آزمائش کا دور ہے، تصوف کو اس منزل سے اس لیے گذرنا پڑ رہا ہے تاکہ اس کی خرابیاں ڈھل جائیں اور اس کی بلوریں شکل پھر اسی آب وتاب کے ساتھ نکھر آئے مجھے پورا پورا یقین ہے کہ تصوف اس آزمائش میں پورا اترے گا اور زیادہ توانا اور صحت مند ہو کر پھر آدمی کے خطا کار قدموں کو ظلمت اور گمراہی سے بچائے گا۔

تاریخ عالم میں تصوف کی صحیح قدر وقیمت کا اندازہ لگانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم دورِ حاضر کے مسائل اور تصوف کے اساسی اصولوں کو ذہن میں رکھیں۔

پچھلے چار سو برس سے دنیا ایک ایسی شدید کشاکش سے گذر رہی ہے جس کی مثال ہمیں پتھر کے زمانہ سے اب تک تاریخ میں نہیں ملتی۔ آہستہ آہستہ ایجادات (مثلاً کاغذ کی

Marfat.com

ایجاد) کے دور نے جنم لیا۔ انسان بتدریج اپنے فکر و عمل میں تبدیلیاں پیدا کرتا رہا یہاں تک کہ نئی تبدیلیاں اس کا مزاج بن گئیں۔ لیکن سولھویں صدی سے ایک طرف تو پیداوار اور رسل و رسایل کے ذرائع نے زبردست ترقی کی اور دوسری طرف جاگیردارانہ نظام اور پرانے طبقہ امرا کو ختم کر دینے کے بعد امرا کا ایک ایسا نیا طبقہ وجود میں آیا جس کی سب سے بڑی خصوصیت نئے حالات میں بہترین طور پر کام انجام دینا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ طبقاتی اختلافات بھی شدید تر ہو گئے اور بالآخر مزدور طبقہ کی فتح ہوئی صدیوں سے یہی انقلاب عظیم کارفرما ہے۔ اس کی رفتار کبھی شدید ہو جاتی ہے اور کبھی سست لیکن جو ہے ناگزیر اور یقینی۔ آج کل کی سیاسی دنیا دو جماعتوں میں بٹی ہوئی ہے۔ کیمونسٹ دنیا جس کے رہبر پرولتاریت اور عوام کے اکابر ہیں اور دوسری وہ دنیا جس کی قیادت صنعت و حرفت کے امرا کے ہاتھ میں ہے۔ دونوں جماعتوں کے قائد اس اعتبار سے جمہوری کہے جا سکتے ہیں کہ انھیں ووٹ کے حاصل کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی دونوں جماعتوں کے اساسی فرق سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارا واسطہ تو دونوں کی اس بصیرت و نگاہ اور فکر و اعتقاد سے ہے جس کا علوم مجرد و منطبق کی ترقی کے دوران میں تقسیم اور پیداوار کی ترقی کے زمانہ میں اور انسان کے مصائب مثلاً بھوک، وبا اور جاہلیت (جسے ہمارے آباو اجداد سماجی نظام کا خاصہ سمجھتے تھے) کے دوران میں یکسر ختم ہو جانے کا قوی امکان ہے اس میں تو خیر اب شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے کہ آئندہ چند صدیوں میں یہ کشاکش تیز تر ہو جائے گی۔ بہر حال کامیابی یقینی اور قطعی ہے۔

سائنسداں کو بحیثیت سائنسداں کے ضروری ہے کہ وہ ایک ایسے لائحہ عمل کو تسلیم کر لے جو مذہبی معتقدات سے قطعاً غیر متعلق ہونا چاہیے اس کے ذاتی مذہبی تصورات کچھ بھی رہیں۔ اب روز بڑھتے اور ترقی کرتے ہوئے علوم کی بنیاد دلیل و حکمت پر ہے' تجربہ پر ہے' مشاہدہ پر ہے' ان حالات میں ایک سائنس داں بحیثیت سائنس داں کسی مذہبی روایت یا کسی مذہبی عقیدہ کی بنیاد پر اپنے کام کو نہیں چلا سکتا۔

رسمی مذاہب اور جامد دینیاتی نظام کے اکابر جب اس ہمہ گیر انقلاب سے دوچار

Marfat.com

ہوئے جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے تو انھوں نے ہر جگہ ایک رجعت پسندانہ انداز اختیار کرلیا۔ (رجعت پسندانہ انداز سے میری مراد ایک ایسے رویہ سے ہے جو انسان کے فکر وعمل کو حالات گردوپیش کے مطابق تبدیلی پیدا کرنے سے روکتا ہے) رجعت پسندی اور معاندانہ افتادِ طبع کی بنا پر کشاکش کا پیدا ہونا یقینی تھا۔ چنانچہ پہلی آویزش کی ابتداء 1789ء کے اس فرانسیسی انقلاب سے ہوئی جو کلیسائیت کے یقیناً اسی قدر خلاف تھا جتنا 1917ء کا روسی انقلاب' امریکہ کے انقلابیوں نے 1787ء میں جب ملک کے آئین کو ترتیب دیا تو ریاستی کلیسا کی تنظیم کو ممنوع قرار دے کر انھوں نے اپنے مسائل کو حل کر لیا۔ انگریزی حکمراں طبقہ جس کی فراست کی نظیر دینا پیش کرنے سے قاصر ہے اس مسئلہ کو بہت شروع ہی میں حل کر چکا تھا۔ ایلزبیتھ کے مشہور Stetut of Supruracy کے ذریعہ 1588ء میں انگلستان میں تمام مذہبی امور کے لیے کلیسا کو پارلیمنٹ کا پابند بنا دیا گیا اور مذہب کے انتظامی معاملات میں بادشاہ وقت کی اس حکومت کو اختیار دے دیا گیا جس کی بنیادیں مذہب پر مطلقاً استوار نہ تھیں۔ بہر کیف مذہب کی رسمیات اور غیر مذہبی رجحانات کے درمیان تقریباً تمام ممالک میں ایک کشمکش جاری ہے۔ تیس برس ہوئے چیرمین ماؤ سی تنگ نے اپنی جدوجہد کا آغاز کنفوشیس کے پرستاروں کے خلاف جنگ سے کیا تھا اس کی جدوجہد کامیاب ہوچکی ہے۔ تبت کے لاماؤں اب نام کو ہی باقی رہ گئے ہیں' ہمارے ملک میں بھی مذاہب وافکار کا زبردست تنوع موجود ہے' لیکن حکومت کے غیر مذہبی ہونے کا اعلان کیا جاچکا ہے۔ ریاست کی بنیادیں جن اصولوں پر استوار کی گئی ہیں وہ غیر مذہبی ہیں۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان کے یہاں چونکہ کوئی منظم کلیسائی نظام نہیں ہے اس لیے ان کی حیثیت ذرا مختلف ہے' علمائے دین کی بڑی تعداد نئے رجحانات کے خلاف جنگ میں مصروف ہے اور مصر ہے کہ پرانے طریقہ ہائے زندگی کو پھر تازہ کیا جائے۔ مسلمانوں کے عقاید کی کمزوری کا گلہ ہر دور میں کیا جاتا رہا ہے آج پھر پرانے انداز میں شروع کر دیا گیا ہے گویہ اب بے معنی سا معلوم ہوتا ہے' اسلامی دنیا میں مذہب اسلام اور اسلامی تاریخ سے ایک گونہ دلچسپی بڑھتی جارہی ہے اور امکان اس بات کا ہے کہ

Marfat.com

ہم شاید اسلامی ثقافت کو پھر اس انداز سے تربیت دینے میں کامیاب ہوں گے جس کی مثال تاریخ میں نہ مل سکے گی۔ یہ بہر کیف یقینی ہے کہ مسلمان روشن خیال اور تعلیم یافتہ طبقہ کا عقیدہ ان مذہبی رہنماؤں کی طرف سے بالکل متزلزل ہو چکا ہے جو تقلیدِ جامد کے ذریعہ زندہ رہنا چاہتے ہیں اور جو مسلسل ان غیر ترقی پسندانہ اصولوں کی تبلیغ کر رہے ہیں جو مسائل حاضرہ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے رجحان کے اس تغیر کے ساتھ ساتھ عوام تو نہیں لیکن تعلیم یافتہ طبقہ مذہبی رسوم سے بھی بری طرح بدظن ہوتا جا رہا ہے ان تمام چیزوں کے باوجود اس بات کا امکان ضرور ہے کہ بہتر سماجی حالات میں ماضی کی صحت مند چیزیں پھر واپس آ جائیں گی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بدحالی اور افراط و تفریط کے دور میں تصوف کی جگہ کیا ہے؟

ہمیں یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیے کہ تصوف اسلام سے کئی سو برس پہلے انسانی فکر میں آ چکا تھا۔ داراشکوہ کا خیال صحیح ہے کہ تصوف کی اولین مستند تشریح اپنشدوں میں ملتی ہے' غور کیا جائے تو یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ ترکوں اور منگولوں کا نظریہ ''ال تنگری'' چینیوں کی تصور ''تیان'' اور صوفیائے اسلام کا نظریہ ''حق'' اساسی طور پر ایک ہی چیز ہیں۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے صوفیہ اپنے معتقدات کی بنیاد صرف قرآن کو ٹھہراتے ہیں۔ قرآن کی تصوفانہ تفسیر ہمیں اس قدر بالغ نظر ضرور کر سکتی ہے کہ ہم وضعیت اور سخن سازی کی ان گتھیوں سی بلند ہو سکیں جن میں ملاؤں کے ایک طبقہ نے اس کو الجھا رکھا ہے۔ قرآن کی جو تشریح تصوف پیش کرتا ہے وہ اقلیت پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی نقطہ نگاہ لئے ہوئے ہے۔ اس میں ایک وسعت ہے' اس کا رخ کائنات کی طرف ہے۔ اس کا لہجہ آفاقی ہے' شاید قرآن کی صحیح ترین تفسیر یہی ہے۔

خلیق صاحب نے ٹھیک کہا ہے کہ تصوف کے عقاید کی بنیاد وحدت الوجود پر ہے قرونِ وسطیٰ کے مشائخ کی طرح ہمیں اس کے بیان کرنے اور سمجھانے میں تامل نہ کرنا چاہیے بلکہ بلا مذہب و ملت کی کسی تفریق کے ضرورت اس کی ہے کہ اس کے بنیادی

Marfat.com

تصورات کو اسکولوں کی کتابوں میں بیان کیا جائے۔ مسلمانوں کے لیے اس نظریہ کی مذہبی اساس قرآن کا یہ ارشاد ہے۔ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شئی علیم

لیکن یہاں ہم وحدت الوجود کو صرف اسلامی تصوف کے ایک نظریہ کی حیثیت ہی سے دیکھنا نہیں چاہتے بلکہ اس کی عالمگیر حیثیت کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ حیثیت جس نے اس کو پوری انسانیت کے لیے ایک اہم نظریہ حیات بنا دیا ہے۔

کسی ضابطہ یا اصول کو سمجھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کا مقابلہ اس کے متضاد نظریہ سے کیا جائے۔ اس ضمن میں میں برکلے کے نظریہ مطحیت (Idealism) کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس نظریہ نے برکلے کو کلیسائی اعزاز تو بخش دیا لیکن مطیحت کو میں یورپ کی ایک مقامی غلطی تصور کرتا ہوں۔ موضوع بحث کے اعتبار سے میں لینن کا ذکر کرنا زیادہ موزوں خیال کرتا ہوں۔ لینن یورپ کے فلسفہ اور سائنس کی دنیا کا پورا جائزہ لینے کے بعد بالآخر مارکس کی جدلیاتی تادیت سے متفق ہو گیا۔ مادہ کا ذکر کرنا اب لاحاصل ہے۔ مادہ تو ختم ہو چکا۔ بالفاظ دیگر سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مادہ محض ایک ہیئت ہے جسے کوئی بھی شے (سہولت کے لیے ہم اسے قوت کہہ سکتے ہیں) اپنے اظہار کے لیے اختیار کر سکتی ہے۔ بہر کیف انسان اور خارجی مظاہر کی دوگونہ حیثیت تو برقرار رہتی ہے۔ برکلے کی غلطی کو نظر میں رکھ کر لینن انسان کو روزانہ کے حقایق کی طرف واپس بلاتا ہے۔ وجود میرا بھی ہے اور اس کائنات کا بھی جو میرے گردوپیش ہے۔ لیکن اولیت اور برتری مجھے حاصل نہیں میرے گردوپیش کو ہے اشیاء کی حقیقت ان کے مظاہر سے بالکل مختلف ہے لیکن میرے مشاہدہ اور خارجی دنیا میں مطابقت کا ہونا اس ہی قدر ناگزیر ہے۔ میرا تجربہ اور عمل بھی مجھے اس ہم آہنگی کا پتہ دیتے ہیں کیونکہ خارجی دنیا کو تبدیل کرنے پر مجھے قدرت حاصل ہے۔

وحدت الوجود کے مسئلہ میں اس غلطی کی تکرار ہرگز نہیں ہے جو برکلے سے سرزد ہوئی ہے وحدت الوجود خارجی دنیا کا منکر نہیں ہے اس کا اعتراف کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کے وجود سے انکار نہیں کی جا سکتا کیونکہ اس کے بغیر تو یہ نظریہ ہی بے معنی ہو جاتا

Marfat.com

ہے۔ وحدت الوجود تو ایک حد تک جدلیاتی مادیت سے بھی فوق لیے ہوئے ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ موجودات کی اصل ایک ہے۔ سائنس یا تجربات کی رو سے قوت (Energy) کو شعور میں اور شعور کو قوت میں اس طرح تبدیل کر دینا جیسے حرارت کو بجلی میں تبدیل کیا جا سکتا ہے ممکن نہیں ہے۔ بایں ہمہ جدلیات کی اصطلاح ہی میں انسان اور خارجی شواہد میں وحدت کا موجود ہونا مضمر ہے' آدمی کے افکار سے خارجی دنیا کی ہم آہنگی بھی اس کا ثبوت ہے۔ لینن اور اینگلز بھی اس پر زور دیتے ہیں کہ دونوں کے تطابق کو ایک امر مسلم کے طور پر تسلیم کر لیا جائے چنانچہ وحدت الوجود کا مسئلہ جدلیاتی مادیت کے منافی نہیں ہے بلکہ اس کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ وحدت الوجود ایک ایسے شعورِ اعلیٰ کا تصور پیش کرتا ہے جس کے دو مظاہر انسان اور خارجی دنیا ہیں۔ انسان کی اخلاقی زندگی اس ہی شعورِ اعلیٰ سے ماخوذ ہے۔ فرض کر لیجئے کہ یہ شعور موجود نہ ہوتا تو دنیا ایک ہیولیٰ کی شکل میں ہوتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تمام بے ترتیبوں کے باوجود دنیا منظم اور آراستہ شکل میں موجود ہے اور انسان کی اصلاح پر قادر بھی ہے۔ یہ سب اس ہی شعورِ اعلیٰ کی وجہ سے ہے جو انسان کی قدرت کو طاقت بخش کر اسے اس لائق بناتا ہے کہ وہ ہر چیز کو تغیر کر سکے اور اسے ترتیب دیدے۔

وحدت الوجود کی تعلیم سب سے پہلے اپنشدوں نے دی۔ مشرقی فلسفہ وافکار میں اس کی ایک امتیازی حیثیت ہے۔ قرونِ وسطیٰ کے صوفیہ اس کی نشر و اشاعت میں اس لیے پس و پیش کرتے تھے کیونکہ حکمراں طبقہ سے متعلق ہو جانے کے بعد (سولھویں صدی تک پہنچتے پہنچتے) انھیں اس کی انقلابی نوعیت سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وحدت الوجود ایک ایسا مانوس لفظ ہو گیا جو ہر شخص کی زبان پر رہنے لگا اور اس کے اظہار کی ہر شخص کو اجازت ہو گئی کیونکہ اب یہ فکر و عمل کے کسی بلند جذبہ کو متحرک نہیں کر سکتا تھا۔ حکمراں طبقہ سے وابستگی کی یہ نوعیت اب ختم ہو چکی ہے۔ حکمراں طبقہ اب فنا ہو رہا ہے اور وقت کا تقاضا یہ ہے کہ وحدت الوجود کے اساسی نقطۂ نظر کی طرف ایک بار پھر رجوع کیا جائے اور اس کے مطالب و مفہوم کی دوبارہ تشریح کی جائے۔

اس کے بعد ہم تصوف کے اخلاقی پہلو پر آتے ہیں' خلیق صاحب نے بڑے

Marfat.com

غور وفکر کے ساتھ اس امر کی تشریح کی ہے کہ صوفیہ کردار کی فضیلت پر زور دیتے تھے اور خدمتِ خلق کو اس فضیلت کا معیار ٹھہراتے تھے۔ بنی نوع انسان کی خدمت کے بغیر خدا پر صوفی کا ایمان ناقص رہتا تھا۔ خلیق صاحب نے جس کمالِ حسن وخوبی کے ساتھ اس کی تشریح کی ہے اس میں کچھ اضافہ کرنا نہیں چاہتا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اخلاقی زندگی انقلابی جذبہ کے بغیر بالکل بے معنی ہے جو شخص میری طرح سماج کے صحیح اور غلط کے مروجہ معیار کا خیال رکھتے ہوئے بے کیف زندگی گزار سکتا ہے وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ اخلاق کہتے کسے ہیں۔ اخلاقی زندگی مروج معیار کو تسلیم کر لینے سے عبارت نہیں ہے بلکہ سماجی نظام کے قیام کی خاطر مروج معیار کی مخالفت کا نام اخلاقی زندگی ہے۔ خدا خود ایک زبردست انقلابی ہے وہ خود کسی چیز کو اس کی حالت پر نہیں چھوڑتا۔ ایک مشہور ہندو مقولہ میں یہ خیال اس طرح ادا کیا گیا ہے کہ ''خدا سمندر کو ہمیشہ بلوا تار ہتا ہے'' شیخ نظام الدین اولیاؒ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ سماجی نظام چونکہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اس لیے انسان کا اخلاقی ضابطہ بھی اس کے ساتھ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا ''میں سکون وقیام لے کر نہیں بلکہ تلوار لے کر آیا ہوں۔'' اس اعلان کی مزید تشریح کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ میری تعلیم گھر گھر میں ایک کشاکش پیدا کر دے گی اور روایتی تھاؤ کا باقی رہنا ناممکن ہو جائے گا' خود رسول عربیؐ نے فرمایا تھا ''مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں رسوم ورواج اور پرانی اقدار کو زیروزبر کردوں۔''

ساتویں سے چودھویں صدی تک تصوف کی نوعیت ایک انقلابی ضابطہ کی سی رہی۔ ابتدائی دور کے صوفیہ (مثلاً حبیب عجمیؒ اور ان کی جماعت) جن کو ڈاکٹر نکلسن نے (Quietist) کے نام سے یاد کیا ہے' سلطنت بنی امیہ کی محکوم اقوام سے تعلق رکھتے تھے۔ سلطنت کے تمام وقیع عہدے عرب نژاد لوگوں کے پاس تھے۔ چنانچہ صوفیہ کے مختلف سلسلوں کے بانیوں پر ظلم وتشدد کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ شہر در شہر مارے مارے پھرتے تھے لیکن نہ تو کوئی کامیاب قسم کے انقلاب کے آثار پیدا ہو پاتے تھے اور نہ صوفیہ کا ہی کوئی ارادہ تھا کہ وہ شخصی اغراض ومقاصد کی خاطر حصول قوت کے لیے جدوجہد کریں بلکہ شیخ جنیدؒ نے تو

Marfat.com

یہ اعلان کر دیا تھا کہ یہ زمانہ وحشت گذر رہا ہے اور پھر بعد میں ایک ایسا نظریہ پیش کر دیا جس سے پانچ سو برس تک صوفیہ بالکل مطمئن و متفق رہے۔ نظریہ یہ تھا کہ نہ تو حکمراں طبقہ کی مخالفت کی جائے نہ موافقت۔ وہ علیحدہ اپنی ایک دنیا میں رہتے تھے۔ اس دور کے حالاتِ رسل و رسائل میں یہ ایک حد تک ناگزیر بھی تھا۔ چودھویں صدی میں جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ مفاہمت کے اس رویہ کو صوفیہ نے بالکل ترک کر دیا۔ شاہی مراعات کے خنک سایہ میں وقت کا ثناان کا مطمح نظر ہو گیا اور فقر و فاقہ کی زندگی عہدِ ماضی کی ایک داستان بن کر رہ گئی۔

لیکن یہاں ہمارا تعلق تصوف کے انحطاط و تنزل سے اس قدر نہیں ہے جتنا اس سے کہ صحت و عروج کے زمانہ میں تصوف نے دنیا کے افکار میں کیا اضافہ کیا۔ حالانکہ صوفیہ قرونِ وسطیٰ کے پیداوار اور رسل و رسائل کے سقیم ذرائع کی وجہ سے اپنے زمانہ کے معاشرہ کی کسی نئے انداز سے تشکیل تو نہ کر سکے لیکن ان کی تعلیمات میں ایسے جدید اور ترقی پسندانہ نظام العمل کا مل جانا یقینی ہے جس کی بنا صرف انھوں نے ہی رکھی ہے۔ مختصراً ذیل میں چند ضروری نکات کا حوالہ دینا کافی ہوگا۔

1۔ صوفیہ صافی سے توقع کی جاتی تھی کہ اگر مروج اخلاقی اور سماجی قوانین ان کے روحانی مطمح نظر سے ٹکرائیں تو وہ ان قوانین کو فوراً رد کر دیں۔ کچھ صوفیہ نے مروج روایت کو پاس وضع کی خاطر رد بھی کر دیا اور پھر ملامتی کہلائے۔ لیکن یہ امر اس چیز کی پردہ پوشی نہیں کر سکتا کہ یہ قرآنی ضابطہ ____ "وہ ان لوگوں کے الزامات سے ذرا نہیں گھبراتے جن کا کام انھیں الزام دینا ہے۔" تمام صوفیہ کا مذہب بن چکا تھا۔

2۔ شخصی ملکیت کے اصول کے تمام صوفیہ مخالف تھے۔ بڑے بڑے صوفیہ مثلاً شیخ نظام الدین اولیاءؒ کسی کو اس وقت تک مرید ہی نہ کرتے تھے جب تک کہ وہ اپنی ہر چیز کو بیچ کر روپیہ غربا میں تقسیم نہ کر دے۔ حکومت کی ملازمت اختیار کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے ایک مرید سے خلافت نامہ صرف اس بنا پر واپس لے لیا تھا کہ اس نے اپنے کنبہ کی فاقہ زدگی کو دیکھ کر دو روز

Marfat.com

تک علاء الدین خلجی کے اس فرمان پر غور کیا تھا جس کی رُو سے اُسے اودھ کا قاضی مقرر کر دیا گیا تھا۔ وجہ معاش کے لیے دو صورتیں اختیار کرنے کی اجازت تھی ایک تو ہمسایوں کی بے مانگی مدد یعنی فتوح اور دوسرے زمین احیاء یعنی کاشت۔

3۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ کے جماعت خانہ میں تمام لوگ ایک اشتراکی اصول پر زندگی بسر کرتے تھے کپڑے، تسبیح، جانماز۔ اکل وشرب کے چند برتن اور کتابوں کے علاوہ ملکیت کا تصور کسی طرح بھی روا نہ سمجھا جاتا تھا۔ شیخ کے رہنے کے لیے ایک کمرہ علیحدہ ہوتا تھا اور تمام غیر شادی شدہ مرید ایک کمرۂ عام میں رہتے تھے۔ کھانا سب ساتھ مل کر کھاتے تھے۔ امداد کے طور پر ہمسایہ اگر کچھ دے دیں تو فبہا ورنہ جماعت خانہ کے تمام لوگ محنت مزدوری کرتے تھے اور ہر شخص کے لیے یہ تقریباً ضروری تھا کہ وہ طعام مشترک کے لیے کچھ نہ کچھ مہیا کرے۔ جماعت خانہ میں زندگی بسر کرنے کے اصول مقرر تھے" سیر الاولیاء" میں شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے جماعت خانہ کا بڑا اچھا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ جماعت خانہ کے لوگ دن بھر مشقت کرتے تھے۔ لکڑیاں اور کریلے تو جنگل سے لاتے تھے لیکن نمک کو جسے وہ اپنی مشقت سے حاصل نہ کر سکتے لوگوں کی طرف سے قبول کر لیا جاتا تھا۔

4۔ تمام صوفیہ عالم اور فاضل ہوتے تھے۔ صوفیہ کا عوام سے گہرا تعلق ہوتا تھا۔ کیونکہ تصوف زیر دستوں اور مظلوموں کا مسلک تھا۔ چیرمین ماؤ سی تنگ کا کہنا ہے کہ "کمیونزم ایک ایسا مسلک ہے جس کا منشا انسانیت کی خدمت ہے۔" بڑے بڑے صوفیہ کا ماؤ سی تنگ کے سے انقلابی مواقع تو میسر نہ تھے لیکن ان کا نظریہ خدمت بالکل وہی تھا جس کا حوالہ ماؤ سی تنگ نے دیا ہے۔ خلیق صاحب نے بھی جا بجا اس کی بہت سی مثالیں دی ہیں۔

5۔ قرون وسطیٰ کے کل ادب میں عورت سے شدید نفرت کا اظہار ملتا ہے۔ بغیر کسی وجہ کے عورتوں کو منحوس تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن صوفیہ نے عورتوں کے سلسلے میں ایک

Marfat.com

بالکل متضاد نظریہ اختیار کیا۔ وہ عورتوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ ایک جگہ کہتے ہیں ''فرض کر لیجئے جنگل سے یک لخت ایک شیر برآمد ہو۔ اس وقت یہ کون پوچھے گا کہ شیر مادہ ہے یا نر۔'' عورت شیخ کے درجہ کو تو نہ پہنچ سکتی تھی۔ لیکن اور قسم کا جنسی امتیاز قطعاً نہ کیا جاتا تھا۔ عورتوں کا احترام کیا جاتا تھا۔ مشقت عورتوں کے لیے بھی ضروری سمجھی جاتی تھی۔ ان کے لیے لازم تھا کہ وہ نماز پڑھیں اور روزہ رکھیں۔ مستند مصنفین اس پر متفق ہیں کہ متصوف عورتیں اپنے کام کو بڑی تن دہی سے انجام دیتی ہیں۔

6۔ ہر جماعت خانہ علم و فضل کا ایک مرکز ہوتا تھا اور ساتھ ساتھ ایک ایسا مقام بھی جہاں مہمان صوفیہ قیام بھی کر سکیں۔ دستور یہ تھا کہ مہمان جماعت خانہ کے لوگوں سے ملنے نہیں جاتے تھے بلکہ جماعت خانہ کے ساکنین کا یہ فرض ہوتا تھا کہ وہ مہمان سے جا کر ملیں، نشست و برخاست کے آداب ہر شخص پر سختی سے عاید کیے جاتے تھے، ہر جاندار کا احترام کیا جاتا تھا۔ جماعت خانہ میں ہر قسم کی گفتگو کی اجازت تھی لیکن مناظرہ کی کوئی گنجائش نہ تھی، شیخ کی حیثیت ایک روحانی قسم کے آمر کی سی تھی۔ تمام معاملات میں اس کا فیصلہ قطعی سمجھا جاتا تھا لیکن اس سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ مریدین کے ساتھ پدرانہ شفقت سے پیش آئے گا۔

7۔ تصوف کے مبتدی کو جماعت خانہ میں کس قسم کی تعلیم دی جاتی اس کی تفصیلی تشریح تو خلیق صاحب کریں گے لیکن یہاں میں اتنا بتا دینا کافی سمجھتا ہوں کہ سفر صوفیہ کی تعلیم کا نہایت ہی اہم جز تھا۔ جس زمانہ میں منگولوں کے حملہ کی وجہ سے سفر ناممکن ہو گیا تھا اس وقت بھی صوفیہ لمبے لمبے سفر کرتے تھے، بے برگ و نوا طعام و قیام کے لیے انھیں لوگوں کے سلوک کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ تین چار مہینہ تک غیر ممالک کا سفر ان کے لیے معمولی بات تھی، مختلف ممالک کے سماجی حالات کا براہ راست مطالعہ کرنے کی وجہ سے ان میں ایک کائناتی نقطہ نظر پیدا ہو جاتا تھا۔ اور یہ کائناتی نقطہ نظر اس زمانہ کے مفکرین میں صرف ان ہی کا طرۂ امتیاز تھا۔

Marfat.com

سکندری لودھی اور ہمایوں کے ہم عصر شیخ جمال الدین دہلوی اس کی بہترین مثال ہیں۔ شیخ صاحب دہلی سے مصر گئے' ہرات گئے اور مولانا جامی کے ساتھ قیام کیا۔ واپس آئے تو لوگوں نے کہا کہ ہندوستان کے انتہائی جنوبی گوشہ میں آدم کے پیر کے نشانات کا سراغ ملا ہے۔ چنانچہ پھر عصا سنبھالی اور نکل کھڑے ہوئے۔

8۔ صوفیہ انفرادی آزادی کے بھی زبردست علمبردار تھے وہ تین کا احترام کرتے تھے۔ خدا' رسول اور شیخ یا بالفاظ دیگر سلسلے کی روایات اِن تین کے علاوہ کسی کے سامنے جھکنا ایک صوفی کے مشرب کے خارج تھا۔ بعض صوفیہ تو اس حد تک انفرادیت پسند تھے کہ سلسلے کی روایات سے بھی ان کا جی اکتاتا تھا۔ نہ ان کا کوئی مرشد ہوتا تھا اور نہ کوئی مرید۔ یہ لوگ اویسی کہلاتے تھے۔ مریدین کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کے حالات کا بھی پتہ نہیں چلتا ایک دن شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی" حمید قلندر سے (جنہوں نے شیخ نصیر الدین چراغ" کے ملفوظات کو قلمبند کیا ہے) کہنے لگے غنی کے مدارج بہت ہیں' لیکن اس کا آخری درجہ غنیٰ عن اللہ ہے پھر کہنے لگے یہ آخری درجہ کیا ہے اس بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں۔

9۔ صوفیہ طبعاً بڑے امن پسند ہوتے تھے۔ نظامی صاحب نے اس مسئلہ کو بالتفصیل بیان کیا ہے اس لیے اس کی تکرار میرے لیے بے کار ہے۔ بعد کی روایات نے صوفیہ کی ایک نئی قسم کی تخلیق کر لی ہے جو جلالی کہلاتی ہے۔ جلالی صوفیہ کا کام لوگوں کو زجر و توبیخ اور ملامت کرنا تھا۔ بہر کیف ان جلالی صوفیہ کا تصورِ حیات تصوف کے اصولوں کے منافی ہے' قرآن کہتا ہے'' اے رسول ﷺ ہم نے تجھے انسانیت کے لیے رحم و امتنان بنا کر بھیجا ہے'' خود اللہ کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے'' رحم و کرم اس کا مزاج ہے'' چنانچہ ایک صحیح قسم کے صوفی کا فرض یہ ہے کہ وہ لوگوں کے لیے رحمت ثابت ہو اور وہ ان کی خدمت کرے نہ تو اس کا شیوہ ملامت ہونا چاہیے اور نہ اس کا عمل تشدد شیخ نظام الدین اولیا" کا کہنا تھا کہ درویشوں کا راستہ عوام کے راستہ سے مختلف ہے' درویش دوست اور دشمن دونوں

Marfat.com

کا دوست ہوتا ہے۔

گذشتہ صفحات میں مَیں نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ وحدت الوجود کا مسئلہ ایک ایسا صحیح فلسفیانہ نقطہ نظر ہے جو اپنے انقلابی افتاد و رجحان کے باعث انسان کے لیے ناگزیر ہے۔ دوم یہ کہ تصوف کی روایات ایک جیتے جاگتے ضابطہ کی حیثیت سے اس بات میں ہماری مدد کر سکتی تھیں کہ ہم ماضی اور حال کے سماجی مسائل کا صحیح انقلابی حل تلاش کر لیں اور یہ حل صوفیہ کے خدمتِ خلق کے شعار کے مطابق ہو۔

موجودہ نسل کا فرض ہے کہ وہ بہتر حالات کے تحت اس منصب کو اپنانے کی کوشش کرے جس میں صوفیہ ناکام رہے۔ صوفیہ نے کوشش کی وہ قرونِ وسطیٰ کے ناکارہ ضوابط کو فنا کر دیں اور عوام کی مادی اور ثقافتی بہبود کے لیے بے لوث خدمت کے ذریعہ ایک نئے معاشرہ کی تشکیل کریں' یہ کام پورا نہ ہو سکا اور آج اس کا متقاضی ہے کہ موجودہ نسل اس کو تکمیل تک پہنچا دے۔

نظامی صاحب کی تیسری خصوصیت کے بارے میں شوپنہار کے الفاظ میں میں صرف اتنا کہوں گا کہ وہ تصوف کے لیے جیتے ہیں لیکن تصوف پر ان کا مدارِ زندگی نہیں ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ سے کمال وابستگی کی بنا پر وہ خود کو نظامی کہتے ہیں۔ لیکن ان کا کوئی مخصوص پیر یا مرشد نہیں ہے' البتہ ماضی کے تمام صوفیہ ان کے پیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نہ ان کے کوئی مرید ہیں سوائے مسلم یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے طلباء کے۔

یہ کتاب اس لیے پیش نہیں کی جا رہی ہے کہ یہ بازار میں کامیابی سے فروخت ہو سکے۔ اس کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ تاریخ اور تنقید کی روشنی میں ان مفکرین کی تعلیمات کو پیش کیا جائے اور باقی رکھا جائے جو گفتار و کردار' فکر و عمل میں حق پرستی اور سچائی کے علمبردار تھے۔

نظامی صاحب ہندوستانی تاریخ کے ہونہار نوجوان فاضلوں میں ہیں۔ میری دعا ہے کہ رب العالمین میرے اس نوجوان شریک کار کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنے ان علمی کاموں کو پورا کر سکے جن کو اس نے اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہے!

محمد حبیب

پروفیسر تاریخ و سیاسیات

Marfat.com

پیش لفظ

از جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سیرت کی تربیت اور شخصیت کی تعمیر' یہ شاید آدمی کے کاموں میں سب سے کٹھن اور سب سے اہم کام ہیں۔ انفرادی زندگی میں بھی' جماعتی زندگی میں بھی۔ انفرادی زندگی کی تکمیل اور یہ کام تو ہم معنی چیزیں ہیں' جماعتی زندگی کا سدھار بھی ان کا طالب ہے اس لیے کہ جماعتی تمدن کی تعمیر کا لازمی تقاضا ہے کہ معمار خود بھی اپنی تعمیر کرے۔ اس تعمیر کا راستہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے صلاحیتوں اور استعدادوں کی جو گناگوں اور کبھی کبھی متضاد بخششیں کی ہیں ان میں یکسوئی اور یک جہتی پیدا کی جائے۔ بے ترتیب انفرادیت کو مرتب سیرت بنایا جائے اور اس میں سیرت کو جانے بوجھے بالا رادہ اقدار مطلقہ کی چاکری میں لگا کر اخلاقی شخصیت کے مرتبہ بلند پر پہنچایا جائے۔ خزانہ کائنات میں اخلاقی شخصیت غالباً سب سے گراں بہا گوہر ہے' فرشتے اس پر رشک کر سکتے ہیں' کرتے ہیں' خالق کائنات اپنے اس شاہکار پر ناز کر سکتا ہے' کرتا ہے۔

شخصیت کی تعمیر کے اس کام کو جس اہتمام' جس انہماک' جس خلوص اور جس شگفتگی سے اکابر صوفیہ نے انجام دیا اور جس وسیع پیمانہ پر اس کام کے انجام دینے میں لوگوں کی مدد اور رہنمائی کی اس کی دوسری مثال تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے۔ ان کے کارناموں سے' ان کی مجاہدوں' ان کی خدمتوں' ان کی تعلیمی تربیتی کوششوں سے واقفیت' آج بھی تعمیر شخصبت کے دشوار کام میں موثر معاونت کر سکتی ہے۔ دور انحطاط میں قوم اپنے اکابر کے کارناموں اور ان کی شخصیتوں کو بھی اپنی ہی پست سطح پر لے آتی ہے چنانچہ ان مردان خدا کے یاد کرنے

Marfat.com

والے بھی ان کی طرف طرح طرح کے من گھڑت افسانے منسوب کر کے سمجھتے ہیں کہ ان کا رتبہ بڑھا رہے ہیں اور افکار و کردار کے اس انمول خزانہ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے جن سے انھوں نے انسانی زندگی کو مالا مال کیا ہے نا قدرے ہیروں میں کنکر کی خوبیاں نکالتے ہیں مگر زمانہ کا رخ بدل رہا ہے نظریں پھر حقیقت کی متلاشی نظر آتی ہیں۔

مجھے بڑی خوشی ہے کہ میرے ایک ہونہار نوجوان ساتھی خلیق احمد صاحب نظامی نے ان خاصان خدا کے ایک گروہ یعنی چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کے حالات اس انداز سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے جن سے ان کی زندگی اور ان کے کام کی صحیح روح آشکارا ہو جائے اور ہم ان بزرگوں کے ارادوں کی قوت' افکار کی صحت' جماعتی حس کی ذکاوت اور طبیعت کی ہیجان پذیری کی وسعت' گیرائی اور پائداری یعنی سیرت کی تربیت کے ان لوازم کی جھلک دیکھ لیں' ایک نقشہ' دھندلا سا ہی سہی' ان کے ثباتِ قدم کا' ان کی خود اعتمادی ان کے ضبط نفس' ان کی بے لوث خدمت' ان کی اخلاقی جرات کا' یعنی شخصیت کی تعمیر کے گھمبیر کام کا نقشہ سامنے آ جائے۔

یہ کام ہمیشہ ہی ضرور تھا' آج اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ صوفیہ کے حالات زندگی کو کشف و کرامات کے کہرے سے نکال کر صحیح تاریخی پس منظر کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت اتنی کبھی نہ تھی جتنی آج ہے۔ خلیق احمد صاحب نظامی نے جو مسلم یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے رکن ہیں اور جن کی تحریروں سے اہل علم نا آشنا نہیں' سلسلہ چشتیہ کی تاریخ کو پانچ جلدوں میں مرتب کرنے کا قصد کیا ہے۔ یہ کام مکمل ہو جائے تو ہندی قرون وسطیٰ کی تمدنی تاریخ کا ایک اہم پہلو روشنی میں آ جائے گا۔ پیش نظر جلد میں جو اس مجوزہ سلسلہ کی ایک کڑی ہے اٹھارویں اور انیسویں صدی کے مشائخ چشت کے حالات بڑی تحقیق سے جمع کئے گئے ہیں۔ مصنف نے بزرگوں کے کارناموں کو اٹھارویں اور انیسویں صدی کے سیاسی' تمدنی اور معاشی حالات کے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح ان کے اصلی خط و خال نمایاں کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

کتاب کے ابتدائی ابواب میں تصوف اسلام کی نوعیت تصوف کی تاریخ مشائخ

Marfat.com

کے مقصدِ حیات ان کے نظامِ اصلاح و تربیت اور اندازِ تبلیغ و اشاعت سے بحث کی گئی ہے۔ مشائخ کے حالات سے متعلق جو لٹریچر میری نظر سے گزرا ہے اس میں کہیں ان بزرگوں کے حالات اور ان کی اصلاحی اور اخلاقی تعلیم کو اس طرح پیش کرنے کی کوششیں نہیں کی گئی ہے۔

خلیق احمد صاحب نظامی ہونہار مورخ اور معلم ہیں اور مجھے امید ہے کہ جس کام کو انھوں نے ہاتھ میں لیا ہے وہ حسن و خوبی سے تکمیل کو پہنچے گا اور مورخ ہی ان کے مرہون منت نہ ہوں گے بلکہ معلم بھی، کتابیں پڑھانے والے بھی اور شخصیت سازی کا کام کرنے والے اور اس میں اوروں کو سہارا دینے والے بھی۔ یہ بات ہر ایک کے حصہ میں نہیں آتی۔

ذاکر حسین

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّے عَلٰے رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط

مقدمہ

حرم جویاں درے رامی پرستند　　فقیہاں دفترے رامی پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد　　کہ یاراں دیگرے رامی پرستند

مسلمانوں کے فکر و عمل کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہو جس پر تصوف سے زیادہ تنقید و تبصرہ کیا گیا ہو۔ مآخذ سے لے کر مقاصد اور اثرات تک اس کے ہر ہر پہلو پر انتہائی شدومد کے ساتھ نکتہ چینی کی گئی ہے۔ ناقدین نے صرف اس کے سرچشموں ہی کو غیر اسلامی بتانے پر اکتفا نہیں کیا' بلکہ ملتِ اسلامیہ کے اکثر امراض کا باعث ہی اس کو قرار دیا ہے' کش مکش حیات سے گریز' راہبانہ زندگی' اتباعِ شریعت سے انحراف' غیر اسلامی فکر و کردار غرض طرح طرح کے الزامات تصوف اور صوفیہ کرام پر عائد کیے گئے ہیں۔ بعض ناقدین نے تو اپنے لہجے میں اس قدر سختی پیدا کر لی ہے کہ صدق و انصاف کا دامن اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے اور انھوں نے تاریخی حقائق سے چشم پوشی کر کر یہاں تک کہہ دیا ہے کہ تصوف اسلام کے رُخِ روشن پر ایک بدنما داغ تھا۔ اگر یہ الزامات صرف ''صوفیہ خام'' اور ''مسخ شدہ تصوف'' پر ہیں تو ان کی صداقت میں کلام نہیں۔ لیکن اگر بلا استثنا تصوف اور صوفیہ کرام پر ہیں تو غلط ہی نہیں بلکہ گمراہ کن بھی ہیں۔ حقیقی تصوف مذہب کی روح' اخلاق کی جان' اور ایمان کا کمال ہے۔ اس کی اساس شریعت ہے اور اس کا سرچشمہ قرآن و حدیث۔

1۔ تصوف کی مستند کتابوں مثلاً قوت القلوب' رسالہ قشیریہ' کشف المحجوب' عوارف

Marfat.com

المعارف ۔ تذکرۃ الاولیاء ۔ فوائد الفواد ۔ خیر المجالس کے صفحے کے صفحے الٹ جایئے، صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ عملاً کتاب و سنت کی تلقین ملے گی، جو لوگ حافظ شیراز رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر میں ؎

بے سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود نداہ ورسم منزلہا

اپنی بے راہ روی کا جواز تلاش کرتے ہیں، اُنھیں بوڑھے سعدیؒ کی یہ نصیحت ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی یہ تنبیہ:

"(مشرب پیر) .... حجت نمی شود دلیل از کتاب و حدیث می باید"[1]   (مشرب پیر) .... حجت نہیں دلیل کتاب و حدیث سے ہونی چاہیے

بھی سامنے رکھنی چاہیے۔ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ اس منزل کی رسم و راہ کا اعلان اس طرح کرتے ہیں۔

ایں راہ کسے یابد کہ کتاب بر دست راست گرفتہ باشد و سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بر دست چپ و در روشنائی ایں دو شمع می رود تا نہ در مغاک شبہت اُفتد نہ در ظلمت بدعت"[2]

یہ راہ تو صرف وہی پا سکتا ہے جس کے سیدھے ہاتھ میں قرآن پاک ہو، اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان دونوں چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے، تا کہ نہ تو شبہے کے گڑھوں میں گرے نہ بدعت کے اندھیرے میں پھنسے۔

شیخ ابوبکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الطریق واضح و الکتاب و السنہ قائم بین اظھر نا۔[3]

۱؎ اخبار الاخیار ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ص ۸۱۔   ۲؎ تذکرۃ الاولیا ۔ ص ۸

۳؎ رسالہ قشیریہ ۔ ص ۳۴

Marfat.com

راستہ کھلا ہوا ہے اور کتاب وسنت ہمارے سامنے موجود ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش" روحانی ترقی کے لیے اتباع شریعت کو لازمی قرار دیتے ہیں۔اور"اتباع شریعت" کی ایسی جامع تعریف کرتے ہیں کہ اجماع اُمت کا اتباع بھی اس کا ایک لازمی جزو بن جاتا ہے۔

فرماتے ہیں

رکن اول از شریعت کتاب است چنانکہ گفت عزمن قال فِیْهِ اٰیٰتٌ مُحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ. ودیگر سنت است۔ چنانکہ گفت وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وسیوم اجماع امت۔ چناں کہ رسول گفت علیہ السلام لا تجتمع امتی علی الضلالة علیکم بالسواد الاعظمہ [1]

پہلا رکن شریعت میں کتاب اللہ ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔میں آیات محکمات ہیں کہ وہ اصل کتاب ہیں۔اور دوسرا رکن سنت ہے جیسا کہ فرمایا۔قرآن مجید میں آیات محکمات ہیں کہ وہ اصل کتاب ہیں۔اور دوسرا رکن سنت ہے جیسا کہ فرمایا ۔جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس پر عمل کرو۔اور جس بات کو منع فرمایا ہے اس سے بچو۔اور تیسرا رکن اجماع امت ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی ہے اختیار کرو سواد اعظم کو۔

کہاں تو وہ کتاب وسنت سے بے توجہی کا الزام اور کہاں اتباع اجماع امت کی تلقین۔حقائق سے بے اعتنائی کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے۔مشائخ نے جگہ جگہ اپنے متعلقین اور مریدین کو ہدایت کی ہے کہ اگر کسی شخص کی روحانی عظمت کا اندازہ لگانا ہو تو اس کی زندگی کو شریعت وسنت کے آئینہ میں دیکھا جائے۔حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی" ایک خط میں لکھتے ہیں:

---

1 کشف المحجوب ص ۱۱

Marfat.com

اے برادر! در تفاوت مراتب فقرا اگر مروز خواہی کہ دریابی بجانب شریعت او نگاہ کن کہ شریعت معیار است' عیار فقیر بر شریعت روشن می گردد۔'' [1]

اے برادر! اگر تم آج فقراء کے مراتب کا پتہ لگانا چاہو تو اُن کے اتباع شریعت پر نظر کرو کہ شریعت معیار ہے اس کسوٹی پر فقیر کی حقیقت روشن ہو جاتی ہے۔

شیخ حسین نوری'' کا مشورہ تھا۔

من رایته یدعی مع الله عزو جل حالة تخرجه عن حد علم الشرع فلا تقربنه ومن رایته یدعی حالذه یدل علیها دلیل ولا یشهد لها حفظ ظاهر فاتهه علی دینه [2]

اگر ایک شخص کو دیکھو کہ خداوند تعالیٰ کے ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کو علم شریعت کی حد سے نکال دیتی ہے تو اس کے قریب نہ جاؤ اور اگر ایک شخص کو دیکھو کہ وہ ایک ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جس کی کوئی دلیل نہیں اور ظاہری احکام کی پابندی اس کی شہادت نہیں دیتی' تو اس کے دین پر تہمت لگاؤ۔

خواجہ فرید الدین عطار'' فرماتے ہیں ۔

جاوید در متابعت مصطفیٰ اگزیں
تا نور شرع او شودت بر تو مقتدا

حقیقت یہ ہے کہ صوفیہ صافی کا ہمیشہ عقیدہ یہ رہا ہے کہ جس عمل کو کتاب وسنت رد کردیں۔ وہ ''زندقہ'' ہے۔ جس شخص کی زندگی' شریعت وسنت کے مطابق نہیں اسے صوفیہ کے طبقہ میں شمار ہی نہیں کرنا چاہیے۔ چہ جائے کہ اس کے عمل کو تمام صوفیہ کا عمل تصور کر کر' تصوف پر تنقید کی جائے۔

2۔ پھر کچھ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ تصوف جہلا کا مسلک تھا۔ اور صوفیہ کرام علم دین سے نابلد تھے۔ مشائخ کے حالات کا سرسری مطالعہ بھی اس الزام کی

---

[1] مکتوبات کلیمی ص ۲۷ مکتوب ۹۵۔ [2] تلبیس ابلیس صد ۱۷۸۔۱۷۹۔

Marfat.com

نوعیت دریافت کرنے کے لیے کافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز پر ان بزرگوں نے سب سے زیادہ زور دیا وہ علم ہی تھا۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ فرمایا کرتے تھے کہ جاہل پیر مسخر شیطان ہو جاتا ہے۔ اس کی نگاہ حقیقت اور سراب میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ وہ دِل کی بیماریوں کی صحیح تشخیص اور مناسب علاج نہیں کر سکتا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں:

''پیر آنچناں باید کہ در احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد و چوں ایں چنیں باشد او خود ہیچ نامشروع نہ فرماید۔''[1]

پیر ایسا ہونا چاہیے کہ احکامِ شریعت طریقت اور حقیقت کا علم رکھتا ہو اگر ایسا ہوگا تو خود کسی نامشروع چیز کے لیے نہ کہے گا۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کا یہ اصول تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو جو عالم نہ ہو، خلافت عطا نہیں فرماتے تھے۔[2] شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قرآن اور حدیث کے علم کو ایک پیر و مرشد کے لیے لازمی قرار دیا ہے۔[3] حضرت یحییٰ ابن معاذ رازیؒ کا قول ہے:

اجتنب صحبة ثلاثة صناق من الناس العلماء الغافلین و الفقراء المداهنین و المتصوفة الجاهلین[4]

تین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے بچنا چاہیے۔ ایک غافل عالم سے اور دوسرے مکار فقیر سے، اور تیسرے جاہل صوفی سے۔

علامہ ابن جوزیؒ تصوف کے حامیوں میں نہیں تھے، لیکن اُن کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا ہے۔

وماكان المتقدمون فی التصوف الا رؤسا فی القرآن و الفقه و الحديث و التفسير[5]

1۔ فوائد الفواد۔ ص ۱۴۷۔
2۔ سیر الاولیاء۔ ص ۲۸۸۔
3۔ قول الجمیل۔ ص ۱۴۔
4۔ کشف المحجوب۔ ص ۱۳
5۔ تلبیس ص ۳۴۵۔

Marfat.com

پھر صوفیہ کرام پر ایک عام الزام رہبانیت کا ہے۔ لیکن الزام لگانے والوں نے کبھی یہ غور نہیں کیا کہ جس چیز کو صوفیہ نے ترک کیا وہ دنیا نہ تھی۔ دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال تھا۔[1] وہ کہتے تھے کہ انسان اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں سے فائدہ اٹھائے اس کائنات کی ایک ایک چیز سے مستفید ہو۔ لیکن اس طرح کہ دُنیا کی محبت اُس دل کو آلودہ نہ کرنے پائے[2] اور جب جان دینے اور اس کی لذتوں سے دست بردار ہونے کی دعوت دی جائے تو وہ لبیک کہتے ہوئے اس طرح دوڑے گویا بھوکے کو غذا کی اور پیاسے کو پانی کی پکار سنائی دی۔ اس کی زندگی کا مرکز و محور رضائے خداوندی بن جائے اور اُس کے قلب کی بے چین دھڑکنیں صبح و شام یہی پکارنے لگیں

مقصود من بندہ زکونین توئی
از بہر تو میرم زبرائے تو زیم[3]

حضرت شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہ الفاظ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ فرماتے ہیں۔

''ترک دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوتہ بہ بندد و بنشیند ترک دنیا آں است کہ لباس بپوشد و طعام بخورد و انچہ می رسد روا بدارد۔ وجمع او میل نکند و خاطر را متعلق چیزے ندارد' ترک دنیا است۔[4]

ترک دنیا کے یہ معنی نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو ننگا کرے اور لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے' دنیا نہیں' دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال روحانی سعادت کے خلاف ہے۔'' ج ۲ ص ۷۔

[2] کسی صوفی شاعر کا کہنا ہے کہ انسان دنیا میں اس طرح سے رہے' جیسے مرغابی پانی میں کہ جب پانی سے باہر نکلتی ہے تو پر خشک ہوتے ہیں۔

بگیر رستم تعلق دلاز مرغابی کہ اوز آب چو بر خاست خشک پر برخاست

[3] بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ تنہائی میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد خیر المجالس وغیرہ۔

[4] فوائد الفواد۔ ص ۹

Marfat.com

جائے۔ بلکہ ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھائے بھی اور حلال کی جو چیز پہنچے اسے روا رکھے۔ لیکن اس کے جمع کرنے کی طرف رغبت نہ کرے اور دل کو اس سے نہ لگائے۔ ترک دینا یہ ہے۔

عارف رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس خیال کی ترجمانی اس طرح کی ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزندہ وزن

شیخ ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک بزرگ کا قول نقل کرتے ہیں کہ فرمایا کرتے تھے۔

لیس الفقیر من خلی من الزاد انما الفقیر من خلا من المراد [1]

فقیر وہ نہیں ہے کہ اس کا ہاتھ متاع اور توشہ سے خالی ہوئے بلکہ فقیر وہ ہے جس کی طبیعت مراد سے خالی ہووے۔

اگر یہ "رہبانیت" ہے تو پھر یہ طے کرنا ہوگا کہ اسلام کی تعلیم کیا ہے۔؟

4۔ شاہد حقایق سے اس قدر بے اعتنائی کا ثبوت کبھی نہیں دیا گیا جتنا یہ کہہ کر صوفیہ کے ملت کے قوائے عمل کو مضمحل کر دیا۔ یہ الزام غلط اور بے بنیاد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں نے ملت کے عروق مردہ میں ہمیشہ نئی روح پھونکی ہے اور زوال وانحطاط کے زمانہ میں تجدید واحیاء کے راستے تلاش کیے ہیں اور یہ ہی ان کے کارناموں کا ایک ایسا گوشہ ہے جس کا اب تک تعصب اور تنگ نظری سے الگ ہو کر جائزہ نہیں لیا گیا۔ تاریخ کے طلباء نے شاہی خاندانوں کے عروج و زوال کی داستانوں میں اپنے آپ کو کچھ اس طرح گم کر دیا ہے کہ اُن کے نزدیک تاریخ صرف دربار اور میدان جنگ سے ہی عبارت ہو کر رہ گئی ہے۔ گویا سنائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ دعوت نامہ اُن کے کانوں تک پہنچا ہی نہیں۔

اے کہ شنیدی صفت روم و چین
خیز و بیا مُلکِ سنائی بہ بیں

---

[1] کشف المحجوب (اردو ترجمہ) ص ۵۶

Marfat.com

مذہبی تذکرہ نگاروں نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس طرح کہ ان بزرگوں کے اصلی خط و خال ہی چھپ گئے۔اور ماحول کے صحیح پس منظر کے ساتھ نہ اُن کو دیکھا جاسکا اور نہ انسانیت کی سطح پر ان کی عظمت و بلندی کا اندازہ لگایا جاسکا۔نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگوں کی سوانح حیات' کرامات کی چند بے معنی داستانوں کا مجموعہ بن کر رہ گئی' وقت کا تقاضا ہے کہ اِن بزرگوں کے حالات بنی نوع انسان اور ملت کی ضروریات کے آئینہ میں دیکھے جائیں۔تا کہ اُن کے صحیح خط و خال نمایاں ہو سکیں۔

یورپ کے مستشرق جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو انھیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال بھی اُن کے دینی نظام کو تباہ نہ کر سکا۔ بلکہ بقول پروفیسر ہٹی (Hitti) اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام' کے تاریک ترین لمحات میں مذہبی اسلام' نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں [1] ہولینڈ کے ایک فاضل لوکے گارد (Frede Lokkegaard) نے دبے انداز میں اس بات پر استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔[2]

کیا ان اسباب کا تجزیہ ممکن نہیں جنھوں نے مسلمانوں کی دینی زندگی کو سیاسی زوال کے خطرناک اثرات سے بچایا اور زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کے فکر و عمل میں تبدیلیاں پیدا کیں۔انگلستان کے ایک مشہور اور ذی علم مستشرق پروفیسر ایچ۔اے۔آر گب (H.A.R.Gibb) نے ایک مرتبہ آکسفورڈ یونیورسٹی مجلس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''تاریخ اسلام میں بارہا ایسے موقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا ہے لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف

---

1. History of the Arabs p 475
2. Islamic Taxation in the classic Period, (copenhagen 1950)

Marfat.com

یا صوفیہ کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آ جاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔" [1]

پروفیسر گب کی رائے سے ہمیں پورا پورا اتفاق ہے۔ اسلامی تاریخ میں صوفیہ کرام کے کارنامے یقیناً اسی نظر سے خاص توجہ کے مستحق ہیں۔ مسلمانوں کی ملی زندگی میں جب کوئی مشکل مقام آیا ہے تو ان ہی بزرگوں نے بصیرت اور حکمت کے ساتھ نامساعد حالات کا مقابلہ کیا ہے' ان کا ہاتھ ملت کی نبض پر اور اُن کا دماغ تجدید و احیاء کی تدبیریں سوچنے میں مصروف رہتا تھا۔ اسلامی سوسائٹی کا صحیح مزاج قائم رکھنے کے لیے انھوں نے بڑی پرخلوص جدوجہد کی تھی۔ حقیقت میں اس حکم خداوندی کی تعمیل کہ

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.

اور تم میں ایک اُمت ہونا چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور ممنوعات سے روکے۔

اُن ہی کے ذریعے ہوئی۔ اسلامی تاریخ کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اُن بزرگوں نے کس طرح يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ اور "يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" کی خدمات انجام دی ہیں۔ جب مسلمانوں کی سیاسی ترقی کا دور آیا اور عسکری کامیابیوں نے آنکھوں کو خیرہ کر دیا' تو یہ بزرگ مادیت کے سیلاب کو روکنے میں لگ گئے۔ جب سیاسی نظام درہم برہم ہوا۔ تو "ذہنی انتشار" کے خلاف لڑنے لگے۔ جب قوم کا اخلاقی مزاج بگڑتا ہوا پایا تو اُنھوں نے اپنی تمام ذہنی اور عملی صلاحیتیں صحت مند عناصر کو اُبھارنے میں صرف کر دیں۔ میر خورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سچ کہا ہے:

وکانو الدین اللّٰہ حصناً مؤیداً و سنة من سمیته خیر مرسل. [2]

(وہ خدا کے دین اور پیغمبر کی سنت کے لیے مضبوط قلعے تھے۔)

---

[1] Islamic Culture 1942, p 265

[2] سیر الاولیا۔

Marfat.com

5۔ کوئی انسانی تحریک، خواہ وہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو، جب افراط و تفریط، عمل و رد عمل کا بازیچہ بنتی ہے تو اس کی شکل مسخ ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ فقہ اسلامی کی تدوین نے مسلمانوں کی دینی اور سماجی زندگی کو سنوارنے میں عظیم الشان کام کیا۔ لیکن جب اس کو حیلہ بازیوں اور مکاریوں کا ذریعہ بنایا گیا۔ تو مسلمان کی عملی زندگی بالکل بے روح ہو کر رہ گئی۔ متکلمین نے اسلام کو یونانی فلسفہ کی زد سے بچانے میں بڑی خدمت کی لیکن جب علم کلام نے شبہات و شکوک پیدا کرنا اپنا مقصد بنالیا تو مسلمانوں کی ذہنی زندگی میں بڑا انتشار پیدا ہو گیا۔ یہ ہی حال تصوف کا بھی ہوا۔ جب باطنی زندگی کو ظاہری زندگی سے الگ کیا گیا تو شریعت و طریقت کی تفریق پیدا ہو گئی۔ دنیا پرستی سے گریز کو رہبانیت کی شکل دے دی گئی۔ مجاز پرستی، پیر پرستی قبر پرستی۔ نغمہ و سرود کو روحانی ترقی کا لازمی جزو قرار دے لیا گیا۔ بے شک یہ سب گمراہیاں تصوف میں پیدا ہوئیں۔ لیکن اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ صوفیہ صافی نے ہمیشہ ان گمراہیوں کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ اور ان فاسد عناصر کو خارج کرنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ وغیرہم جنہوں نے صوفیہ خام کی صدہا برائیوں کی نشان دہی کی ہے، خود صوفی تھے! حقیقی تصوف اور مسخ شدہ تصوف میں امتیاز کئے بغیر اسلامی تاریخ کے اہم واقعات کا صحیح تجزیہ ممکن نہیں۔

6۔ اس کتاب میں چشتیہ سلسلہ کے کچھ مشائخ کے حالات، ماحول کے پس منظر کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ سب مشائخ اٹھارویں اور انیسویں

Marfat.com

صدی کے ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ہندوستان میں یاس وقنوطیت' انتشار وابتری کا دور دورہ تھا۔ تمام وہ خصائل جو ایک سیاسی اور سماجی نظام کو قائم رکھنے میں ممد ومعاون ہوتے ہیں' فنا ہو چکے تھے۔ اور ایشیائی تاریخ کا وہ سلسلہ پورا ہو رہا تھا۔ جس کی طرف زوال و انحطاط روما کے مشہور مصنف ایڈورڈ گبن نے ان بلیغ الفاظ میں اشارہ کیا ہے: ''ایشیائی خاندانوں کی تاریخ شجاعت' عظمت' تفرقہ' اخلاقی پستی اور زوال کا ایک نہ ختم ہونے والا چکر ہے۔''

اورنگ زیب عالمگیر نے اپنی سیاسی بصیرت اور مستعدی سے ایک زبردست طوفان کو بڑی کامیابی کے ساتھ روکا تھا۔ لیکن جوں ہی اُس نے آنکھیں بند کیں' زوال و تخریب کی تمام قوتیں اُبھر آئیں۔ عیش وعشرت میں غرق' ہنگامہائے ناؤنوش میں مدہوش فرماں روان تخریبی قوتوں کا بروقت اور صحیح جائزہ نہ لے سکے۔ سیاسی بصیرت کے فقدان۔ فرائض کے عدم احساس اور آپس کے تفرقوں نے وہ کوششیں بھی نہ کرنے دیں جو یہ کمزور ہاتھ اور ضعیف اعضاء ان حالات میں کر سکتے تھے۔ جب ''ایں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولے'' کی صدائیں بلند ہوئیں تو فطرت کا اٹل قانون پاداش متحرک ہو گیا۔ ہر طرف سے طوفانی عناصر نے گھیر لیا۔ شمالی مغربی علاقوں میں سکھوں کی آتشیں قوت نے زور پکڑا' جنوبی ہند سے مرہٹوں کا سیلاب کف بردہان اُمنڈنے لگا۔ خلیج بنگال کے ساحلی علاقوں سے بیرونی طاقتوں نے اپنے پنجے جمانے شروع کیے۔ مرکزی حکومت میں ان طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کی قوت سب عیش وعشرت کی نذر ہو چکی تھی۔ ان نئی طاقتوں میں کوئی بھی طاقت ایک باضابطہ کل ہند نظام چلانے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غیر ملکی اقتدار ہندوستان

Marfat.com

میں مضبوطی کے ساتھ قائم ہو گیا۔

ابتلاء و مصائب' انحطاط و تنزل کے اس دور میں اللہ کے کچھ بندوں نے حکومت نے قطع نظر کر کے' اسلامی سوسائٹی کو انتشار سے بچانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ غیر ملکی حکومت کا طوفان پوری استعمارانہ قوت کے ساتھ آیا' لیکن مسلمانوں کی دینی اور ملی زندگی کو صدمہ نہ پہنچا سکا۔ سلطنت کے نکل جانے کا ان بزرگوں پر اثر ہوا۔ لیکن اتنا نہیں کہ وہ نا اُمید ہو جاتے۔ جس چیز کی ان کو فکر تھی وہ یہ تھی کہ کہیں اس سلطنت کے ساتھ اسلامی روح' اسلامی فکر' اسلامی کردار' اور اسلامی سرمایہ زندگی تباہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ ان بزرگوں نے اپنی کوششوں کا رُخ اسلامی سوسائٹی کی درستی کی جانب کر دیا۔ انھوں نے مسلمانوں کی بالخصوص اور ہندوستانیوں کی بالعموم اصلاح اور انسانیت کی ذہنی اور عملی سطح کو بلند کرنے کے لیے جو کوششیں کیں وہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ہندوستان کا مورخ جب اُن اسباب کی تلاش کرے گا جن کے باعث سلطنت کے زوال کے بعد بھی ہندوستان میں اسلامی سوسائٹی کا شیرازہ منتشر نہیں ہوا' تو اس کو صوفیہ کرام اور بزرگان عظام کی پُر خلوص جدوجہد کا اعتراف کرنا پڑے گا۔

7۔ یہ جلد ایک سلسلے کی کڑی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ چشتیہ سلسلہ کی تاریخ پانچ جلدوں میں اس طرح پر مرتب کی جائے۔

جلد اول: حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لے کر حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک۔

جلد دوم: حضرت خواجہ کمال الدین علامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لے کر حضرت یحییٰ مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک۔ نیز دکن بنگال مالوہ اور گجرات میں چشتیہ سلسلہ کی

Marfat.com

خانقاہوں اور مشائخ کے تفصیلی حالات۔

جلد سوم: (صابریہ سلسلہ) حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لے کر حضرت شیخ ابو سعید گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک۔

جلد چہارم: (نظامیہ سلسلہ) حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لے کر حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک۔

جلد پنجم: (صابریہ سلسلہ) حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لے کر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک۔

اس وقت جو جلد پیش کی جا رہی ہے وہ اس سلسلہ کی چوتھی کڑی ہے۔ یہ آج سے تقریباً سات سال قبل تیار ہوگئی تھی۔ نا مساعد حالات اس کی اشاعت میں مانع رہے۔ اس دوران میں اور جلدوں کے لیے بھی مواد فراہم ہوگیا۔ تاہم ابھی پورے وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ کس جلد کی تکمیل کا موقع پہلے ملے گا۔ توفیق الٰہی نے ساتھ دیا تو انشاء اللہ یہ جلدیں جلد مکمل ہو جائیں گی۔ اس وقت چونکہ چوتھی جلد سب سے پہلے شائع ہو رہی ہے۔ اس لیے بہت سے ایسے مباحث جو پہلی جلد میں آنے چاہئیں۔ مثلاً تصوف اسلام، چشتیہ سلسلہ کا نشوونما۔ مشائخ چشت کا انداز تبلیغ و اشاعت) یہاں بھی مختصراً درج کرنے ضروری سمجھے گئے۔

اس کتاب میں جو خامیاں رہ گئی ہیں اُن کا مجھے پورے طور سے احساس ہے۔ اور جب اُن کی طرف میری نظر جاتی ہے تو حضرت شیخ بدرالدین اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہ اشعار جو اُنہوں نے تصریف بدری کے خاتمہ پر لکھے تھے بے اختیار زبان قلم پر آ جاتے

Marfat.com

ہیں ۔

اِنّیْ بَسَطْتُ یَدِیَّ اِلَیْکَ اِلٰھِیْ　　وَیَسِیْلُ سَیْلَ الدَّامِعِ مِنْ مَاقِیْ
فَارْحَمْ بُکَائِیْ وَاعْفُ عَمّا قَدْ حَوٰی　　مِنْ غَفْلَۃٍ فِیْ ھٰذِہِ الْاَوْرَاقِ

خلیق احمد نظامی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوف اسلام پر ایک نظر

(ماخذ۔ نشو ونما۔ اثرات)

1۔ لفظ ''صوفی'' کی تحقیق:

لفظ ''صوفی'' کے مادۂ اشتقاق پر علماء میں بڑا اختلاف رہا ہے۔ حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

مردماں اندر تحقیق ایں اسم بسیار سخن گفتہ اند و کتب ساختہ [1]

لوگوں نے اس اسم کی تحقیق کے بارے میں بہت باتیں کہی ہیں اور کتابیں تصنیف کی ہیں۔

عام طور پر کتبِ تصوف میں مندرجہ ذیل مادہ اشتقاق سے بحث کی گئی ہے۔

(1) صفا: (بمعنی پاکیزگی و صفائی قلب)

(2) اہل صُفہ: (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کچھ بزرگ تھے جو مسجد نبوی میں ہر وقت عبادت کرتے رہتے تھے۔)

(3) صَف: (وہ لوگ جو ہمیشہ صف اول میں نماز ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے)

(4) صوفہ (ایک قدیم قبیلہ کا نام ہے جو کعبہ کا خادم تھا۔)

(5) صفوت القضا: (گدی پر جو بال ہوتے ہیں ان کو کہتے ہیں)

(6) تھیوصوفیا: (یونانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں حکمت الٰہی)

---

[1] کشف المحجوب۔ ص ۲۲ (مطبوعہ لاہور)

Marfat.com

(7)صوفانہ: (ایک قسم کا پودا ہوتا ہے)

(8)صوف: (بمعنی پشمینہ یا اون)

ہر مکتب خیال کے لوگوں نے اپنی رائے کی تائید میں طویل بحثیں کی ہیں' لیکن کسی نے بقول شیخ ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مقتضائے لغت'' کی طرف توجہ نہیں کی۔ عربی لغت کی رو سے صَفَا سے جو لفظ بنے گا وہ ''صفوی'' ہوگا نہ کہ صوفی' صفہ سے صفی بنے گا نہ کہ صوفی۔ اسی طرح صف سے ''صفی'' بن سکتا ہے' صوفی نہیں۔ اگر صوفی کی نسبت صوفانہ کی طرف ہوتی تو یہ لفظ ''صوفانی'' ہوتا' نہ کہ صوفی۔

ابوریحان البیرونی کا خیال ہے کہ لفظ صوفی کا مادۂ اشتقاق ایک یونانی کلمہ ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے۔

اسوفیه هم الحكماء فان سوف باليونانية الحكمة وبها يسمى الفيلسوف فيلا سوفاً اى محب الحكمة ولما ذهب فى الا سلام قوم الى قريب من رايهم سموا باسمهم ولم يعرف اللقلب .[1]

صوفی بمعنی فلاسفر ہے۔ کیونکہ یونانی میں لفظ سوف بمعنی فلسفہ ہے' یہی وجہ ہے کہ یونانی میں فیلسوف کو فیلا سوفا کہتے ہیں یعنی فلسفہ کا دلدادہ چونکہ اسلام میں ایک جماعت ایسی تھی جو ان کے مسلک کے قریب قریب تھی اسی بناء پر اس جماعت کا نام بھی صوفی پڑ گیا۔

مشہور مستشرق نالڈیکی نے اس خیال کی نہایت پرزور تردید کی ہے اور تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یونانی الفاظ کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا جو عام قاعدہ تھا اس کے لحاظ سے لفظ صوفی کا مادہ اشتقاق کسی طرح بھی یونانی کلمہ نہیں ہوسکتا۔[2]

---

[1] کتاب الہند ص۱۶۔ [2] Z,D,M,G,X,]viii,p-45

Marfat.com

جمہور یہ صوفیہ کا خیال یہ ہے کہ لفظ صوفی 'صوف سے مشتق ہے۔ چنانچہ ابونصر سراج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

الصوفیہ نسبوا الی ظاھراللبسۃ' لان لبسۃ الصوف راب الانبیا وشعارالاولیاء والاصفیاء [1]

صوفیہ اپنے ظاہری لباس کی وجہ سے صوفی کہلائے' یہ اس لئے کہ بھیڑوں کی اون کے کپڑے پہنا' انبیاء اولیاء برگزیدہ ہستیوں کا نشان خاص ہے۔

پروفیسر براؤن نے لکھا ہے کہ اس خیال کی تائید کہ صوفی کی نسبت صوف کی طرف ہے اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایران میں صوفی کو پشمینہ پوش کہا جاتا ہے۔ [2]

اسی سلسلہ میں ایک دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صوفی کا لفظ کب اور کس کے لے استعمال ہوا؟ امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے رسالے میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کے سوا برگزیدہ مسلمانوں کا اور کوئی لقب قرار نہیں دیا گیا۔ کیونکہ شرف صحبت سے بڑھ کر اور کوئی شرف نہیں ہوسکتا پھر جن لوگوں نے صحابہ کی صحبت پائی۔ ان کو تابعین کہا گیا' اس کے بعد لوگ تبع تابعین کے لقب سے پکارے گئے پھر لوگوں کے مختلف درجے ہوتے گئے۔ اس لیے جن بزرگوں کی توجہ دین کی طرف زیادہ ہوئی ان کو زاہد و عابد کے لقب سے پکارا گیا لیکن جب بدعات کا ظہور ہوا اور مختلف فرقے پیدا ہوگئے تو ہر فریق نے یہ دعویٰ کیا کہ ان میں زہاد پائے جاتے ہیں اس لیے خواص اہل سنت' تصوف کے نام سے ممتاز ہوئے اور دوسری صدی سے پہلے ان بزرگوں نے اس نام سے شہرت پائی۔'' [3]

مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیقات یہ ہے کہ سب سے پہلے جو بزرگ صوفی کے لقب سے مشہور ہوئے وہ شیخ ابو ہاشم کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 150ھ)

---

[1] کتاب اللمع ص ۲۱۔

[2] Literary History of persia Voli p 417-

[3] رسالہ قشیریہ۔ ص ۹ (مطبوعہ مصر)

Marfat.com

تھے چنانچہ نفحات الانس میں لکھتے ہیں۔

"اول کسیکہ ویرا صوفی خواندہ اندرے بود' پیش از دے کسے را بایں نام نخواندہ بودند۔"[1]

ابو محمد جعفر بن احمد بن حسین السراج القاری نے امیر معاویہ کا ایک خط نقل کیا ہے جو انہوں نے ابن امن الحکم گورنر مدینہ کے نام لکھا تھا اس میں ایک شعر تھا۔

قد کنتَ تشبهُ صوفیاً له' کتبٌ من الفرائض او آیات فرقان[2]

تو مشابہ تھا ایسے صوفی سے جس کے پاس کتابیں ہوں جن میں فرائض اور آیات قرآن مذکور ہوں۔

اس روایت کو اگر صحیح مان لیا جائے۔[3] تو صوفی کا لفظ پہلی صدی ہجری میں بھی استعمال ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

2۔ تصوف کے ماخذ:

تصوف کے ماخذ کیا ہیں؟ اس کا منبع ومخرج کہاں تلاش کرنا چاہیے؟ علماء اسلام اور مستشرقین نے اس مسئلہ میں مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تصوف' یونانی فلسفہ کے زیر اثر پیدا ہوا۔ پروفیسر نکلسن (Nisholson) نے اس خیال کو بڑے وثوق کے ساتھ اپنی تصانیف میں پیش کیا ہے۔ اور صوفیہ کرام اور حکماء یونان کے خیالات میں تطبیق کی کوشش کی ہے۔ ڈوزی (Dozy) فان کریمر (Von Kremer) وغیرہ کی رائے ہے کہ تصوف' فلسفہ ویدانت سے ماخوذ ہے۔ پھر کچھ لوگ بدھ مذہب کو اس کا منبع قرار دیتے ہیں۔[4] جن لوگوں کا یہ اصرار ہے کہ تصوف کا مخرج غیر اسلامی ہی قرار دیا

---

[1] نفحات الانس ص ۲۲ (مطبوعہ بمبئی) [2] مصارع العشاق۔ ص ۲۲۴ (مطبوعہ الجوائب قسطنطنیہ)

[3] یہ روایت مسند متصل کے طور پر ابو مخنف سے ہشام بن عروہ تک جاتی ہے۔

[4] ایک زمانے میں ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کا بھی یہی خیال تھا' چنانچہ انھوں نے وکیل (امرتسر میں 1916ء میں کچھ مضامین میں لکھے جن میں اس حدیث نبویؐ سے کہ "سب زمانوں سے بہتر زمانہ

(بقیہ فٹ نوٹ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

جائے۔ انھیں مندرجہ ذیل پہلوؤں کو بھی نظر میں رکھنا چاہیے۔

(1) اگر دو تحریکوں کے بنیادی اصولوں میں یکسانیت ہو' تو محض اس یکسانیت کی بنا پر' ایک تحریک کو دوسری تحریک سے ماخوذ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ممکن ہے کہ دونوں تحریکیں ایک ہی قسم کے اسباب اور ایک ہی قسم کے حالات گردوپیش کا نتیجہ ہوں۔

(2) تصوف کے خیالات کا اظہار' ہر ملک' ہر زبان' اور ہر مذہب میں ہوا ہے۔ ظاہر ہے ہٹ کر باطن کی طرف متوجہ ہونا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ ولبر فورس کلارک (Wilber Force Clarke) اور لوئی میسی نون (Louis Massig Non) کا خیال ہے کہ ہر قوم ایک خاص وقت میں تصوف کی طرف راغب ہو جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ خیالات دوسروں ہی سے اخذ کئے جائیں۔ حالات خود انسانی فطرت کو باطنی اصلاح و تربیت کی راہیں تلاش کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

(3) مستشرقین اور عیسائی مصنفین کا ایک خاص رویہ یہ ہے کہ وہ اسلام میں بہت سے قدیم مذاہب کی تعلیمات اور اثرات تلاش کرنے میں بڑی جدوجہد کرتے ہیں اور پھر نہایت فاتحانہ انداز میں اپنی تحقیقات' کا انکشاف' کرتے ہیں۔ یہ کوشش' ایک بنیادی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر کی جاتی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے تھے۔ انھوں نے وہی چیز پیش کی جو ان سے پہلے انبیاء کرام پیش کرتے چلے آئے تھے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ فٹ نوٹ)

میرا ہے' پھر تابعین کا' پھر تبع تابعین کا' پھر اس کے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو گواہی دینے میں عجلت کریں گے' حالانکہ اُن سے کوئی شہادت طلب نہیں کی گئی وہ امانت میں خیانت کریں گے۔ ایفائے عہد نہ کریں گے اور اُن کے درمیان سمن کا ظہور ہوگا'' (بخاری و مسلم) استدلال کرتے ہوئے بتایا ہے کہ سمن سے مراد بدھ مذہب کے راہب ہیں۔ (وکیل امرتسر 25 نومبر 1916ء ص 5)

Marfat.com

مَایُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْقِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ ط

(اے محمدؐ) تجھ سے (اس کتاب میں) وہی کہا گیا ہے جو تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا۔

سورۂ بقرہ میں ہے:

قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآاُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَا اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ آمَنْتُمْ بِہٖ فَقَدِ اھْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا ھُمْ فِیْ شِقَاقٍ ج

(اے مسلمانو) کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہماری طرف اُترا اور جو ابراہیمؑ پر اسمٰعیلؑ پر اور اسحٰقؑ پر یعقوبؑ پر اور اُن کی اولاد پر اُترا' اور جو موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو اور سب پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا (سب پر) ایمان لائے۔ ہم ان میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی خدا کے فرماں بردار ہیں۔ تو اگر یہ بھی اسی طرح مانیں جس طرح تم نے مانا تو انھوں نے سیدھی راہ پائی' اور اگر جو اس سے باز رہیں وہ محض ضد پر ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی قوموں کے دینی سرمایہ سے بے تعلقی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ یہ بتایا کہ وحی الٰہی کا جو سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا وہ اُن پر ختم ہوگیا۔ ہر قوم کی شریعت میں سچائیاں تھیں ماننے والوں نے اُن کو مسخ کر دیا۔ بہر حال اسلام میں اگر کوئی چیز ایسی پائی جائے جو پہلے کسی قوم کے دینی سرمایہ کا خاص جزو رہی ہو تو اس کو ''غیر اسلامی'' کہنا صحیح نہیں۔

(4) بعض لوگوں سے ایک شدید غلطی یہ ہوئی ہے کہ انھوں نے تصوف کے ماخذ کا تعین' بعد کے اثرات کی بنا پر کیا ہے۔ جب کوئی انسانی تحریک اپنے مولد سے نکل کر دوسرے علاقوں میں پھیلتی ہے تو وہاں کی ذہنی آب وہوا' مخصوص اقتصادی اور جغرافیائی حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ ہر تحریک نئے ملک اور

Marfat.com

نئے ماحول میں پہنچ کر اس جگہ کے ہم آہنگ عناصر کو ساتھ لینے کی کوشش کرتی ہے۔تا کہ اس کو تقویت حاصل ہو اور نشوونما کا صحیح موقع ملے۔ جب تصوف کی تحریک وسطِ ایشیاء میں پہنچی تو ناگزیر تھا کہ بدھ مذہب کے کچھ اثرات قبول کئے جائیں۔حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کچھ صوفیوں کے گروہوں کا حال لکھا ہے۔غور سے پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ بدھ مذہب کے کتنے اثرات اس طبقہ نے قبول کر لئے تھے۔ جب ہندوستان میں یہ تحریک پہنچی تو ناممکن تھا کہ یہاں کے اُن قدیم مذہبی اصولوں کو جذب نہ کرلے جو اس کے بنیادی اصولوں سے نہ ٹکراتے ہوں۔حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری شطاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بحرالحیات اور داراشکوہ نے مجمع البحرین میں اسلامی تصوف اور ہندو فلسفہ کا اسی نظر سے مطالعہ کیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا خیال ہے کہ مختلف روحانی سلسلوں نے اذکار و شغال کے جو طریقے اختیار کئے وہ مخصوص علاقوں کے بسنے والے لوگوں کے طبعی رجحانات کو سامنے رکھ کر کئے گئے تھے[1] ہوسکتا ہے کہ مشائخ نے دیگر مذاہب کے اُن نظریات کو جو اسلام کے بنیادی اصولوں سے نہ ٹکراتے ہوں اور جن کا قبول کرنا اس ماحول میں ناگزیر ہو' اسی مصلحت کے پیش نظر اختیار کرلیا ہو۔اتحادِ عمل کے جتنے پہلو بھی حاصل ہوں۔ان پر عامل ہونا' اسلام کے لیے مضر نہیں' مفید تھا۔قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران۔۱۷)

اے کتاب والو! آؤ ہم تم ایک بات پر جو ہمارے تمہارے درمیان یکساں ہے' متفق ہوجائیں وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک

---

[1] تفہیمات الٰہیہ۔

Marfat.com

بنائیں۔ اور نہ آپس میں ایک ایک کو خدا کو چھوڑ کر رب بنا لے اگر وہ اس کو قبول نہ
کریں تو کہہ دے کہ تم گواہ رہو کہ ہم حکم الٰہی کے تابع ہیں۔

لیکن واضح رہے کہ دوسرے مذاہب سے ایسا معاملہ کرنے میں پیغمبرانہ بصیرت کی ضرورت ہے۔ یہ کام صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کا مذہبی وجدان پوری طرح نشو ونما پا چکا ہو جس کی رُوح پر اسلامی رنگ چڑھ چکا ہو' جس کی نگاہ حق و باطل میں امتیاز کرنے میں کبھی دھوکہ نہ کھائے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو گمراہی وضلالت کے علاوہ اس کا کوئی نتیجہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ وہ دوراہہ ہے جہاں اسلام کی ترقی اور زوال کے راستے مل جاتے ہیں۔ ذرا سی لغزش سے صدہا گمراہیوں کے دروازے کھل سکتے ہیں' اور یہ بھی ممکن ہے کہ ذرا سی حکمت سے ہزاروں کو ضلالت و گمراہی سے نکلنے کا موقع مل جائے۔ روحانی سلاسل کے وجود میں آنے کے بعد ہمارے مشائخ نے اس بنیادی مسئلہ پر بڑی توجہ کی وسط ایشیا' ہندوستان' افریقہ' چین' ملایا' جاوا وغیرہ میں صوفیائے کرام نے جو اندازِ تبلیغ واشاعت اختیار کیا وہ اسی بنیاد حکمت پر مبنی تھا۔ افغانستان کو بدھ مذہب کے اثر سے نکال کر اسلام کے آغوش میں کس طرح لایا گیا؟ منگولوں کو کس طرح حلقہ بگوش اسلام بنایا گیا؟ معلوم نہیں اسلامی تاریخ کا طالب علم کب ان سوالات کے جواب دے سکے گا! یہاں ان مباحث پر تفصیلی گفتگو کا موقع نہیں ''مشائخ چشت'' کی پہلی جلد میں ان پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

(5) موجودہ زمانہ میں تصوف کے ماخذ کو غیر اسلامی بتانے کا رجحان کم ہو چلا ہے۔
پروفیسر لوئی میسی نیون نے جو تصوفِ اسلام پر مستشرقین میں سب سے بڑا عالم
مانا جاتا ہے۔ اپنی معرکۃ الآرا تصنیف

Essai Sur Les Origines De Lexique Technique
Dela Mystique Muslmane"(Paris,1922)

میں بڑی تحقیق وکاوش سے یہ ثابت کیا ہے کہ تصوف کا منبع ومخرج' قرآن و
احادیث ہی ہیں۔ اور یہ تحریک خالصاً اسلامی ہے۔

Marfat.com

3۔ تصوف، کتاب وسنت کی روشنی میں:

صوفیہ کرام اپنے عمل کو جواز قرآن وسنت سے پیش کرتے ہیں۔ تصوف کی بنیاد دو چیزوں پر ہے محبت الٰہی اور معیتِ ذاتی۔ صوفیہ کا کہنا ہے کہ کتاب اللہ میں خود محبتِ الٰہی کی دعوت دی گئی ہے اور بے شمار آیتوں میں اس کے نتیجہ کے طور پر معیت اور قربِ ذاتی کا وعدہ کا گیا ہے۔

(1) مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن میں فرماتے ہیں:

"قرآن نے انسان کے لیے دینی عقائد و اعمال کا جو تصور قائم کیا ہے اس کی بنیاد بھی تمام تر رحمت و محبت ہی پر رکھی ہے۔ کیونکہ وہ انسان کی روحانی زندگی کو کائناتِ فطرت کے عالمگیر کارخانہ سے کوئی الگ اور غیر متعلق چیز قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اسی کا ایک مربوط گوشہ قرار دیتا ہے .... چنانچہ قرآن نے جابجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ خدا اور اس کے بندوں کا رشتہ محبت کا رشتہ ہے۔ اور سچی عبودیت اسی کی عبودیت ہے، جس کے لیے معبود صرف معبود ہی نہ ہو بلکہ محبوب بھی ہو:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (۲:۱۶۰)

اور (دیکھو) انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے ہیں جو دوسری ہستیوں کو اللہ کا ہم پلہ بنا لیتے ہیں۔ وہ انھیں اس طرح چاہنے لگتے ہیں، جس طرح اللہ کو چاہنا ہوتا ہے۔ حالانکہ جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں۔ اُن کی زیادہ سے زیادہ محبت صرف اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ط (۳:۲۹)

(اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہہ دو اگر واقعی تم اللہ سے محبت رکھنے والے ہو تو چاہیے کہ میری پیروی کرو (میں تمہیں محبت الٰہی کی حقیقی راہ دکھا رہا ہوں اگر تم نے ایسا کیا

Marfat.com

تو (صرف یہی نہیں ہو گا کہ تم اللہ سے محبت کرنے والے ہو جاؤ گے بلکہ خود) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

وہ جابجا اس حیثیت پر زور دیتا ہے کہ ایمان باللہ کا نتیجہ اللہ کی محبت اور محبوبیت ہے۔"[1]

مولانا آزاد کی یہ عبارت صوفیہ کے مسلک کی بہترین وضاحت کرتی ہے۔

قرآن محبتِ الٰہی کو دینی عقائد و اعمال کا مرکزی نقطہ قرار دیتا ہے، اور صوفیہ اسی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے تھے۔ اس کی تفصیل اگلے باب میں دیکھئے۔

(2) قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْکَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ

اور اللہ نے تم پر (اے محمدؐ) کتاب اتاری اور حکمت نازل کی اور وہ باتیں بتائیں جو تم کو معلوم نہ تھیں۔

صوفیہ کا کہنا ہے کہ یہاں حکمت سے مراد علم باطن ہے۔ اس کی تعلیم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انفرادی طور پر کچھ صحابہ کو دی تھی۔ اُن سے یہ سلسلہ جاری ہوا۔

(3) عبادت الٰہی میں انہماک پر صوفیہ زور دیتے تھے۔ اور قرآن حکیم کی اِن آیتوں کو پیش کرتے تھے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْداً وَعَلٰی جُنُوْبِکُمْ.

اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں' پس تم اللہ کو کھڑے بیٹھے' اور لیٹے یاد کرو۔

مقبول بندوں کے متعلق فرمایا جاتا ہے۔

یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ (آل عمران ۲۰)

جو خدا کو اٹھتے بیٹھتے' اور لیٹتے یاد کرتے ہیں۔

Marfat.com

تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا
(سجدہ-۲)

جن کے پہلو (رات کو) خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں' وہ خوف اور امید کے ساتھ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔

تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا (فتح-۴)

تم ان کو دیکھو گے کہ رکوع میں جھکے ہوئے اور سجدہ میں پڑے ہوئے' خدا کے فضل اور خوشنودی کو تلاش کرتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَہٗ وَثُلُثَہٗ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ (مزمل-۲)

بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تو دو تہائی رات کے قریب اور آدھی رات اور ایک تہائی رات کے بعد اُٹھتا اور تیرے ساتھ ایک جماعت بھی اُٹھ کر نماز پڑھتی ہے۔

---

(4) قربِ ذاتی یا معرفت جس کو صوفیہ اپنا منشاء و مقصد قرار دیتے ہیں' کلام پاک سے ثابت ہے۔ حضرت مجدد الف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

''اقربیت او تعالیٰ بے از مابہ نص قطعی ثابت شدہ است۔''[1]

کلام پاک کی جن آیتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (مومن-۶)

تم مجھے پکارو میں تم کو جواب دوں گا۔

وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ[2]

(پ ۲۷' ع ۱)

---

[1] مکتوبات مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ ج ام ۲۵۔ [2] حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فتح الرحمن

Marfat.com

اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ جہاں کہیں تم ہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے۔

نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡکُمۡ وَلٰکِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ (پ ۲۷ ع ۱۶)

ہم اس سے تمہاری بہ نسبت قریب ہیں مگر تم نہیں دیکھتے۔

وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ ۚ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ

ہم جانتے ہیں جو باتیں آتی رہتی ہیں۔ اس کے جی میں اور اس سے رگ جان سے زیادہ قریب ہیں۔

پھر صوفیہ کرام احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اُن کے لیے مکمل رہبر ہے۔ اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کا جواز سنت میں موجود ہے۔

(1) قرآن میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کر کہا گیا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۙ نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِیۡلًا ۙ اَوۡ زِدۡ عَلَیۡهِ وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ؕ اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ۙ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیۡلِ هِیَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّاَقۡوَمُ قِیۡلًا ؕ اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا ؕ وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ تَبۡتِیۡلًا ؕ (مزمل۔۱)

اے کملی اوڑھنے والے! تھوڑی دیر کے سوا تمام رات اُٹھ کر نماز پڑھ آدھی رات یا اس سے کچھ کم وبیش، اور اس میں قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھ، ہم تجھ پر ایک بھاری بات اتارنے والے ہیں۔ بے شک رات کو اُٹھ کر نماز پڑھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے اور موثر ہوتا ہے۔ تیرے لئے دن کو بڑی فرصت ہے، اپنے پروردگار کا نام لے اور ہر چیز سے کٹ کر اسی کی طرف ہو جا۔

صوفیہ کا کہنا ہے کہ ''ہر چیز سے کٹ کر اس کی طرف ہو جانے'' کی جو ہدایت

میں وھو معکم اینما کنتم کا ترجمہ کرتے ہیں ''او باشما است ہر جا کہ باشید''

Marfat.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی تھی، وہ اسی پر عمل کرتے ہیں۔

(2) احادیثِ نبوی ؐ میں جس چیز کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے وہ تصوف ہی ہے۔
ارشاد ہوتا ہے:

الاحسان ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یَراک.

احسان یہ ہے کہ تم اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حجۃ البالغہ میں اس حدیث نبویؐ پر بحث کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ حقیقی تصوف یہی ہے۔

(3) کشف المحجوب میں ہے کہ حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیف اصبحت یاحارثۃ قال اصبحت مؤمنا باللّٰہِ حقًا فقال انظر ما تقولُ یحارثۃ اِنَ کُلَ شیءٍ حقیقۃً فَما حقیقۃ ایمانک فقال عرفت نفسی عن الدنیا فاستویٰ عندی حجر ھاو ذَھَبھا وفضتَھَا ومدر ھافا سھرت انظُرُ اِلیٰ اھل الجنۃ تیزا ورونَ فیھا وکانی انظر الی اھل النار یتصارعونَ وفی روایۃ یتعاددون. الحدیث.

یعنی اے حارثہ تو نے صبح کس طرح کی کہا میں نے صبح ایسی حالت میں کی کہ میں مومن تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے حارثہ! غور سے دیکھو کیا کہتے ہو؟ ہر حق کے واسطے ایک حقیقت اور برہان ہوا کرتی ہے۔ اور تیری اس بات کی برہان کیا ہے۔ حارثہ نے جواب دیا کہ یہ ہے کہ میں اس دنیا سے اپنے بدن کو توڑ دوں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سونا اور پتھر اور ڈھیلا میرے نزدیک سب برابر ہیں اور جب میں دنیا سے جدا ہو گیا تو عقبیٰ میں مل گیا۔ یہاں تک کہ بہشت دوزخ اور عرش کو دیکھ رہا ہوں اس پر آپ نے فرمایا کہ تو نے پہچان لیا فالزم قالھا ثلثا

Marfat.com

یعنی اس کو لازم پکڑ اور یہ آپ نے تین بار فرمایا[1]

(4) صحیح بخاری میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جو بندہ اپنی طاعتوں سے میری قربت کو تلاش کرتا رہتا ہے، تو میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، یہاں تک کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔"[2]

(5) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اصحابِ صفہ کا وجود، خود اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمہ وقت انہماک کو ایک خاص طبقہ کے لیے بُرا نہیں سمجھتے تھے۔ شیخ ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"اندر وقت پیغامبر فقراء، مہاجرین بودہ اند۔ آنانکہ اندر حکم آداب عبودیت حق تعالیٰ وصحبت متابعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نشستہ بودند، اندر مسجد وے۔ واز اشغال جملہ اعراض کردہ وترک معارضہ بگفتہ وخداوند تعالیٰ بدادن روزی خود باور داشتہ۔ وتوکل بروے کردہ تا رسول علیہ السلام مامور بودہ بصحبت وقیام کردن بحق ایشاں۔ چنانکہ خدائے گفت، قولہ، عزوجل۔ وَلَا يَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ، ونیز گفت۔ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا تا رسول علیہ السلام ہرکجا یکے از ایشاں بدیدے گفتے، مادر و پدرم فدا تیاں باد کہ خداوند تعالیٰ از برائے ایشاں با من عتاب کرد۔[3]

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مہاجرین فقراء ایسے تھے کہ خدا کی عبادت کے آداب اور حضور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اتباع پورا پورا بجالاتے تھے۔ اور آپ کی مسجد یعنی مسجد نبوی میں بیٹھے رہتے تھے۔ اور تمام اشغال

---

[1] کشف المحجوب ص ۲۵۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے استدلال کیا ہے۔ حجۃ البالغہ جلد ۲ ص ۱۶۸۔

[2] بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب التواضع۔ [3] کشف المحجوب ص ۱۵ ترجمہ ص ۴۸۔ ۴۷

Marfat.com

اور جھگڑوں کو ترک کر دیا تھا اور اس امر کا ل یقین رکھتے تھے کہ خدائے تعالیٰ روزی رساں ہے اور اس پر توکل تھا اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صحبت کے واسطے مامور تھے اور ان کے حق کو قائم رکھتے تھے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ان لوگوں کو کہ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی ذات پاک کی خواہش رکھتے ہیں دور مت کر۔ اور فرمایا: اپنی آنکھوں یعنی توجہ کی نگاہ اُن کی طرف رکھ۔ اور ان کو نظر حقارت سے نہ دیکھ‘ کیا تو دنیا کی زندگی میں زینت چاہتا ہے۔ اسی واسطے رسول اللہ‘ جہاں کہیں اُن کو دیکھتے تو فرماتے کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں خدائے تعالیٰ نے تمہاری بابت مجھ پر عتاب فرمایا۔‘‘

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصحابِ صفہ کے متعلق یہاں اجمالاً کچھ عرض کر دیا جائے۔

صحابہؓ کی اس مقدس جماعت نے جو اصحابِ صفہ کے نام سے مشہور ہے‘ اپنی زندگی صرف عبادت اور تعلیم قرآن پر وقف کر دی تھی۔ دنیوی معاملات سے ان کا کوئی سرو کار نہ تھا‘ رات دن عبادت‘ تلاوت اور قرآت میں مصروف رہتے تھے۔ ان بزرگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقے سے نکل جاتے تھے۔ معاش کا زیادہ تر دارومدار صحابہ اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت پر تھا۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور مسجد کی چھت میں لٹکا دیتے‘ جو کھجوریں ٹپک ٹپک کر گرتیں‘ یہ لوگ اُن کو اُٹھا کر کھا لیتے۔ ان میں سے کچھ لوگ دن کو پانی بھر لاتے‘ جنگل سے لکڑیاں چن لاتے اور ان کو بیچ کر جو آمدنی ہوتی اس کو وجہ معاش میں صرف کرتے۔ لیکن زیادہ تر ان بزرگوں کی گذر اوقات صدقات پر ہوتی تھی۔ چنانچہ ابن کعب القرضی نے لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ فقراء سے اصحاب صفہ مراد ہیں۔ اُن کے حالات میں ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری (المتوفی 304ھ) علامہ جلال الدین سیوطی‘ اور دیگر علماء نے رسالے اور کتابیں تصنیف کی ہیں۔ سورہ انعام اور سورہ کہف میں ان بزرگوں کی عبادت و ریاضت کی تعریف کی گئی ہے۔

Marfat.com

4۔ تصوف اور صوفیہ کا مقصد حیات:

تصوف' کی تعریفیں مشائخ کی کتابوں میں کثرت سے ملتی ہیں لیکن ان تعریفوں کی بناء پر صوفیہ کرام کے مقاصد کے متعلق کچھ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت شیخ ابوالحسن قوشنجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے۔

التصوف الیوم اِسمٌ ولا حقیقة وقد کان حقیقة ولا اِسمٌ [1]

تصوف آج کل ایک بے حقیقت نام ہے۔ اس سے پہلے حقیقت بلا نام کے تھا۔

اس لیے مناسب یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ خود صوفیہ کرام کی زندگی میں تصوف کے معنی تلاش کیے جائیں۔ اور اُن کے مقاصد کا تعین اسی کی بنا پر کیا جائے۔

محبتِ الٰہی:

حضرت شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک خط میں مولانا فخر الدین مزوری کو لکھتے ہیں۔

اتفاق اصحابِ طریقت و اربابِ حقیقت است کہ اہم مطلوب و اعظم مقصود از خلقت بشر محبت رب العالمین است [2]

اصحاب طریقت اور اربابِ حقیقت کا اس باب میں اتفاق ہے کہ انسان کی پیدائش کا اہم مطلوب اور بڑا مقصود رب العالمین کی محبت ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ۔۲۰)

اور جو ایمان لائے وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗٓ (۵: ۵۹)

اے پیروان دعوتِ ایمانی! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے دین کی راہ سے پھر جائے گا (تو وہ یہ نہ سمجھے کہ دعوت حق کو اس سے کچھ نقصان پہنچے گا) عنقریب اللہ ایک گروہ

---

1 المحجوب۔ ص ۷۷ (اردو ترجمہ) 2 سیر الاولیا ص ۴۴۵، ۴۵۴

Marfat.com

(سچے خدا پرستوں کا) پیدا کردے گا۔ جنہیں اللہ کی محبت حاصل ہوگی اور وہ اللہ کو محبوب رکھنے والے ہوں گے۔

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی محبت الٰہی میں سرشاری کی زندگی تھی۔ آپ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے:

اللھم اجعل حبک اَحَبَ الَی مِن نَفسِیُ وَاھلِیُ ومن الماءِ البارِدِ
(ترمذی)

الٰہی تو اپنی محبت کو میری جان سے میرے اہل وعیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ میری نظر میں محبوب بنا۔

آپ راتوں کو اتنی دیر تک عبادت کیا کرتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آ جاتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ آپ کی یہ عبادت خشیتِ الٰہی سے ہے اور چونکہ آپ گناہوں سے پاک کردیے گئے تھے اس لیے آپ کو ریاضتِ شاقہ کی ضرورت نہ تھی۔ آپ نے اس شبہ کو دفع کرتے ہوئے فرمایا کہ ان عبادتوں کا مقصدِ محبتِ الٰہی ہے۔ خشیتِ الٰہی نہیں۔ اسی لیے ارشاد فرمایا:

وجعلت لی قرۃ عینی فی الصلوٰۃ
میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

صوفیہ کرام نے اسی محبت کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا تھا۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہایت سوز و گداز کے ساتھ یہ رباعی پڑھا کرتے تھے

دنیا شہ راو قیصر و خاقاں را دوزخ بدر ابہشت مرنیکاں را
تسبیح فرشتہ راصفا مرانساں را جاناں مارا و جان ماجاناں را[1]

حضرت شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دن بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا کہ بند حجرے میں پشت پر دونوں ہاتھ رکھے ہوئے کھڑے ہیں، قبلہ کی

---

[1] خیر المجالس۔ (قلمی نسخہ)

Marfat.com

طرف چند قدم بڑھتے ہیں اور یہ اشعار پڑھ کر وجد کرتے جاتے ہیں۔

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے توزیم خاکے شوم و بزیر پائے توزیم
مقصود من بندہ زکونین توئی از بہر تو میرم زبر آئے توزیم [1]

صوفیہ کا کہنا ہے کہ محبت ہی رازِ حیات ہے۔ اگراس کی آگ دل میں نہ ہو تو وہ گوشت کا ایک بے جان ٹکڑا ہے۔ اگر عشق کی گرمی ہو تو انوار ربانی کا محل ہے

سلامتی دلِ عشاق از محبتِ تسیت
وگرنہ ایں دِل پرخوں چہ جائے منزلِ تست

محبت کے معنی یہ ہیں کہ انسان کی زندگی سمٹ کر ایک مرکز پر آجائے۔ اُس کا بال بال یہ پکارنے لگے۔

اِنَّ صَلاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

بے شبہ میری نماز اور میری قربانی' اور میری زندگی اور میری موت سب اسی ایک عالم کے پروردگار اللہ کے لیے ہے۔

اس کو ایک لمحہ بھی بغیر اللہ کے چین نہ ملے۔ شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول اُس کے حالات کا آئینہ دار بن جائے۔

الفقیر من لا یستغنی بشیءٍ دون اللّٰہ

فقیر سوائے حق کے کسی چیز سے آرام نہیں پاتا۔ [2]

وہ عملاً اس ارشادِ خداوندی کی تفسیر ہو۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ

میں نے انسانوں کو اور جنوں کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

اس کے نفس کے تقاضے خاموش ہو جائیں۔ رضائے الٰہی اس کا مقصود ہو۔ وہ اپنے لئے رہنا چھوڑ دے' خدا کے لیے جینے لگے۔

---

[1] خیر المجالس (قلمی نسخہ) [2] کشف المحجوب۔ ص ۱۹

Marfat.com

خدا کے لیے جینا:

کہنے کو تو ایک معمولی سا جملہ ہے' لیکن اگر اس پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ارتقاء انسانیت کی آخری منزل بھی ہے۔"خدا کے لیے جینے" کے معنی یہ نہیں کہ انسان دنیا ومافیہا سے قطع تعلق کر لے اور ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر عبادت کرنے لگے۔ وہ شادی بھی کرے' کھائے بھی۔ اللہ کی مخلوق سے ملے بھی۔ لیکن اس طرح کہ وہ علائق کے ہجوم اور تعلقات کے ازدحام میں گرفتار ہو کر اپنے معبود حقیقی کو نہ بھول جائے۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے مستفید ہو۔ لیکن دنیا کی محبت اس کے دل میں جگہ نہ حاصل کرنے پائے۔ وہ ہر کام میں رضائے الٰہی کا طلب گار ہو خدا کے لیے جینا' نیت کا ایک زبردست انقلاب ہے۔ ایسا انقلاب جو انسانی زندگی کے مرکز ومحور کو بدل دیتا ہے۔ انسان کا ہر کام کسی اعلیٰ مقصد کی تکمیل کے لیے ہونے لگتا ہے۔ وہ دنیا کا ہر کام کرتا ہے۔ لیکن اس کی نیت عام انسانوں سے مختلف ہوتی ہے فوائد الفواد میں حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اور خیر المجالس میں حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دو حکایتیں نقل کی گئی ہیں جن سے بہتر' خدا کے لیے جینے' کے مفہوم کی وضاحت ممکن نہیں۔

ہفتہ کا دن ہے۔ اور ذیقعدہ (710ھ) کی ساتویں تاریخ۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے تفسیر امام ناصری رکھی ہوئی ہے۔ دین میں استغراق کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگتے ہیں:

> ایک بزرگ شیخ دریا کے کنارے رہا کرتا تھا۔ اس کی ایک عورت تھی۔ ایک روز عورت سے کہا کہ کھانا لے کر دریا کے پار جا' اس فقیر کو جو وہاں بیٹھا ہے دے آ۔ عورت نے کہا۔ پانی گہرا ہے' عبور کس طرح کروں گی۔ شیخ نے کہا: دریا کے کنارے جا کر کہنا کہ میرے شوہر کی حرمت سے جس نے کبھی مجھ سے صحبت نہیں کی مجھے راہ دے۔ عورت حیران رہ گئی اور اپنے دل میں کہا کہ اس سے میرے یہاں اتنے بچے پیدا ہوئے اور یہ کہتا ہے کہ میں نے صحبت ہی نہیں کی۔ آخر شوہر کے

Marfat.com

فرمان کے مطابق دریا کے کنارے پہنچی اور وہی کہا تو دریا نے راستہ دیا۔ اور وہ پار ہوگئی۔ وہاں پہنچ کر درویش کے سامنے کھانا رکھا۔ اس نے کھالیا تو عورت سوچنے لگی کہ آتی مرتبہ تو اس طرح آئی۔ اب جاؤں کس طرح۔ درویش نے پوچھا۔ کس طرح آئی تھی؟ عورت نے ساری بات کہہ سنائی۔ درویش نے کہا۔ اچھا اب جا کر یہ کہنا اے دریا اس شیخ کی حرمت سے جس نے تیس برس سے کسی قسم کا کھانا نہیں کھایا مجھے رستہ دے۔ عورت حیران رہ گئی کہ میرے سامنے ابھی اس نے کھانا کھایا ہے اور ابھی اس طرح کہتا ہے۔ خیر اس نے دریا کے کنارے ایسا ہی کیا۔ رستہ مل گیا اور اپنے شوہر کے پاس پہنچ گئی۔ اور کہا کہ مجھے ان دونوں باتوں کا بھید بتلا کہ تو نے کئی سال مجھ سے صحبت کی۔ اور اس درویش نے بھی میرے سامنے کھانا کھایا اور یہ دونوں جھوٹ باتیں کہہ کر میں نے دریا سے رستہ لیا۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ شیخ نے کہا: تجھے واضح رہے کہ میں نے ہوائے نفسانی سے کبھی تجھ سے صحبت نہیں کی۔ اسی طرح اس درویش نے بھی کبھی نفسانی طمع سے کھانا نہیں کھایا۔ بلکہ محض عبادت واطاعت کی خاطر اس لحاظ سے اس نے کبھی کھانا نہیں کھایا۔"

یہ حکایت بیان کرنے کے بعد حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"ایں بود معنی ہر دو سخن یعنی مردانِ خدا ہر چہ کنند برائے خدا کنند نیت شاں ہمہ حق باشد[1]

ان دونوں باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ مردان خدا کرتے ہیں وہ خدا کے لیے کرتے ہیں۔ ان کی نیت سب حق کی خاطر ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شیخ عبداللہ خفیف کا قصہ سُنایا کہ:

"شیخ عبداللہ خفیف کو کہیں دعوت میں بلایا گیا۔ وہاں قسم قسم کے کھانے تھے حلوائے لوزینہ سب کھانوں سے زیادہ شیخ کے قریب تھا۔ شیخ نے صحنک سے ایک لوزینہ اُٹھا

[1] فوائد الفواد۔

Marfat.com

کرنوش کیا۔اچھا معلوم ہوا۔لہٰذا دوسرا بھی اٹھا کر کھایا۔اس وقت خیال ہوا کہ یہ دوسرا لوزینہ خدا کے واسطے نہیں کھایا۔لذت کو کھایا کہ دل کو پسند آیا تھا۔ہنوزہ لوزینہ منہ میں تھا کہ شیخ نے اپنی زبان چاب لی۔ خون نکلنے لگا۔معتقدین پریشان ہوئے۔سبب دریافت کیا تو فرمایا۔میں نے پہلے ایک لوزینہ کھایا تھا بہت لذیذ تھا' دوبارہ پھر وہی کھایا۔خیال آیا کہ یہ کھانا خدا کے واسطے نہیں لذت کو تھا۔لہٰذا سزائے نفس کو اپنی زبان چاب لی ہے۔''[1]

جب زندگی اس طرح بسر کی جائے تو اس کی اساس ہی بالکل بدل جاتی ہے۔ انسان کا ہر کام عبادت بن جاتا ہے۔عبادت کے اسی مفہوم کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سمجھایا کہ ایک مرتبہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ کیا کہ اپنی ساری دولت راہِ خدا میں دے دیں' تو فرمایا: ''اے سعد! جو کچھ اس نیت سے خرچ کرو کہ اس سے خداوند تعالیٰ کی ذات مقصود ہے۔اس کا تم کو ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں دو اس کا بھی ثواب ہے۔'' ایک مرتبہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو مسعود انصاری سے فرمایا۔ مسلمان اگر ثواب کی نیت سے اپنی بیوی کا نفقہ پورا کرے تو وہ بھی صدقہ ہے۔'' یہ ہے خدا کے لیے جینا' اور یہ ہے نیت کا وہ انقلاب جو انسان کی زندگی میں ایک بنیادی تغیر پیدا کر دیتا ہے۔

جب خدا کے لیے جینے کا یہ وسیع مفہوم تسلیم کر لیا جائے تو پھر انسان کا ہر دنیوی کام عبادت بن جائے۔ بلکہ اس کی پوری زندگی ہی عبادتِ الٰہی ہو جائے۔

ویسی ہی عبادت جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

میں نے جنوں کو اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

صوفیہ کا کہنا ہے کہ زندگی صرف وہی ہے جو یادِ حق میں بسر کی جائے۔باقی سب سراب ہے اور دھوکا حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ زندگی تو

---

[1] خیر المجالس (قلمی نسخہ)

Marfat.com

عبارت ہی یادِ حق سے ہے۔

"حیات آنست کہ درویش بذکر حق مشغول باشد۔"[1]

اس کی وضاحت میں انھوں نے یہ قصہ بیان فرمایا جو بڑا نصیحت آموز ہے۔

"ایک درویش میرک نامی تھا۔ ایک اور درویش کو اس کی زیارت کا شوق ہوا اس درویش میں یہ کرامت تھی کہ جو خواب دیکھتا' سچ ہوتا۔ اس کی تعبیر عین وہی ہوتی تھی جو وہ دیکھتا تھا۔ جب اُسے اشتیاق غالب ہوا تو زیارت کے لیے راونہ ہوا۔ اثنائے راہ میں ایک منزل پر خواب میں سُنا کہ میرک گرامی فوت ہو گیا۔ صبح اُٹھ کر کہا کہ افسوس میں نے اتنی راہ اس کی زیارت کے لیے قطع کی اور وہ بھی مر گیا۔ اب کیا کرنا چاہیے۔ چلو وہاں چل کر اس کی قبر کی ہی زیارت کریں گے۔ وہاں پہنچ کر پوچھنا شروع کیا کہ میرک گرامی کی قبر کہاں ہے۔ سب نے کہا کہ وہ تو زندہ ہے اور تم قبر کی بابت پوچھتے ہو۔ وہ درویش حیران رہ گیا کہ میرا خواب جھوٹ کس طرح ہو گیا۔ الغرض میرک گرامی کے پاس جا کر سلام کیا۔ اس نے کہا۔ اے خواجہ فی الواقع تیرا خواب ٹھیک تھا۔ کیونکہ میں ہمیشہ یادِ خدا میں مصروف رہتا تھا۔ آج کی رات اس کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول ہو گیا تھا' پس عالم میں منادی ہو گئی کہ میرک گرامی مر گیا۔"[2]

محبت الٰہی کا اثر انسانی زندگی پر:

محبت الٰہی کا جذبہ جب انسان کے دل میں گھر کر لیتا ہے' تو فکر و عمل کا کوئی گوشہ اس سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

(1) محبت الٰہی کا سب سے بڑا اور گہرا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسانی زندگی میں "مرکزیت" پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ مرکزیت' نظام ربوبیت کی ایک شان اور خدا کی وحدانیت پر کامل ایمان کا لازمی نتیجہ ہے۔ شرک' انسانی فکر و عمل کی مرکزیت کو فنا کرتا ہے

[1] فوائد الفواد۔ ص ۲۰۔ [2] فوائد الفواد۔ ص ۲۰

Marfat.com

اس لیے کوئی انسانی گناہ اُس سے بڑھ کر شدید نہیں ہو سکتا پھر جو چیز اس کو مرکزیت کو جو ایمان کی اصلی شان ہے برقرار ہی نہیں بلکہ صحیح معنی میں پیدا کرتی ہے وہ محبت ہے۔

(2) اللہ سے سچی محبت کا رشتہ رکھنے والا انسان ہر وقت اپنے آپ کو اُس کی بارگاہ میں پاتا ہے۔ خدا کی موجودگی کا یقین اس کو اس طرح سے ہوتا ہے گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ میر خورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ خدا کی طرف اس محویت کے ساتھ متوجہ رہتے تھے گویا اس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

جب انسان' ذاتِ باری تعالیٰ کو اس طرح اپنے نزدیک محسوس کرنے لگتا ہے تو معصیت کی تمام راہیں اس کی زندگی میں بند کر دی جاتی ہیں۔ وہ گناہ کرنے کے قابل ہی نہیں رہتا ''مالک یوم الدین'' کا دربار ہر وقت اُس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ وہ اپنے محبوب میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ گناہ کرنے کی فرصت ہی اس کو نہیں ملتی۔

حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ صرف یہ علم کہ خدا دیکھ رہا ہے انسان کو معصیت سے روکتا ہے۔ [1]

''چوں بندہ عالم بود کہ خداوند بدو ناظر است' کارے نکند کہ ازو شرم دارد بقیامت۔'' [2]

جب بندہ یہ بات یقین کی رو سے جان جائے گا کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے تو وہ ہرگز

---

[1] شیخ ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی تشریح میں ایک قصہ لکھا ہے۔ بصرہ کا ایک رئیس اپنے باغ میں گیا۔ باغبان کی بیوی خوبصورت تھی۔ اس پر راغب ہو گیا۔ اور باغبان کو کسی کام سے باہر بھیج کر' عورت سے دروازے کرنے کے لیے کہا۔ عورت نے جواب دیا۔ سب بند کر دئے۔ ایک نہیں بند کر سکی۔ پوچھا۔ کہ وہ کون سا؟ جواب دیا'' درے کہ میان ما و خداوند ست'' رئیس پر اس جملہ کا اثر ہوا کہ فوراً استغفار پڑھی اور توبہ کی۔ کشف المحجوب۔ ص ۱۰

[2] کشف المحجوب۔ ص ۱۰

Marfat.com

ایسا کام نہ کرے گا جس سے اس کو قیامت کے دن خدا کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔

لیکن جب معبود حقیقی کی ذات ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہو' تو زندگی کے انقلاب کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

(3) جب محبت الٰہی کا پوری طرح غلبہ ہوتا ہے' تو انسان کی نظر میں سونا اور پتھر برابر ہو جاتا ہے۔[1] مادی دنیا کی کششیں اس کے لیے بے اثر ہو جاتی ہیں خیر المجالس میں لکھا ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک رات کو بارگاہِ خداوندی میں التجا کی کہ اے اللہ مجھے یہ بتا دے کہ بہشت میں میرا یار اور مصاحب کون ہوگا۔ آواز آئی۔ فلاں چرواہا' حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس چرواہے سے جا کر ملے اور کئی دن اس کا حال دیکھنے کے بعد پوچھا: تم پنج وقتہ نماز جماعت سے پڑھتے ہو۔ اس کے سوا کوئی کام ایسا نہیں کرتے جو اس قدر قبولیت کا باعث ہو۔ شاید یہ اعلیٰ مرتبہ جو تمہیں ملا ہے وہ تمہارے کسی باطنی معاملہ کے سبب سے ہے چرواہے نے جواب دیا۔ اے خواجہ جنید! میں ایک جاہل آدمی ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ معاملہ کس کو کہتے ہیں اور باطن کیا ہوتا ہے۔ البتہ مجھ میں دو خصلتیں ہیں ایک یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ ان سب پہاڑوں کو سونے کا کر دے اور میرے قبضہ تصرف میں ہوں' اور وہ سب میرے پاس سے جاتے رہیں تو مجھ کو اُن کے نہ ہونے کا رنج و غم نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی مجھ پر جفا کرے یا مجھ سے احسان وفا کرے تو میں وہ جفا و وفا اس کی طرف سے نہیں جانتا بلکہ یہ سب اللہ کی طرف سے جانتا ہوں۔"[2] یہ سب کیفیات محبتِ الٰہی سے پیدا ہوتی ہیں۔

(4) جب محبت الٰہی اس درجے پر پہنچ جائے کہ:

---

[1] ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم۔ ص ۱۶۸۔

[2] المجالس (قلمی نسخہ۔ مجلس ہفتم) اُردو ترجمہ (مطبوعہ) ص ۲۷

Marfat.com

وکنت الی المحبوب امری کلہ فان شاء احیانیٰ ان شاء اتلفا

میں نے اپنا کام اپنے محبوب کے حوالہ کیا' خواہ اب وہ مجھے زندہ رکھے یا مار ڈالے۔

تو انسان میں توکل واستغنا کی ایک عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب دنیا کی جاہ وحشمت' دولت وثروت اُس کے سامنے آتی ہے تو وہ یہ کہہ کر منہ موڑ لیتا ہے:

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ

کیا اللہ بندے کے لیے کافی نہیں۔

اللہ کی ربوبیت پر کامل ایمان رکھنے والا انسان اپنے رزق کی طرف سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کے اس وعدے پر پورا یقین رکھتا ہے کہ

مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجاً وَّیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ وَمَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسۡبُہٗ

جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اُس کے لیے راستہ نکالتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق فراہم کرتا ہے جہاں کسی کا سان گمان بھی نہیں ہوتا' جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اُس کے لئے کافی ہے۔

یہ ہی وہ یقین ہے جو اس کو دارا وسکندر سے اونچا اٹھا دیتا ہے۔ اقبال نے سچ کہا ہے:

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا وجم

کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ نے ایک فقیر سے کہا کہ مجھ سے کچھ مانگ جواب دیا میں اپنے غلاموں کے غلام سے کیا مانگوں۔ بادشاہ نے کہا۔ یہ کیا کہا۔ غلاموں کا غلام کیسا۔ جواب دیا:

مرا دو بندہ اند' کہ آں ہر دو خداوندان تو اند یکے حرص ودیگر امل [1]

میرے دو بندے ہیں اور وہ دونوں تیرے آقا ہیں۔ ایک حرص دوسرے امید۔

1 کشف المحجوب۔ ص ۱۶۔۱۵

Marfat.com

انسانی کردار کے نشو ونما اور تشکیل میں اس احساس کا کہ وہ اپنی روزی کے لیے کسی دنیوی طاقت کا محتاج ہے' بڑا مہلک اثر پڑتا ہے۔ "تعمیر خودی" اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک انسان اپنے پورے ایمانی جذبہ کے ساتھ حق تعالیٰ کو اپنا روزی رساں نہ مان لے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر اللہ کی محبت' انسان کے دل میں جاگزیں ہو جائے تو اس کی زندگی کا سانچہ ہی بدل جائے۔ فکر وعمل کی بلندی' خدمتِ خلق' راست بازی اور سچائی' کتنی خوبیاں ہیں جو صرف اسی جذبہ کا نتیجہ ہیں۔

محبتِ الٰہی کی عملی راہ:

یہ حقیقت تسلیم کر لینے کے بعد کہ ایمان باللہ کا نتیجہ اللہ کی محبت ہے' یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بندے کے لیے خدا کی محبت کی عملی راہ کیا ہے؟ مولانا ابوالکلام آزاد' ترجمان القرآن میں فرماتے ہیں:

> "خدا کی محبت کی راہ اس کے بندوں کی محبت میں سے ہو کر گزری ہے۔ جو انسان چاہتا ہے خدا سے محبت کرے اُسے چاہیے' خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے:
>
> وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ (۲:۱۷۷) وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ٥ اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا ٥ (۷۶:۸)
>
> اور جو اپنا مال اللہ کی محبت میں نکالتے اور خرچ کرتے ہیں۔ اور اللہ کی محبت میں وہ مسکینوں' یتیموں' قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اور (کہتے ہیں ہمارا یہ کھانا کھلانا' اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ محض اللہ کے لیے ہے۔ نہ تو ہم تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ کسی طرح کی شکرگزاری" [1]

احادیثِ نبوی ﷺ میں متعدد جگہ محبت کی عملی راہ پر زور دیا گیا ہے۔ حضرت ابی ہریرہ

---

[1] ترجمان القرآن۔ جلد اول۔ ص ۸۱

Marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن ایسا ہوگا کہ خدا ایک انسان سے کہے گا' اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تھا' مگر تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ بندہ متعجب ہو کر کہے گا بھلا ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے اور تو تُو رب العالمین ہے۔ خدا فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ تیرے قریب بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی خبر نہیں لی تھی۔ حالانکہ اگر تو اس کی بیمار پرسی کے لیے جاتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا۔ (یعنی اس کی خدمت کرنے ہی میں میرے لیے خدمت گزاری تھی) اسی طرح خدا فرمائے گا' اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا' مگر تو نے مجھے نہیں کھلایا' بندہ عرض کرے گا بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ تجھے کسی بات کی احتیاج ہو؟ خدا فرمائے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے انکار کر دیا تھا۔ اگر تو اُسے کھلاتا تو تو مجھے اُس کے پاس پاتا۔''[1]

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ ایک بدوی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے وہ کام سکھایئے جو مجھے جنت میں لے جائے فرمایا:

''انسان کو غلامی سے آزاد کر' انسان کی گردن کو قرض کے بندھن سے چھڑا اور ظالم رشتہ دار کا ہاتھ پکڑ' اگر تو یہ نہ کر سکے تو بھوکے کو کھلا اور پیاسے کو پلا۔ اور نیکی بتا اور برائی سے روک' اگر یہ بھی نہ کر سکے تو بھلائی کے سوا اپنی زبان روک۔''[2]

صوفیہ کرام نے محبت الٰہی کی اس عملی راہ کو اختیار کیا تھا۔ اُن کی زندگیاں خدمتِ خلق کے لیے وقف تھیں۔ وہ دن رات انسانی دلوں کو ایک رشتہ الفت میں پرونے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ کسی کو تکلیف میں دیکھتے تو دل پریشان ہو جاتا۔ بھوکوں کا خیال آتا تو لقمے حلق میں اٹکنے لگتے۔ ملفوظات مشائخ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ خدمتِ خلق کو اِن بزرگوں نے اپنی زندگی کا اہم ترین فریضہ بنالیا تھا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ

[1] مسلم عن ابی ہریرۃ۔ [2] ادب المفرد امام بخاری باب من لا یوذی جارہ۔

Marfat.com

تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے بازار میں دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ کسی چیز کی قدر نہ ہوگی [1] میر خورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

"می فرمود کہ مرا در واقعہ کتابے دادند در آں مسطور بود تا توانی راحتے بدلے می رساں کہ دل مومن محل اسرار ربوبیت است' بزرگے خوش گوید۔ بیت۔ میلسوش کہ راحتے بجانے برسد یا دست شکستہ بنانے برسد می فرمود کہ در بازار قیامت ہیچ کالائے را آنچناں رواج نخواہد بود کہ دریافت دلہارا۔" [2]

فرمایا کہ مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی جس میں لکھا ہوا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچا کیونکہ مومن کا دل اسرار ربوبیت کا محل ہے ایک بزرگ نے کیا خواب کہا ہے۔ میکوش کہ راحتے بجانے برسد یا دست شکستہ بنانے برسد اور فرمایا کہ قیامت کے بازار میں کوئی اسباب اتنا مروج اور قیمتی نہ ہوگا۔ جتنا دلوں کو راحت پہنچانا۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حقیقت کو مختلف انداز میں متعدد جگہ سمجھایا ہے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

اطاعت دو طرح کی ہوتی ہے۔ لازمی اور متعدی۔ لازمی وہ ہے جس کا نفع صرف کرنے والے کی ذات' کو پہنچے' اور یہ نماز' روزہ' حج ورد اور تسبیح ہے۔ متعدی وہ ہے جس سے اوروں کو فائدہ پہنچے' انفاق' شفقت' غیر کے حق میں مہربانی کرنا وغیرہ اسے متعدی اطاعت کہتے ہیں۔ اس کا ثواب بے شمار ہے۔" [3]

خود حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیاتِ طیبہ اس اطاعتِ متعدی کی بہترین مثال ہے۔ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک عزیز' خواجہ عزیز الدین' ایک دعوت میں شرکت کرنے کے بعد حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دریافت کیا کہاں تھے۔ عرض کیا' ایک دعوت میں گیا تھا۔

---

[1] سیر الاولیا۔ ص ۱۲۸ [2] سیر اولیا۔ ص ۱۲۸

[3] فوائد الفواد۔ ص ۱۴' ۱۳

Marfat.com

وہاں لوگ یہ کہتے تھے:

خدمت شیخ نظام الدین عجب فراغ باطنی دارد و اوراہیچ غمے و اندیشہ ایں جہاں نیست۔
شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بڑا فراغ باطنی حاصل ہے۔ انھیں اس جہاں کا کوئی غم اور فکر نہیں ہے۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

''ایں قدر و غم و اندوہ کہ مرا ہست ہیچ کس را دریں جہاں نیست۔ زیرا کہ چندیں خلق می آیند و غم و اندوہ خویش میں گویند' آں ہمہ بر دل و جان من می نشیند۔ عجب دے باشد کہ غم برادر مسلمان بشنو و در و ے اثر تکند۔''[1]

جس قدر غم و اندوہ مجھے رہتا ہے' کسی کو اس جہان میں نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ اتنی مخلوق میرے پاس آتی ہے' اور اپنے رنج اور تکلیف بیان کرتی ہے۔ ان سب کا بوجھ میرے جان و دل پر پڑتا ہے وہ عجب دل ہوگا' جو مسلمان بھائی کا غم سنے اور اس پر اثر نہ ہو۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی پوری زندگی خلق کی اسی دردمندی میں گزری۔ وہ اپنے پرائے سب کا غم کھاتے تھے۔ ہر شخص کی پریشانی کو دور کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ لوگ جب اپنی درد بھری داستانیں سناتے تو ان کا دل بے چین ہو جاتا جس طرح ممکن ہوتا ہر آنے والے کی دل جوئی کرتے۔ دشمن بُرا بھلا کہتے' گالیاں دیتے' لیکن اُن کے دل پر میل نہ آتا' بلکہ یہ شعر گنگنانے لگتے:

ہر کہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد
ہر کہ مارا یار بنود ایزد اور را یار باد
ہر کہ خارے افگند در راہ ما ز دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد[2]

ان کا یقین تھا کہ اگر برائی کا بدلہ برائی ہی سے دیا جائے تو یہ دنیا انسانوں کی بستی

[1] خیر المجالس (قلمی نسخہ) مجلس اسی و یکم۔ [2] فوائد الفواد۔ ص ۸۶۔ سیر الاولیاص۔ ۵۵۴

Marfat.com

نہ رہے۔ایک دن فرمانے لگے۔

یکے خار نہد وتو ہم خار نہی۔ایں خار خار باشد.........میاں مردماں ہم چنین است کہ بالغزاں نغزی باکوزاں کوزی' امامیان درویشاں ہم چنیں نیست کہ بالغزاں نغزی باکوزاں ہم نغزی۔[1]

اگر کوئی کانٹا رکھے اور تو بھی اس کے عوض کانٹا رکھے تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔عام لوگوں میں تو یہ دستور ہے کہ نیک کے ساتھ نیک اور بد کے ساتھ بد ہوتے ہیں' لیکن درویشوں میں یہ دستور نہیں۔یہاں نیک و بد دونوں کے ساتھ نیک ہونا چاہیے۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

"نفس است وقلب است ہرگاہ کہ کسے بنفس پیش آید وایں کس می باید کہ بقلب پیش آید یعنی در نفس ہمہ خصومت وغوغا وفتنہ ودر قلب سکوت ورضا وملاطفت پس چوں کسے بنفس پیش آید وایں کس بقلب پیش آید نفس مغلوب شود اما اگر کسے مقابلہ نفس ہم بنفس پیش آید پس خصومت وفتنہ را حد کجا است۔[2]

دو چیزیں ہیں۔ایک نفس دوسرے قلب۔جب کوئی نفس سے پیش آئے تو اس سے قلب سے پیش آنا چاہیے۔یعنی نفس میں دشمنی' غوغا اور فتنہ ہے۔اور قلب میں سکوت' رضا اور نرمی۔پس جب کوئی نفس (دشمنی) سے پیش آئے تو قلب (نرمی) سے پیش آنا چاہیے اس طرح نفس (دشمنی) مغلوب ہو جائے گا۔لیکن اگر کوئی نفس سے پیش آئے اور دوسرا بھی اس کا مقابلہ نفس سے کرے تو پھر دشمنی اور فتنہ کی کوئی حد نہیں رہتی۔

فوائد الفوائد میں قدم قدم پر یہ ہی تلقین ہے۔حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر ہر موقع پر اپنے مریدین کو سمجھایا ہے کہ اس دنیا میں فوز و کامرانی کے الفاظ اُس وقت تک شرمندہ معنی نہیں ہو سکتے جب تک انسان خدمتِ خلق کو اس طرح اپنی زندگی کا مقصد نہ

---

[1] فوائد الفوائد ص ۸۷ [2] فوائد الفوائد ص ۱۲۴

Marfat.com

بنالے کہ برائی کا خیال ہی اس کے دل میں نہ آئے۔ دنیا جفا کرے اور وہ وفا کرے' دنیا تکلیف پہنچائے تو وہ راحت کا سامان بن جائے۔ لوگ اس کو برا کہیں تو ابرو پر شکن نہ آئے۔ بلکہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

''اگر میاں دو کس آزادے باشد سبیل آنست کہ ایں کس از طرف خود درونہء خود صاف کند' چوں ایں کس درونہء خود از عداوت پاک کند' البتہ از جانب او ہم آزار کم شود''۔[1]

اگر دو آدمیوں میں جھگڑا اور رنجش ہو' تو طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنا دل بالکل پاک و صاف کرے۔ جب ایک شخص اپنا باطن عداوت سے پاک کرے گا' تو دوسرے کی طرف سے بھی آزار کم ہو جائے گا۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ برا کہنا برا ہے لیکن برا چاہنا اس سے بھی برا ہے۔

بد گفتن اندک است اما بد خواستن ازاں بدتر است۔[2]

برا کہنا' برا چاہنے کے مقابلے میں کم برا ہے۔ برا چاہنا بدتر ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ کچھ لوگ آپ کو بر سر منبر برا کہتے ہیں اور ہم ایسا سننے کی تاب نہیں رکھتے۔ فرمایا' میں نے ان سب کو معاف کر دیا۔ تم بھی معاف کر دو۔

''من آں از ہمہ عفو کردم چہ جائے آنست کہ کسے بعداوت مردم مشغول شود و ہر کہ مرا بد گفت از دعفو کردم۔ اکنوں باید کہ شما عفو کنید وایں نوع مذاکرہ دیگر بار مکنید...... مردم ازیں بد گفتہا چہ رنجد چوں گفتہ اند کہ صوفی آنست کہ مال او سبیل است و خون او مباح است۔ چوں ہم چنیں است از بد گفتن چہ باک است' چرا خصومت می باید کرد۔''[3]

میں نے ان تمام لوگوں کو معاف کر دیا ہمارا شیوہ یہ نہیں ہے کہ کسی کی عداوت میں مشغول ہوں' جس نے مجھے برا اور ناسزا کہا ہے۔ میں نے اُسے معاف کر دیا۔ تمہیں بھی چاہیئے کہ ان لوگوں کو معاف کر دو۔ اور اس قسم کا مذاکرہ دوبارہ نہ کرو

[1] سیرۃ الاولیا ص ۵۵۵ [2] سیرۃ الاولیاء ص ۵۵۴ [3] سیرۃ الاولیا ص ۵۵۵-۵۵۴

Marfat.com

..........آدمیوں کو اس قسم کی بدگوئیوں اور برائیوں سے رنجیدہ نہ ہونا چاہیے۔ چونکہ کہا گیا ہے کہ اصل میں صوفی وہ شخص ہے جس کا مال وقف اور خون مباح ہو۔ اور جب یہ ہے تو پھر اسے کسی کی بدگوئی اور (غیبت) سے کیا خوف ہو اور کسی سے خصومت کیوں رکھے۔

کچھ حاسد اور تنگ دل لوگوں نے یہاں تک جرات کی کہ خانقاہ میں آ کر حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے منہ پر اُن کو بُرا بھلا کہا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سب کچھ سنا، لیکن زبان سے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ ایک دن فرمانے لگے۔

"معاملہ خلق بر خلق سہ قسم است قسم اول آنست کہ ازیں کس بدیگرے نہ منفعت برسد و نہ مضرت، حکم ایں کس حکم جماد باشد، قسم دوم ازیں بہتر کہ بدیگرے منفعت برسد زمضرت۔ قسم سیوم از ہر دو خوشتر است کہ ازیں کس بدیگرے منفعت رسد داگر اورا مضرت رسانند او مکافات نکند و تحمل کند و حلم ورزد و ایں کار صدیقانست۔"[1]

لوگوں کے آپس میں معاملہ کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ ایک شخص سے دوسرے کو نہ فائدہ پہنچے نہ نقصان ایسا شخص جماد کا حکم رکھتا ہے۔ دوسری قسم اس سے بہتر ہے اس میں وہ لوگ شامل ہیں جن سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے، نقصان نہیں پہنچتا۔ تیسری قسم جو پہلی دونوں قسموں سے بہتر ہے وہ یہ ہے کہ اس سے دوسروں کو ہمیشہ فائدہ پہنچتا ہے، اگر لوگ اسے مضرت پہنچاتے ہیں تو وہ اس کی پاداش و مکافات کا خیال نہیں کرتا بلکہ تحمل کرتا ہے اور تکلیفوں کو سہتا ہے اصل میں یہ کام صدیقوں کا ہے۔

مصیبت زدوں اور غریبوں سے سچی ہمدردی صرف وہی کر سکتا ہے جو مصیبت اور غربت کی تمام تکلیفوں کو اپنے اوپر طاری کر سکتا ہو، جس کو پیٹ بھر کر کھانا ملے وہ فاقہ زدوں کی حالت کا کیا اندازہ لگا سکتا ہے، جس کو زندگی کی تمام آسائشیں میسر ہوں وہ کس طرح حاجت مندوں کی بے چینی اور تکلیف کا احساس کر سکتا ہے! حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی کے واقعات شاہد ہیں کہ اُن کی اخلاقی تعلیم زبان تک محدود نہ تھی۔ وہ ان

---

[1] فوائد الفوائد ص ۹۱۔

Marfat.com

اخلاقی اصولوں کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ ایک دن حاضرین کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ سائے میں جگہ نہ رہی۔ لوگ دھوپ میں بیٹھنے لگے۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طبیعت بے چین ہو گئی۔ فرمایا۔

"ذرا پاس پاس ہو بیٹھو۔ تاکہ وہ بھی سائے میں بیٹھیں۔ کیونکہ دھوپ میں بیٹھے تو وہ ہیں اور جلتا میں ہوں۔"

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ لیکن اس طرح کہ شاذونادر ہی کبھی سحری کھائی ہو۔ خواجہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کے ذمہ سحری کا حضرت کی خدمت میں پیش کرنا مقرر تھا عرض کرتے۔ مخدوم! آپ نے افطار کے وقت بہت ہی کم کھانا تناول فرمایا ہے۔ اگر سحری کے وقت بھی تھوڑا سا کھانا تناول نہ کریں گے تو ضعف بڑھ جائے گا اور طاقت سلب ہو جائے گی۔ خواجہ عبدالرحیم کی یہ بات سُن کر حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زاروقطار رونے لگتے اور فرماتے:

"چندیں مسکیناں و درویشاں در کنجہائے مساجد و دوکانہا گرسنہ و فاقہ زدہ افتادہ اند' ایں طعام در حلق من چگونہ فرو رود" [1]

بہت سے مساکین اور درویشوں مسجدوں کے کونوں اور دکانوں میں بھوکے اور فاقہ زدہ پڑے ہوئے ہیں۔ بھلا یہ کھانا میرے حلق میں کس طرح اُتر سکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حقیقی تصوف' خدمتِ خلق کا دوسرا نام ہے۔ مشائخ نے محبتِ الٰہی کو خدمت خلق ہی کے ذریعہ تلاش کیا تھا۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مدینہ کی گلیوں میں 'حق' کو پایا ہے۔ ان سے پوچھا گیا' کیسے؟ جواب دیا:

روزے در بازار مدینہ می رفتم۔ شکستگانے دیدم از غایت شکستگی کہ صفت نتواں کرد بر ایشاں رحم آمد' خواستم کا با ایشاں باشم و موانست بگیرم' در صحبت ایشاں بودم' پنداشتم کہ خدا با شکستگاں است۔" [2]

---

[1] سیرۃ الاولیاء ص ۱۲۸ [2] سیرۃ الاولیاء ص ۵۵۹۔۵۵۸

Marfat.com

ایک دن میں مدینہ کے بازار میں چلا جارہا تھا کہ چند خستہ حال لوگوں کو دیکھا جن کی پریشان حالی کی کیفیت بیان نہیں ہوسکتی۔ مجھے ان پر رحم آیا اور چاہا کہ میں بھی اُن کے ساتھ رہوں اور اُن سے موانست اختیار کروں چنانچہ اُن کی صحبت میں رہا اور سمجھ گیا کہ خدا خستہ حالوں کے ساتھ ہے۔

صوفیہ اور تعلیم اخلاق:

خدمتِ خلق کے معنی صرف یہ ہی نہیں کہ چند بھوکوں کا پیٹ بھر دیا جائے یا چند حاجت مندوں کی ضرورت کو پورا کر دیا جائے۔ بلکہ اس سے زیادہ اہم بھی ایک کام ہے اور وہ یہ کہ لوگوں کو برائی سے روکا جائے اور بھلائی کی طرف بلایا جائے۔ مسند میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا۔

''میں ان لوگوں کو پہچانتا ہوں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید ہیں' لیکن قیامت میں اُن کے مرتبہ کی بلندی پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا سے محبت ہے اور جن کو خدا پیار کرتا ہے' وہ اچھی باتیں بتاتے اور بُری باتوں سے روکتے ہیں۔''

بنی نوع انسان کے اخلاق کی درستگی کے لیے جدوجہد وہ کام ہے جس کے لیے پیغمبر مبعوث کیے گئے ہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

بعثت لا تمم حسن الا خلاق

میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

قرآن میں پیغمبرانہ فریضہ کے متعلق فرمایا جاتا ہے۔

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ [1]

---

[1] ابن درید (المتوفی 321ھ) نے ''حکمت'' کے یہ معنی لکھے ہیں۔

فکل کلمة وعظتک اوزجرتک او وعتک الی مکرمة اونهتک من قبیح فهی حکمة وحکم. جمہرۃ اللغت ج ۲ ص ۱۲۸۔ (حیدرآباد) ''ہر وہ بات جو تجھ کو سمجھائے یا تجھ کو تنبیہ کرے یا کسی اچھی خصلت کی طرف بلائے' یا کسی بُری چیز سے روکے وہ حکمت اور حکم ہے۔''

Marfat.com

پیغمبر اُن اَن پڑھ جاہلوں کو) پاک و صاف کرتا اور ان کو کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔

قرآن مجید اور احادیث قدسی میں جگہ جگہ انسانی اخلاق کی درستگی کی ضرورت اور اہمیت کو ذہین نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے سورہ بقرہ میں ہے۔

''نیکی یہی نہیں ہے کہ تم نماز میں اپنا منہ پورب یا پچھم کی طرف کرو' بلکہ اصلی نیکی اس کی ہے جو خدا پر' قیامت پر' فرشتوں پر' کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لایا اور مال کی خواہش کے باوجود (یا خدا کی محبت کے سبب سے) اپنا مال رشتہ داروں کو' یتیموں کو' غریبوں کو' مسافر کو' مانگنے والوں کو' اور غلاموں کو آزاد کرنے میں دیا اور نماز ادا کرتا رہا اور زکوٰۃ دیتا رہا' اور جو وعدہ کر کے اپنے وعدے کو پورا کرتے ہیں اور جو مصیبت تکلیف اور لڑائی میں ثابت قدم رہتے ہیں' یہی ہیں جو راستباز ہیں۔ اور یہی تقویٰ والے ہیں۔''

ارشادِ نبوی ہے کہ مسلمانوں میں کامل ایمان اُس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔ (**اکمل المومنین ایمانا احسنهم خلقًا**) تمام مذہبی عبادات کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان میں اچھے اخلاق پیدا ہوں۔ حدیث شریف میں ہے ''جس کی نماز اس کی برائی اور بدی سے نہ روکے تو ایسی نماز اس کو خدا سے اور دور کر دیتی ہے۔''[1] ایک جگہ فرمایا جاتا ہے کہ انسان حسن خلق سے وہ درجہ پا سکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے:

ان الرجل ليدرك بحسن خلقه درجة قائم اليل و صائم النهار.

تصوف کی تعریفوں کو اگر ایک جگہ جمع کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بیشتر تعریفیں ایسی ہیں جن میں تصوف کو اخلاق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مشائخ کے نزدیک تصوف کا مقصد یہ ہے کہ انسان خود اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرے اور دنیا کے دوسرے بسنے والوں کو مادی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک و صاف کرے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ تعلقات میں

[1] احیاء العلوم۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

Marfat.com

شگفتگی پیدا کرنا' ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا' برائی سے بچانا' بھلائی کی طرف بلانا۔ یہ وہ کام ہیں جو عبادت سے زیادہ اہم ہیں۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے۔

"بہت نماز پڑھنا اور وظائف میں بکثرت مشغول رہنا۔ قرآن مجید کی تلاوت میں بہت مصروف رہنا' یہ سب کام چنداں مشکل نہیں ہیں۔ ہر باہمت شخص کر سکتا ہے بلکہ ایک ضعیف بڑھیا بھی کر سکتی ہے۔ روزہ پر مداومت کر سکتی ہے۔ تہجد گذاری میں مصروف رہ سکتی ہے۔ قرآن مجید کے چند پارے پڑھ سکتی ہے۔ لیکن مردان خدا کا کام کچھ اور ہی ہے۔"[1]

مشائخ متقدمین کی نظر میں تصوف ایک اخلاقی پروگرام کا نام تھا جس میں اپنے نیز دوسروں کے اخلاق کی درستگی کو زندگی کا سب سے اہم فرض سمجھا جاتا تھا۔ حضرت شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے۔

لیس التصوف رسوما ولا علوما ولکنه اخلاق[2]

تصوف رسوم اور علوم کا نام نہیں ہے' بلکہ اخلاق کا نام ہے۔

حضرت شیخ محمد بن قصاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہا کرتے تھے۔

التصوف اخلاق کریمة ظهرت فی زمان کریم من رجل کریم مع قوم کریم.[3]

تصوف اخلاق کریمہ ہیں جو بہتر زمانہ میں بہتر شخص سے بہتر قوم کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں۔

حضرت محمدؒ بن علی بن حسین بن علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن ابی طالب کا قول ہے:

تصوف خلق فمن زاد علیک فی الخلق زاد علیک فی التصوف[4]

---

[1] سیر الاولیا۔ ص ۳۵۰۔ [2] کشف المحجوب۔
[3] رسالہ قشیریہ۔ [4] کشف المحجوب۔

Marfat.com

تصوف خوش اخلاقی کا نام ہے یعنی جو شخص زیادہ کرتا ہے صوفی زیادہ ہوتا ہے۔

حضرت شیخ مرتعش فرماتے ہیں:

التصوف حسن الخلق[1]

تصوف خلق نیک کا نام ہے۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تصوف راہِ صدق و اخلاق حسنہ کا نام ہے۔[2]

صوفیہ کرام کے حالاتِ زندگی اور تصوف کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اسلامی تصوف' نفوسِ انسانی کو مادی نجاستوں سے پاک کرنے اور اعلیٰ اخلاق و کردار پیدا کرنے کی ایک عظیم الشان تحریک تھی۔ صوفیہ نے کارِ نبوی کو جاری رکھا۔ اور بنی نوع انسان کے اخلاق و اطوار' فکر و عمل کو درست کرنے کی کوششیں کیں۔ مشائخ متقدمین کے ملفوظات' تعلیم اخلاق کی سلسبیل و کوثر ہیں۔ جن کی خاموش روانی دلوں کو بے اختیار اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور دلوں میں اچھے عمل کا جذبہ اور ولولہ جوش مارنے لگتا ہے۔ ان بزرگوں کی کوشش صرف یہ ہی نہ تھی کہ انسان کے ظاہری اعمال درست ہو جائیں بلکہ وہ چاہتے تھے کہ برائی کے سوت ہی بند ہو جائیں۔ انسان کا دل برائی کی طرف راغب ہی نہ ہو کہ دل کی نجاست' جسم کی نجاست سے بدرجہا بری ہے۔

حضرت شیخ رکن الدین ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''جنابت بر دو نوع است' جنابت دل ست و جنابت تن و جنابت تن از صحبت با زن حاصل شود و جنابت دل بصحبت ناہموار' جنابت تن پاک بآب شود' اما جنابت دل بآب دیدہ محو گردد[3]

جنابت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک جنابت دل کی۔ دوسری جنابت بدن کی۔ بدن کی جنابت وہ ہے جو عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے حاصل ہو۔ اور دل کی جنابت

---

1. کشف المحجوب۔ 2. خیر المجالس (مجلس ۱۴ قلمی نسخہ)
3. اخبار الاخیار۔ ص ۶۴

Marfat.com

نالائقوں کی صحبت سے ہوتی ہے بدن کی جنابت تو پانی سے پاک ہو جاتی ہے لیکن دل کی جنابت آنسوؤں سے دھوئی جاتی ہے۔

صوفیہ کرام کی زندگیوں کا جو پہلو سب سے زیادہ توجہ کا مستحق ہے وہ اُن کی تعلیم اخلاق ہے۔ جن مصنفین نے اوراد و وظائف اور کشف و کرامات کے افسانوں کو مرکزی اور بنیادی حیثیت دے دی ہے۔ انھوں نے تصوف کی حقیقت کو سمجھنے اور سمجھانے میں بڑی رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں۔ خواجہ اجل شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ واقعہ جو حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بار اپنی مجلس میں بیان فرمایا۔ مشائخ متقدمین کے لائحہ عمل، طریق کار اور مقصدِ حیات کا بہترین آئینہ دار ہے۔ فرماتے ہیں:

”ایک شخص خواجہ اجل شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں آیا اور مرید ہو کر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حکم کا منتظر تھا کہ اب مجھے نماز یا ورد بتلاتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے صرف یہ کہا کہ جو بات اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہ اوروں کے لیے بھی پسند نہ کر اور اپنے لیے اس بات کی خواہش کر جس کی اوروں کے لیے خواہش کرتا ہے۔ مدت بعد جب وہ شخص پھر حاضر خدمت ہوا تو عرض کی کہ میں فلاں روز آپ کا مرید ہوا تھا اور منتظر تھا کہ آپ مجھے نماز یا ورد کی بابت فرمائیں گے۔ لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ اب بھی میں اسی بات کا منتظر ہوں۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا' اُس روز تجھے کیا سبق دیا تھا۔ مرید حیران رہ گیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسکرا کر فرمایا' اس روز میں نے کہا تھا کہ جو بات اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہ دوسروں کے لیے بھی نہ کر اور اپنے لیے اسی بات کی خواہش کر جس کی اوروں کے لیے کرتا ہے۔ چونکہ تو نے پہلا سبق یاد نہیں کیا' اب میں دوسرا سبق کس طرح سکھاؤں۔“[1]

حقیقت یہ ہے کہ تصوف' نام ہی خدمتِ خلق اور تعلیم اخلاق کا ہے۔ ہمارے

[1] فوائد الفواد۔ ص ۸ (اردو ترجمہ ص ۶)

Marfat.com

مشائخ متقدمین نے اس کو یہی سمجھا تھا اور اسی کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔

ارتقاء روحانی:

محبت الٰہی' خدمت خلق۔ تعلیم اخلاق۔ ان سب کا نتیجہ کیا ہے؟ صوفیہ کا کہنا ہے کہ ان سب کا نتیجہ ''ارتقاء روحانی'' ہے۔ ''ارتقاء روحانی'' کی وضاحت مولانا ابوالکلام آزاد کی زبانی سنیے کہ اس سے بہتر وضاحت ممکن نہیں۔ فرماتے ہیں:

> ''فی الحقیقت وہ ''قانون ارتقاء'' جو لامارک' بلیر' ابن مسکویہ اور ڈراون نے دریافت کیا ہے۔ صرف مخلوقات کے جسم ہی تک محدود ہے۔ وہ کچھ نہیں بتلاتا کہ ارتقاء کی یہ زنجیر ہیکل انسانی کی کڑی تک پہنچ کر پھر کہاں چلی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد ارتقاء کے منازل باقی رہتے ہیں یا نہیں؟ لیکن وہ قانون ارتقاء جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا وہ بتلاتا ہے کہ بلاشبہ انسانیت کے مرتبہ تک پہنچنے کے بعد ''ارتقاء جسمی'' تو ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کے بعد ایک ''ارتقاء روحانی'' کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور جسم حیوانی کو انسان کا ہیکل اختیار کرنے کے بعد بھی انسان بننے کے لیے بہت کچھ بننا اور ترقی کرنا باقی رہتا ہے۔
>
> **یَرۡفَعِ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ (۵۸:۱۱)**
>
> جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جن لوگوں نے علم حق حاصل کیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے مدارج کو ترقی دیتا ہے اور ارتقاء بخشتا ہے۔

یہی مدارج ہیں جو اولیاء اللہ اور اصحاب الجنہ کے ذہاب اللہ کی مختلف منزلیں ہیں۔ ایمان باللہ اور محبت الٰہی اس ارتقاء روحانی کی اصل ہے۔ اور ارتقاء انسانی کے معنی یہ ہیں کہ اللہ پر ایمان وایقان ترقی کرے' اور اللہ کی ولایت اور دوستی اپنے اونچے مرتبوں اور مقاموں تک بلند ہو جائے۔

Marfat.com

اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ (۳۵:۱۱)

کلمات طیبہ اور صالح اللہ ہی کی طرف بلند ہوتے ہیں اور وہ عمل صالح کرنے والوں کو ارتقاء بخشتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں دو چیزیں بیان کی ہیں "**کلم الطیب**" اور "عمل صالح" پس انسانیت کی تکمیل اور ارتقاء کی بنیاد بھی یہی دو چیزیں ہیں۔ "**کلم الطیب**" سے مقصود ایمان باللہ ہے اور "عمل صالح" سے مقصود انسان کے وہ تمام کام جو صحت و اصلاح اور عدل وحقیقت کے مطابق ہوں' فرمایا کہ ایمان باللہ صعود کرتا ہے اور بلند ہوتا ہے اور عمل صالح کو خدا اونچے درجوں تک لے جاتا ہے۔[1] تصوف اور صوفیہ کرام کے مقصد حیات کے متعلق جو گفتگو گذشتہ صفحات میں ہم نے کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صوفیہ کرام نے محبت الٰہی کو اپنا مقصدِ حیات قرار دیا تھا۔ خدمت خلق کو انھوں نے اس مقصد کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ اس کا صلہ "ارتقاء روحانی" کی شکل میں ان کو ملا۔ اور یہ "ارتقاء روحانی" انسانیت کی تکمیل تھی۔

---

[1] اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان" (طبع ثانی 1939ء لاہور) ص ۵۵'۵۴

Marfat.com

(2) تصوف اِسلام کی تاریخ

تصوف کے مطالعہ کے لیے ضروری ہے کے اسلامی سماج اور سیاست کے بدلتے ہوئے تقاضوں اور رجحانات پر پوری طرح توجہ کی جائے تا کہ اگر ایک طرف صوفیہ کے کام کی نوعیت تاریخ کے پس منظر میں واضح ہو جائے تو دوسری طرف اُن کے دینی و مذہبی خیالات کے نشو ونما کے اصل محرکات کا پتہ بھی چل جائے۔ صوفیہ کے افکار واعمال میں حالاتِ گردوپیش کا ردعمل تلاش کرنا ازبس ضروری ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم تاریخ کو اپنا رہبر بنا کر حالات کا تجزیہ نہ کریں۔

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کا سیاسی وسماجی نظام:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سیاسی نظام ترتیب دیا تھا وہ مکمل طور پر اسلام کے اصول مساوات کا آئینہ دار تھا۔ حاکم ومحکوم کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ حکومت کا سارا کام مسلمانوں کے مشورے سے ہوتا تھا۔ بیت المال قوم کا مشترکہ سرمایہ تھا۔ رسول اکرمؐ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے اونٹ کے ایک بال زیادہ کا بھی مستحق نہیں سمجھتے تھے۔[1] قانون تعزیرات بڑے اور چھوٹے سب کے لیے یکساں تھا۔ رسول اکرمؐ کے عدل وانصاف کے آگے اُن کی لختِ جگر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ایک عام مجرم دونوں برابر تھے[2] آپ ﷺ کی بارگاہ میں سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہی مرتبہ رکھتے تھے جو رؤسائے قریش۔ آپ کے دروازے پر نہ حاجب[3] ہوتے

---

[1] ابوداؤد۔ کتاب الصلوۃ۔ باب الصلوۃ القاعد۔ [2] صحیح بخاری۔ کتاب الحدود۔

[3] امام بخاریؒ (870 - 810ء) اپنے زمانے میں حاجیوں کی زیادتی سے متاثر ہو کر ایک باب کا عنوان قائم کرتے ہیں "باب ماذکر ان النبی لم یکن له بواب"

Marfat.com

تھے نہ پہرہ دار' مدینہ کی گلیوں میں غریبوں اور بے کسوں کی مدد کے لیے آپ اکثر گھومتے ہوئے نظر آتے تھے۔ چشمِ روزگار نے ابتدائے آفرینش سے ایسا عادلانہ نظامِ کائناتِ ہستی میں نہیں دیکھا تھا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقہ کے اوپر سے خطبہ ارشاد فرمایا جو اسلامی تاریخ کا سب سے اہم خطبہ ہے۔ اس میں اسلامی سماج اور سیاست کے سب بنیادی اصول اجمالاً لیکن پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔[1]

> "لوگو! توجہ سے سنو اور یاد رکھو۔ ممکن ہے کہ آئندہ مجھے تم سے ملنے کا موقع نہ مل سکے۔ جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں............ جس طرح تم اس دن' اس مہینہ اور اس مقام کی حرمت کرتے ہو' اسی طرح ایک مسلمان کا خون' مال اور آبرو دوسرے مسلمانوں پر حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ! تمہارے ہر کام کا حساب لے گا............ دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں' اسی طرح عورتوں کے حقوق تمہارے اوپر ہیں............ اُن کے ساتھ نرمی کرنا اور مہربانی سے پیش آنا۔ اور اللہ سے ڈر کر اُن کے حقوق کا لحاظ رکھنا............ غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا' جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلانا' اور جو خود پہنو وہی اُن کو پہنانا۔ اُن سے کوئی خطا ہو تو درگذر کرنا یا اُن کو جدا کر دینا۔ وہ بھی اللہ ہی کے بندے ہیں۔ ان پر سختی روا نہ رکھنا۔

نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم خاک سے بنے تھے۔

تمہارے کسی بھائی کی کوئی چیز تمہارے لیے اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ

---

[1] یہ مکمل خطبہ حدیث کی کسی کتاب میں یک جا نہیں ملتا۔ اس کے ٹکڑے مختلف کتابوں میں ملتے ہیں۔ یہاں یہ سب ٹکڑے جمع کر دیے گئے ہیں۔ اصل میں یہ ایک طویل خطبہ تھا جس شخص کو جو جملہ یاد رہ گیا اس کی اس نے روایت کر دی۔

Marfat.com

رضامندی نہ بخشش دے۔ دیکھو نا انصافی نہ کرنا۔

میں نے تمہارے درمیان ایک چیز چھوڑی ہے۔ جس کو اگر تم مضبوط پکڑو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یاد رکھو وہ قرآن ہے۔

لوگو! عمل میں خلوص' مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی' اور جماعت میں اتحاد۔ یہ تین باتیں ایسی ہیں جو سینہ کو پاک رکھتی ہیں..........

جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کر دئے گئے۔ اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربعیہ بن الحرِث کے بیٹے کا خون باطل کئے دیتا ہوں۔

جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دئے گئے۔ اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود' عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔"

یہ صدائے دل نواز جو ناقہ پر سے بلند ہوئی تھی' دنیا میں اخوت' مساوات اور عدل کا پہلا اور آخری پیغام تھی۔ اسلامی سماج اور سیاست جن اصولوں پر منظم ہونی تھی وہ پوری وضاحت کے ساتھ یہاں بیان کر دئے گئے تھے۔ آنے والی نسلوں کے لیے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ چراغ راہ کی مانند تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین نے پوری طرح اس اعلان نبوت کی پاسداری کی۔ انھوں نے نظام خلافت' منہاج سنت پر ترتیب دیا اور اپنے طریقہ کار میں راہِ نبوی کا اتباع کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں۔

"جس طرح وجود نبوت میں مختلف حیثیتوں کا اجتماع تھا' اسی طرح ان کی شخصیت بھی جامع و حاوی تھی۔ دینی دعوت اور شرعی اجتہاد و امر' حکومت و فرمانروائی اور قوام و نظام شرع' نظام شریعت اور نظام سیاست۔ یہ سب اُن کی ذات میں اکٹھے تھے۔ ان کی حکومت سچے اور حقیقی اسلامی نظام پر تھی۔ یعنی حکومت شوریٰ۔ جس کو آج کل کی زبان میں ایک ناقص تشبیہہ کے ساتھ ری پبلک کہہ سکتے ہیں۔ یہ سلسلہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ختم ہو گیا۔[1]

---

[1] جزیرۂ عرب اور مسئلہ خلافت۔ ص ۱۰

Marfat.com

خلافتِ راشدہ کے بعد جو سیاسی نظام قائم ہوا وہ منہاج سنت پر نہ تھا۔ بنی امیہ کے زمانے میں اسلام کے سیاسی نظام کا سارا مرکز و محور بدل گیا۔ خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔ عوام سے وہ پورا ربط اور تعلق' جو خلفاء راشدین کے عہد کی خصوصیت تھی' ختم ہو گیا۔ دروازوں پر حاجب بٹھا دیئے گئے۔ مسجدوں میں مقصورے تعمیر کر لئے گئے۔ بیت المال ذاتی ملکیت سمجھا جانے لگا۔ مسلمانوں کی دینی زندگی کی اصلاح و تربیت' جو اب تک خلفاء کے اہم ترین فرائض میں شامل تھی نظر انداز کر دی گئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانے میں سیاسی اور دینی فرائض کا جو اجتماع تھا' وہ ماضی کی داستان بن کر رہ گیا۔ اسلامی زندگی کی اجتماعیت فنا ہو گئی۔ مذہب اور سیاست کے راستے بدل گئے۔ مسلمانوں کی ملی زندگی کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔ شیخ علی ہجویری علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس واقعہ کو اپنے صوفیانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:

"یکے از مدعیان علم درویشے را گفت کہ ایں کبود چرا پوشیدی۔ گفت از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سہ چیز بماند یکے فقر و دیگر علم' و سہ دیگر شمشیر۔ شمشیر سلطاناں یافتند' نہ در جائے آں کار فرمودند۔ وعلم علماء اختیار کردند۔ بآموختن بسندہ کردند۔ وفقر گروہ فقراء اختیار کردند' وآنرا آلتِ غنا ساختند من بر مصیبت ایں سہ گروہ کبود اندر پوشیدم [1]

ایک علم کے مدعی نے ایک فقیر سے کہا کہ تو نے نیلگوں لباس کیوں پہنا ہے' اس نے جواب دیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزیں باقی رہیں۔ ایک فقیری دوسرے علم' تیسرے تلوار' تلوار بادشاہوں نے پائی مگر انھوں نے اس کو موقع پر استعمال نہ کیا' اور علماء نے علم اختیار کیا' مگر صرف سیکھنا ہی پسند کیا اور فقیری فقیروں کے گروہ نے پسند کی مگر اس کو امیری کا آلہ بنایا۔ میں نے ان تینوں گروہوں کی مصیبت پر نیلگوں لباس پہنا ہے۔

اسلامی زندگی کی اجتماعیت کے ختم ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی وحدتِ

---

[1] کشف المحجوب۔ ص ۳۹۔

Marfat.com

عمل جاتی رہی۔ مسلمانوں کا دین دار طبقہ یہ خیال کرنے لگا کہ حکومت کی ملازمت اب دین کی خدمت نہیں رہی بلکہ دنیا داری کے مترادف ہوگئی۔ اس بناء پر بہت سے بزرگوں نے حکومتِ وقت سے قطع تعلق کرلیا' اور پہلی صدی ہجری ہی میں مسلمانوں کا سیاسی نظام بعض بہترین شخصیتوں کی خدمات سے محروم ہوگیا۔

پھر بنی امیہ کے زمانے میں کچھ ایسے ناخوش گوار واقعات رونما ہوئے۔ جنہوں نے ملت کے جذبات کو سخت صدمہ پہنچایا۔ وہ حسرت و یاس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے کو یاد کرتے تھے۔ بنی اُمیہ نے اپنے طرز عمل سے ایسا شدید تقابل پیدا کردیا تھا کہ لوگوں کو بڑی تکلیف ہونے لگی تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی علاقے میں گورنر مقرر کرتے تو ہدایت فرماتے کہ لوگوں پر نرمی کی جائے جب معاذ بن جبل کو یمن کی گورنری پر مامور کیا تو فرمایا:

یسرا و لا تعسر او بشرا و لا تنفزا و تطاو عاو لا تختلفا

آسانی پیدا کرنا' دشواری پیدا نہ کرنا لوگوں کو بشارت دینا' اور اُن کو وحشت زدہ نہ کرنا' باہم اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا۔"

معاذ جب چلنے کے لیے تیار ہوئے' اور رکاب پاؤں میں ڈالی تو پھر مزید ہدایت فرمائی۔

احسن خلقک للناس

لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کرنا [1]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ معلوم تھا کہ ہمیشہ گورنروں کے متعلق لوگوں سے پوچھتے رہتے تھے۔ اصابہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جریر سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق دریافت فرمایا تو انھوں نے یہ الفاظ کہے:

تـرکـتـہ' ولایتـہ اکـرم الـنـاس مقدرۃ و اقلھم قوۃً و ھو بھم کالام

---

[1] سیرت النبی (حصہ اول' جلد دوم) ص ۷۰

Marfat.com

البرة یجمع بهم کمَا تجمعُ الذرة اشد الناس عندالباس و اجب قریش عِند النّاس.

میں نے ان کو گورنری میں اس حال میں چھوڑا کہ وہ مقدرت میں شریف ترین انسان تھے۔ان میں سختی بہت کم تھی اور لوگوں کے لیے مثل مادر مشفقہ کے تھے اُن کی روزی کو چیونٹی کی طرح جمع کرتے تھے۔لڑائی میں سب سے زیادہ سخت تھے اور قریش میں لوگوں کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔

عہدِ بنی اُمیہ میں گورنروں کا طرزِ عمل بالکل اس کے برعکس تھا۔زیادہ' مغیرہ بن شعبہ اور حجاج کے مظالم سے لوگ کانپ اُٹھے تھے۔ایک طرف رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بے تابی کہ بار بار فرماتے ہیں کہ خوش خلقی کا برتاؤ کرنا' دوسری طرف زیاد کا وہ خطبہ تبراء جو اس نے بصرہ کی جامع مسجد میں دیا تھا۔

ناممکن تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اس تبدیلی کا ردِ عمل ظاہر نہ ہونا۔ایک مرتبہ شام کے کچھ نبطیوں کو جزیہ ادا نہ کرنے کی سزا میں دھوپ میں کھڑا ہوا دیکھ کر ہشام بن حکیم بن حزام بے اختیار پکار اُٹھے تھے۔

اشدہ لسمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول ان اللّٰہ یعذب الذین یعذبون الناس فی الدنیا.

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سُنا ہے کہ خدا ان لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں۔

حجاج بن یوسف کے مظالم دیکھ کر حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اتنی تکلیف ہوئی کہ گیارہ سال تک گوشہ گیر رہے اور جب حجاج کے مرنے کی خبر سنی تو سجدہ میں گر گئے اور کہا:

اللھم اِنی اخافک و اخاف من لا یخافک [1]

---

[1] سرور الصدور (قلمی نسخہ) ملفوظات شیخ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

Marfat.com

اے اللہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں جو تجھ سے نہیں ڈرتا۔

واقعہ کربلا' محاصرۂ مکہ' واقعہ حرہ۔ یہ سب ایسے واقعات تھے جن سے مسلمانوں کے دین دار طبقے کو بڑا شدید رنج ہوا۔

پھر فتوحات کا جو ہنگامہ برپا تھا اس میں دینی تقاضوں کو فراموش کر دیا گیا تھا۔ ولید کے زمانے میں مسلمانوں کی فوجیں اگر ایک طرف اسپین میں وزی گوتھ کے سیاسی نظام کو مسمار کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں تو دوسری طرف وسط ایشیا میں مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب پوری قوت کے ساتھ اُمنڈ رہا تھا۔ ان رزمی ہنگاموں میں دینی جذبات کم' جاہ وحشمت کی خواہش زیادہ کارفرما تھی۔ وہ معاصرین جن کے دل و دماغ پر غزوات نبوی اور خلفاء راشدین کی جنگوں کے نقشے جمے ہوئے تھے' جب اس حسبِ زود حشم کے نظارے دیکھتے تھے تو ان کے دلوں کو تکلیف ہوتی تھی۔

کیا 'اسلام ان جنگوں کی اجازت دیتا ہے؟ کیا 'اسلام' صرف حکومتیں قائم کرنے کے لیے آیا ہے؟ کیا مغیرہ' زیاد اور حجاج کا طریقہ کار کسی طرح احکام شرع کے مطابق ہے؟ یہ اور ایسے ہی صدہا سوالات دین دار لوگوں کے ذہن میں گھومتے تھے۔ وہ نہایت افسوس کے ساتھ ملی وحدت کے خاتمہ کو محسوس کرتے تھے اُن کی نظروں میں اب 'خلافت خلافت' نہ تھی' ملک عضوض میں بدل چکی تھی۔

ان کا دل ان حالات سے ایسا گھبرایا کہ سوائے حکومتِ وقت سے قطع تعلق کر لینے کے کوئی دوسری راہ اُن کو نظر نہ آئی۔

دامن اُس کا تو بھلا دور ہے اے دستِ جنوں
کیوں ہے بے کار' گریباں تو میرا دور نہیں

یزید بن معاویہ نے ابوالاشعث صغانی کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ وہ مدینہ میں ایک صحابی سے ملے اور اس فتنہ کے متعلق ان کی رائے دریافت کی۔ جواب دیا "میرے دوست! ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے

Marfat.com

وصیت کی ہے کہ اگر تمہارے زمانے میں اس قسم کے فتنے پیدا ہوں تو احد پر جا کر اپنی تلوار توڑ ڈالو۔ پھر اپنے گھر میں بیٹھ رہو۔ اور اگر کوئی تمہارے گھر میں گھس آئے تو بستر پر لیٹ جاؤ' اگر بستر کا بھی رخ کرے' تو گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ اور کہو کہ اپنے اور میرے دونوں کے گناہوں کا وبال اپنے سر پر لو اور دوزخ میں چلے جاؤ اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ اس لیے میں نے اپنی تلوار توڑ ڈالی ہے اور خانہ نشین ہو گیا ہوں۔'' ایسے بہت سے بزرگ تھے جنہوں نے عہد بنی اُمیہ میں حکومتِ وقت سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے گوشہ گیر ہونے کے بجائے عملاً اصلاح کی کوشش کیوں نہ کی؟ انھوں نے بنی امیہ کے اقتدار کو تسلیم کیا؟ اگر وہ خاموش رہنے کے بجائے عملاً نظام حکومت کی اصلاح کی کوشش کرتے تو ملت کو کہیں زیادہ فائدہ پہنچتا! یہ سب سوالات اپنی جگہ درست ہو سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طبقہ نے جو خاموشی اختیار کی وہ بھی ملت کے مفاد ہی کی خاطر تھی۔ بنی اُمیہ کے اقتدا ، کے خلاف جنگ' ملت میں انتشار پیدا کرنے کے مترادف ہوتی۔ مسلمان اس وقت شدید اندرونی اور بیرونی خطرات سے دوچار تھے۔ صدہا فتنے تاک میں لگے ہوئے تھے۔ ایسے نازک وقت میں بنی اُمیہ کے خلاف اگر کوئی تحریک اٹھتی تو ملت کے سارے اجزاء درہم برہم ہو جاتے۔ شاید یہ ہی وجہ تھی کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا مجاہد بھی ان حالات میں خاموشی اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا!

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انعقاد خلافت کی صورتوں کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''پھر اگر کوئی ایسا شخص جو ان اوصاف کا جامع نہ ہو لوگوں پر غلبہ حاصل کر لے تو اس کی مخالفت پر بھی جرات نہ کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ غالباً اب وہ شخص بغیر لڑائیوں اور جھگڑوں کے خلافت سے معزول نہیں ہو سکتا ہے اور یہ فساد بہ نسبت اس مصلحت کے بہت بڑا ہے جو خلافت سے مقصود ہوتی ہے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کیا ہم اُن آئمہ سے قتال نہ کریں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ جب تک

Marfat.com

وہ تمہارے اندر نماز کو قائم رکھیں اور فرمایا جس صورت میں تم صریح کفر دیکھو اور خدا کی طرف تمہارے پاس اس کی دلیل موجود ہو۔''[1]

اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''انفراد و فرقہ ہر حال میں بربادی و ہلاکت ہے۔ پس جماعت سے کسی حال میں باہر نہ ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اوائل عہد بنواُمیہ میں جب کہ صحابہ کرام کی جماعت ہر ناحیہ ملک میں موجود تھی' تمام صحابہ نے اس پر اجماع کیا کہ گو امراء بنو اُمیہ خلافت کے اہل نہیں۔ طریق ہدیٰ و سنت سے منحرف ہو گئے' نظام شوریٰ درہم برہم ہو گیا' بدعت و احداث اور صریح ظلم و جور اُن کا شیوہ ہے۔ بایں ہمہ اُن پر خروج جائز نہیں۔ انھی کی اطاعت کرنی چاہیے' انھی کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے۔ انھی کو زکوۃ دینی چاہیے۔ حفظِ ملک و ملت کی راہ میں نکلیں تو انھی کے جھنڈے کے نیچے سمع و اطاعت کے ساتھ جمع ہونا چاہیے۔''[2]

بہر حال اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جن بزرگوں نے بنی اُمیہ کے خلاف خروج کے مقابلے میں گوشہ گیری کو ترجیح دی۔ اُنھوں نے ملت کی بہبودی کی خاطر ایسا کیا تھا۔

صوفیہ کا پہلا طبقہ:

یہ ہے حالات کا وہ پس منظر جس میں صوفیہ کا پہلا طبقہ وجود میں آیا۔ بصرہ اور کوفہ' جہاں اُموی گورنروں نے ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے تھے' تصوف کے سب سے پہلے مرکز بنے اور یہیں سے یہ تحریک اسلامی دنیا کے اور حصوں میں پھیلی۔

صوفیہ کے اس پہلے طبقہ کا زمانہ 661ء سے 850ء تک مقرر کیا گیا ہے اس میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت مالک

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم۔ ص ۳۵۸ (لاہور ایڈیشن)

[2] جزیرۂ عرب اور مسئلہ خلافت ص ۱۶۔

Marfat.com

دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ حضرت محمد واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہم شامل ہیں۔ ان بزرگوں کے حالات خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تذکرہ الاولیاء میں درج کیے ہیں۔

اس دور کے صوفیہ کی خصوصیات یہ تھیں۔

(1) ان بزرگوں پر "خشیتہ خداوندی" کا بڑا غلبہ تھا اور اس بناء پر وہ توبہ پر بہت زور دیتے تھے۔ ان کی پوری زندگی سے توبہ و استغفار کی کیفیت ظاہر ہوتی تھی۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتی تھیں کہ "زبانی توبہ جھوٹوں کا کام ہے۔"[1]

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک رات اپنے گھر میں رو رہے تھے۔ کسی نے رونے کا سبب دریافت کیا۔ اور کہا آپ تو بڑے پرہیزگار ہیں۔ جواب دیا۔ اس لیے روتا ہوں کہ شاید بے علمی سے یا بے ارادہ کوئی کام مجھ سے ہو گیا ہو یا غلطی سے کوئی قدم نامناسب مقام پر رکھ دیا ہو اور میرا یہ فعل درگاہ ایزدی میں ناپسند ہوا ہو۔"[2]

بعض متشرقین کا کہنا ہے کہ 'خشیتہ الٰہی' کا جذبہ ان بزرگوں میں 'حب الٰہی' سے بڑھ کر تھا۔

(2) ان بزرگوں نے اپنے طرزِ فکر کو اجتماعی شکل دینے کی کوشش نہیں کی' وہ انفرادی طور پر عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ انھوں نے اپنے گرد مریدین کا کوئی وسیع حلقہ پیدا نہیں کیا۔ علاوہ ازیں اس دور کے صوفیہ نے کوئی نئی اصطلاح یا کوئی نیا طریقہ کار ایجاد نہیں کیا۔ وہ اپنے ماحول سے کچھ ایسے دل برداشتہ تھے کہ اس سے علیحدہ رہ کر عبادت کرنے میں اس کو سکون حاصل ہوتا تھا۔ حُب جاہ وحشم کے وہ مناظر جو مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا طرۂ امتیاز ہو کر رہ گئے

---

[1] تذکرۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۵۷ [2] تذکرۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۴۴

Marfat.com

تھے۔ رسول عربی کی تعلیم کے منافی تھے۔ اور اس دور کے صوفیہ کو اُن سے یہ ایک بنیادی اختلاف تھا۔

(3) اس دور کے صوفیہ نے اپنے خیالات کا اظہار تصانیف میں بہت کم کیا ہے صرف شیخ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 181ھ؛ 798ء) اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 777ء؛ 161ھ) نے کچھ کتابیں تصنیف کی تھیں۔ شیخ عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب الزہد لکھی تھی۔ [1] حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قلم سے چار کتابیں نکلیں:

(1) الجامع الکبیر فی الفقہ والاختلاف (2) الجامع الصغیر (3) کتاب الفرائض اور (4) کتاب التفسیر۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے مرتے وقت وصیت کر کے اپنی تمام تصانیف نذر آتش کرا دی تھیں، لیکن اُن کی کتاب التفسیر کا ایک قدیم اور نادر نسخہ رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔

(4) اس دور کے صوفیہ نے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے حکومت سے قطع نظر کر لیا تھا۔ وہ سرکاری ملازمت اور خلفاء کی صحبت کو بُری نظر سے دیکھتے تھے۔ خلفاء سے بچنے کی ہمیشہ کوشش کرتے، اگر کبھی مجبوراً ملنا پڑ جاتا تو نہایت جرات اور ہمت کے ساتھ اُن پر تنقید کرتے۔ خواجہ فریدالدین عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید، اپنے وزیر فضل کے ہمراہ خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درِ دولت پر حاضر ہوا، دروازہ کھٹکھٹایا۔ پوچھا۔ کون ہے؟ وزیر نے جواب دیا۔ امیر المومنین۔ خواجہ فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ امیر المومنین کو مجھ سے کیا کام۔ اور مجھے ان سے کیا واسطہ۔ وزیر نے کہا بادشاہ کی اطاعت واجب ہے، فرمایا مجھے حیران نہ کرو وزیر نے کہا۔ اندر

---

[1] Brockelmann, Geschichte Der Arabischen Litteratur (Supplement) IP.256

Marfat.com

آنے کی اجازت دو ورنہ ہم حکماً اندر آ جائیں گے۔ فرمایا۔ اجازت تو نہیں دیتا' حکماً اندر آ سکتے ہو۔ چنانچہ وزیر اور خلیفہ اندر آ گئے۔ خواجہ فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چراغ گل کر دیا تا کہ ہارون الرشید کو نہ دیکھ سکیں۔ اسی اثنا میں ہارون کا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے چھو گیا۔ فرمایا کیسا نرم ہاتھ ہے۔ کاش کہ دوزخ کی آگ سے بچ جائے۔ خلیفہ نے درخواست کی کہ کچھ ہدایت فرمائیے۔ جواب دیا۔ تیرا باپ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نے درخواست کی تھی کہ مجھے کسی صوبے کا حاکم بنا دو تو انھوں نے فرمایا: یا عم بک نفسک یعنی تجھے تیرے نفس کا امیر کیا' ہارون الرشید بولا کچھ اور فرمائیے' فرمایا۔ یہ ملک تیرا گھر ہے اور خلقت تیری اولاد۔ ماں باپ کے ساتھ نرمی' بہن بھائیوں پر مہربانی' بچے بچیوں سے نیک سلوک کر اگر کوئی مفلس بڑھیا رات کو بھوکی سو جائے گی تو قیامت کے دن وہ بھی تیری دامن گیر ہوگی۔ تیرے ساتھ جھگڑے گی۔[1]

حضرت خواجہ فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ اور بہت سے بزرگ تھے جنہوں نے اسی قسم کا رویہ اختیار کر لیا تھا اور جب کبھی مجبوراً خلفاء سے دوچار ہو جاتے تھے تو سخت الفاظ میں ان کو فرائض سے آگاہ کرتے تھے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حج کے موقع پر منیٰ کے میدان میں خلیفہ منصور کو پکڑ لیا اور کہا: امیر المومنین! حضرت عمرؓ نے ایک حج میں جس کے تمام مصارف پر سولہ دینار خرچ ہوئے تھے' فرمایا تھا۔

مَا اَرَانَا اِلاَّ وَقد احجفنا بیت المال.

یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں نے سارا بیت المال لے لیا۔

آپ نے خدا اور اُمتِ محمدیہ کا بے شمار مال بغیر اجازت صرف کیا ہے۔ آپ اس کا کیا جواب دیں گے؟ منصور لاجواب ہو گیا۔ بعد کو انھیں سلسلہ حکومت میں منسلک کرنا

---

[1] تذکرۃ الاولیا' ص ۸۴۔۸۳ (اردو ترجمہ)

Marfat.com

چاہا تو وہ روپوش ہو گئے۔

امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طرح طرح کے مصائب برداشت کئے لیکن حکومتِ وقت کی ملازمت کرنا پسند نہ کیا۔ یزید گورنر کوفہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو میر منشی اور افسر خزانہ مقرر کرنا چاہا۔ انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ یزید نے قسم کھا کر کہا جبراً منظور کرنا ہوگا۔ دوستوں نے بھی سمجھایا' لیکن امام صاحب انکار پر قائم رہے' اور کہا اگر یزید کہے کہ ''مسجد کے دروازے گن دو تو بھی مجھ کو گوارا نہیں چہ جائیکہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھے اور میں اس پر مہر کروں'' یزید نے غصہ میں آ کر حکم دیا کہ ہر روز اُن کے دس درے لگائے جائیں۔ اس ظالمانہ حکم کی بھی تعمیل ہوئی۔ لیکن امام اپنی ضد سے باز نہ آئے[1] پھر خلیفہ منصور نے قضا کا عہدہ پیش کیا۔ امام صاحب نے انکار کیا اور کہا کہ میں اس کی قابلیت نہیں رکھتا'' منصور نے غصہ میں آ کر کہا ''تم جھوٹے ہو۔ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا' اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعوے' ضرور سچا ہے کہ میں قضا کے قابل نہیں' کیونکہ جھوٹا شخص قاضی مقرر نہیں ہو سکتا'' منصور نے قسم کھا کر کہا کہ تم کو قبول کرنا ہوگا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز قبول نہ کروں گا' امام صاحب قید خانے میں بھیج دئے گئے اور وہاں سے اس وقت چھوٹے کہ قید حیات سے چھوٹے[2]

قرون اولیٰ کے دین دار طبقہ کا یہ طرز عمل حقیقت میں حکومت کی بے راہ روی کے خلاف احتجاج تھا۔ وہ مسلمانوں کی سیاست اور سماج کو خالص اسلامی رنگ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ ان بزرگوں کے اس رویہ سے ملت کو بڑا فائدہ پہنچا۔

(1) اگر یہ بزرگ باطنی اصلاح و تربیت' تزکیہ نفس' عبادات وغیرہ پر زور نہ دیتے تو اسلام محض ایک سیاسی پروگرام بن کر رہ جاتا۔ سیاسی ہنگامہ آرائیوں کے زمانے میں ان بزرگوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دکھایا کہ اسلام صرف ملک گیری

---

[1] سیرۃ النعمان۔ مولانا شبلی۔ (کانپور 1892ء) ص ۵۸۔ ۵۷

[2] سیرۃ النعمان ص ۶۳۔ ۶۲۔ نیز کشف المحجوب۔ ص ۱۴۶۔ ۱۴۵ (اردو ترجمہ)

Marfat.com

وملک رانی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ اصلاح وتربیت کا ایک مکمل نظام ہے جو انسان کو ''ارتقاء روحانی'' کا راستہ دکھاتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے دورِ اول میں سے اگر ان بزرگوں کے حالات کو حذف کر دیا جائے تو مسلمانوں کی تاریخ ملک گیری اور جہاں بانی کی داستان بن کر رہ جائے۔

(2) تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ اسلام کی تعلیم اور اثرات' خلفاء کے ذریعے نہیں بلکہ ان ہی بزرگوں کے ذریعے پھیلے۔ خلفاء کا نہ عوام سے کبھی براہ راست تعلق رہا۔ نہ اُن کی زندگیوں میں خلفاء راشدین کی زندگی جیسی کشش پیدا ہوئی۔ وہ اسلامی طرزِ زندگی کے آئینہ دار نہ تھے' اس لیے اسلام کی تعلیم کی نشر واشاعت کا ذریعہ ہی نہیں بن سکتے تھے۔ اسلام کے دینی نظام کو زندہ رکھنے اور پھیلانے کا کام ان ہی بزرگوں کے ذریعہ ہوا۔

(3) پھر جس طبقہ نے اپنی علیحدگی اور بے تعلقی سے خلفاء کو اُن کی بے راہ روی کا احساس دلایا' اور موقعہ پا کر متنبہ بھی کیا' وہ ان ہی بزرگوں کا تھا۔ ابھی اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ جو شخص اللہ کی ربوبیت پر ایمان کامل رکھتا ہے وہ دنیا کی طاقتوں کے سامنے بڑا بے باک اور حق گو ہوتا ہے کہ ع

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' خواجہ حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہم وہ بزرگ تھے جنھوں نے خلفاء کو اُن کی بے راہ روی پر سختی سے آگاہ کریا اور اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کر دکھایا کہ حکومت سے بے تعلقی کا سبب ان کا غیر اسلامی کردار تھا۔ اگر ہمارے مذہبی تذکرے اور تاریخ کی کتابیں کسی حد تک بھی قابل اعتبار ہیں (اور میرے خیال میں نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں) تو اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ ان بزرگوں ہی نے مسلمان فرمانرواؤں کو اسلام کے احکامات کو مکمل

Marfat.com

طور پر فراموش کر دینے سے ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو جو اپنی طاقت وسطوت کے غرور میں سب کچھ بھول چکے تھے' یہ یاد دلانا کہ اُن سے بالاتر بھی کوئی ہستی ہے جو انسانی اعمال کا جائزہ لیتی ہے۔ اِن ہی بزرگوں کا کام تھا۔ دربار میں ایسے خوشامدیوں کا ہجوم رہتا تھا' جن کو کبھی یہ خیال بھی نہیں آ سکتا تھا کہ خلفاء وقت کے مزاج کے خلاف کوئی بات کہنے کی جرات کریں۔ ان سیاسی طاقتوں کے رویے پر تنقید کی کوئی آواز سنائی دیتی ہے تو انھی بوریہ نشین فقراء کے جھونپڑوں سے۔

(4) ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جب تاریخ کا کوئی طالب علم اسلام کا بہ حیثیت ایک مذہبی تحریک کے مطالعہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے بعد ان ہی بزرگوں کی حیات طیبہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح یہ بزرگ اسلام کی دینی تاریخ کا ایک جزو لاینفک بن گئے ہیں۔ اُن کی زندگیوں کو غیر اسلامی قرار دے کر اگر نظر انداز کر دیا جائے تو نہ صرف اسلام کی مذہبی تاریخ میں ایک خلا پیدا ہو جائے بلکہ اسلام کے دینی نشوونما کا صحیح مطالعہ ہی ناممکن ہو جائے' "تکمیل اخلاق' جو بعثتِ نبوی ﷺ کا اہم مقصد تھا' ہمیشہ اِن بزرگوں کو مطمع نظر رہا۔

صوفیہ کا دوسرا طبقہ:

اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور کا سب سے اہم واقعہ خلافت کا ملوکیت میں تبدیل ہونا تھا۔ طبقہ اول کے صوفیہ اپنے فکری و عملی نشوونما کے اعتبار سے اس تبدیلی کے خلاف ردِعمل کو ظاہر کرتے ہیں' صوفیہ کرام کا یہ دوسرا طبقہ اسلامی تاریخ کے ایک دوسرے نہایت اہم دور سے تعلق رکھتا ہے' یونانی فلسفہ اور علوم جب مسلمانوں میں راج ہوئے تو اسلامی سوسائٹی میں "اقلیت" کا ایک طوفان آیا اور عوام کے عقائد میں تذبذب' ایمان میں شک اور ذہن میں خلش پیدا ہونے لگی۔ اس دور کے صوفیہ کے کارناموں کا اسی پس منظر میں مطالعہ کرنا چاہیے۔

Marfat.com

یونانی علوم سے مسلمانوں کا سب سے پہلا تعارف فتح مصر کے بعد ہوا اسکندریہ یونانی علوم کا مرکز تھا۔ بنی اُمیہ کے زمانے میں صرف طب اور کیمسٹری (Chemistry) کی طرف توجہ کی گئی۔ اور ان ہی فنون سے متعلق کچھ کتابیں بھی عربی زبان میں منتقل کی گئیں۔ خلافتِ عباسیہ کی بنیاد پڑنے کے بعد دوسرے یونانی علوم بھی آہستہ آہستہ مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بننے لگے۔ ہارون الرشید نے ایک بیت الحکمت قائم کیا جس میں غیر زبانوں کی کتابوں کو عربی میں منتقل کرنے کا انتظام تھا۔ یونانی فلسفہ کی گرم بازاری مامون الرشید سے شروع ہوئی۔ اس نے قیصر روم کو خط لکھا کہ ارسطو کی جس قدر کتابیں مل سکیں۔ بغداد بھیج دی جائیں۔ قیصر روم نے تلاش کے بعد ایک بڑے ذخیرے کا پتہ لگالیا۔ لیکن بھیجنے میں تامل کیا اور ارکانِ دولت سے مشورہ کیا۔ اُنھوں نے یک زبان ہو کر کہا "کچھ مضائقہ نہیں۔ فلسفہ اگر مسلمانوں میں پھیلا تو اُن کے مذہبی جوش کو بھی ٹھنڈا کر کے رہے گا۔"[1] چنانچہ پانچ اونٹ لاد کر فلسفہ کی کتابیں مامون کے پاس بھیج دی گئیں۔ مامون نے یعقوب بن اسحاق کندی کو ترجمے پر مامور کیا۔ بیت الحکمت کے افسروں کو روم، آرمینیا، مصر، شام وغیرہ مقامات پر فلسفہ کی کتابیں جمع کرنے کے لیے بھیجا گیا مامون کی دلچسپی کو دیکھ کر تمام دربار میں جوش پھیل گیا۔ مامون کے ندیموں نے اپنے ایلچی دوسرے ملکوں میں بھیج کر فنونِ حکیمہ کی ہزاروں کتابیں منگوائیں۔

مامون نے مناظرہ کا باقاعدہ اہتمام کیا۔ سہ شنبہ کو صبح ہی سے علماء اور فلاسفہ اس میں شرکت کرتے تھے۔ فلسفہ کی اس گرم بازاری نے آخر اپنا اثر دکھایا اور مامون عقائد میں معتزلی المذہب ہو گیا۔ قرآن کے حادث ہونے کا مسئلہ اس کے دل میں بیٹھ گیا۔ اس نے اعلان کرا دیا کہ جو لوگ قرآن کے قدم کے قائل ہیں اور اس عقیدے سے باز نہیں آتے اُنھیں پابہ زنجیر بغداد بھیج دیا۔ تاکہ خلیفہ خود اُن کی موت وحیات کا فیصلہ کرے۔ مامون کے ان احکامات سے عوام میں خوف وہراس پیدا ہو گیا۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رسالہ

---

[1] المامون، حصہ دوم ص ۱۷۷ (طبع سوم آگرہ)

Marfat.com

کے ان احکامات سے عوام میں خوف و ہراس پیدا ہو گیا۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رسالہ الفرقان میں لکھتے ہیں:

''مامون الرشید نے طرطوس سے جو کہ بغداد اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سرحدی مقام تھا اور ہر طرف سے اہل دین وہاں آتے تھے' اور قیام کرتے تھے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وہاں قیام کیا اور ابو عبیدہ اور صالح بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہاں کے قاضی مقرر ہوئے' بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم بن مصعب کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا کہ وہ لوگوں کو مسئلہ خلق قرآن کی دعوت دے لیکن کسی نے اس عقیدے کو قبول نہیں کیا۔ اس کے بعد اس نے دوسرا مراسلہ بھیجا جس میں یہ حکم تھا کہ جو لوگ اس عقیدے کو تسلیم نہیں کرتے' ان کے نام قلم بند کر کے اس کے پاس بھیج دے۔ اب اکثر لوگوں نے اس عقیدے کو تسلیم کر لیا اور جن سات آدمیوں نے انکار کیا وہ قید کر لئے گئے۔ قید ہونے کے بعد ان میں سے بھی پانچ آدمیوں نے اس عقیدے کو قبول کر لیا۔ صرف دو شخص یعنی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور محمد بن نوح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رہ گئے جو اپنے انکار پر قائم رہے۔ اس لیے ان لوگوں نے مامون کی خدمت میں ان دونوں بزرگوں کو روانہ کر دیا' لیکن ان کے پہنچنے سے پیشتر وہ اپنے بھائی ابو اسحاق کو وصیت کر کے مر گیا۔ یہ 218ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ 240ھ تک قید میں رہے لیکن جب ان لوگوں کو فتنہ وفساد کا خوف ہوا تو ان کو مار پیٹ کر رہا کر دیا۔ اب جہمیہ کے مذہب کو فروغ حاصل ہوا چنانچہ جو لوگ اس کو قبول کر لیتے تھے وہ ان کو عطیہ دیتے تھے ورنہ ان کا وظیفہ بند کر دیتے تھے' ان کو سرکاری عہدوں سے معزول کر دیتے تھے اور ان کی شہادت قبول نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب لڑائیوں میں قیدی پکڑتے تھے' تو ان کو بھی اس مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرتے تھے' اگر وہ لوگ اس مذہب کو مان

Marfat.com

لیتے تھے تو فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیتے تھے' ورنہ ان کا ذریعہ قبول نہیں کرتے تھے اس کے بعد واثق خلیفہ ہوا تو یہ سختی اور بھی بڑھ گئی' لیکن متوکل کا زمانہ آیا تو ابتلاء و امتحان کے اس دور کا خاتمہ اور سنت کا ظہور ہوا۔'' [1]

اقلیت کا جو سیلاب ماموں کے دربار سے نکلا تھا' مسلمانوں کی زندگی میں لاکر مرکزیت پیدا کرنے کا باعث بن گیا۔ اعتقاد کی ساری بنیادیں ہل گئیں اور ملت کی ذہنی زندگی میں انتشار پیدا ہو گیا۔ یہاں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اسلام تلاش و تحقیق' فلسفہ و حکمت کا مخالف ہے۔ قرآن نے انسان کو دعوت دی ہے کہ وہ کائناتِ ارضی و سماوی کی ایک ایک چیز پر غور کرے اور نتائج اخذ کرے [2] لیکن اپنے دینی وجدان پر مہر نہ لگا لے۔ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ وہ اقلیت جس نے دینی وجدان کے سایے میں پرورش نہ پائی ہو۔ انفرادی اور ملی زندگی میں سم قاتل کا اثر رکھتی ہے۔

(1) جب اعتقاد و یقین کی جگہ شک و انکار لے لیتا ہے تو ذہن میں الجھنیں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ ذہنی مرکزیت اور وجدانی یک رنگی جو شخصی اور ملی زندگی میں سب سے زیادہ ضروری چیز ہے فنا ہو کر رہ جاتی ہے۔ انسان مستقلاً کسی لائحہ عمل پر کام نہیں کر سکتا وہ آج ایک عمارت تعمیر کرتا اور کل اُسے مسمار کر دیتا ہے۔ اوس تلون مزاجی سے جو عقل کو رہبر بنا لینے سے پیدا ہوتی ہے' نہ شخصی زندگی درست ہو سکتی ہے اور نہ قومی زندگی حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک خط میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کا ایک واقعہ یاد دلایا ہے جو بڑا سبق آموز ہے۔ لکھا ہے کہ آپ اپنے اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں کہ تیس سال کی محنت کے بعد ایک نتیجے پر پہنچے تھے۔ لیکن عقل نے ایک لمحہ میں شبہ

[1] رسالہ الفرقان۔ ص ۱۴۳۔

[2] علامہ اقبال نے اپنی کتاب Reconstruction of Religious Thought in Islam میں اس پر بصیرت افروز بحث کی ہے۔

Marfat.com

پیدا کرکر ساری عمارت گرادی۔[1]

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے المنقذ من الضلال میں خود اپنے تجربات بتائے ہیں کہ عقل نے کس طرح ان کو پریشانی میں ڈالا تھا اوران کی زندگی کو وبال کر دیا تھا۔اُن کی اس کتاب کا ہر ہر صفحہ تجربات کی بنا پر پکار کر کہتا ہے ؎

بگذر از عقل وبیاویز بہ موج یم عشق
کہ دریں جوئے تنگ مایہ گہر پیدا نیست

حد یہ ہے کہ عقل کے ناقص رہبر ہونے کا اعتراف امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بھی کرنا پڑا۔اورانھوں نے اپنے وصیت نامہ میں یہ لکھوایا:

ویمنع عن التعمق فی ایراد المعارضات والمناقضات وما ذالک الا للعلم بان العقول البشریة تتلاشیٰ فی تلک المضائق العمیقة والمناهج الخفية.[2]

اور معارضات ومناقضات سے احتراز کیا جائے‘اس لیے کہ عقول انسانی ان عمیق اور خفی مسائل میں بے کار محض ہیں۔

بہر حال‘ اقلیت کی گرم بازاری نے مسلمانوں کی زندگی پر بہت بُرا اثر ڈالا۔اور اُن کی ذہنی مرکزیت کو فنا کر دیا۔

(2) اقلیت کے ساتھ ساتھ ’’وضعیت‘‘ طوفان آنا بھی ناگزیر تھا۔وضعیت کے اثرات‘ مولانا آزاد کی زبانی سنیئے۔فرماتے ہیں:

’’فطرت سے جب بعد ہو جاتا ہے اور وضعیت کا استغراق طاری ہو جاتا ہے۔تو

---

[1] شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس خط کی نقل آصفیہ کتب خانہ حیدر آباد میں موجود ہے۔اس میں عقل وجدان یا دل ودماغ کی صلاحیتوں پر نہایت ہی پُر تاثیر گفتگو کی گئی ہے۔

[2] یہ وصیت نامہ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے شاگرد خاص ابراہیم بن ابی بکر اصفہانی کو لکھوایا تھا۔امام سبکی نے الشافعیہ میں اسے نقل کیا ہے۔

Marfat.com

طبیعتیں اس پر راضی نہیں ہوتیں کہ کسی بات کو اس کی قدرتی سادگی میں دیکھیں وہ سادگی کے ساتھ حسن وعظمت کا تصور کر ہی نہیں سکتیں۔ وہ جب کسی بات کو بلند اور عظیم دکھانا چاہتی ہیں تو کوشش کرتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ وضعیت اور صناعیت کے پیچ وخم پیدا کریں۔"[1]

اس وضعیت کا سب سے بُرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مذہب کی آواز دل تک نہیں پہنچتی اور جب دل ہی متاثر نہ ہو تو مذہب کی حقیقی روح سے آشنا ہونا ناممکن ہے۔

(3) اس عقلیت کے مہلک اثرات نے مسلمانوں کی دینی زندگی کے کسی گوشہ کو نہیں بخشا۔ ذات وصفاتِ خداوندی۔ خلق قرآن۔ دوزخ' جنت' معجزات' معراج غرض ہر ہر مسئلہ عقل کی کسوٹی پر رکھا گیا۔ آیاتِ قرآنی کی ایسی تاویلات کی گئیں جن سے یونانی فلسفہ کی تائید ہو سکے" اس صورتِ حال کا سب سے زیادہ افسوس ناک نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کا طریق استدلال دوراز کار دقیقہ سنجیوں میں گم ہو گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کے تمام بیانات کا محور ومرکز اس کا طریق استدلال ہی ہے۔ اس کے ارشادات وبصائر' اس کے قصص وامثال۔ اس کے مواعظ وحکم اس کے مقاصد ومہمات' سب اسی چیز سے کھلتے اور اُبھرتے تھے۔ یہ ایک چیز کیا گم ہوئی گویا اس کا سب کچھ ہی گم ہو گیا۔"[2]

صوفیہ کا وہ طبقہ جو ان حالات میں پیدا ہوا' اس عقلیت اور وضعیت سے بیزار تھا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' حضرت ذوالنون المصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو اس دورِ ثانی کے مشہور مشائخ میں تھے۔ عقلیت کے خلاف آواز اُٹھائی۔ اور "عشق" پر زور دیا کہ عقلیت اور وضعیت کے مسموم اثرات کو عشق ہی دور کر سکتا تھا۔

---

[1] ترجمان القرآن۔ جلد اول۔ ص ۶۶۔ ۶۷۔ [2] ص ۶۹۔

Marfat.com

سپاہِ تازہ بر انگیزم از ولایتِ عشق
کہ در حرم خطرے از بغاوتِ خرداست

اُن کا کہنا تھا کہ ستاروں کی گزرگاہوں کو ڈھونڈنے کے بجائے انسان اگر اپنے افکار کی دنیا میں سفر کرے تو وہ اپنی شخصی اور قومی زندگی کو شاید بہتر بنا سکے اور سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرنے کے بجائے اگر زندگی کی شب تاریک کو سحر کرنے کی کوشش کرے تو اس سے بنی نوع انسان کو زیادہ فائدہ ہو۔ وہ مادی ترقی جو انسان کو معبودِ حقیقی سے دور لے جائے، ترقی نہیں زوال ہے۔

چنانچہ ان بزرگوں نے عشق سے عقلیت کا مقابلہ کیا۔ اور بتایا کہ عشق ہی سے منزل مقصود کا پتہ چل سکتا ہے۔ ورنہ عقل تو پائے چوبیں ہے کہ دو قدم بھی اس سے نہیں چلا جا سکتا۔

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

اس دور کے صوفیہ کی خصوصیات یہ ہیں:

(1) جس طرح گذشتہ دور کے صوفیہ نے بنی اُمیہ کی ملوکیت سے متاثر ہو کر ''خشیتِ الٰہی'' پر زور دیا تھا، اس دور کے صوفیہ نے معتزلہ اور دیگر عقلیت پسند گروہوں کی 'وضعیت' سے متاثر ہو کر ''عشق الٰہی'' پر زور دیا۔ اور خود محبتِ الٰہی میں سرشاری کی زندگی بسر کی۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ ''آتش محبت میں غرق تھے۔ اور تن کو ہمیشہ مجاہدہ اور دل کو مشاہدہ میں مشغول رکھتے تھے۔''[1] اُن کی مناجات کا کچھ حصہ خواجہ عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کیا ہے۔ وہ غور سے مطالعہ کے قابل ہے۔ عرض کیا کرتے تھے۔ ''بار خدایا کب تک میرے اور تیرے درمیان میں

---

[1] تذکرۃ الاولیاء۔ ص ۱۲۵ (اردو ترجمہ)

Marfat.com

من اور تو ہوگا۔ اس من کو درمیان سے اٹھا لے تاکہ میرا من تجھ سے ہو اور میں کچھ نہ رہوں، الٰہی جب تک میں تیرے ساتھ ہوں سب سے زیادہ ہوں اور جب تک اپنے ساتھ ہوں سب سے کم ہوں.......... الٰہی مجھے زاہدی درکار نہیں اور عالمی کی ضرورت نہیں۔ اگر مجھے اہل خیر میں سے کرنا چاہتا ہے تو اپنے دوستوں کے درجے تک پہنچا دے۔ میں تجھی سے ناز کرتا ہوں۔ الٰہی فطرت پر تیرے الہام کیسے اچھے معلوم دیتے ہیں۔[1] یہ مناجات نویں صدی عیسوی کے اس ماحول میں جب عقلیت ہی عقلیت کا دور دورہ تھا ایک دوسری دنیا کی آواز معلوم ہوتی ہے۔

(2) اس دور کے صوفیہ نے فلسفہ کی پیدا کی ہوئی ذہنی لامرکزیت کو قلبی کیفیات کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کی۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ اول کو اگر ایک مرکز پر لگا دیا جائے تو ذہن کی الجھنیں خود بخود دور ہو جائیں گی۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے استغراق پر زور دیا۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے توحید کا وہ نظریہ پیش کیا جس نے بعد کو وحدت الوجود کی شکل اختیار کر لی۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصانیف میں حال و مقام پر بحث کی۔ اگر بغور دیکھا جائے کہ ان نظریات نے عملی طور پر مسلمانوں کے ذہن پر کیا اثر ڈالا تو معلوم ہوگا کہ ان کے ذریعے عقلیت کے پیدا کئے ہوئے ذہنی ہیجان کو دور کرنے اور اس کے بنائے ہوئے سانچوں کو توڑنے کا سامان مہیا ہو گیا۔

(3) گو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو عموماً اس دور کے صوفیہ میں شامل نہیں کیا جاتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی ذہنی کیفیات بھی اس زمانے کے صوفیہ سے ملتی جلتی تھیں عقلیت کے مذموم اثرات کو اُن کی دور میں نظر نے بھی دیکھا تھا اور اس

---

[1] تذکرۃ الاولیا۔ ص ۱۵۲ (اردو ترجمہ)

Marfat.com

کا علاج ''عشق خداوندی ہی میں پایا تھا۔ انھوں نے اپنی کتاب الزہد [1] میں محبت الٰہی پر بڑا زور دیا ہے۔

صوفیہ کا تیسرا طبقہ:

تصوف کا یہ تیسرا دور دسویں صدی عیسوی سے متعلق ہے۔ اس زمانے کے صوفیہ کی ذہنی کیفیات کو سمجھنے کے لیے فقہ اسلامی کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور نئے نئے ملک مسلمانوں کے زیر اثر آئے تو اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑی۔ بہت سے ایسے مسائل پیدا ہوئے جن کے متعلق قرآن پاک اور احادیثِ نبوی میں کوئی صریح حکم نہیں تھا' چنانچہ حالات کا تقاضا ہوا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ایسے مسائل پر غور وفکر کر کے کوئی راہ متعین کی جائے۔ چنانچہ تدوین فقہ کا دور شروع ہوا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (766-699ء) امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (795-715ء) امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (820-767ء) اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (855-780ء) نے اپنی پوری دینی بصیرت کو استعمال کیا اور مختلف مسائل پر اپنی رائے پیش کر کے چار مذاہب کی بنیاد ڈالی۔

آں اماما نے کہ کردند اجتہاد
رحمتِ حق بر روانِ جملہ باد

اسلامی سوسائٹی کی ایک زبردست ضرورت کو اِن بزرگوں نے پورا کر دیا۔ ان بزرگوں کے ذہین میں بعیدی طور پر بھی کبھی یہ خیال نہیں تھا کہ اُن کے اجتہاد کو حرف آخر کا مرتبہ دے دیا جائے گا۔ ہارون الرشید نے چاہا تھا کہ موطا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا جائے اور تمام مسلمانوں کو فقہی احکام میں اس کی پیروزی پر مجبور کیا جائے' امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس خیال کو پسند نہیں کیا بلکہ تنبیہ فرمائی کہ

---

1. Broekelmann (Supplement) I. P. 325

Marfat.com

''ایسا نہ کرو' خود صحابہ فروغ میں مختلف ہیں اور وہ ممالک اسلامیہ میں پھیل چکے ہیں' اور ان میں ہر شخص راہِ صواب پر ہے۔'' [1] لیکن ابھی ان بزرگوں کے وصال کو سو سال بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ علماء نے بابِ اجتہاد بند کر دیا۔ اور قرآن و حدیث سے براہ راست استنباط کرنے کے بجائے اُن ائمہ دین کی آراء کو ہر زمانہ اور ہر حال کے لیے قطعی اور لازمی مان لیا گیا۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ

اجتہاد اندر زمانِ انحطاط قوم را بر ہم ہمی پیچید بساط
زاجتہاد عالمانِ کم نظر اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

لیکن کسی سماج کو مستقل طور پر ایسے قانون سے باندھ دینا جو بہر حال انسانی اجتہاد کی پیداوار ہو' ٹھیک نہیں۔ انسانی سماج کے بدلتے ہوئے رجحانات اور تقاضے' نئے اجتہاد کی طلب کرتے ہیں۔

پھر ایک زبردست گمراہی اس زمانے میں یہ پیدا ہوئی کہ فقہی مسائل میں حیلہ بازی کا دروازہ کھول دیا گیا۔ ہر شرعی حکم سے بچنے کے لیے حیلے اور ہر قید شرعی سے نکل بھاگنے کے لیے بہانے تراشے جانے لگے [2] فقہ کی کتابوں میں ایک مستقل باب' باب

---

[1] حیاتِ مالک۔ مولانا سید سلیمان ندوی۔ ص ۶۸۔۶۷ (طبع دوم)

[2] زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لیے لوگوں نے یہ حیلہ نکالا کہ سال کے آخر میں تمام مال بیوی کے نام ہبہ کر دیا۔ پھر جب بیوی پر زکوٰۃ فرض ہونے کا وقت آیا تو مال اپنے نام منتقل کرا لیا۔ انھیں حیلہ تراشیوں کو دیکھ کر شیخ ایوب سختیانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا تھا:

یخادعون اللہ کانمایخادعون الصبیان

یہ لوگ خدا کو اسی طرح دھوکہ دینا چاہتے ہیں' جیسے بچوں کو بہلاتے ہیں۔
حفص بن غیاث نے کہا تھا: کتاب الحیل پر لکھ دو کہ کتاب الفجور ہے۔
اکبر کے زمانے میں مخدوم الملک نے بھی یہی حیلہ اختیار کیا تھا۔ حالانکہ دولت کی فراوانی کا عالم یہ تھا کہ اگھر میں سونے اور چاندی کی قبریں بنی ہوئی تھیں۔

Marfat.com

الحیل کا اضافہ کیا گیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''کتاب وسنت کی تقدیم وحفظ کا بند تو پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا اور بنیادِ فقاہت محض انکل اور ظن ووہم پر قرار پاچکی تھی۔ پھر کیا تھا؟ ہر ذہن نے تیزی دکھائی اور ہر قیاس نے بلند پروازی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شریعتِ الٰہی جو عدل وصداقت کے قیام کے لیے آئی تھی اس کے نام سے مکروفریب اور ظلم وغصب ونہب وصلب کے تمام کاروبار جاری ہو گئے' اور دنیا کی تباہی کے لیے اس سے بدتر وقت اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ خدا کا پاک نام لے کر اُس کی دنیا میں برائی پھیلائی جائے' کتنی ہی زناکاریاں ہیں جو حیلے نکال کر نکاح شرعی بنائی گئیں! کتنے ہی غصب وظلم اور اکل اموال بالباطل کے مصائب ہیں جن کو ایک شرعی معاملہ بنا کر جائز کیا گیا! کتنے ہی عقودِ فاسدہ ہیں جن کو اسی شیطان حیل نے جائز کرا کے بندگان الٰہی کے حقوق تلف کرائے! کتنے ہی حج ہیں جو ساقط ہوئے! کتنی ہی زکاتیں ہیں جو کبھی ادا نہیں کی گئیں! کتنے ہی شارب الخمر اور زانی محض ہیں جو حدودِ شرعیہ سے صاف بچا لئے گئے!''[1]

اِن حیلہ بازیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن جو مذہب کا اصلی مقصد تھا بالکل بھلا دیا گیا اور مذہبی روح بالکل مردہ ہو کر رہ گئی۔

صوفیہ کا وہ طبقہ جو ان حالات میں پیدا ہوا' اس نے مذہب کی حقیقی روح کو بیدار کرنے۔ باطن کی اصلاح اور اخلاق کی درستگی کی طرف خاص توجہ کی۔ جو فقہی گتھیوں میں الجھے ہوئے تھے۔ ان سے للکار کر کہا ؎

در کنز وہدایہ نتواں دید خدارا
آئینہ دِل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

اِن بزرگوں نے بتایا کہ جب تک دِل کی دنیا پاک وصاف نہ ہوگی' انسانی زندگی میں کیف پیدا نہ ہوگا ؎

---

[1] تذکرہ۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ ص ۸۹۔ (نیا ایڈیشن)

Marfat.com

آئینہ دل چوں شود صافی و پاک
نقش ہابینی بروں از آب و خاک

دسویں صدی عیسوی کے صوفیہ میں شیخ ابوسعید ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 952ء) شیخ ابومحمد الخلدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 959ء) شیخ ابونصر السراج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 988ء) شیخ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 996ء) شیخ ابوبکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 1000ء) اور ابوعبدالرحمٰن السلمی (المتوفی 1021ء) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ان بزرگوں نے زبان اور قلم سے صحیح مذہبی روح کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور اصلاح باطن پر خاص زور دیا۔ان حیلہ بازیوں کو دور کرنے کے لیے (جنھوں نے باطنی زندگی کو گندہ کردیا تھا) ضروری تھا کہ اخلاق کی صحیح تعلیم لوگوں کو دی جائے۔اور اُنھیں بتایا جائے کہ کسی قسم کی انسانی ترقی اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک انسان کا دل تمام آلودگیوں سے پاک نہ ہو جائے۔صوفیہ کے نزدیک اخلاق کا جو معیار تھا اس کے متعلق مولانا شبلی مرحوم کی یہ عبارت بڑی بصیرت افروز ہے:

"شریعت اور علم الاخلاق میں جن احکام کی تعلیم دی جاتی ہے مثلاً صبر' رضا' توکل' استغنا' قناعت وغیرہ وغیرہ' ان پر انسان عمل کرتا ہے تو اس بناء پر کرتا ہے کہ شریعت نے اس کی تعلیم دی ہے اور شریعت کی سرتابی عذابِ قیامت کی مستوجب ہے۔ لیکن تصوف میں ایک حالت طاری ہو جاتی ہے جس سے خودبخود اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔صوفی دل پر جبر کر کے صبر اختیار نہیں کرتا' بلکہ طبعاً اس سے صبر سرزد ہوتا ہے۔ وہ نماز اس لیے نہیں پڑھتا کہ نہ پڑھوں گا تو دوزخ میں جانا پڑے گا' بلکہ اس لیے پڑھتا ہے کہ پڑھنا اس کے اختیار میں نہیں۔یہ تصوف کا عملی حصہ ہے۔"[1]

اس دور کے صوفیہ نے تصوف کے اسی "عملی حصہ" پر زور دیا۔

(1) اس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے مشائخ متقدمین کے حالات اور سوانح

---

[1] شعرالعجم' حصہ پنجم (طبع دوم) ص ۱۴۱۔

Marfat.com

کو بطور نمونہ پیش کیا۔ شیخ ابوسعید ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' شیخ ابومحمد الخلدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ ابوعبدالرحمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' کی کتابوں کا منشاء یہ ہی تھا۔ شیخ ابوسعید ابن العربی بڑے جید عالم' محدث اور فقیہہ تھے۔ خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے۔ اُنھوں نے طبقات نامی کتاب لکھی جس میں متقدمین صوفیہ کے حالات اور تعلیمات کو بڑی تفصیل سے پیش کیا۔ بدقسمتی سے یہ کتاب اب ناپید ہے لیکن اس کے جو اقتباسات کتابوں میں ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت مستند تھی اور محنت سے ترتیب دی گئی تھی۔ شیخ ابومحمد الخلدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حکایات الاولیا اسی زمانے میں لکھی' یہ کتاب بھی اب معدوم ہے۔

مشائخ کے حالات میں جس کتاب کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی' وہ ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طبقات الصوفین ہے۔ اس کتاب کو جے۔ پیڈرسن (J.Pedersen) مرتب کر رہے ہیں۔ طبقات الصوفیین بہت سی کتابوں کا ماخذ ہے۔ شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طبقاتِ صوفیہ میں اسی سے مدد لی پھر مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نفحات الانس کی ترتیب میں طبقاتِ صوفیہ کو اپنا رہبر بنایا۔

(2) اس زمانہ می ایک زبردست کوشش یہ بھی کی گئی کہ تصوف کو شریعتِ اسلامی کے مطابق ثابت کیا جائے۔ شیخ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ ابوبکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں یہ چیز خاص طور سے قابل غور ہے۔ شیخ ابوطالب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قرآن وحدیث پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ قوت القلوب میں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تصوف حقیقتاً قرآن و حدیث کی پیداوار ہے۔ انھوں نے عبادات کا ذکر بالکل اسی انداز میں کیا ہے' جس طرح فقہ کی کتابوں میں ہے' لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ انھوں نے عبادات کے باطنی پہلو اور منشا پر بڑا زور دیا ہے۔

Marfat.com

شیخ ابوبکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب التعارف لمذہب اہل التصوف[1] میں اسلام کے ایک ایک بنیادی اصول سے بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ ہی صوفیہ کا ایمان وعمل تھا۔ تصوف کی حمایت اس کتاب میں بڑے مدلل انداز میں کی گئی ہے۔ اسی بناء پر مقبول ہوئی اور اس پر متعدد حاشیے لکھے گئے۔

(3) تصوف کی اصطلاحات کو مقبول عام بنا ... اسی زمانے سے شروع ہوئی۔ تولیدِ اصطلاحات کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ منطق وفلسفہ کے مباحث نے طرح طرح کی نئی مصطلحات پیدا کر دی تھیں اور یہ انداز علم وفن کے ہر شعبہ میں کام کر رہا تھا۔

(4) تصوف کی سب سے زیادہ اہم کتاب جو اس دور میں لکھی گئی وہ شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب اللمع ہے۔[2] اس میں تصوف کے بنیادی تصورات اور معمولات پر بڑی خوبی سے بحث کی گئی ہے اور نیت کی اصلاح پر بڑا زور دیا گیا ہے کہ وقت کا سب سے اہم تقاضہ یہ ہی تھا۔ خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ شیخ سراج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابن سالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول نقل کیا کرتے تھے کہ نیت خدا کے ساتھ ہے اور خدا سے ہے اور خدا کے لیے ہے۔[3]

(5) دسویں صدی کے تصوف کی تاریخ میں ایک اہمیت یہ ہے کہ اس زمانے میں

---

[1] پروفیسر اربری (A.J. Arberry) نے 1934ء میں مصر سے شائع کیا تھا۔ میرے سامنے اس کا انگریزی ترجمہ ہے جو پروفیسر مذکور نے The Doctrine of the Sufis کے نام سے کیا ہے۔

[2] پروفیسر آر۔ اے نکلسن (R.A. Nicholson) نے 1914ء میں گب میموریل سیریز میں شائع کیا تھا۔

[3] تذکرۃ الاولیا۔ ص ۳۷۹۔۳۷۸۔ (اردو ترجمہ)

Marfat.com

صوفیہ کے حلقے اور گروہ بننے شروع ہو گئے۔ شیخ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کشف المحجوب میں بارہ گروہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

دو گروہ ازاں مردود اند، و دہ گروہ مقبول [1]

ان میں دو گروہ مردود ہیں، دس مقبول ہیں۔

ان گروہوں کے نام یہ ہیں:

(1) مردود گروہ میں حلولی اور حلاجی کا شمار کیا جاتا تھا۔ حلولی تناسخ کے قائل تھے۔

(2) طیفوریہ۔ اس کی نسبت حضرت بایزید طیفور بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [2] سے تھی۔ اس گروہ پر شوق اور مستی کا بڑا غلبہ تھا، اور اس کے پیرو 'سکر' کو 'صحو' پر ترجیح دیتے تھے۔

(3) قصاریہ۔ اس گروہ کی نسبت شیخ حمدود قصار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [3] کی جانب تھی۔ یہ گروہ بعد کو ملامتیہ کی صورت اختیار کر گیا۔

(4) نوریہ۔ اس گروہ کی نسبت شیخ ابی الحسن بن نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [4] جانب تھی یہ گروہ تصوف کا مقصد 'فقر' سے اونچا سمجھتا تھا۔ اور 'صحبت' کو 'عزلت' سے

---

[1] کشف المحجوب ص ۱۳۹۔

[2] کشف المحجوب کے علاوہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حال مندرجہ ذیل کتابوں میں ملتا ہے۔

تذکرۃ الاولیا۔ باب ۱۴ (اردو ترجمہ ص ۱۵۲۔۱۲۵)

نفحات الانس ص ۳۸ (مطبوعہ بمبئی ۱۲۸۹ھ)

رسالہ قشیریہ ص ۱۶ (مطبوعہ ۱۲۸۷ھ)

[3] کشف المحجوب کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابوں میں حالات ملتے ہیں۔

تذکرہ الاولیا۔ ص ۲۲۷ و ۲۷۵ (اردو ترجمہ)

[4] حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

تذکرۃ الاولیا۔ ص ۳۱۰۔۳۱۵ (اردو ترجمہ)

Marfat.com

بہتر جانتا تھا۔

(5) محاسبیہ۔ان کی نسبت شیخ حارث بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [1] کی جانب تھی۔اس گروہ کا خیال تھا کہ رضا' مقام' نہیں ہے بلکہ 'حال' ہے۔تقریباً دو سو سال تک اس مسئلہ پر شدید اختلاف رہا۔اہل خراسان نے اُن کی رائے کی تائید کی۔اہل عراق نے مخالفت کی شیخ ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ان دونوں قوموں میں آج تک اختلاف پڑا ہوا ہے۔

(6) تستریہ۔اس گروہ کی نسبت شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [2] کی جانب ہے۔اس گروہ نے تزکیہ نفس کے اصول ترتیب دیئے تھے۔ یہ لوگ سزائے نفس کے قائل تھے۔

(7) حکیمیہ۔اس کی نسبت حضرت ابی عبداللہ بن علی الحکیم الترمزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [3] سے تھی۔ ولایت کا تصور اسی گروہ سے شروع ہوا۔حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول تھا کہ تمام دنیا اللہ کے ولیوں میں تقسیم ہے'اور ہر علاقہ (ولایت) ایک

---

[1] ملاحظہ ہو:
تذکرۃ الاولیا۔ص ۱۹۷۔۱۹۴

[2] حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔
تذکرۃ الاولیاء ص ۲۲۹۔۲۱۵۔
نفحات الانس۔ص ۴۴۔

[3] ملاحظہ ہو: تذکرۃ الاولیاء ص ۲۴۷۔۲۳۵۔

J.R.A.S. Article By Amed Roz 1912, P 584

میسی نوں (Massignon) کا خیال ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے اور انھوں نے حکیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا تھا۔

(Essai Sur La Mystique, P. 256 - 264)

Marfat.com

بزرگ کے تحت میں ہے۔

(8) خرازیہ۔اس گروہ کی نسبت شیخ ابوسعید خرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[1] سے تھی۔فنا کا تصور اس گروہ نے پیش کیا۔

(9) خفیفیہ۔اس گروہ کی نسبت شیخ ابوعبداللہ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[2] کی جانب تھی اس گروہ نے حضور اور غیبت کا تصور پیش کیا۔

(10) ساریہ۔اس گروہ کی نسبت شیخ ابوالعباس سیاری[3] کی جانب تھی اس گروہ نے جمع و تفریق کا نظریہ پیش کیا۔

مندرجہ بالا گروہ دسویں صدی عیسوی میں وجود میں آئے تھے لیکن اُن کی نسبت مشائخ متقدمین کی جانب کر دی گئی۔

تصوف' دسویں صدی عیسوی میں:

دسویں صدی عیسوی تک تصوف نے ایک باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر لی تھی۔مستند کتابوں کا خاصہ ذخیرہ مہیا ہو گیا تھا۔اصطلاحات بھی کافی تعداد میں وجود میں آ گئی تھیں۔گروہوں کی ابتدا بھی ہو گئی تھی۔لیکن یہ تینوں چیزیں ابھی ابتدائی منازل میں تھیں۔کتابوں کی نوعیت رسالوں کی تھی' ایسے رسالے جن میں یا تو متقدمین مشائخ کے حالات تھے' یا کسی ایک خاص موضوع پر بحث تھی۔تصوف کا پورا فلسفہ ابھی مدون نہیں ہوا تھا اصطلاحات ایجاد ضرور ہو گئی تھیں۔لیکن ان کا مفہوم ابھی وضاحت کے ساتھ متعین نہیں ہوا تھا۔اور ابھی بہت کچھ اصطلاحات کی کمی بھی تھی۔گروہوں کا حال بھی یہی تھا۔ابھی 'سلسلوں' کی باقاعدہ شکل اختیار نہیں کی تھی۔اس منزل تک پہنچنے میں کافی رکاوٹیں باقی تھیں۔اگلے تین سو سالوں میں یہ تینوں چیزیں پوری طرح نشوونما پا گئیں اور تصوف کی تحریک' مسلمانوں کی دینی زندگی کا ایک خاص عنصر بن گئی۔آئندہ تصوف کی ترقی کا مطالعہ

---

[1] ملاحظہ ہو: تذکرۃ الاولیاء ص ۳۰۹۔۳۰۶۔ [2] تذکرۃ الاولیا ص ۳۴۷۔

[3] تذکرۃ الاولیا ص ۴۰۲

Marfat.com

کرنے کے لیے ضروری ہے کہ صدی بہ صدی اس کی ارتقائی کیفیت کا جائزہ لیا جائے۔

تصوف' گیارویں صدی میں:

گیارویں صدی عیسوی کے مشائخ میں مندرجہ ذیل بزرگ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔اُن کے حالات کے مطالعہ سے تصوف کے عام رجحانات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

(1) شیخ ابونعیم اصبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 1308ء)

(2) شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 1072ء)

(3) شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 1072ء اور 1079ء کے درمیان)

(4) شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 1088ء)

(5) شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی (1049ء)

شیخ ابونعیم احمد بن عبداللہ بن اسحاق اصبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شافعی المذہب تھے۔علم حدیث کے ماہر تھے' انہوں نے اپنی مشہور تصنیف حلیۃ الاولیاء میں ہزاروں صوفیہ کے حالات جمع کئے ہیں۔یہ کتاب دس جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور متقدمین مشائخ کے حالات میں بہت مستند اور معتبر مانی جاتی ہے۔امام ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کتاب کا خلاصہ پانچ جلدوں میں کیا ہے۔

شیخ ابوالقاسم قشیری اس عہد کے دوسرے مشہور و معروف بزرگ ہیں اُن کا رسالہ فن تصوف میں سب سے زیادہ مقبول ہوا۔اور اس پر متعدد شرحیں لکھی گئیں۔شیخ قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علوم دینی میں اچھی نگاہ رکھتے تھے۔قرآن کا مطالعہ بڑی توجہ سے کیا تھا اور اس کی شرح لطائف الاشارات کے نام سے لکھی تھی رسالہ قشیریہ میں تصوف کی مندرجہ ذیل اصطلاحات ملتی ہیں۔

وقت۔ مقام۔ حال۔ قبض وبسط۔ ہیبت۔ انس۔ تواجد۔ وجد۔ وجود۔ جمع وفرق۔ فناوبقا۔ غیبت وحضور صحو وسکر۔ ذوق وشرب۔ سرو تجلی۔ محاضرہ۔ کشف ومکاشفہ۔ مشاہدہ ومعاینہ۔ لوائح۔ طوالع۔ طوامع۔

Marfat.com

لوامع۔ ہجوم۔ تلوین و تمکین۔ قرب و بعد۔ شریعت۔ حقیقت۔
طریقت۔ نفس۔ خواطر۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین
شاہد۔ نفس۔ روح۔ سرّ۔

اس رسالے میں شیخ قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن تمام اعتراضات کی تردید کی ہے جو اس زمانے میں عام طور پر تصوف اور صوفیہ پر عاید کئے جاتے تھے۔ان کا اندازِ گفتگو بڑا اسلجھا ہوا اور دل کش ہے۔انھوں نے ثابت کیا ہے کہ تصوف' شریعت و سنت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں۔شیخ قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس رسالے نے معترضین کی زبانیں بند کر دیں اور تصوف کی ترقی اور قبولیت کے دروازے کھول دیئے۔

شیخ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جید عالم اور مرتاض بزرگ تھے۔اپنے زمانے کے بے شمار مشائخ سے ملے تھے اور فیض حاصل کیا تھا۔ابتدائی زمانے میں سفر و سیاحت کا بہت شوق تھا۔چنانچہ شام سے لے کر ترکستان تک' اور دریائے سندھ سے لے کر بحر کیپن تک گشت کیا تھا۔آخر میں لاہور آئے اور پھر وہیں کے ہو رہے۔شیخ ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کشف المحجوب میں اپنی نو تصانیف کا ذکر کیا ہے۔اب سوائے کشف المحجوب کے سب معدوم ہو گئی ہیں۔

کشف المحجوب کا شمار تصوف کا اعلیٰ ترین کتابوں میں کیا جاتا ہے۔داراشکوہ نے لکھا ہے:

''کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچ کس را بر آں جائے سخن نیست و مرشدیست کامل در کتب تصوف بخوبی آں در زبان فارسی کتابے تصنیف نشدہ''[1]

کشف المحجوب مشہور و معروف ہے کسی کو اس پر اعتراض کی جرات نہیں ہو سکتی۔وہ مرشد کامل ہے فارسی زبان میں تصوف میں ایسی عمدہ کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔

امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرح شیخ ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصوف کو

---

[1] سفینۃ الاولیاء (قلمی نسخہ)

Marfat.com

اسلامی شریعت سے قریب لانے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خیالات میں بڑی صفائی اور اندازِ بیان میں بڑی گیرائی ہے۔ تصوف کی کتابیں اب تک عربی زبان میں تھیں اس لیے عوام کو استفادہ کا موقع بہت کم تھا۔ یہ پہلی کتاب ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی۔ حقیقی تصوف کو عوام تک پہنچانے میں اس کتاب کا بڑا حصہ ہے بعض مشائخ کا تو یہ کہنا ہے کہ جس شخص کا کوئی پیر نہ ہو۔ اس کے لیے کشف المحجوب کافی ہے۔

1931ء میں جب پروفیسر محمد حبیب صاحب کابل گئے تھے تو بلاشور بازار نے اُن سے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ کشف المحجوب عربی زبان میں لکھی گئی تھی' اس کا فارسی ترجمہ بعد کو ہوا۔ عربی اصل ضائع ہوگئی۔ فارسی ترجمہ باقی رہ گیا۔ پروفیسر محمد حبیب صاحب نے اس رائے کو قبول کرلیا اور ان کا خیال بھی اب یہی ہے کہ اصل کتاب عربی میں تھی [1] جو ضائع ہوگئی۔ ان کا کہنا ہے کہ فارسی کا اندازِ تحریر ایسا ہے کہ ترجمے کا خیال ہوتا ہے۔ مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں' جہاں تک فارسی طرز تحریر کا تعلق ہے اس زمانے کی دوسری کتابیں بھی اسی انداز میں لکھی گئی ہیں۔ ابوالفضل بیہقی کی تاریخ آل سبکتگین کی فارسی بھی اُسی طرح کی ہے۔ علاوہ ازیں ہمیں کسی تذکرہ یا تاریخ میں اس کتاب کے عربی میں ہونے کا اشارہ نہیں ملتا۔ متقدمین مشائخ نے اپنی کتابوں میں جہاں جہاں اس کے اقتباسات دیئے ہیں وہ سب فارسی میں ہیں اور اسی موجودہ نسخہ کے مطابق ہیں۔ کشف المحجوب' جیسا کہ اندرونی شہادت سے ظاہر ہے' لاہور میں لکھی گئی۔ یہاں کے بسنے والوں کے لیے فارسی زبان ہی کی کتاب زیادہ مفید ہوسکتی تھی۔

بہر حال' عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ شیخ ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس کتاب نے ایک طرف تصوف سے متعلق عوام کی غلط فہمیوں کو دور کیا۔ دوسری طرف اس کی ترقی کی راہیں کھول دیں۔

---

[1] Mediev Al India Quarterly Vol No 2. P12

Marfat.com

شیخ عبداللہ انصار ہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پیر ہری کے نام سے مشہور ہیں۔اپنے زمانے کے مشہور محدث اور صوفی تھے۔حنبلی مذہب کی طرف رجحان تھا۔اتباع سنت کا خاص خیال رکھتے تھے۔اہل بدعت سے ہمیشہ برسرپیکار رہتے تھے۔اور اسی وجہ سے پانچ مرتبہ ان کو لوگوں نے قتل کی دھمکی دی۔انھوں نے تصوف کو مقبول عام بنانے میں بڑا کام کیا۔ان کی مندرجہ ذیل تصانیف دستیاب ہوتی ہیں۔

(1) منازل السائرین

(2) طبقات الصوفیہ

(3) کتاب جامع الکلام

(4) مناجات

منازل السائرین' عربی زبان میں ہے۔اور تصوف کے مسائل پر اس قدر مقبول کتاب ہے کہ اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں۔طبقات الصوفیہ' عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف سے ماخوذ ہے۔جامع الکلام میں دینیات کے مسائل پر بحث کی گئی ہے۔اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔پیر ہری کی مناجات بڑی پُر درد اور پُر تاثیر ہے۔اس کے ترجمے متعدد زبانوں میں ہوئے ہیں۔

شیخ عبداللہ ہروی کی تصانیف کو ہندوستان میں بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔سرور الصدور ملفوظ شیخ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلیفہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں متعدد جگہ اُن کی تصانیف کا ذکر ہے اور بڑی عقیدت سے اُن کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

اس زمانے کے شعراء میں سب سے پہلا مرتبہ شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے جن بزرگوں کا اب تک ذکر کیا گیا ہے' انھوں نے اپنی تصانیف (مناجات کے علاوہ) فارسی یا عربی نثر میں چھوڑی ہیں۔شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فارسی رباعیات کا بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ نثر کے ذریعے خیالات کی ترویج اتنی آسان

Marfat.com

نہیں جتنی نظم کے ذریعے ہوتی ہے۔ایک انگریز مصنف کا قول کہ شعراء تو اپنے زمانے کے قانون ساز ہوتے ہیں۔ جو بات اُن کے قلم سے نکل گئی ہر جگہ گشت کر گئی۔ مولانا شبلی مرحوم اُن کے متعلق لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے صوفیانہ خیالات' حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ادا کیے۔ وہ شیخ بوعلی سینا کے معاصر تھے۔ اُن سے اور شیخ سے اکثر مراسلت رہتی تھی۔ شیخ مشکل مسائل ان سے دریافت کرتا تھا' اور وہ جواب دیتے تھے۔ یہ مراسلات آج بھی موجود ہیں۔'' [1]

شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اشعار میں عشق حقیقی کی آگ بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ان کی دو رباعیاں جو مولانا شبلی نے انتخاب کی ہیں۔ اُن کے جذباتِ عشق کی آئینہ دار ہیں۔

غازی برہِ شہادت اندر تگ و پواست   غافل کہ شہید عشق فاضل تر از دست
در روز قیامت ایں بداں کے ماند   کیں کشتہ ءدشمن ست داں کشتہ ءدوست

دل جزرہِ عشق تو پنوید ہرگز   جز محبت و دردِ تو بخوید ہرگز
صحرائے دلم عشقِ تو شورستاں کرد   تا مہر کسے دگرنہ روید ہرگز

مختصراً' اس صدی میں تصوف کی حالت یہ تھی۔

(1) تصوف کے خیالات تیزی کے ساتھ عوام میں پھیل رہے تھے' تقریباً ہر مذہب کے مشاہیر صوفیہ اور علماء نے تصوف کی حمایت میں قلم اُٹھالیا۔ (شیخ ابونعیم اصبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' شافعی مذہب تھے' شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنفی تھے' شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنبلی تھے۔)

(2) تصوف اور شریعت اسلامیہ کے درمیان تطابق کی کامیاب کوشش کی گئی تھی اور اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ صدیوں میں علماء کا بڑا حصہ تصوف کی طرف کھنچ آیا۔

[1] شعر العجم۔ جلد پنجم ص ۱۲۰ (طبع دوم)

Marfat.com

(3) شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی رباعیات، شیخ عبداللہ ہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مناجات اور شیخ ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کشف المحجوب کے ذریعے تصوف کے خیالات کو عوام تک پہنچا کر، تصوف کے عوامی تحریک بننے اور سلاسل کے منظم ہونے کا سامان بہم پہنچا دیا۔

تصوف، بارہویں صدی عیسوی میں:

بارہویں صدی عیسوی کو اسلامی تصوف کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس زمانے میں تصوف کا فلسفہ پورے طور پر ترتیب دیا گیا۔ یہاں تک کہ اس کو ایک مستقل فن کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اِسی زمانے میں بعض روحانی سلاسل کی داغ بیل بھی پڑی گو اُن کا عروج تیرہویں صدی میں ہوا۔ اس دور میں تصوف کے نشوونما کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے چند ممتاز مشائخ کے حالات کا مطالعہ ضروری ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی (1111ء) نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف احیاء العلوم الدین اسی صدی کے شروع میں مکمل کی۔ حضرت امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اسلامی تصوف کی تاریخ میں جو عظمت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

مولانا شبلی مرحوم لکھتے ہیں:

''حضرات صوفیہ اور فلاسفیہ اسلام کے سرگروہ مولانا روم، شیخ الاشراق ابن رشد، اور شاہ ولی اللہ صاحب ہیں۔ ان بزرگوں کی تصنیفات، درحقیقت امام صاحب ہی کے خیالات کا آئینہ ہیں .... نبوت، وحی، الہام حالات، مابعد الموت، معاد، قضا وقدر، خیر وشر کی جو حقیقت امام رازی، شیخ الاشراق، ابن رشد، شاہ ولی اللہ نے بتائی ہے .... امام غزالی ہی سے سُن کر کہا ہے۔''[1]

امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابتدائی زمانے میں درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ اُن کے درس میں تین سو مدرسین اور سو امراء اور روٴساء حاضر ہوتے تھے۔ درس

[1] الغزالی۔ ص ۲۶۱۔۲۶۰ (نامی پریس کانپور ۱۹۰۲ء)

Marfat.com

کے علاوہ وعظ بھی فرمایا کرتے تھے' ان وعظوں کو شیخ صاعد بن الفارس المعروف بابن للبنان قلم بند کرتے جاتے تھے۔ ایک دن وعظ کہہ رہے تھے کہ اتفاق سے اُن کے چھوٹے بھائی احمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو صوفی منش تھے ادھر آ نکلے اور یہ اشعار پڑھے:

واصبحت تهدی ولا تهدی

وتسمع وعظا ولا تسمع

فیا جعر الشحر حتی متی

تسن الحدید ولا تقطع

تم دوسروں کو ہدایت کرتے ہو لیکن خود ہدایت نہیں پکڑتے اور وعظ سناتے ہو لیکن خود نہیں سنتے اا ے سنگ نسان! کب تک تو لوہے کو تیز کرتا رہے گا لیکن خود نہ کاٹے گا۔

ان اشعار کا دل پر ایسا اثر ہوا کہ مجاہدہ وریاضت کا شوق پیدا ہو گیا پھر ایک عرصہ تک بیابانوں میں پھرتے رہے۔ 499ھ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر عہد کیا (1) کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جاؤں گا۔ (2) کسی بادشاہ کا عطیہ نہ لوں گا (3) کسی سے مناظرہ ومباحثہ نہ کروں گا۔ [1] ابن الاثیر کا کہنا ہے کہ اسی زمانے میں انھوں نے احیاء العلوم الدین تصنیف کی مولانا شبلی لکھتے ہیں:

"احیاء العلوم میں یہ عام خصوصیت ہے کہ اس کے پڑھنے سے دل پر عجیب اثر ہوتا ہے۔ ہر فقرہ نشتر کی طرح دل میں چبھ جاتا ہے۔ ہر بات جادو کی طرح تاثیر کرتی ہے۔ ہر لفظ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ یہ کتاب جس زمانے میں لکھی گئی خود امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تاثیر کے نشہ میں سرشار تھے۔ بغداد میں ان کو تحقیق حق کا شوق پیدا ہوا۔ تمام مذاہب کو چھانا۔ کسی سے تسلی نہیں ہوئی۔ آخر تصوف کی طرف رخ کیا۔ لیکن وہ قال کی چیز نہ تھی' بلکہ سرتاپا حال کا کام تھا............ آخر سب چھوڑ چھاڑ ایک کملی پہن بغداد سے نکلے اور دشت پیمائی شروع کی۔ سخت مشاہدات اور ریاضت

[1] مکاتبات امام غزالی۔ ص ۷

Marfat.com

کے بعد بزم راز تک رسائی۔ یہاں پہنچ کر ممکن تھا کہ اپنی حالت میں مست ہو کر تمام عالم سے بے خبر بن جاتے۔ لیکن ع بیاد آر حریفاں بادہ پیارا کے لحاظ سے افادہ عام پر نظر پڑی دیکھا تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ امیر و غریب، عام و خواص، عالم و جاہل، رند و زاہد۔ سب کے اخلاق تباہ ہو چکے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں۔ علماء جو دلیل راہ بن سکتے تھے، طلب جاہ میں مصروف ہیں۔ یہ دیکھ کر ضبط نہ کر سکے اور اسی حالت میں یہ کتاب لکھی۔[1]

ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ صوفیہ نے تعلیم اخلاق کو اپنی زندگی کا اہم ترین مقصد قرار دیا تھا۔ اس فرض کی ادائیگی نے امام غزالی کو مجبور کیا مہر سکوت کو توڑیں اور عوام کے اخلاق کی درستگی کے لیے کوشش کریں۔ امام صاحب نے اس سلسلہ میں جو خدمات انجام دیں اُن کو سمجھنے کے لیے اس زمانے کے سیاسی اور سماجی حالات کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔ یہاں ہم اس تفصیل میں نہیں جا سکتے۔[2] خود امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے زمانہ کا حال احیاء العلوم کے دیباچہ میں اس طرح لکھتے ہیں۔

''میں نے دیکھا کہ مرض نے تمام عالم کو چھالیا ہے اور سعادتِ اُخروی کی راہیں بند ہو گئی ہیں۔ علماء جو دلیل راہ تھے۔ زمانہ اُن سے خالی ہوتا جاتا ہے۔ جو رہ گئے وہ نام کے عالم ہیں۔ جن کو ذاتی اغراض نے اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔ اور جنہوں نے تمام عالم کو یقین دلایا ہے کہ علم صرف تین چیزوں کا نام ہے۔ مناظرہ (جو فخر اور نمود کا ذریعہ ہے) وعظ و پند (جس میں عوام کی دل فریبی کے لیے رنگین اور مسجع فقرے استعمال کیے جائیں۔) فتویٰ دنیا، جو مقدمات کے فیصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ باقی آخرت کا علم تو تمام عالم سے ناپید ہو گیا ہے، اور لوگ اس کو بھلا چکے ہیں۔''

تصوف کے سلسلے میں امام صاحب کی خدمات اجمالاً یہ ہیں:

---

1. الغزالی۔ ص ۶۳۔ ۶۲ 2. پروفیسر عمر الدین صاحب صدر شعبہ فلسفہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اپنی فاضلانہ تصنیف The Ethical Philoso Phy of Al Ghazzali میں اس پر سیر حاصل بحث کی۔

Marfat.com

(1) امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصوف کو ایک باقاعدہ فن کی حیثیت دے دی جو کچھ مشائخ متقدمین نے (مثلاً امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ابو طالب مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ نے) تصوف پر لکھا تھا اُس کو امام صاحب نے پورے طور پر جذب کیا اس کے بعد نہایت وضاحت اور ترتیب سے تصوف کا پورا فلسفہ مدون کر دیا۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں: ''بڑی خصوصیت جس نے عام و خاص، عارف و جاہل سب میں اس کو (احیاء العلوم کو) مقبول بنا دیا ہے یہ کہ حکمت و موعظت دونوں کو ساتھ ساتھ نبھایا ہے۔''

(2) امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود فلسفہ کے ماہر تھے، اور عرصہ تک عقلیت کے پھندوں میں اُلجھے رہے تھے۔ اُنھوں نے المنقذ من الضلال میں عقل کی بے چارگی کا جس طرح نقشہ کھینچا ہے وہ بڑا مؤثر ہے۔

(3) امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصانیف میں حکمت و استدلال کا انداز قائم رکھا ہے، لیکن گفتگو اس طرح کی ہے کہ مذہبی وجدان خود بخود بیدار ہو جاتا ہے۔

(4) امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی اخلاقی تعلیم کی بنیاد تین چیزوں پر رکھی ہے۔ صحیح مذہبی وجدان۔ حکمت، نفسیات۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں ایک نفسیاتی گیرائی ہوتی ہے جو ایسے حکیمانہ انداز سے پیش کی جاتی ہے کہ صحیح مذہبی وجدان بیدار ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

(5) امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصوف کی اصطلاحات کا مفہوم متعین کیا اور اُن کی وضاحت کی۔ علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں:

وجمع الغزالی بین الا مرین فی الا حیاء فدون فیه احکام الورع والا قتداء ثم بین اداب القوم وسننهمُ و شرح اصطلا حاتهم فی عباداتهم وصار علم التصوف فی الملته علما مدوناً بعد ان

Marfat.com

كانتا الطريقة عبادةً فقط

امام غزالی نے احیاء میں دونوں طریقوں کو جمع کیا۔ چنانچہ ورع اور اقتداء کے احکام لکھنے کے ساتھ ارباب حال کے آداب اور طریقے بتائے اور ان کے مصطلحات کی شرح کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تصوف بھی ایک باقاعدہ علم بن گیا۔ حالانکہ پہلے اس کا طریقہ صرف عبادت کرنا تھا۔

امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانہ تک جو اصطلاحات مشہور ہو گئی تھیں' ان کا ذکر اوپر آ چکا ہے امام غزالی نے مندرجہ ذیل اصطلاحات کا اضافہ کیا۔

سفر' سالک' مکان' شطح' ذہاب' وصل' فصل' ادب' تجلی' تخلی' علت' انزعاج' غیرت' حریت' فتوح' وسم' رسم' زوائد' ارادہ' ہمت' غربت' مکر' اصطلام' رغبت' وجد'

(6) صوفیہ متقدمین کی بہت سی مخصوص روایات اور کردار کی اب تک توجیہہ نہیں ہوئی تھی۔ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہر ہر مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی اور صوفیہ کے عمل کو صحیح ثابت کیا۔ مثلاً حکومت کی ملازمت نہ کرنا۔ صوفیہ کا یہ رویہ تو سب کو معلوم تھا' لیکن شرعی وجوہات پر کسی نے بحث نہیں کی تھی۔ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ دربار میں نہ جانے پر بحث کرتے ہوئے احیاء میں لکھتے ہیں: ''انسان کو سلاطین کے دربار میں ہر قدم پر گناہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ شاہی مکانات بالکل مغصوب ہوتے ہیں۔ اور زمین مغصوبہ میں قدم رکھنا گناہ ہے۔ دربار میں پہنچ کر سر جھکانا اور ہاتھ کو بوسہ دینا ہوتا ہے۔ اور ظالم کی تعظیم کرنا گناہ ہے۔ دربار میں ہر طرف جو چیزیں نظر آتی ہیں یعنی پردہ ہائے زرنگار البسۂ ریشمین' ظروف زرین' یہ سب حرام ہیں اور ان کو دیکھ کر چپ رہنا داخل معصیت ہے۔ آخر میں بادشاہ کی جان و مال کی سلامتی کی دعا مانگنی پڑتی ہے اور یہ گناہ ہے۔''

Marfat.com

سلاطین کی ملازمت اور رات کو قبول نہ کرنے کا سبب بیان فرماتے ہیں:

ان اموال السلاطین فی عصرنا حرام کُلھا او الکثر ھا فکیف لا والحلال ھو الصدقات و الفی و الغنیمۃ و لا وجود لھا ولم یبق الا جزیۃ و انھا لو خذ بانواع الظلم لا یحل اخذھا بہ [1]

ہمارے زمانے میں سلاطین کی جس قدر آمدنی ہے کل یا قریب کل حرام ہے۔اور کیوں حرام نہ ہو۔حلال آمدنی زکوۃ خمس نے' مال غنیمت ہے۔سوان چیزوں کا اس زمانہ میں وجود ہی نہیں۔صرف جزیہ رہ گیا وہ ایسے ظالمانہ طریقوں سے وصول کیا جاتا ہے کہ جائز اور حلال نہیں رہتا۔

بارہویں صدی کی دوسری عظیم المرتبت شخصیت حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 1166ء) ہیں۔امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اگر علمی حیثیت سے تصوف کو ایک مستقل فن بنانے کی خدمت انجام دی' تو شیخ جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عملی اعتبار سے اس تحریک میں ایک جان ڈال دی اور جس چیز کو مولانا ضیاء الدین برنی' مصنف تاریخ فیروز شاہی نے ''فن شیخی'' سے تعبیر کیا ہے اس کو معراج کمال تک پہنچادیا۔اُن سے پہلے کسی بزرگ نے تصوف کو اسلام کے زرین اصولوں کی نشر واشاعت کا ذریعہ اس طرح نہیں بنایا تھا ارشاد و تلقین کا جو ہنگامہ انھوں نے برپا کیا وہ اسلامی تصوف کی تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔غور' غرجستان' بامیاں اور ارد گرد کا تمام علاقہ مہایانہ بدھ مت کے زیر اثر تھا۔اسلام کا کچھ اثر اگر اس علاقہ میں پہنچا تھا تو وہ کرامیہ فرقہ کے ذریعہ۔شیخ جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیم سے افغانستان اور اُس کے قرب و جوار میں ایک زبردست دینی انقلاب آیا۔اور ہزاروں آدمیوں نے اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔

شیخ جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وعظ بڑے پُر تاثیر ہوتے تھے۔ہر طرح کے

---

[1] احیاء العلوم۔باب خامس

Marfat.com

لوگ اُس میں شرکت کرتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

مجلس آنحضرت ہرگز از جماعت یہود و نصاریٰ و امثال ایشاں کہ بر دست او بیعت اسلام آوردندے واز طوائف عصاۃ از قطاع طریق وارباب بدعت وفساد در مذہب و اعتقاد کہ تائب می شدند خالی بنودے۔[1]

حضرت کی مجلس کبھی یہود و نصاریٰ سے جو شرف بہ اسلام ہوتے تھے اور قزاق، بدعتی اور فسادیوں سے جو دستِ حق پرست پر توبہ کرتے تھے خالی نہ ہوتی تھی۔

بعض اوقات حاضرین کی تعداد ۷۰ ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔[2] چار سو کاتب قلم دوات لیے بیٹھے رہتے تھے اور جو لفظ شیخ کی زبان مبارک سے نکلتا اُسے فوراً لکھ لیتے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ راوی ہیں۔

درمجلس وعظ آنحضرت چارصد نفر دوات وقلم گرفتہ می نشستند وانچہ از وے می شنیدند املا می کردند[3]

حضرت کی مجلس وعظ میں چار سو آدمی قلم دوات لیے بیٹھے رہتے تھے اور جو اُن سے سنتے تھے وہ لکھ لیتے تھے۔

شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مواعظِ حسنہ کے دو مجموعے فتوح الغیب[4] اور فتح ربانی[5] اب بھی دستیاب ہوتے ہیں۔ فتوح الغیب میں 78 وعظ نقل کیے گئے ہیں۔ فتح ربانی میں شیخ کے وہ 62 خطبات شامل ہیں جو انہوں نے 545ھ اور 546ھ میں دیئے تھے ان خطبات کا ایک ایک حرف دل سے نکلا ہے اور اسی بنا پر وہ دل کی انتہائی گہرائیوں میں اپنی جگہ تلاش کرتا ہے۔ حد یہ ہے کہ ایک متعصب مستشرق پروفیسر مارگولیتھ (Prof. D.S. Margoliouth) کو بھی اُن کے پُر تاثیر ہونے کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔[6] شیخ گیلانی

---

[1] اخبارالاخیار۔ ص ۱۳۔ [2] اخبارالاخیار۔ ص ۱۲

[3] اخبارالاخیار۔ ص ۱۲ [4] مطبوعہ مصر۔ ۱۳۰۴ھ

[5] مطبوعہ مصر۔ ۱۳۰۲ھ [6] Ency of Islam vol I p 410 (ص ۴۱۰)

Marfat.com

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دو اور مشہور تصانیف یہ ہیں (1) غنیۃ اطالبین (2) الفیوضات الرّبانیہ۔اول الذکر کتاب میں شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 73 اسلامی فرقوں کا ذکر نہایت شرح وبسط سے کیا ہے بارویں صدی میں مسلمانوں کا دینی ماحول سمجھنے کے لیے یہ کتاب بے حد کارآمد ہے۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کتاب کو اسی افادیت کی بناپر فارسی زبان میں منتقل کیا تھا۔

شیخ گیلانی کے وعظوں میں اگر ایک تاثیر تھی تو ان کے اخلاق میں ایک کشش شیخ ابوالمعمر مظفر منصور ابن المبارک الواعظ المعروف بہ جرادہ کہا کرتے تھے کہ میری آنکھ نے کسی کو سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر سے بڑھ کر خلیق، وسیع الصدر کریم النفس، نرم دل اور حافظِ عہدو پیماں نہیں دیکھا۔جلالتِ قدر اور علوِ منزلت کے باوجود آپ ہر چھوٹے بڑے کی عزت کرتے تھے۔کمزوروں کے ساتھ بیٹھتے۔فقیروں کی تواضع کرتے۔لیکن کبھی کسی امیر کے لیے کھڑے نہ ہوتے، نہ کبھی کسی وزیر یا سلطان کے در پر جاتے۔

اس دور کے ایک اور مشہور بزرگ شیخ نجیب الدین عبدالقاہر سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 563ء) ہیں۔انھوں نے شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر بزرگوں سے فیض حاصل کیا تھا۔داراشکوہ نے ان کے متعلق لکھا ہے:

"وصحبت حضرت قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف گشتہ بودند۔"

شیخ نجیب الدین سہروردی نے بھی اصلاح وتربیت کا کام بڑے اعلیٰ پیمانے پر انجام دیا۔دجلہ کے مغربی کنارے پر آپ کی خانقاہ تھی۔اس سے متصل ایک مدرسہ بھی بنوادیا تھا۔ایک طرف علومِ ظاہری کا ہنگامہ تھا دوسری طرف تصفیہ قلوب وتذکرہ نفوس کا کام جاری تھا۔ابن خلکان نے لکھا ظھرت برکتہ علیٰ تلامذتہ [1] یعنی اُن کے فیوض و برکات تمام شاگردوں پر ظاہر ہوئیں۔

---

[1] وفیات الابن خلکان۔جلد اول۔ص ۱۲ (مطبوعہ مصر)

Marfat.com

بارویں صدی کے آخر میں دو اور عظیم المرتبت شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے تصوف کی تحریک کو وہ سب کچھ دیا جس کی اس کو ضرورت تھی۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (1240ء،1165ء) اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (1234ء۔1144ء) دو مختلف مکتب خیال سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن دونوں نے اپنی اپنی جگہ حیرت انگیز خدمات انجام دیں۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ 1165ء میں اسپین کے مشہور شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے تھے۔ 8 سال کی عمر میں مرسیہ سے لسبن آئے وہاں قرآن و حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد اشبیلیہ چلے گئے اور وہاں کے مشاہیر کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ نا مساعد حالات نے ان کو اشبیلیہ میں نہ ٹھہرنے دیا۔ اسپین کے ہر ہر گوشہ میں شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پہنچے اور وہاں کے حالات کا بغور مطالعہ کیا۔ قرطبہ میں ابن رشد سے ملاقات ہوئی 1201ء میں شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مغرب کو خیر باد کہا اور مشرق کی راہ لی۔ مصر، حجاز، بغداد، ایشیائے کوچک ہر ہر جگہ گئے لیکن اُن کے نظریات میں کچھ ایسی نُدرت اور سختی تھی کہ کسی جگہ لوگوں نے اُن کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ عمر کا بیشتر حصہ اسی مسافرانہ حالت میں گذارا یہاں تک کہ 1240ء میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کی تصانیف کی تعداد 500 بتائی ہے۔ برکلمان نے اُن کی ڈیڑھ سو ایسی تصانیف کی فہرست دی ہے جو اب بھی دستیاب ہوتی ہیں[1] شیخ کی ان سب کتابوں میں فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ شیخ کے نظریات اور عقائد کا نچوڑ ان ہی کتابوں میں ملتا ہے۔ فتوحات کے متعلق فرماتے ہیں۔

کان الاغلب فیما ادعت هذه الرسالة مافتح الله به علیّ عند طوافی ببیته المکرم اوقعودی مراقباً بحرمه الشریف المعظم[2]

---

[1] محی الدین ابن عربی" از عفیفی۔ ص xvii [2] فتوحات مکیہ۔ جلد اول ص ١٠

Marfat.com

یعنی جو حقائق و معارف میں نے اس کتاب میں ناظرین کے لیے بطور امانت درج کئے ہیں وہ اکثر خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے وقت یا حرم شریف میں بحالت مراقبہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر کھولے ہیں۔

دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:

فشغلنا هذا الكتاب عنه وعن غيره بسبب الامراه لهى الذى ورد علينا فى تقييده۔[1]

یعنی ہم پر اس کتاب کی تکمیل کے لیے خدا تعالیٰ کا تاکیدی حکم وارد ہوا۔ بدیں وجہ ہم دوسرے امور کو سرانجام کرنے سے رک گئے۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فلسفہ کا مرکزی نقطہ وحدت الوجود ہے۔ مختصراً اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے سوا کائنات میں کوئی چیز موجود نہیں۔ یا یہ کہ جو کچھ موجود ہے سب خدا ہی ہے۔ اہل ظاہر کے نزدیک خدا سلسلہ کائنات سے بالکل الگ ایک جداگانہ ذات ہے۔ صوفیہ کے نزدیک خدا سلسلہ کائنات سے الگ نہیں

باوحدتِ حق زکثرت خلق چہ باک صد جائے اگر گرہ زنی رشتہ یکسیت

دھاگے میں جو گرہیں لگادی جاتی ہیں' اُن کا وجود اگرچہ دھاگے سے ممتاز نظر آتا ہے لیکن فی الواقع دھاگے کے سوا کوئی زائد چیز نہیں' صرف صورت بدل گئی ہے۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس نظریہ وحدت الوجود سے اسلام کے بہترین دماغ متاثر ہوئے اور یہ نظریہ تصوف کی روح بن گیا۔ وحدت الوجود کے متعلق چند باتیں ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھنی چاہئیں کہ ان کے بغیر اس نظریہ کا صحیح جائزہ حدامکان سے باہر ہے۔

(1) مسئلہ وحدت الوجود پر عوام میں گفتگو کو مشائخ بہت برا سمجھتے تھے۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے۔

مسئلہ وحدت الوجود را پیش ہر آشنا و بیگانہ نخواہید بر زبان آورد[2]

---

[1] فتوحاتِ مکیہ جلد اول ص ۹۸ [2] مکتوبات کلیمی ص ۴۷

Marfat.com

مسئلہ وحدت الوجود کو ہر آشنا و بیگانہ سامنے بیان نہیں کرنا چاہیے۔

شاہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے:

ہر امم ماضیہ کہ حوادث واقع می شدند محض برائے اظہار وحدت وجود[1]

پہلی اُمتوں پر جو حوادث نازل ہوئے وہ صرف اظہار وحدت وجود کی بنا پر تھے۔

حقیقت میں یہ مسئلہ اس قدر نازک ہے کہ عوام اس کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے اور ایسی صورت میں بے راہ روی پیدا ہو جانا لازمی چیز ہے۔ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی عوام کو اس گفتگو میں شریک کیا گیا ہے۔ الحاد و زندقہ کے دروازے کھل گئے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں مشائخ نے ہمیشہ یہ احتیاط برتی ہے کہ (1) مریدین کو اس پر گفتگو کرنے کی سخت ممانعت کی ہے (2) شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتابوں کو پڑھنے اور پڑھانے پر پابندیاں عاید کی ہیں۔ محمد غوثی مصنف گلزار ابرار کے ایک بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فصوص الحکم کو پڑھانے کے لیے باقاعدہ سند حاصل کی جاتی تھی۔[2] (۳) فصوص الحکم کی زیادہ تر شرحیں عربی میں لکھی گئی ہیں تاکہ صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ ہی ان سے استفادہ کر سکے۔ واضح رہے کہ یہ تمام احتیاطیں ان مشائخ نے برتی ہیں جن کا وحدت الوجود پر ایمان تھا۔

(2) نظریہ وحدت الوجود میں اعتقاد کا اثر عملی زندگی میں بڑا زبردست پڑتا ہے۔ اس پر اعتقاد رکھنے والے کا مطمح نظر بلند، ہمدردیاں وسیع اور مقاصد اعلیٰ ہوتے ہیں وہ عملاً الخلق عیال اللہ کا قائل ہوتا ہے۔ وہ ہر نظریہ کو ہمدردانہ سمجھنے کے لیے تیار رہتا ہے اس لیے کہ اُس کی نظر میں حقیقت تو ایک ہی ہے۔ وحدت الوجود پر ایمان لانے کے بعد انسان میں تنگ نظری اور تعصب کا تو وجود رہتا ہی نہیں۔ ہمارے مشائخ نے اس نظریے کے ذریعے دوسری قوموں کے مزاج کو پہچانا، ان کے مذہبی اور سماجی حالات کو پرکھا اور پھر اسلام کے زرین اصولوں کو ان تک پہنچانے

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۹۷ [2] گلزار ابرار (قلمی نسخہ) اردو ترجمہ ص ۴۵۳

Marfat.com

کی کوشش کی مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کی بالغ نظر نے اسلامی تاریخ کے اس راز کو خوب سمجھ لیا تھا کہ اسلام کی ترویج واشاعت میں فلسفہ وحدت الوجود کو بڑا دخل رہا ہے۔ اور اسی بنا پروہ ایسا محسوس کرنے لگے تھے کہ اسلام کا فکری انقلاب اسی راہ سے ہو کر گزرے گا۔ ان کا خیال تھا' اور بالکل صحیح۔ لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ وحدت الوجود کو عملی زندگی میں ایک انقلابی عنصر کی حیثیت سے استعمال کرنے کے لیے مجددانہ بالغ نظری اور بیدار مذہبی شعور کی ضرورت ہے۔ ورنہ اس کی گمراہیاں کبھی دین الٰہی کی شکل اختیار کرتی ہیں اور کبھی فتنہ نمود وانمود کی۔

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (1144-1234ء)

حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے معاصر تھے۔ ایک روایت ہے کہ مکہ معظّمہ میں اتفاقاً دونوں کی مڈبھیڑ ہوگئی' دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا' ایک لفظ زبان سے نہ نکالا' اور دونوں رخصت ہو گئے۔ شیخ سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتب خیال کے لوگوں میں تھے شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نظریات سے متاثر تھے۔

شیخ سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب عوارف المعارف' تصوف کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ تیرویں صدی میں جب سلاسل کی تنظیم شروع ہوئی تو سہر وردیہ سلسلہ کے علاوہ دیگر سلسلوں نے بھی اس کتاب کو اپنالیا' عوارف المعارف کی خوبی یہ ہے کہ اس میں تصوف کے بنیادی اعتقادات' خانقاہوں کی تنظیم' مریدین وشیوخ کے تعلقات اور دیگر مسائل پر نہایت وضاحت سے کتاب وسنت کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ تصوف کی۔ اصطلاحات کے معنی مختصر' لیکن جامع طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ ایک طرف تو تصوف کا پورا فلسفہ اس میں مدون ہو گیا ہے۔ دوسری طرف خانقہی نظام کے متعلق تفصیلی بحث آ گئی ہے۔ چشتیہ سلسلہ کے مشائخ بھی اس

Marfat.com

کتاب کی بڑی قدر کرتے تھے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے اعلیٰ مریدین اور خلفاء کو اس کا درس دیا کرتے تھے۔ محمد غوثی کا بیان ہے کہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر ایک حاشیہ بھی لکھا تھا [1]

اخیر عمر میں شیخ سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شہرت ممالک اسلامیہ میں دور دور پھیل گئی تھی علامہ ابن خلکان کا بیان ہے کہ:

ولم یکن فی اٰخر عمرہ فی عصرہ مثلہ وکان شیخ الشیوخ ببغداد [2]

آپ کی آخر عمر میں آپ کے معاصرین میں کوئی آپ کا مثل وہم پایہ نہ تھا اور آپ بغداد کے شیخ الشیوخ تھے۔

امام تاج الدین سبکی محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

''حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی عقیہہ' فاضل' عارف' کامل' زاہد متورع اور علم حقیقت میں اپنے وقت کے شیخ اور امام جبیل تھے۔ مریدین وطالبین کی تربیت' خلق کی خالق کی طرف دعوت۔ مخلوق کی رشد و ہدایت' تکمیل سلوک سالکان اور تعلیم وتلقین طریق عبادت وخلوت وغیرہ آپ پر ختم تھی۔'' [3]

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو' جنہوں نے اسلامی دنیا کے کونے کونے کو چھان مارا تھا' جب مرشد کامل کی تلاش ہوئی تو شیخ سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی کے آستانہ کی طرف دوڑے۔ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اصلاح وتربیت کا نچوڑ یہ تھا کہ کبھی ''خود بیں'' نہ بننا اور کبھی ''بد بیں'' نہ ہونا۔ فرماتے ہیں:

مرا پیر دانائے فرخ شہاب — دو اندرز فرمود بروئے آب
یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش — دگر آنکہ برغیر بدبیں مباش

---

[1] گلزار ابرار۔ مصنفہ محمد غوثی۔ (قلمی نسخہ) [2] وفیات الاعیان۔ جلد اول ص ۳۸۰
[3] طبقات امام سبکی جلد ۵ ص ۱۴۴۔ ۱۴۳

Marfat.com

ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ اعلیٰ تصوف' اصلاح و تربیت اور تعلیمِ اخلاق کا ایک زبردست نظام تھا..........!

بارویں صدی عیسوی میں اسلامی دنیا کی حالت بہت زبوں تھی۔ خلافتِ بغداد پر نزع کا عالم طاری تھا۔ بغداد کی عظمت ماضی کی داستان بن چکی تھی۔ نئی نئی طاقتیں اُبھر رہی تھیں اور ہر طاقت پہلے بغداد ہی کی طرف رُخ کرتی تھی۔ اخلاقی پستی اپنی اپنی آخر حد پر پہنچ چکی تھی۔ امراء و سلاطین خلفا و وزرا سب پر ایک اخلاقی انحطاط کا رنگ چھایا ہوا تھا۔ عجم کا سیاسی نظام بے جان ہو چکا تھا اور کچھ ہی دنوں میں گرا چاہتا تھا۔ اُدھر اندلس میں طوائف الملو کی پھیلی ہوئی تھی اور مسلمانوں کا سیاسی اقتدار ہچکیاں لے رہا تھا..........سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان حالات میں پیدا ہونے والے مشائخ نے سیاسی حالات کی درستگی کے لیے بھی کچھ کیا یا نہیں۔ ضروری ہے کہ اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

حضرتِ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کا ذکر ہم نے اس صدی کے صوفیہ میں سب سے پہلے کیا ہے' ایسے زمانے میں پلے بڑھے تھے۔ جب ملک شاہ سلجوقی سریر آرائے سلطنت تھا۔ وہ عدل و انصاف میں مشہور تھا۔ اور رعایا کی بہبودی کا خیال رکھتا تھا۔ ملک شاہ کے بعد اس کے تین بیٹے برکیارق' محمد' اور سنجر سلطنت کے دعویدار ہوئے۔ اور خانہ جنگیوں کا ایک ایسا ہولناک سلسلہ شروع ہوا کہ شہر کے شہر تباہ ہو گئے۔ دیہات وقصبات میں خاک اُڑنے لگی۔ ہزاروں جانیں ضائع ہو گئیں اور امن و امان کا نام ونشان نہ رہا [1]

امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوری بصیرت کے ساتھ حالات کا جائزہ لیا۔ وہ مسلمانوں کی سیاسی زندگی کے ہر گوشے سے واقف تھے۔ بغداد میں وہ دربارِ خلافت میں باریاب ہوئے تھے' سلاجقہ کے دربار میں آتے جاتے تھے' وزرائے سلجوقیہ اُن کے ارادت مند تھے' پھر خراسان سے لے کر بیت المقدس تک اسلامی دنیا کا پورا مطالعہ کیا تھا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم میں سلاطین کے کردار پر کھل کر تنقید کی اور اُن کی

---

[1] ابن الاثیر۔ واقعات 497ھ

Marfat.com

گمراہیوں کے ایک ایک منبع ومخرج کا پتہ لگایا۔اس تنقید نے عوام میں ہمت وجرات پیدا کی اور سلاطین کو بھی اُن کی خوابِ غفلت سے بیدار کر دیا۔محمد بن ملک شاہ کو (جو سنجر کا بڑا بھائی تھا) ایک ہدایت نامہ جو نصیحت الملوک کے نام سے مشہور ہے لکھ کر بھیجا۔اس میں عقائد دینی سے بحث کرنے کے بعد حکومت کے فرائض سے آگاہ کیا گیا ہے۔فرماتے ہیں:

(1) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت میں سب سے زیادہ عذاب جس کو دیا جائے گا وہ ظالم بادشاہ ہوں گے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر ایک خارشی بکری کی خبر گیری مجھ سے رہ گئی تو قیامت میں مجھ سے مواخذہ ہوگا۔''

اے بادشاہ! دیکھو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باوجود اپنے کمال احتیاط، عدل و انصاف کے مواخذے کا کس قدر ڈر تھا۔اور تیرا یہ حال ہے کہ تجھ کو اپنی رعایا کی کچھ پروا نہیں اور کچھ نہیں جانتا کہ تیرے ملک والوں کا کیا حال ہے۔تجھ کو صرف اس پر قناعت نہیں کرنی چاہیے کہ خود ظلم کا ارتکاب نہیں کرتا۔بلکہ تو اس بات کا بھی ذمہ دار ہے کہ تیرے غلام، عہدہ دار، عامل کسی پر ظلم وستم نہ کریں۔

(2) اے سلطان! اگر تو دنیا کی لذات کی غرض سے لوگوں پر مظالم کرتا ہے تو غور سے دیکھ! دنیاوی لذات کیا ہیں! اگر تو کھانے کا زیادہ حریص ہے تو جانور ہے۔اگر حریر ودیبا کے استعمال کا دلدادہ ہے تو مرد نما عورت ہے اگر اپنے غیض وغضب کے قابو میں ہے تو آدمی کی صورت میں درندہ ہے۔

سلاطین کے علاوہ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارکان سلطنت اور وزراء کو اُن کی بے راہ روی پر متنبہ کیا۔انھوں نے وزرا کے نام بہت سے خطوط لکھے ہیں جن میں عدل وانصاف کی پابندی کی تاکید ہے۔

اسپین کی دردناک حالات سے بھی امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ناواقف نہ تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ موحدین کی سلطنت امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی کی وجہ سے

Marfat.com

وجود میں آئی۔محمد بن عبداللہ تومرت' بانی سلطنت موحدین امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس خواہش سے کہ کوئی اسلامی سلطنت وجود میں آئے اتنا متاثر ہوا کہ وطن واپس ہونے پر ایک سلطنت کے قائم کرنے کا ارادہ کرلیا۔امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ذکر کیا تو فرمایا کہ اگر اسباب مہیا ہوں تو کوشش کی جائے۔

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے:[1]

ولقمی فیماز عموا اباحامد الغزالی وفاوضه بذات صدره بذالک فارادہ علیه لما کان فیہِ الاسلام یومئذٍ باقطار الارض من اختلال الدولة وتقویض ارکان السلطان الجامع لِلُامة المقیم للملّة بعد ان سئله عمن له العصابه والقبائل الّتی یکون بها الاعتزاز والمنعة

جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے۔وہ (محمد بن عبداللہ تومرت) ابو حامد غزالی سے ملا اور ان سے اپنے دلی خیالات کے متعلق مشورہ کیا۔امام صاحب نے اس کی تائید کی کیونکہ اس زمانہ میں اسلام تمام دنیا میں ضعیف ہورہا تھا اور کوئی ایسا سلطان موجود نہ تھا جو تمام امت کو فراہم کرسکے اور دین اسلام کو قائم رکھے لیکن پہلے امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے پوچھ لیا کہ تمہارے پاس اتنا سروسامان اور جمعیت ہے یا نہیں جس سے قوت اور حفاظت ہوسکے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلفاء وقت پر عوام کے سامنے تنقید کرتے تھے۔کسی بے راہ روی کا پتہ چل جاتا تو سخت مذمت کرتے۔خلفاء خاموشی سے۔اُن کی تنبیہ کو سُنتے۔بہجۃ الاسرار میں ایک واقعہ لکھا ہے جس کو کرامت کا رنگ دے دیا گیا ہے' لیکن بایں ہمہ بڑا عبرت آموز ہے۔شیخ ابوالعباس خضر بن عبداللہ حسینی موصلی سے

---

[1] مقدمہ ابن خلدون

Marfat.com

مروی ہے کہ ایک رات ہم بغداد میں سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر کے مدرسے میں تھے۔ امام مستنجد باللہ ابوالمظفر یوسف' آپ کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں اور دس تھیلیاں اشرفیوں کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے ان تھیلیوں کی ضرورت نہیں۔ خلیفہ نے اصرار کیا تو آپ نے ایک تھیلی اپنے دائیں ہاتھ میں لے لی اور دوسری بائیں میں اور دونوں کو دبا کر نچوڑا تو اُن میں سے خون بہنے لگا۔ پھر آپ نے فرمایا ابوالمظفر کیا تو حیا نہیں کرتا کہ لوگوں کا خون لے کر میرے پاس آیا ہے! [1]

حقیقت میں وہ تھیلیاں عوام کے خون ہی سے بھری ہوئی تھیں! خلفاء متاخرین کے طرزِ حکومت پر اس سے بڑی تنقید اور کیا ہو سکتی ہے۔

اسلامی دنیا کے عام حالات' خصوصاً اندلس کی ابتری نے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر جو اثر کیا وہ خود اُن ہی کی زبانی سننے کے قابل ہے۔ سلطان روم سلطان عزالدین کیکاؤس کو لکھتے ہیں: [2]

کتبت کتابی والدموع تسیل ومالی الی مارتضیہ سبیل

میں اپنا خط لکھ رہا ہوں اور آنسو بہہ رہے ہیں' اور میرے بس میں نہیں ہے کہ ان کو راضی کروں

اریدی دین النبی محمداً یقام و دین المبطلین یزول

چاہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو دیکھوں کہ وہ بلند ہو جائے اور جھوٹوں کا دین مٹ جائے

فلم ازالا الزوریعلو واھلہ لیغرون والدین القویم ذلیل

مگر بناوٹی سخن سازیوں کے اور اس کے کاروبار کرنے والوں کے سوا کسی کو معزز ہوتے ہوئے نہیں پا رہا ہوں

فیاعزدین اللہ سمعاً لناصح شفیقاً فنصاح الملوک قلیل

اے اللہ کے دین کی عزت ایک بہی خواہ کی نصیحت سُن جو تجھ پر مہربان ہے یاد رکھ کہ بادشاہ کو نصیحت کرنے والے کم ہیں

وَحازرتبائید الالہ بطانۃ تشیر بارما علیہ دلیل

اور بجز اللہ کی مدد سے ایسوں کو رازدار بنانے سے جو اشارے ایسی باتوں کی طرف کرتا ہو جس کی دلیل نہ ہو

---

[1] بہجۃ الاسرار۔ ص ۶۱ [2] فتوحات مکیہ۔ ج ۴ ص ۶۹۲ (مطبوعہ بولاق)

Marfat.com

اس کے خطاب عزالدین پر اعتراض کرتے ہیں۔

اذا انت اعززت الھدی وتبعته   فانت لھذا الدین عز کما تدعیٰ

اگر دینی ہدایت کو تم سے عزت نصیب ہو اور اس کی خود بھی تم پیروی کرو تو بے شک تم دین کی عزت ہو جیسا کہ پکارے جاتے ہو۔

وان انت لم تحفل به واھنته   فانت تذل الدین تحفضه وضعا

اور اگر تم نے دین کو نہیں سمیٹا اور اُسے ذلیل کیا تو پھر دین کے تم خوار کرنے والے اور اسے تم نے پست کر دیا۔

فلا تاخذ الا لقاب زوراً فانکم   تُسئل عنھا یوم یجمعکم جمعا

پس جھوٹ موٹ کے القاب نہ اختیار کرو کیونکہ جس دن تم لوگ (قیامت میں) جمع کیے جاؤ گے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔

وان قال دین کنت بملکه   ذلیلا واھلی فی میادینه صرعا

اللہ سے دین نے اگر کہا کہ میں اس شخص کی حکومت میں ذلیل تھا اور دین دار لوگ اس ملک میں بچھڑے پڑے تھے تو قیامت کے دن تمہارا کیا جواب ہوگا۔

حق کی یہ آواز اسی وقت اُٹھتی تھیں جب مسلمانوں کا سارا سیاسی اور سماجی نظام درہم برہم ہو رہا تھا۔

حضرت شیخ نجیب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے برادر زادے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا زیادہ وقت عوام کی اصلاح و تربیت میں گزرتا تھا۔ لیکن جب سیاسی حالات کا تقاضا ہوتا کہ وہ اپنی خانقاہ سے باہر نکلیں تو ان کو کبھی تامل نہ ہوتا۔ خلیفہ الراشد سے جب شیخ نجیب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت خلافت کی تو اس کو بہت نصیحتیں فرمائیں۔ ابن اثیر نے لکھا ہے:

وبایع له الشیخ ابو النجیب و عظه وبالغ فی الموعظة[1]

---

[1] الکامل۔ جلد یازدہم ص ۱۲۔

Marfat.com

شیخ ابوالنجیب نے ابوجعفر الراشد باللہ کی بیعت خلافت کی اور نہایت مبالغہ کے ساتھ اس پوپند و نصیحت فرمائی۔

جب خوارزم شاہ کی فوجیں بغداد پر حملہ آور ہوئیں تو شیخ شہاب الدین شہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت جرأت کے ساتھ خوارزم شاہ سے گفتگو کی۔ روضۃ الصفا میں لکھا ہے:

''شیخ بطریق سنت سلام کرد و پادشاہ از غایت نخوت جواب داد.......... شیخ ہم چناں بر پائے ایستادہ بہ عربی خطبہ بلیغ فصیح خواند سخناں مائل برزبان آورد''[1]

ایک مرتبہ اربل میں سفارت کے نازک کام کو انجام دینے کے لیے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب کیا گیا۔[2] اور انہوں نے بڑی خوبی سے اس کو پورا کیا۔

بارہویں صدی کے ان مشاہیر صوفیہ کا تذکرہ ختم کرتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ان صوفی شعراء کا ذکر بھی کر دیا جائے جنھوں نے تصوف کی تحریک عوام تک پہنچانے میں ایک زبردست خدمت انجام دی تھی۔

حکیم سنائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ نظامی گنجوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس عہد کے مشہور صوفی شعراء تھے۔ صوفیانہ شاعری کے متعلق مولانا شبلی فرماتے ہیں:

''فارسی شاعری اس وقت تک بے جان تھی جب تک اس میں تصوف کا عنصر شامل نہیں ہوا۔ شاعری اصل میں اظہارِ جذبات کا نام ہے۔ تصوف سے پہلے جذبات کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ قصیدہ' ملاحی اور خوشامد کا نام تھا۔ مثنوی واقعہ نگاری تھی۔ غزل زبانی باتیں تھیں۔ تصوف کا اصلی مایہ خمیر' عشق حقیقی ہے' جو سرتا پا جذبہ اور جوش ہے' عشق حقیقی کی بدولت مجازی کی بھی قدر ہوئی اور اس آگ نے تمام سینہ و دل گرما دئے۔ اب زبان سے جو کچھ نکلتا تھا گرمی سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ اربابِ

---

1 روضۃ الصفا۔ ج ۴ ص ۱۱۸

2 ملاحظہ ہو ''علمائے سلف'' از نواب صدر یار جنگ

Marfat.com

دل ایک طرف اہل ہوس کی باتوں میں بھی تاثیر آ گئی۔"[1]

شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اُن کے بعد حکیم سنائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی نے اس باغ کی آبیاری کی۔ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

عطار روح بود سنائی دو چشمِ او
ما از پسِ سنائی و عطار آمدیم

حکیم سنائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصوف میں دو مستقل کتابیں حدیقہ اور سیر العباد تصنیف کی تھیں۔ ان کے علاوہ ان کی چھ مثنویاں بھی ہیں۔ حدیقہ میں تصوف کے اکثر مقامات صبر' رضا' توکل' وغیرہ کے مستقل عنوان قرار دیئے ہیں۔ اور اُن کی حقیقت بتائی ہے۔ سیر العباد میں اس قسم کے مسائل سے بحث کی ہے' نفس ناطقہ' سالکان' طریقت' اہل رضا' مراتبِ نفس وغیرہ۔

حکیم سنائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پہلے کسی نے تصوف کے اسرار و معارف کو اس طرح ادا نہیں کیا تھا۔ خود اُن کا دعویٰ ہے:

کس نہ گفت ایں چنیں سخن بجہاں | در کسے گفت' گو بیار و نجواں
زیں نمط ہر چہ در جہاں سخن است | گر یکے ور ہزار' آن من است
چوں ز قرآن گزشتی وز اخبار | نیست کس را ازیں نمط گفتار

مولانا شبلی کا خیال ہے کہ اخلاقی شاعری کی بنیاد بھی حکیم سنائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قائم کی' اور گو آگے چل کر اس صنف کو بہت وسعت ہوئی' لیکن اصول اور آئین حکم سنائی ہی نے قائم کر دیئے تھے۔

ابتدائی زمانے میں سنائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دربایوں میں رہتے تھے اور قصیدہ گوئی میں وقت صرف کرتے تھے۔ ایک دن ایک مجذوب کی بات کا ایسا اثر ہوا کہ سب کچھ

---

[1] شعر العجم۔ جلد پنجم۔ ص ۱۲۰

Marfat.com

چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ بہرام شاہ نے اپنی بہن کو عقدِ نکاح میں دینا چاہا تو جواب میں لکھ بھیجا:

من نہ مردِ زن و زرد جاہم — بخدا گر کنم و گر خواہم
گر تو تاجم دہی زا حسانم — بہ سرِ تو کہ تاج نہ ستانم

ایک رئیس نے اُن کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا تو اسے لکھا:

ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسد دہا۔ گوشہ دل ایں گوشہ گرفتہ را بہ تفقد ستائش خود خراب نہ کند، جسم حقیر ایں بندہ نہ سزائے حشم خداوندی است۔"[1]

خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صوفیانہ "شاعری کی وسعت کا دائرہ نہایت وسیع کر دیا۔ ان کی بدولت قصیدہ، رباعی، غزل تمام اصنافِ سخن تصوف سے مالا مال ہو گئے۔ اُن کے اشعار کی تعداد لاکھ سے زیادہ ہے۔"[2]

مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ہفت شہر عشق را عطار گشت
ماہماں اندرِ خم یک کوچہ ایم

وحدت الوجود کا مضمون خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خاص توجہ کا مرکز بنا۔ انھوں نے اکثر اشعار اسی مضمون کے لکھے" وہ نہایت جوش و خروش اور ادعا سے اس کو بار بار کہتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ سیر نہیں ہوتے۔ اُن کا فلسفہ یہ ہے کہ تمام اشیاء ہیں وہی جاری و ساری ہے اور اسی نے ہر چیز میں حُسن پیدا کر دیا ہے۔ وہ قد میں جلوہ زلف میں شکن، برو میں وسمہ، یاقوت میں آب حُسن پیدا کر دیا ہے۔ وہ قد میں جلوہ زلف میں شکن، ابرو میں وسمہ، یاقوت میں آب، مشک میں خوشبو ہے۔"

تاب در زلف و وسمہ برابر و — سرمہ در چشم و غازہ بر رخسار

---

[1] تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی

[2] شعر العجم حصہ پنجم ص ۱۲۵

Marfat.com

رنگ در آب و آب در یاقوت   بوئے در مشک و مشک در تاتار[1]

حاصل کلام یہ ہے کہ بارہویں صدی کے آخر تک تصوف بہ حیثیت ایک فن کے انتہائے کمال کو پہنچ گیا تھا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ شہاب الدین سہروردی نے اس کا فلسفہ، اصطلاحات، بنیادی مسائل سب کی وضاحت کر دی تھی۔ حکیم سنائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور خواجہ عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عشق الٰہی کی آگ پھونکنے میں اپنے شاعرانہ کمالات سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا تھا.........اب تصوف کا صرف عوامی تحریک بننا باقی تھا۔ تیرہویں صدی میں سلاسل کی تنظیم سے وہ کمی بھی پوری ہو گئی۔

تصوف، تیرہویں صدی میں:

تیرہویں صدی عیسوی میں روحانی سلاسل وجود میں آئے اور اُن کی تشکیل سے تصوف کی تحریک میں ایک نئی جان پڑ گئی۔ اسلامی تصوف کی تاریخ تیرہویں صدی میں ہر اعتبار سے مکمل ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں یہ سلاسل، اس کے ارتقاء اور نشوونما کی آخری منزل ہیں۔ آیندہ صوبوں میں تصوف کی تحریک زوال و انحطاط، اصلاح و تجدید کی مختلف حالتوں میں گزرتی رہی۔ لیکن بنیادی طور پر نہ اُس کے فلسفہ میں کوئی اضافہ ہوا نہ اس کے عملی پروگرام میں کوئی تبدیلی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے افکار کے گرد تصوف کی ساری دنیا گردش کرتی رہی۔ ان بزرگوں کی تصانیف کے حاشیوں اور خلاصوں سے باہر نکلنے کی ہمت کسی کو نہ ہوئی، مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شاعری کی ساری دنیا کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ غرض ہر اعتبار سے تیرہویں صدی میں تصوف کی تحریک معراج کمال کو پہنچ گئی تھی۔

اس سے قبل کہ ہم روحانی سلاسل پر بحث کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن حالات کا بھی ایک سرسری جائزہ لے لیں جن میں یہ سلاسل وجود میں آئے۔

عجمی مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی زندگی تو عرصہ سے زوال پذیر تھی، لیکن تیرویں

---

[1] شعر العجم۔ حصہ پنجم ص ۱۲۶۔۱۲۵

Marfat.com

صدی میں یہ اپنی تباہی کی آخری منزل پر پہنچ گئی۔ سیاسی نظام بے جان ہو گیا' اور سماج میں ابتری وانتشار پھیل گیا۔ عطا ملک جوینی کا بیان ہے کہ اگر خوارزم شاہ سو فوجی افسروں کو طلب کرتا تھا تو دس حاضر ہوتے تھے۔[1] زندگی کے ہر ہر شعبہ میں یہ ہی حال تھا۔ ہر طرف لوٹ مار' غارت گری کا دور دورہ تھا۔ صنعت وحرفت اور تجارت تباہ وبرباد ہو چکی تھی۔ بغداد کے وہ علاقے جہاں کبھی تاجروں کا ہجوم رہتا تھا۔ اب کبوتر بازوں کے اڈے بن گئے تھے۔[2] اخلاقی زبوں حالی اس سے کہیں زیادہ تھی۔ تمام وہ انسانی اوصاف جو سماج میں فوز وکامرانی' خوش حالی واطمینان کی ضمانت ہوتے ہیں ختم ہو چکے تھے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ سیاسی زوال سے پہلے اخلاقی زوال کی ساری منزلیں طے ہو چکی تھیں۔ عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا زوال منگولوں کے حملہ کا نتیجہ تھا۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ منگولوں کے حملے۔ مسلمانوں کے زوال کا نتیجہ تھے' سبب نہ تھے۔

بہر حال اسلامی دنیا میں سیل تارتار سے بڑھ کر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی۔ ان کی تباہ کاریوں سے عجم کے زرخیز اور لہلہاتے علاقے' بنجر اور ویران ہو گئے۔ ہر طرف تباہی اور بربادی کے مناظر نظر آنے لگے۔ ساری اسلامی دنیا زیر وزبر ہو گئی۔ بغداد او جو تارک اسلام کا تاج تھا' خون میں نہا گیا۔ دریائے دجلہ مسلمانوں کی لاشوں سے پٹ گیا اور میلوں تک اس کا پانی لال ہی لال نظر آنے لگا۔ خانقاہیں اور مدرسے بے نور وبے چراغ ہو گئے۔ کتب خانوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ جاں سوز مرثیہ جس میں اب بھی سوزِ دل کی بو آتی ہے' بغداد کے کھنڈرات میں گونجنے لگا۔

آسماں راحق بود گر خوں ببارد بر زمیں
برزوالِ مُلک مستعصم امیر المومنین
اے محمدؐ گر قیامت سربروں آری زخاک

1۔ تاریخ جہاں کشا۔ (گب میموریل سیریز) ۳۵۔۳۳

2۔ The Renaissanle of Islam, By Adam Mez P.T

Marfat.com

سر بروں آرد قیامت درمیانِ خلق میں

ان روح فرسا مناظر کو دیکھ کر طبیعتیں خود بخود تصوف کی طرف راغب ہوگئیں۔ انابت، خضوع، تضرع، توکل جو تصوف کے خاص مقامات ہیں خود بخود دل پر طاری ہوگئے۔

اس زمانے کے صوفیہ نے مسلمانوں کی سیاسی اور ذہنی ابتری کے دردناک نظارے دیکھے تھے۔ اُن پر ان حالات کا بڑا اثر تھا' اُن کی فطرت کا تقاضا تھا

دارو کوئی سوچ اُن کی پریشاں نظری کا

چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کے ذہنی انتشار کو دور کرنے کے لیے سلاسل کی تنظیم شروع کر دی۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ سلسلوں کے عروج سے اسلامی سوسائٹی کو جو فائدہ پہنچا وہ یہ ہی تھا کہ مسلمانوں کی پریشان نظری ختم ہوگئی' اُن کی طبیعتیں ایک چیز پر لگ گئیں' اور اُن کے ذہن ایک مرکز پر آ گئے' قوموں کی زندگی میں سب سے زیادہ خطرناک وقت وہ ہوتا ہے جب سیاسی انتشار' ذہنی انتشار کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ہمارے مشائخ نے ذہنی انتشار" کو دور کرنے میں جس بالغ نظری کا ثبوت دیا وہ محتاج بیان نہیں اسلامی دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ باقی ہو جہاں خانقاہیں قائم نہ ہوئی ہوں اور جہاں عوام کی اصلاح و تربیت کا انتظام نہ کیا گیا ہو۔ جو قوم منگولوں کی چیرہ دستیوں اور سفاکیوں سے مضمحل ہو کر نبضیں چھوڑ چکی تھی' تصوف کے ذریعے سے پھر ایک بار زندہ ہوئی۔ زندگی کی یہ نئی لہر تین طاقتوں کی پیدا کی ہوئی تھی' خدا پر اعتماد اور بھروسہ۔ انفرادی زندگی کو اجتماعی زندگی کے لیے قربان کر دینے کا جذبہ۔ اور اخلاقی اقدار کو زندہ کرنے کا عزم۔

فطرت کا اندازہ بھی خوب ہے۔ جب زوال انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو یہ انتہا ہی تجدید داحیاء کی صورتیں پیدا کر دیتی ہے۔ جب تباہی حد سے گزر جاتی ہے تو ترقی کا سامان مہیا کر دیا جاتا ہے۔ شکست میں فتح کے اسباب مہیا کئے جاتے ہیں۔ اور دشمن سے ہمدردی کرا دی جاتی ہے۔ منگولوں نے جس بیدردی اور سفاکی کے ساتھ اسلام کے سیاسی اور سماجی نظام کو

Marfat.com

درہم برہم کیا۔ اس سے کون واقف نہیں! پھر انھیں دشمنان اسلام کو حلقہ بگوش اسلام بنا کر ان ہی سے مسلمانوں کی اُجڑی ہوئی بستیوں کو از سر نو آباد کرنے کا کام لیا گیا ۔

ہے عیاں یورش تا تار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک مغل نے شہید کیا پھر وہی مغل اُن کے مزار کا مجاور بنا!! بغداد کی جامع القصر کو ہلاکو کے حکم سے تباہ کیا گیا۔ اور پھر اسی کے حکم سے اس کی مرمت کی گئی!!!

اس عہد کے اُن شعراء میں جنہوں نے حالاتِ گردوپیش سے متاثر ہوکر تصوف کی طرف رُخ کیا اور پھر ساری فضاؤں کو صوفیاء جذبات سے معمور کر دیا' مولانا روم شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' اوحدی اور عراقی خاص طور سے مشہور ہیں۔

مولانا روم' ابتدائی زمانہ میں علم ظاہری کے ماہر تھے' بڑے تزک واحتشام سے اُن کی سواری نکلتی تھی' ایک دن شمس تبریز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سواری روک لی اور حکیم سنائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ شعر پڑھا ۔

علم کز تو ترا نہ بستا ند
جہل ازاں علم بہ بود بسیار

مولانا پر ایسا اثر ہوا کہ علم ظاہری سے طبیعت ہٹ گئی' اور علم باطنی کی طرف رغبت پیدا ہوگئی۔ اور پھر مشاہیر صوفیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دمشق میں طالب علمی کے زمانے میں شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ بعد کو اُن کے مرید خاص مولانا صدر الدین قونوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صحبتیں رہیں' شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی فیض حاصل کیا۔

مولانا رومؒ کی مثنوی اُن کی شہرت دوام کا باعث بنی اور لوگوں کو اس کی مقبولیت دیکھ کر کہنا پڑا کہ ۔

Marfat.com

ہست قرآن درزبانِ پہلوی

مولانا شبلی فرماتے ہیں:

"فارسی زبان میں جس قدر کتابیں نظم یا نثر میں لکھی گئی ہیں۔ کسی میں ایسے دقیق، نازک اور عظیم الشان مسائل اور اسرار نہیں مل سکتے جو مثنوی میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ فارسی پر موقوف نہیں اس قسم کے نکات اور دقائق کا عربی تصنیفات میں مشکل سے پتہ لگتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر علماء اور ارباب فن نے مثنوی کی طرف تمام اور کتابوں کی نسبت زیادہ توجہ کی اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ مصرعہ

ہست قرآن درزبان پہلوی

تو کچھ تعجب کی بات نہیں [1]

اس زمانے میں ایک طرف اگر شعراء نے اپنے دل گداز اشعار کے ذریعے صوفیانہ خیالات کی ترویج واشاعت کی تو دوسری طرف اکابر مشائخ نے روحانی سلاسل کی ترتیب وتنظیم سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ ولایتوں کی تقسیم اور قطب، ابدال وغیرہ کی نوعیت پر عموماً تو ہمانہ سطح پر غور کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ منگولوں کی پیدا کی ہوئی ذہنی ابتری کو مشائخ نے اس طرح پر ختم کیا کہ چپہ چپہ پر اپنا روحانی نظام قائم کر دیا اور ہر جگہ لوگوں کی اصلاح وتربیت کے لیے مقامی ذمہ داری کے ساتھ کوششیں کیں۔

اس زمانے کے سلسلوں میں خاص طور سے سلسلہ خواجگان، سلسلہ قادریہ سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ سہروردیہ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

سلسلہ خواجگان:

قدامت کے اعتبار سے سلسلہ خواجگان سب سے پہلے آتا ہے۔ یہ سلسلہ ترکستان میں قائم ہوا تھا۔ اس کے سب سے زیادہ مشہور بزرگ خواجہ محمد اتا لیسوی رحمۃ اللہ

---

[1] سوانح مولانا روم ص ۶۹

Marfat.com

تعالیٰ علیہ [1] (المتوفی 1166ء) ہیں۔

اُن کے بعد خواجہ عبدالخالق غجدوانی [2] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 1179ء) نے سلسلہ کی مندرجہ ذیل اصطلاحات وضع کیں اور ان کو اپنے روحانی نظام کا لازمی جزو بنایا۔ ہوش دردم نظر برقدم۔ سفر دروطن۔ خلوت درانجمن۔ یاد کرد۔ بازگشت۔ نگاہ داشت۔ یادداشت۔ [3]

خواجہ اتا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور خواجہ غجدوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سلسلے کو فروغ دینے کے لیے بڑی کوششیں کیں، لیکن اس کو مقبول عام بنانے کا شرف خواجہ بہاء الدین نقش بند [4] (المتوفی 1388ء) کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔ ان کے بعد یہ سلسلہ نقش بندیہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ خواجہ نقش بند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اتباع سنت پر خاص زور دیا۔ اور اعلان کیا۔

''طریقہ ما عروۃ الوثقی است چنگ درذیل متابعت حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم زدنست واقتدا بآثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کردنست .... وہر کہ از طریقہ ما روئے گردند خطر دردین وارد۔'' [5]

گو سلسلہ خواجگان سب سے زیادہ قدیم سلسلہ ہے، لیکن ہندوستان میں یہ سلسلہ سب سلسلوں کے بعد پہنچا۔ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۶۰۳ء) اس کو ہندوستان میں لائے۔ خود فرمایا کرتے تھے۔

---

1 اتا ترکی زبان میں باپ کو کہتے ہیں۔ رشحات میں ہے: اتا رابہ ترکی پدر است بمشائخ بزرگ اطلاق کنند' یساۃ ترکستان میں ایک شہر تھا جہاں خواجہ محمد نے رہ کر کام کیا تھا۔

2 ان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس ص ۴۔۲۴۲ اور رشحات (قلمی نسخہ)

3 وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو قول الجمیل حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

4 حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس ص ۸۰۔۲۴۷۔

رشحات ص ۴۳۔۴۰ (اُردو ترجمہ)

5 نفحات الانس ص ۲۴۹

Marfat.com

"ایں تخم پاک راز سمرقند و بخارا آوردیم و در زمین برکت آگیں ہند کشتیم"

خواجہ باقی باللہ کے عزیز مرید اور خلیفہ حضرت شیخ احمد المعروف بہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 1624ء) نے اس سلسلے کو ہندوستان میں ترقی دی اور اُن کے بعد یہ سلسلہ سلسلہ مجددیہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

سلسلہ قادریہ:

حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کا ذکر اس سے قبل کیا جا چکا ہے۔ اس سلسلہ کے سرلشکر ہیں۔ حضرت شیخ نے اپنی زندگی ہی میں اصلاح و تربیت کا نہایت اعلیٰ نظام قائم کر دیا تھا اور اپنے خلفاء کو دور دور تبلیغ و اشاعت کے لئے بھیج دیا تھا۔ اُن کے بعد اسلامی ممالک کے دور دراز حصوں میں اس سلسلہ کی شاخیں قائم ہو گئیں۔

چشتیہ سلسلہ:

چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل تو شیخ ابو اسحاق شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 940ء) نے ڈالی تھی۔ لیکن اس کو پروان چڑھانے اور پھیلانے کا کام حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 1235ء) نے انجام دیا۔ اس سلسلہ کی تاریخ آئندہ ابواب میں ملے گی۔

سہروردیہ سلسلہ:

اس سلسلہ کے سب سے زیادہ مشہور بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 1234ء ہیں۔ انھوں نے اس سلسلہ کی ترویج و اشاعت بڑی محنت سے کی تھی۔ اور اپنی مشہور کتاب عوارف المعارف میں خانقہی نظام کے متعلق پوری تفصیلات درج کر دی تھیں۔ ہندوستان میں اُنھوں نے اپنے بہت سے مُرید بھیجے تھے۔ مشہور ہے کہ انھوں نے فرمایا تھا: خلفائی فی الھند کثیرۃ (ہندوستان میں میرے کافی خلفاء

Marfat.com

ہیں) شیخ نورالدین مبارک غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' مولانا مجدالدین حاجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ ضیاء الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن کے مشہور خلفاء تھے۔ لیکن جس بزرگ کو ہندوستان میں سہروردیہ سلسلے کو پھیلانے کا شرف حاصل ہوا وہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں اُنھوں نے ملتان' اوچہ اور دیگر مقامات پر سہروردیہ سلسلہ کی مشہور خانقاہیں قائم کی ہیں۔

ان سلسلوں کے نشوونما اور عروج وزوال کی داستان بہت دلچسپ ہے لیکن یہاں ہم اس تفصیل میں جانے سے قاصر ہیں۔ اس باب میں ہمارا مقصد تاریخ کی روشنی میں تصوف کا ہلکا سا نقشہ بنانا تھا تاکہ عام غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔ بہت سے ایسے مباحث جن پر تفصیل سے گفتگو کرنے کو جی چاہتا تھا' بے موقع ہونے کے خیال سے قلم انداز کر دیے گئے ہیں۔

روحانی سلاسل ہندوستان میں:

ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں مندرجہ ذیل روحانی سلسلوں نے کام کیا ہے۔

(۱)	جیپان	(۲)	طیفوریان
(۳)	کرخیاں	(۴)	سقطیاں
(۵)	جنیدیاں	(۶)	کازرونیاں
(۷)	طوسیاں	(۸)	فردوسیاں
(۹)	سہروردیاں	(۱۰)	زیدیاں
(۱۱)	عباسیاں	(۱۲)	ادھمیاں
(۱۳)	ہبریاں	(۱۴)	چشتیاں [۱]

یہ فہرست ضرورت سے زیادہ طویل ہے اور اس میں اکثر ایسے سلاسل بھی شامل

۱۔ آئین اکبری (مرتبہ سرسید احمد خاں) ص ۲۰۳ حصہ دوم

Marfat.com

کر لئے گئے ہیں جن کو در حقیقت ہندوستان میں کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ہندوستان میں سب سے پہلے چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل رکھی گئی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی سجزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر کو اپنا مستقر بنا کر سلسلہ کا کام شروع کر دیا۔ چشتیہ سلسلہ کے بعد سہروردیہ سلسلہ ہندوستان میں پہنچا۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ 1192ء میں بمقام اروڑ پیدا ہوئے تھے۔ بغداد میں شیخ سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے خلافت حاصل کر کر ہندوستان آئے اور ملتان میں سہروردیہ سلسلہ کی خانقاہ قائم کی۔

اسلامی ہندوستان کی تاریخ کے ابتدائی دور میں یعنی عہد سلطنت میں چشتیہ اور سہروردیہ سلسلوں ہی نے کام کیا تھا۔ سہروردیہ سلسلہ کی خانقاہیں ملتان اور سندھ تک محدود رہیں۔ چشتیوں نے اپنا نظام پاک پٹن سے لے کر لکھنوتی اور دہلی سے لے کر دیوگیر تک قائم کیا تھا۔

اسی زمانے میں ایک اور سلسلہ فردوسیہ سلسلہ، ہندوستان میں قائم ہوا۔ لیکن یہ بہار تک محدود رہا۔ اس سلسلے کو ہندوستان میں لانے والے تو شیخ بدر الدین سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلیفہ شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے، لیکن اس کو پروان چڑھانے کا کام حضرت شیخ شرف الدین یحیٰی منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انجام دیا۔ ان کے مکتوبات تصوف کا بڑا بیش قیمت ذخیرہ ہیں۔

پندرہویں صدی کے وسط میں قادریہ اور شطاریہ سلسلے ہندوستان میں قائم ہوئے۔ قادریہ سلسلہ کو شاہ نعمت اللہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہندوستان میں قائم کیا۔ سید محمد غوث گیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، سید موسیٰ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس سلسلہ کو عہدِ مغلیہ میں فروغ دیا۔

شطاریہ سلسلہ شاہ عبداللہ شطاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 1458ء) نے قائم کیا تھا سید محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی رحمۃ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

علیہ نے اس کو ہندوستان میں ترقی دی۔ جہانگیر کے بعد اس سلسلہ کا اثر ہندوستان میں بہت کم ہو گیا تھا۔

اکبر کے عہدِ حکومت میں حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقشبندیہ سلسلہ ہندوستان میں قائم کیا ان کے عزیز مرید شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو مقبول عام بنا دیا۔ اور اُن کے خلفاء نے اس کے اثرات دور دور پہنچائے۔ بعد کو یہ سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

اگر مسلمانانِ ہند کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ مسلمانوں کی روحانی زندگی کی اصلاح و تربیت کا کام ان ہی چھ سلسلوں نے انجام دیا ہے۔

Marfat.com

(3)

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کا نشو ونما

وجہ تسمیہ۔سلسلہ کی ابتدا۔مشائخ کے حالات۔سلسلہ کی تاریخ نظامِ اصلاح وتربیت۔اندازِ تبلیغ واشاعت۔بنیادی اصول

وجہ تسمیہ:

چشت' خراسان کے ایک مشہور شہر کا نام ہے۔وہاں کچھ بزرگانِ دین نے روحانی اصلاح وتربیت کا ایک بڑا مرکز قائم کیا۔اس کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور وہ نظام اس مقام کی نسبت سے چشتیہ سلسلہ کہلانے لگا۔شجرۃ الانوار[1] میں لکھا ہے:

"وآں دو مقام اند یکے شہریست درمیان ولایت خراسان قریب ہرات' وچشت دویم دیہسیت درولایت ہندوستان درمیان اوچ و ملتان وخواجگان چشت از چشت خراسان بودہ اند"

(چشت نام کے) دو مقام ہیں۔ایک شہر خراسان میں ہرات کے قریب واقع ہے دوسرا چشت' ہندوستان میں اوچ اور ملتان کے درمیان ایک قصبہ ہے خواجگان 'خراسان والے چشت سے تعلق رکھتے ہیں۔

سید علاء الدین اودہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[2] ماقیماں میں فرماتے ہیں

---

1 شجرۃ الانوار' مولانا رحیم بخش خلیفہ حضرت فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف ہے۔مشائخ چشت کے حالات بڑی تلاش اور محنت سے جمع کیے ہیں۔پیش نظر نسخہ کا سنہ کتابت 1281ھ ہے۔

2 مولانا سید علاء الدین اودہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ماقیماں ان کی مشہور تصنیف ہے اور عرصے تک نصاب میں شامل رہی ہے۔

Marfat.com

گر بہ ہندوستان شدیم چہ باک
سبزۂ گلشنِ خرا سانیم [1]

حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 329ھ 940ء) پہلے بزرگ ہیں جن کے اسم گرمی کے ساتھ تذکروں میں چشتی لکھا ہوا ملتا ہے۔ افسوس ہے کہ اُن کے حالات تفصیل سے کسی تذکرہ میں درج نہیں۔ سیر الاولیاء میں اُن کے متعلق صرف چند سطریں لکھی گئی ہیں۔[2] ظاہر ہے کہ اُن کی مدد سے تو شیخ کی ایک دھندلی سی تصویر بھی نہیں بن سکتی۔ بعد کے تذکروں مثلاً مراۃ الاسرار، شجرۃ الانوار، خزینۃ الاصفیاء میں جو تفصیل دی گئی ہے وہ کرامت کے چند قصوں اور سماع کے چند واقعات تک محدود ہے اور کسی طرح شیخ کی پوری شخصیت کو اُجاگر نہیں کرتی۔ ایک زبردست روحانی نظام کا یہ بانی فکر وعمل کی جن صلاحیتوں کا مالک تھا۔ اس کا کوئی اندازہ ان تذکروں سے نہیں ہوتا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ ابو اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شام کے رہنے والے تھے۔ اپنے وطن سے چل کر بغداد آئے اور حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے خواجہ دینوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 298ھ 910ء اپنے زمانے کے مرتاض بزرگ تھے۔ دور دور سے عقیدت منداُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اُن کا حال خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تذکرہ الاولیاء [3] اور مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نفحات الانس [4] میں لکھا ہے۔ خواجہ عطار رحمۃ

---

[1] مامقیماں۔ مطبع مصطفائی واقع بیت السلطنت لکھنؤ ۱۲۵۶ھ ص ۹

[2] سیر الاولیاء (فارسی مطبوعہ چرنجی لال دہلی) ص ۴۰۔۳۹

[3] تذکرۃ الاولیاء (اردو ترجمہ عبدالرحمٰن شوق امرتسری) ۳۸۴۔۳۸۳

[4] نفحات الانس (مطبوعہ بمبئی ۱۲۸۴ھ) ص ۶۲۔۶۰ نیز ص ۲۰۶ وغیرہ دارشکوہ نے سفینۃ الاولیا میں لکھا ہے: ''آنچہ در تذکرہ الاصفیا و بعضے شجرات مشائخ چشت نوشتہ اند این ست کہ شیخ علو دینوری و شیخ ممشاد دینوری یکیست و شیخ ممشاد علوی دینوری می نویسند اما از نفحات الانس و از بعضے کتب چنیں مفہوم می شود کہ شیخ علو دینوری غیر ممشاد دینوری اند (قلمی نسخہ)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے کہ وہ اپنی خانقاہ کا دروازہ عموماً بند رکھتے تھے۔ جب کوئی آتا تو پوچھتے کہ مسافر ہو یا مقیم پھر فرماتے ہیں، اگر مقیم ہو تو اس خانقاہ میں آ جاؤ۔ اگر مسافر ہو تو یہ خانقاہ تمہاری جگہ نہیں ہے۔ چونکہ جب تم چند روز یہاں رہو گے اور مجھے تم سے اُنس ہو جائے گا اور پھر تم جانا چاہو گے تو مجھے اس کی تکلیف ہوگی اور مجھ میں فراق کی طاقت نہیں ہے[1]

جب خواجہ ابو اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن کی خانقاہ میں حاضر ہوئے تو پوچھا:

تمہارا کیا نام ہے؟

عرض کیا: ابو اسحاق شامی۔

فرمایا:

"از امروز ترا ابو اسحاق چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خوانند کہ خلائق چشت و دیار آں از تو ہدایت یابند۔ و ہر کہ سلسلہ ارادت تو در آید آنہارا نیز تا قیام قیامت چشتی خوانند۔[2]

آج سے لوگ، تجھے ابو اسحاق چشتی کہہ کر پکاریں گے اور چشت اور اس کے نواح کے لوگ تجھ سے ہدایت پائیں گے اور ہر وہ شخص جو تیرے سلسلہ ارادت میں داخل ہوگا۔ اس کو قیامت تک چشتی کہہ کر پکاریں گے۔

اس کے بعد خواجہ دینوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو تذکیر و ارشادِ حق کے لیے چشت روانہ کر دیا۔ جہاں اُن کی پُر خلوص جدو جہد سے ایک عظیم الشان سلسلہ کے داغ بیل پڑی اور چشت بہت جلد ایک زبردست روحانی نظام کا مرکز بن کر چمک اُٹھا۔ ایک بزرگ نے ان کے متعلق یہ اشعار لکھے ہیں

وبیہ اقتدری من اھل چشت شیوخھم
کل ولی اللہ فی میلادہ

---

1. تذکرۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۳۸۳
2. ملاحظہ ہو لطائف اشرفی (قلمی نسخہ مراۃ الاسرار (قلمی نسخہ) شجرۃ الانوار (قلمی نسخہ) خزینۃ الاصفیاء (جلد اول) ص ۲۴۰ وغیرہ

Marfat.com

منهم ابو اسحٰق اکبر شیخهم
طود سما من اشخ اطواده
اضحٰی هداة الدین یتبعونه
لا یُعدلون النهج فی معتاده[1]

(یعنی اہل چشت کے مشائخ میں سے تمام اولیاء اللہ نے اُن کے میلاد میں اقتداء کی ان میں سب سے بڑے اور ذی وجاہت شیخ ابو اسحاق ہیں جو مشائخ میں ایسے ہیں جیسے پہاڑوں میں ایک بلند اور اونچا پہاڑ۔ دین کے رہبر اُن کے پیرو ہیں اور اُن کی راہ سے عدول کرنے کی طاقت نہیں رکھتے)[2]

خواجہ ابو اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ ایک دن اپنے مرید خواجہ ابو احمد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فرمانے لگے:

''اے ابو احمد درویشی بالاتر ست از بادشاہی عرب و عجم' واللہ اگر ابو اسحاق را ملک سلیمان دہند' ہم قبول نکند''[3]

اے ابو احمد! درویشی عرب و عجم کی بادشاہی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر ابو اسحاق کو ملک سلیمان بھی دیں تو خدا کی قسم وہ قبول نہیں کرے گا۔

مشائخ سلسلہ:

بہت سے دیگر روحانی سلسلوں کی طرح چشتیہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی سے شروع ہوتا ہے۔ مشہور مشائخ کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

---

1 سیر الاولیاء (فارسی) ص ۴۰۔

2 سیر الاولیا۔ (اردو ترجمہ) ص ۴۶ (مطبوعہ مسلم پریس)

3 رسالہ احوال پیران چشت (قلمی) از بہا بن...... نبیرہ بندگی مخدوم قاضی حمید الدین ناگوری المعروف براجا۔ میرے پاس اس کا قدیم قلمی نسخہ ہے جو شاہان اودھ کے کتب خانہ میں رہ چکا ہے۔ سنہ کتابت درج نہیں۔ کسی شاہی کتب خانہ میں تحویل کی تاریخ ۱۱۹۲ھ (۱۷۷۸ء) درج ہے۔

Marfat.com

(1) حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہ

(2) حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(3) حضرت خواجہ ابی الفضل عبدالواحد ابن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(4) حضرت خواجہ ابی الفیض فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(5) حضرت خواجہ ابراہیم ادہم البلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(6) حضرت خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(7) حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرۃ البصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(8) حضرت خواجہ ممشاد علی دینوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(9) حضرت خواجہ ابی اسحاق شامی چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(10) حضرت خواجہ ابی احمد ابن فرسنافۃ الچشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(11) حضرت خواجہ ابی محمد ابن احمد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(12) حضرت خواجہ ابی یوسف چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(13) حضرت خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(14) حضرت خواجہ حاجی شریف زندانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(15) حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(16) حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [1]

---

[1] صحیح لفظ ''سجزی'' ہے ''سنجری'' نہیں۔ خواجہ صاحب کا وطن سجستان تھا' اسی کی نسبت سے ''سجزی'' کہے جاتے تھے۔ کاتب کی غلطی سے یہ لفظ ''سنجری'' مشہور ہوگیا۔ رسالہ احوال پیران چشت غالباً پہلا قدیم مسودہ ہے جس میں یہ لفظ صحیح لکھا ہوا میری نظر سے گذرا ہے۔ فتوح السلاطین (تصنیف ۱۳۵۰ء کے اشعار ''سجزی'' ہی سے موزوں ہوتے ہیں۔ ایک شعر ہے۔

معین الدین آں سجزی دیں پناہ   کہ خفت است بہ اجمیر آں مرد راہ

ص ۴۶۶

Marfat.com

عصامی نے فتوح السلاطین میں ان مشائخ کا ذکر اسی طرح کیا ہے۔

علی چوں ازیں کارواں رخت برد — یکے خرقہ بر پیر بصری سپرد
حسن چوں سفر کرد ازیں کو چگاہ — شرف یافت ازو عبد واحد کلاہ
رسید از و بر فضیلِ عیاض — کہ شد تازہ از بوئے خلقش ریاض
وزو خرقہ بر پور ادہم رسید — ملک وار آں حلہ در بر کشید
ازو یافت آں خواجہ مرعشی — حذیفتہ بہ صد فرحت و دلخوشی
پس آں گہ بد صدقِ ارادت ربود — ھبیرۃ کہ تعریفش از بصرہ بود
ازاں پس بہ خواجہ علوکش عرب — بہ دینور نسبت کند در نسب
وزو خواجہ اسحٰق چشتی نژاد — بہ بردر کشید آں لباس مراد
پس آں خرقہ بو احمد چشت یافت — کہ خورش برشت و ملائک بباقت
محمد کہ اونیز از چشت بود — زسودائے خوش کرد ازآں مایہ سود
وزو یوسف آں پیر چشتی گرفت — چوروحش ہوائے بہشتی گرفت
وزو بافت آں قطب چشتی سرشت — کہ بودست مودودو مقبول چشت
وزو بافت آں آشرف الدین شریف — کہ شد زندنی نسبتِ آں حریف
وزو یافت ہارونی عثماں بہر — در آورد آں خلعتِ خوش بہ بر
وزو در برآں خرفہ عہدے بعید — معین الدین آں پیر سجزی کشید[1]

فتوح السلاطین، ہندوستان کے مذہبی اور غیر مذہبی لٹریچر میں پہلی کتاب ہے جس میں مشائخ چشت کا شجرہ نظم کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب انتباہ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ چشتیہ سلسلہ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک نہیں پہنچتا۔ اس لیے کہ خواجہ بصری اس وقت خورد سال تھے اور وہ خلیفہ نہیں

---

[1] فتوح السلاطین (بہ تصحیح محمد یوشع۔ مدراس ۱۹۴۸ء) ص ۸۔ ۷

Marfat.com

ہو سکتے تھے۔ حضرت شاہ فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے معاصر تھے' اس خیال کی تردید میں ایک کتاب فخر الحسن لکھی ہے جس میں حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خلافت پانا ثابت کیا ہے۔ اس کتاب کی شرح مولانا احسن الزماں حیدر آبادی نے قول المستحسن فی شرح فخر الحسن کے نام سے عربی زبان میں لکھی ہے۔

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کا اجراء:

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے قبل کچھ چشتی بزرگ ہندوستان میں تشریف لا چکے تھے [1] لیکن حقیقت یہ ہے کہ چشتیہ سلسلہ کو ہندوستان میں جاری کرنے کا شرف ان ہی کو حاصل ہوا وہ پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر کو اپنا مستقر بنا کر تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کر دیا۔ میر خورد نے ان کو "نائب رسول اللہ فی الہند" [2] لکھا ہے۔

ابوالفضل کہتا ہے:

"عزلت گزیں با جمیر شد' فراواں چراغ برافروخت' واز دم گیرائے او گروہا گروہا مردم بہرہ برگرفتند [3]

ان دنوں اجمیر راجپوت سامراج کا مضبوط مرکز اور ہندوؤں کا مذہبی گڑھ تھا۔ دور دور سے ہندو اپنی مذہبی رسومات پوری کرنے کے لیے وہاں جمع ہوئے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اخبار الاخیار میں اجمیر کی مذہبی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ [4]

---

1. مثلاً خواجہ ابو محمد بن ابی احمد چشتی جن کے متعلق مولانا جامی نے لکھا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے تھے۔ نفحات الانس ص ۲۰۷
2. سیر الاولیاء (فارسی) ص ۴۵ 3. آئین اکبری (سرسید ایڈیشن) ص ۲۷۰
4. اخبار الاخیار ص ۲۴۔

Marfat.com

ایک ایسے زبردست سیاسی اور مذہبی مرکز میں قیام کا فیصلہ نہ صرف خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عزائم کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ اُن کی غیر معمولی خود اعتمادی کا بھی آئینہ دار ہے۔

عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی محمد غوری کے حملوں کے بعد شروع ہوئی۔ یہ خیال غلط ہی نہیں بلکہ گمراہ کن بھی ہے۔ محمد غوری کے حملہ سے قبل (یعنی ہندو راجاؤں کے عہدِ حکومت میں) ہندوستان میں متعدد جگہ مسلمانوں کی نو آبادیات تھیں جہاں اُن کے مدرسے، خانقاہیں اور دینی ادارے قائم تھے۔ جو لوگ دینی اداروں کی تشکیل و تعمیر کی حوصلہ شکن مشکلات کا تھوڑا سا بھی تجربہ رکھتے ہیں، وہی اِن مصائب کا بھی اندازہ لگا سکتے ہیں جن سے اِن بزرگوں کو دوچار ہونا پڑا۔ حالات کی نامساعدت اور ماحول کی برہمی قدم قدم پر دامن پکڑ کر کھینچتی تھی، لیکن شوق کی بے پایانی پکار پکار کر کہتی تھی ۔

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں
تو کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

اجمیر کے علاوہ جہاں خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پرتھوی راج کے زمانہ [1] میں اپنی خانقاہ بنائی تھی۔ بدایوں، قنوج، ناگور، اور بہار کے بعض شہروں میں مسلمانوں کی خاصی آبادی تھی۔ حضرت مولانا رضی الدین حسن صنعانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب مشارق الانوار، جن کا نام ہندوستان کے علمائے حدیث میں سرفہرست آتا ہے۔ محمد غوری کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہونے سے تقریباً دس سال قبل بدایوں میں پیدا ہوئے تھے [2] وہیں انھوں نے دینی تعلیم حاصل کی اور وہیں اپنا ابتدائی زمانہ گذارا۔ جب بدایوں کا یہ عظیم المرتبت فرزند بغداد پہنچا تو بڑے بڑے عالموں کی گردنیں اس کے آگے جھک گئیں۔

بنارس یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ڈاکٹر آر۔ ایس تریپاٹھی نے قنوج کے متعلق حال ہی میں ایک کتاب شائع کی ہے۔ جس میں بتایا ہے کہ قنوج میں مسلمانوں کی حکومت

---

[1] سیر الاولیاء ص اخبار الاخیار ص [2] فوائد الفواد ص ۱۰۳ (نول کشور ۱۳۰۲) "او از بداؤں بود"

Marfat.com

کے قائم ہونے سے قبل مسلمان موجود تھے۔ بہار کے متعلق بھی جدید تحقیقات یہ ہی ہے کہ محمد بن بختیار خلجی کی فتح (۱۱۹۹ء) سے قبل وہاں صوفیہ کرام اور بزرگانِ دین پہنچ چکے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے قرون وسطٰی کی تاریخ کا یہ پہلو اب تک تشنہ تفسیر و تعبیر ہے۔ ضرورت ہے کہ محمد غوری سے قبل ہندوستان میں مسلمانوں کی نو آبادیوں' اُن کی تاریخی حیثیت' اور عام سماجی نقشے میں ان کی اہمیت پر تفصیل سے تحقیقات کی جائے۔ ہم یہاں یہ بحث قلم انداز کرتے ہیں۔ انشاءاللہ ''مشائخ چشت'' کی پہلی جلد میں اس پر سیر حاصل بحث کی جائے گی۔

بہر حال' اس وقت یہ عرض کرنا مقصود تھا کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا ہندوستان تشریف لانا ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب کا رونما ہونا تھا۔ اس انقلاب کی صحیح نوعیت سمجھنے کے لیے ہندوستان کی سماجی حالت پر ایک طائرانہ نظر ڈالنی ضروری ہے۔

گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی سماجی حالت حد درجہ تباہ تھی۔ ہر شخص نہ صرف ''اسیر امتیاز ماوتو'' تھا بلکہ ایک دوسرے سے برسر پیکار۔ اتحاد فکر و عمل کا کہیں دور دور نام نہ تھا۔ چھوت چھات نے مدنی زندگی کے سارے سرچشمے مسموم کر دیے تھے۔ زندگی کی ساری لذتیں اونچی ذات کے لوگوں کے لیے مخصوص تھیں۔ غریب عوام جن مصائب میں مبتلا تھے۔ اُن کی دردناک تصویر ابی الریحان البیرونی نے کتاب الہند میں پیش کی ہے۔ زندگی اُن کے لیے بوجھ تھی۔ اللہ نے انھیں آدمی بنایا تھا' لیکن اس کے بندوں نے انھیں جانوروں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔[1]

---

[1] کتاب الہند کا انگریزی ترجمہ جرمنی کے مشہور مستشرق پروفیسر زخاؤ نے کیا تھا جو بہت مستند مانا جاتا ہے۔ اردو ترجمہ انجمن ترقی اردو کی جانب سے شائع ہو چکا ہے۔ قرون وسطٰی میں ہندوستان کے سماجی حالات کے متعلق البیرونی کے خیالات کا خلاصہ پروفیسر محمد حبیب نے Indian Culture and Social Life at the Time Turkish Unuasious (Aligarh , 1941) میں کر دیا ہے جو مطالعہ کے قابل ہے۔

Marfat.com

البیرونی لکھتا ہے ''ہندوؤں میں بکثرت ذاتیں ہیں۔ہم مسلمانوں کا مسلک عام مساوات نیز اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ کے مطابق ان سے بالکل جداگانہ ہے اور یہی وہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہے۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چھوت چھات کے اس بھیانک ماحول میں اسلام کا ''نظریہ توحید'' عملی حیثیت سے پیش کیا اور بتایا کہ یہ صرف ایک تخیلی چیز نہیں ہے' بلکہ زندگی کا ایک ایسا اُصول ہے جس کو تسلیم کر لینے کے بعد ذات پات کی سب تفریق بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہ ایک زبردست دینی اور سماجی انقلاب کا اعلان تھا۔ ہندوستان کے بسنے والے ہزاروں وہ مظلوم انسان جن کی زبوں حالی پکار رہی تھی ع

جینے سے مراد ہے نہ مرنا شاید

اس اعلان کو سن کر دوبارہ زندگی کا کیف محسوس کرنے لگے۔صاحب سیر الاولیاء نے لکھا ہے:

''وکرامت دیگر آنکہ مملکت ہندوستان تا حد بر آمدن آفتاب ہمہ دیار کفر و کافری و بت پرستی بود و متمردان ہند ہر یکے دعویٰ انا ربکم الاعلیٰ می کردند و خدائے را جل و علی شریک می گفتند و سنگ و کلوخ و دار و درخت دستور گاو سرگیں ایشاں راسجدہ می کردند و بہ ظلمت کفر قفل دل ایشاں مظلم و محکم بود .... بوصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقین کہ بحقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار بنور اسلام روشن و منور گشت [1]

خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی بہت سادہ لیکن دل کش تھی۔ ہندوستان کے سب سے بڑے سماجی انقلاب کا یہ بانی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک پھٹی ہوئی دوتہی میں لپٹا ہوا بیٹھا رہتا تھا۔ پانچ مثقال سے زیادہ کی روٹی کبھی افطار میں میسر نہ آتی [2] لیکن نظر کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جس کی طرف دیکھ لیتے معصیت کے سوت اُس کی زندگی میں خشک ہو جاتے۔رسالہ احوال پیران چشت میں لکھا ہے:

---

[1] سیر الاولیا۔ص ۴۷ [2] سیر الاولیا و سیر العارفین

Marfat.com

''نظر شیخ معین الدین بر ہر فاسقے کہ افتادے درزماں تائب شدے' باز گرد معصیت نگشتے۔''

شیخ معین الدین کی نظر جس فاسق پر پڑ جاتی وہ تائب ہو جاتا اور پھر کبھی گناہ کے پاس تک نہ جاتا۔

ہمارے پاس شیخ اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مستند حالات مرتب کرنے کے لیے مواد کی بہت کمی ہے۔ بعد کے تذکرے تاریخی اعتبار سے ناقص ہیں۔ اس لیے اجمیر میں اُن کے اثرات کا صحیح اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ سیر الاولیا کے بیان سے اتنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پرتھوی راج کا ایک مقرب درباری' اُن کے حلقہ مریدین میں شامل تھا[1] جس کے معنی یہ ہیں کہ اُن کے اثرات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔

محمد غوری اور قطب الدین ایبک کی فتوحات کے بعد' اجمیر کی سیاسی حیثیت اور اہمیت میں کمی آ گئی۔ سلطنت کا مرکز پہلے لاہور اور پھر دہلی کو منتقل ہو گیا۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس سیاسی تبدیلی سے متاثر ہوئے بغیر اجمیر ہی مقیم رہے اور جو شمع باد مخالفت کے تیز و تند جھونکوں کے درمیان روشن کی تھی اس کو جلاتے رہے۔ انہوں نے صرف ایک عزیز مرید اور خلیفہ کو دہلی میں رہ کر سلسلہ کی نشر و اشاعت پر متعین کر دیا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شمالی ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کو پھیلانے کی کوشش کی اور مدت العمر اپنے پیر و مرشد کے اصولوں پر سختی سے عامل رہے۔

خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء میں دو بزرگ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ حمید الدین صوفی سوالی ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مؤخر الذکر نے ناگور[2] میں قیام کر لیا تھا اور وہاں ایک بیگہ زمین کی کاشت

---

[1] سیر الاولیا۔ ص ۴۶

[2] ناگور کے متعلق ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کا مضمون " Nagaur: A Forgotten King dum " مطبوعہ دکن کالج ریسرچ انسٹیٹیوٹ بلیٹن (پونہ) نومبر 1940ء (ص ۱۸۳۔ ۱۶۲) مطالعہ کے قابل ہے۔

Marfat.com

کر کر اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ ایک چادر کمر سے بندھی رہتی۔ دوسری جسم پر پڑی رہتی۔ بیوی کا یہ حال تھا کہ سر پر دوپٹہ تک نہ تھا۔ پیراہن کا دامن سر پر ڈال لیا کرتی تھیں۔ لیکن اُن کی اس غریبی میں استغنا کی ایک عجیب شان تھی۔ دنیاوی جاہ وحشم کا ذکر کبھی اُن کی مجلس میں کسی نے نہیں سُنا۔[1] ایک مرتبہ والی ناگور نے شاہِ وقت کی جانب سے کچھ زمین اور نقد روپیہ پیش کیا اور قبول کرنے کی درخواست کی فرمایا ع

مرا طریق امارت نہیں محبت ہے

ہمارے خواجگان میں سے کسی نے ایسی چیز قبول نہیں کی۔ ایک بیگہ زمین جو میرے پاس ہے' میرے لیے کافی ہے۔[2]

راجپوتانہ کے ایک گاؤں میں کاشت کرنے والا یہ ''مردِ فقیر'' ایک جید عالم تھا۔ علوم دینی پر اُن کی نگاہ کا اندازہ صرف وہی لگا سکتے ہیں جنھوں نے سرور الصدور کا غور سے مطالعہ کیا ہے۔ جس کتاب کے متعلق جو رائے ظاہر کر دی ہے وہ اپنی جگہ حرفِ آخر ہے۔ تفسیر کشاف کے متعلق فرماتے ہیں:

''آنچہ در کتابہائے دیگر است ہم ازیں کتاب است۔ ہر چہ دانستہ اند وخوش آمدہ است از ینجا نقل کردہ اند وکتابے علیحدہ بنام خویش کردہ اند''[3]

مولانا فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق جو خیال ظاہر کیا ہے۔ اس کو پڑھ کر بے اختیار مولانا ابوالکلام آزاد کے ترجمان القرآن کا مقدمہ یاد آ جاتا ہے۔

1۔ سیر الاولیا۔ ص ۱۵۷۔ ۱۵۶

2۔ سیر الاولیا۔ ص ۱۵۷۔ ۱۵۶

3۔ سرور الصدور (قلمی نسخہ) ص ۴۴ سرور الصدور کا یہ قلمی نسخہ میں حبیب گنج کے کتب خانہ سے نقل کر اکر منگوایا ہے اور ایک دوسرے قدیم نسخے سے مقابلہ کرنے کے بعد اس کو مرتب کیا ہے چودھویں صدی کی ملفوظات سے سرور الصدور کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی ؒ کے کسی خلیفہ کا اس کے علاوہ کوئی ملفوظ نہیں ملتا۔

Marfat.com

شیخ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مریدین و متعلقین کو علم فرائض حاصل کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ سرور الصدور میں لکھا ہے۔

"فرموند اگر فرائض بحث کنند نیکو باشد کہ اول علمے کہ مقصود شود علم فرائض باشد و پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمود است کہ تعلمو الفرائض و علمو ھا"[1]

اپنے مریدین کو کیمیائے سعادت کے مطالعہ کی خاص طور سے ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ "بابا پیوستہ ایں رادر نظرمی باید داشت"[2] اگر نصاب تعلیم سے مقصد تعلیم کا پتہ لگایا جاسکتا ہے تو سرور الصدور میں شیخ کی مجوزہ کتابوں [3] کو پیش نظر رکھ کر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ صحیح دینی جذبہ پیدا کرنے کے لیے بے چین رہتے تھے اور چاہتے تھے کہ ہر مسلمان دین کے بنیادی مسائل اور لوامر و نواہی اور فرائض سے پوری طرح واقف ہو۔

شیخ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علم حدیث کو علم تصوف سے زیادہ اہمیت دی اور اپنا بیشتر وقت اسی میں صرف کیا۔ ایک دن اپنے ایک مرید سے فرمانے لگے۔

مرا ایں جا مشغولی ست کہ خلق ناگور دریں وقت از من علم احادیث می شنوند و مرا فرصت نیست کہ دریں میاں ترا علم تصوف بیاموزم[4]

مجھے یہاں یہ مشغولیت ہے کہ آج کل ناگور کے لوگ مجھ سے علم حدیث سنتے ہیں۔

---

1. سرور الصدور۔ ص ۲۹۔
2. سرور الصدور۔ ص ۳۱
3. سرور الصدور میں جن کتابوں کے حوالے ہیں اُن کے نام ملاحظہ ہوں۔
قدوری۔ کتاب فائق (ایں کتاب رالازم گیر کہ بزرگ است و ہر کسے ایں کتاب راندانند ص ۴۰) تفسیر مدارک۔ تفسیر کشاف۔ تفسیر مقاتل۔ مقامات شیخ ابو سعید۔ ابوالخیر۔ کیمیائے سعادت تحفہ اشباب۔ مکتوبات فخر الدین رازیؒ۔ اسناد حلیہ شیخ عبداللہ تستری۔ مکتوبات عین القضاۃ۔ صحاح نعت۔ (مولانا رضی الدین صنعانی) مشارق الانوار۔ مصباح الدجی۔ (مولانا رضی الدین صنعانی") قوت القلوب۔ تفسیر زاہد۔ تفسیر امام ناصر الدین۔ نہج البلاغت۔ اخبار الآ ثار۔ سیر الملوک۔
4. سرور السدور۔ ص ۷۳ (قلمی)

Marfat.com

مجھے فرصت نہیں کہ اس دوران میں تجھے علم تصوف سکھاؤں غالباً دینی مسائل میں اُن کی بالغ نظری ہی کا خیال کرتے ہوئے سلطان التمش نے ان کو اس جلسہ میں مدعو کیا تھا جو شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلاف ایک جھوٹے الزام کی تحقیق کے سلسلے میں طلب کیا گیا تھا۔[1] اس جلسہ میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی شریک تھے۔ دونوں بزرگوں کے درمیان فقر و غنا پر بہت دلچسپ گفتگو ہوئی۔[2]

شیخ ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ اُن کی تصانیف، مکتوبات اور اشعار سب وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ اُن کی ایک کتاب اصول الطریقہ علماء و صوفیہ میں بہت مقبول تھی۔ خاکسار کے قلمی کتب خانہ میں اُن کے مکتوبات کا ایک مجموعہ ہے جس کا ہر خط "اے جانِ من" سے شروع ہوتا ہے۔ عربی، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں پر پورا عبور تھا۔ عموماً ہندی میں گفتگو کرتے تھے۔ سرور الصدور میں لکھا ہے:

بہ زبانِ ہندوی گفتند[3]

شیخ ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طویل عمر پائی 672ھ 1273ء میں وصال فرمایا۔ اُن کے فرزند شیخ عزیز کا انتقال اُن کے سامنے ہی ہو گیا تھا۔ اس لیے اپنے پوتے شیخ فرید الدین کو سجادہ نشین مقرر کر دیا۔ شیخ فرید کے خلفاء اور مریدین میں مولانا ضیاء الدین نخشی[4] خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

دہلی میں چشتیہ سلسلہ کا مرکز:

دہلی میں چشتیہ سلسلہ کا مرکز شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی

[1،2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیر الاولیا، سیر العارفین، و اخبار الاخیار

[3] سرور الصدور۔ ص ۱۰

[4] مولانا ضیاء الدین نخشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات اور تصنیفات کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون مطبوعہ "برہان" نومبر ۱۹۵۱ء

Marfat.com

کوششوں سے قائم ہوا۔ انھوں نے سلطان شمس الدین للتمیش کے عہد میں دہلی آ کر ارشاد و تلقین کا ہنگامہ برپا کیا۔ یہ زمانہ وہ تھا جب دہلی کی تعمیر و تشکیل پورے جوش و خروش کے ساتھ کی جا رہی تھی۔ وسط ایشیا میں منگولوں کا طوفان کف بر وہاں امنڈ رہا تھا اور ہزاروں کی تعداد میں علماء و مشائخ، شعراء و ادبا دہلی کی طرف رجوع ہو رہے تھے[1] اس طرح دہلی کی حیثیت ایک بین الاقوامی شہر کی سی ہو گئی تھی جہاں اسلامی ایشیاء کے گوشہ گوشہ کا آدمی پناہ گزیں تھا۔ عصامی نے لکھا ہے:

غرض چونکہ خرشید روئے زمیں — شہ التمش آں شمس دنیا و دیں
بہ دہلی چناں تخت گاہے بساخت — سپاہش در اقصائے آں ملک تاخت
دراں شہر یک رونقے شد پدید — بلے لذتے باشد اندر جدید
بسے سیدانِ صحیح النسب — رسید ند دروے زملکِ عرب
بسے کا سبانِ خراسان زمین — بسے نقش بندانِ اقلیم چیں
بسے عالمانِ بخارا نژاد — بسے نقش بندانِ اقلیم چیں
زہر ملک و ہر جنس صنعت گراں — زہر شہر و ہر اصل سیمیں براں
بسے ناقدانِ جواہر شناس — جواہر فروشاں بروں از قیاس
حکیمانِ یوناں، طبیبان روم — بسے اہل دانش زہر مرز و بوم
دراں شہر فرخندہ جمع آمدند — چو پروانہ برنور شمع آمدند
یکے کعبہ ہفت اقلیم شد — دیارش ہمہ دار اسلیم اشد
شنیدم کہ بنائے آں تخت گاہ — رسانید رایاتِ دیں را بہ ماہ[2]

سلطان کو علماء مشائخ سے بڑی عقیدت تھی[3] جب کسی بزرگ کی آمد کی خبر سن

[1] ملاحظہ ہو طبقات ناصری منہاج السراج۔ ص ۱۶۶۔
[2] فتوح السلاطین (مترجمہ محمد یوشع) ص ۱۱۵۔۱۱۴
[3] ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون Iltutmish, The Mystic مطبوعہ Islamic Culture اپریل ۱۹۴۶ء

Marfat.com

پاتا تو میلوں تک استقبال کے لیے نکل جاتا' اور محل میں قیام کرنے پر اصرار کرتا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب دہلی پہنچے تو سلطان نے اُن کی بھی بہت عزت کی۔ قطب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دربار سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہیں کیا۔ لیکن سلطان برابر عقیدت کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ اور یہ عقیدت رفتہ رفتہ اتنی بڑھ گئی کہ سلطان نے قطب مینار اُن کی یادگار میں تعمیر کرایا۔ اور حوضِ شمسی بنانے کے سلسلے میں اُن کے مشوروں پر خلوص سے عمل کیا۔ قطب صاحب سے سُلطان کا اتنا گہرا تعلق دیکھ کر بعض جاہ پرست لوگوں کی آتش حسد بھڑک اُٹھی اور اُنھوں نے شیخ کو دہلی سے ہٹانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ایک مرتبہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مرید سے ملنے کے لیے دہلی تشریف لائے تو انھیں یہ دیکھ کر بڑی تکلیف ہوئی کہ دہلی کا شیخ الاسلام' نجم الدین صغریٰ محض اس بناء پر قطب صاحب کا دہلی میں قیام پسند نہیں کرتا کہ لوگ ان سے بے حد عقیدت اور ارادت رکھتے ہیں۔ بالآخر اُنھوں نے قطبِ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے ساتھ اجمیر لے جانے کا فیصلہ کیا۔ جب عوام کو اس کی اطلاع ہوئی تو ان کے غم والم کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ تفصیل میر خورد کی زبانی سنئے۔

''پس درآں مرتبہ شیخ قطب الدین ہمراہ شیخ روانہ اجمیر گردید۔ ازیں مقدمہ در تمام شہر دہلی شور اُفتاد ہمہ اہل شہر مع سلطان شمس الدین دبنال پر آمدند و ہر جا شیخ قطب الدین قدم می گذاشت خلائق خاک آں زمیں بہ تبرک برمیداشت ونہایت اضطراب و زاری می نمودند۔ شیخ معین الدین این حال را معاینہ کرد۔ فرمود بابا بختیار! ہمدریں مقام باش کہ خلائق از بیروں آمدن تو در اضطراب وخراب است۔ روا۔ ندارم کہ چندیں دلہا خراب و کباب باشند۔ بروایں شہر را در پناہ تو کذاشتیم۔ پس سلطان شمس الدین سعادت قدم بوسی شیخ را در یافتہ ہمراہ شیخ قطب الدین بشادی تمام متوجہ شہر گردید و شیخ معین الدین بطرف اجمیر روانہ گشتند۔''[1]

---

[1] سیر الاولیا۔ ص ۵۴

Marfat.com

الغرض اس مرتبہ شیخ قطب الدین اپنے شیخ کے ہمراہ اجمیر روانہ ہوئے۔ اس خبر سے تمام شہر دہلی میں ایک تہلکہ پڑ گیا اور ہر طرف کہرام مچ گیا۔ تمام اہل شہر مع سلطان شمس الدین آپ کے پیچھے نکلے جس جگہ شیخ قطب الدین قدم رکھتے تھے۔ لوگ اس جگہ کی خاک کو تبرکاً اُٹھا لیتے تھے اور انتہا درجے کی بیقراری وزاری کرتے تھے۔ شیخ معین الدین نے جب یہ صورت دیکھی تو فرمایا۔ بابا بختیار تم یہیں رہو' کیونکہ خلقت تمہارے جانے سے اضطراب و بیقراری میں ہے میں ہرگز اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ اتنے دل خراب و کباب ہوں جاؤ میں نے اس شہر کو تمہاری پناہ میں چھوڑا۔ پس سلطان شمس الدین نے شیخ کی سعادت قدمبوسی حاصل کی اور شیخ قطب الدین کے ہمراہ نہایت خوشی کے ساتھ شہر کی طرف متوجہ ہوا۔ ادھر شیخ معین الدین اجمیر کی طرف روانہ ہو گئے۔

قطب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا دہلی میں قیام کر لینا۔ چشتیہ سلسلہ کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا۔ دہلی اب اسلامی ہند کا قلب وجگر بن چکی تھی۔ وہ تمام عناصر جو آئندہ صدی میں مسلمانوں کی دینی اور ثقافتی زندگی پر اثر انداز ہونے والے تھے' یہاں موجود تھے۔ ان ہی میں سے چشتیہ سلسلہ کی تحریک کو کامیاب بنانے کا سامان فراہم کرنا تھا۔ قطب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دارالسلطنت کے مہلک اثرات سے اپنا دامن بچالیا' لیکن ساتھ ہی ساتھ یہاں کے حالات سے پورا فائدہ اُٹھایا اور تصوف کے خیالات ہر طبقہ کے کانوں تک پہنچا دیئے یہاں تک کہ ''جملگی عالم از صدور آیمہ بدعا گوئی مدوے نہادند'' [1]

قطب صاحبؒ کے خلفاء:

تذکروں میں قطب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مندرجہ ذیل خلفاء و مریدین کے نام ملتے ہیں۔

(1) شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ — اجودھن

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۶

Marfat.com

(2)	شیخ بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	دہلی
(3)	خواجہ عماد الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [1]	بلگرام
(4)	خواجہ سید محمد صغریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [2]	بلگرام
(5)	شیخ محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	نہر والہ
(6)	شیخ معز الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	دہلی
(7)	شیخ حامد الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	نہر والہ
(8)	شیخ سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
(9)	قاضی عماد [3]	

لیکن سلسلہ کی نشر و اشاعت کا کام صرف بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی نے انجام دیا۔

شیخ بدر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ 'غزنین [1] کے باشندے تھے۔ وہاں سے لاہور تشریف لائے۔ پھر دہلی کا رُخ کیا اور حضرت قطب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے۔ اور جب تک پیر زندہ رہے اُن کی خدمت سے

---

[1] ماثر الکرام۔ ص ۱۰۔ ۹ مراۃ المبتدین میں سید شریف بلگرامی ان کے متعلق لکھتے ہیں
''خواجہ عماد الدین بلگرامی قطب وقت و صاحب ولایت بود۔ ہیچ کس را مرید و خلیفہ نہ گرفت و خود اپنہاں می داشت...... چوں مابین بلگرام و قنوج دریائے گنگ است بہ لباس طالب علمی از بلگرام بہ قنوج وقت سحر کے کسے خبر دار نہ شود بروے آب می رفت و سبق می خواند و شام می آمد و ہیچ کدام ازاں اطلاعے نہ داشت'' میرے خیال میں خواجہ صاحب نے اس طرح قنوج میں ہندوؤں کے علوم حاصل کیے ہوں گے۔

[2] ماثر الکرام۔ ص ۱۱۔ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے: ''در اعلائے کلمہ دین و احیاء سنت و اماتت بدعت قدمے راسخ داشت و با سلطان شمس الدین بُرد۔''

[3] آخری پانچ نام گلزار ابرار میں ہیں اور مختصر حال بھی درج ہے (اردو ترجمہ ص ۴۳۔۴۲)

[4] شیخ کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ فوائد الفواد۔ سیر الاولیا' روضۃ الاقطاب' مراۃ الاسرار وغیرہ۔

Marfat.com

جُدا نہ ہوئے[1]

شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وعظ میں کمال رکھتے تھے' اُن کی مجالس تذکیر میں بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' قاضی منہاج السراج' سید نور الدین مبارک غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' مولانا مجد الدین وغیرہ شریک ہوا کرتے تھے۔ شعروسخن سے بھی دلچسپی تھی۔ میر خورد نے لکھا ہے کہ ان کا ایک دیوان بھی تھا' جواب دستیاب نہیں ہوتا۔

شیخ بدر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہایت ذی مرتبہ بزرگ تھے' لیکن قطب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کیے بعد وہ دارالسلطنت کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ان کا زیادہ وقت دعوتوں اور امراء کی صحبتوں میں صرف ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے ہاتھوں سلسلہ کا نشوونما نہ ہو سکا۔ بلکہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سجادۂ مشیخت پر جلوہ افروز ہونے تک' دہلی میں چشتیہ سلسلہ کا چراغ مدہم پڑ گیا۔ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دن دبے الفاظ میں شیخ بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق فرمایا:

''شیخ بدرالدین سخت بزرگ نود فاماہر گاہکہ درشہر درآمد و نجلق مشغول شد کارِ اُد چگو نہ پیش رود[2]

التتمیش کے انتقال کے بعد جب دہلی کے حالات ابتر ہونے لگے تو شیخ بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ملک نظام الدین خریطہ دار سے وابستہ ہو گئے۔ اور اس کی بنائی ہوئی خانقاہ میں رہنے لگے۔ جب ملک نظام الدین پر تباہی آئی تو شیخ غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی نہ بچ سکے۔ پریشانی کی حالت میں اُنھوں نے بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دُعا کی درخواست کی تو انھوں نے جواب میں فرمایا:

---

[1] سیر الاولیا۔ ص ۱۶۵

[2] سیر الاولیاء ص ۱۶۵

Marfat.com

''ہر کہ بر سیرت وسنت پیران خود زود ہم چنیں باشد[1]

شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعے چشتیہ سلسلہ کا نظام زیادہ ترقی نہیں کر سکا۔ اُن کے خلفاء میں شیخ امام الدین ابدال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۶۸۰ھ) کا نام تذکروں میں ملتا ہے۔[2] شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اُن کے تعلقات بہت شگفتہ تھے اور وہ ان کی محفل سماع میں اکثر شریک ہوا کرتے تھے۔ شیخ امام الدین ابدال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد اُن کے فرزند شیخ شہاب الدین عاشق خدا اُن کے خلیفہ ہوئے۔ اُن کے بعد شیخ عماد الدین عاشق خدا[3] اُن کے خلیفہ ہوئے۔ اُن کے بعد شیخ عماد الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[4] سجادہ مشیخت پر بیٹھے۔ اُن کے ایک خاص مرید اور خلیفہ شیخ تاج الدین امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔ ان کا ایک رسالہ موسوم بہ ''رسالہ حال خانوادۂ چشت'' خاکسار کے پاس ہے کا سنہ کتابت 1108ھ 1696ء ہے اور سرورق پر ''امجد علی شاہ'' کے کتب خانہ کی مہریں ہیں۔ اس رسالہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لے کر شیخ عماد الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک کے حالات ایک ایسے بزرگ کے مرتب کیے ہوئے ہیں جو خود اس خاص سلسلہ سے تعلق رکھتا تھا۔

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ اور پنجاب میں چشتیہ سلسلہ کی اشاعت:

حضرت قطب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جب بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی

---

[1] فوائد الفواد۔ ص ۱۶۶۔

[2] شیخ امام الدین ابدال'' کا مختصر حال مراۃ الاسرار (قلمی نسخہ مملوکہ خاکسار ص ۵۳۶) روضۃ الاقطاب' محمد بولاق چشتی۔ ص ۸۲'۸۳' گلزار ابرار (اردو ترجمہ) ص ۲۷ میں ملتا ہے۔

[3] ملاحظہ ہو گلزار ابرار (اردو ترجمہ) ص ۲۴' مراۃ الاسرار (قلمی) ص ۵۳۶' روضۃ الاقطاب ص ۸۴'۸۳

[4] ملاحظہ ہو گلزار ابرار (اردو ترجمہ) ص ۱۲۴

Marfat.com

آخری ملاقات ہوئی تو مصلےٰ خاص اور عصا عنایت فرمایا[1] اور کہا:

''من امانت شمارا یعنی سجادہ وخرقہ و دستار و نعلین بقاضی حمید الدین ناگوری خواہم داد بعد از پنجم روز بشما خواہد رسانید آنرا گرد آرید' مقام ما مقام شما است [2]

میں تمہاری امانت یعنی سجادہ اور خرقہ اور دستار اور کھڑاویں قاضی حمید الدین ناگوری کو دے جاؤں گا۔ وہ پانچ روز کے بعد تمہیں پہنچادیں گے۔ تم انھیں حفاظت سے رکھنا' ہمارا مقام حقیقت میں تمہارا ہی مقام ہے۔''

جس رات کو قطب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وصال فرمایا اسی رات کو بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انھیں خواب میں دیکھا کہ اپنے دربار میں بلا رہے ہیں صبح ہوتے ہی اُنھوں نے دہلی کا رُخ کیا۔ ہانسی سے دہلی پہنچنے میں چار دن لگے۔ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امانت اُن کے حوالے کردی بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خرقہ زیب تن فرمایا' اور قطب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سجادہ پر بیٹھ گئے۔ ابھی تین ہی دن ہوئے تھے کہ ایک شخص سرہنگا نامی ہانسی سے دہلی آیا دو تین مرتبہ بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضری کی کوشش کی۔ دربان نے اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ ایک دن بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گھر سے باہر نکلے تو سرہنگا موقع پاکر پاؤں پر گر پڑا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا:

شما در ہانسی بودید من شمارا آسان میدیدیم' ایں ساعت دیدن شما دشوار شدہ است [3]

جب آپ ہانسی میں تھے تو میں آسانی سے آپ کو دیکھ لیا کرتا تھا۔ اب آپ کا دیکھنا مشکل ہوگیا ہے۔

بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سرہنگا کی آواز کو غیب کی تنبیہہ سمجھا اور اُن کی دور بین

---

[1] سیر الاولیاء ص ۷۳ [2] سیر الاولیاء۔ ص ۷۳

[3] سیر الاولیاء ص ۷۳

Marfat.com

نظر نے یہ محسوس کر لیا کہ دہلی میں رہ کر عوام سے تعلق نہ صرف کم ہو جائے گا بلکہ دارا سلطنت کا ماحول سلسلہ کی تبلیغ و ترویج میں حائل رہے گا۔ فوراً ہانسی کی طرف روانہ ہو گئے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے پیرو مرشد نے یہی مقام آپ کو دیا ہے تو فرمایا ہے پیر نے جو نعمت مجھے عطا فرمائی ہے وہ محدود نہیں ہے۔ شہر میں بھی وہی ہے اور جنگل و بیابان میں بھی وہی ہے۔[1]

بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا دہلی قیام نہ کرنا چشتیہ سلسلہ کے حق میں اتنا ہی مفید ہوا، جتنا قطب صاحب کا دہلی میں قیام کرنا۔ ایلتمش کی وفات کے بعد عرصہ تک دہلی کے حالات خراب رہے۔ اور علماء و صوفیہ سب نے مل کر خوب سیاست میں حصہ لیا۔ شیخ بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قاضی منہاج السراج، مولانا نور ترک، شیخ الاسلام سید قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ وغیرہ سینکڑوں بزرگوں نے اپنے مخصوص دائرہ عمل کو چھوڑ کر سیاست کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیا ممکن تھا کہ بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ان حالات میں رہ کر سلسلہ کا کام انجام دینے سے قاصر رہتے۔ ہانسی اور بعد کو اجودھن میں رہ کر ان کو سلسلہ کا کام کرنے کا اچھا موقع مل گیا۔ اُن کے اثرات پنجاب تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ شمالی ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچے، اور دور دور سے عقیدت مند اُن کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، دہلی میں اُن کے تقدس کی اتنی شہرت ہو گئی کہ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کے نادیدہ عاشق ہو گئے[2] مولانا وحید الدین بنبیہ خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اجمیر سے آ کر آپ کے دستِ حق پرست پر بعیت کی۔[3] ناگور سے ایک عورت کے اُن کی خدمت میں تحائف بھیجنے کا ذکر فوائد الفواد میں ہے[4] اوچ

---

[1] سیر الاولیاء ص ۷۲۔

[2] فوائد الفواد۔ ص ۱۴۹ (نولکشور ۱۳۰۲ء)

[3] فوائد الفواد ص ۲۳۸

[4] فوائد الفواد ص ۱۸۹۔۱۸۸

Marfat.com

اور ملتان کے لوگ تو بڑی کثرت سے اُن کے حلقہ ارادت میں شامل تھے[1] ایک مرتبہ ناصر الدین محمود کا لشکر اجودھن سے گزرا تو لشکریوں نے جس عقیدت کا اظہار کیا وہ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زبانی سننے کے قابل ہے۔

"درآنچہ سلطان ناصر الدین جانب اوچہ و ملتان رواں شد در میان اجودھن رفت۔ جملہ لشکر روئے بزیارت شیخ نہادند تا آن مقام کہ بود از انبوہ ہے حیران شد' آں گاہ راستین شیخ از بامے جانب کوچہ بیاو نحتیذ خلق می آمد و می بوسید و می رفت تا ہم پارہ پارہ شد۔ آن گاہ در مسجد آمدہ و مریداں را گفت شما گرد بر گرد من باشید تا خلق دروں نیائید۔ ہم از دور سلام کنند و باز گردند' مریداں ہمچناں کردند۔ تا یکے فراشے پیرے بیامد و از مریداں کہ گرد بر گرد ایستادہ بودند بگذشت' در پائے شیخ افتاد و پائے مبارک بگرفت و بکشید تا بوسد' شیخ را دشوار آمد۔ آں فراش گفت: شیخ المشائخ حضرت شیخ فرید الدین تنگ می آئی۔ شکر نعمت خدائے تعالیٰ بہ ازیں بگذار' چو آن فراش ایں سخت بگفت شیخ نعرہ بزد' آں فرش را۔ بنواخت و بسیار معذرت کرد"[2]

جن دنوں سلطان ناصر الدین اوچہ اور ملتان کی طرف روانہ ہوا تو اجودھن پہنچ کر سارا لشکر شیخ کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ شیخ اتنا انبوہ دیکھ کر حیراں ہو گئے۔ شیخ کی آستین گلی کی طرف لٹکائی گئی۔ لوگ آ کر بوسہ دیتے اور چلے جاتے۔ وہ آستیں بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ پھر مسجد میں آ کر مریدوں کو حکم دیا کہ میرے گردا گرد حلقہ باندھو تا کہ کوئی شخص اندر نہ آ سکے دور ہی سے سلام کر کر چلے جائیں۔ مریدوں نے ویسا ہی کیا۔ ایک بوڑھا فراش آ کر مریدوں کے حلقہ سے گذر' شیخ کے قدموں پر گر پڑا اور پائے مبارک بوسہ دینے کے لیے کھینچا۔ شیخ کو یہ بات اچھی نہ معلوم ہوئی۔ اس فراش نے کہا شیخ المشائخ حضرت شیخ فرید الدین آپ کیوں تنگ آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اس سے بھی اچھا شکر ادا کرو۔ جب فراش نے یہ کہا تو شیخ

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۱۵ [2] فوائد الفواد ص ۱۴۶۔۱۴۵

Marfat.com

نے نعرہ مارا' فراش کے حال پر نوازش فرمائی اور اس سے معافی مانگی۔

حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی تھی کہ ہر وقت عقیدت مند پروانوں کی طرح سے اُن کے گرد جمع رہتے تھے۔ آدھی رات تک اُن کی خانقاہ کا دروازہ کُھلا رہتا تھا۔ ہر قسم کے لوگ خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے:

''بخدمت شیخ الاسلام فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ از ہر جنس درویش و غیر آں بر سیدے''۔[1]

ہندو جوگی بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔[2] بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر شخص سے اس کی صلاحیت اور سمجھ کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ امیر و غریب کا اُن کے یہاں کوئی امتیاز نہ تھا۔ ہر نئے آنے والے سے اس طرح ملتے تھے گویا برسوں کا آشنا ہے۔ ظاہر و باطن کی ہم آہنگی حیرت انگیز تھی۔ شیخ بدر الدین اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو خلوت و جلوت میں اُن کے ساتھ رہتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے:

من خادم محرم بودم و ہر چہ بودے با من بگفتے و بہر کارے مرا برراہ کردے' در خلا و ملا' یک سخن بودے' ہیچ وقت مرا در خلا سخن نگفت یعنی ظاہر و باطن یک روش داشت و ایں از عجائب روزگار است[3]

میں اُن کا خاص خادم تھا۔ جو کچھ کام ہوتا وہ مجھ سے کہتے تھے۔ خلوت میں اور جلوت میں ایک ہی اور بات کہتے اور کرتے تھے۔ مجھ سے کبھی علیحدگی میں ایسی بات نہیں کہی جو ظاہر میں نہ کہہ سکتے ہوں یعنی ظاہر و باطن میں اُن کی روش ایک۔ اور یہ بات عجائب روزگار سے ہے۔

خسرو نے ایک جگہ لکھا ہے

---

[1] فوائد الفواد۔ ص ۵ [2] فوائد الفواد۔ ص ۸۴

[3] فوائد الفواد۔ ص ۴۷

Marfat.com

نیک و بد در آدمی پنہاں نمی ماند چناں کہ
ناف در جیب ملوک و بادہ در جامِ بلور

بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کردار کی یہ خوبیاں عالم میں مشہور ہو گئیں۔ لوگ اُن سے خود بخود محبت کرنے لگے اور اُن کی صحبت میں ایک کشش سی پیدا ہو گئی۔ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کے وصال کے بعد نہایت حسرت کے ساتھ اُن کے اوصافِ پسندیدہ'' کو یاد کیا اور فرمانے لگے:

''مرا اوصاف پسندیدہ از اوصاف شیخ و کمال بزرگی و غایت فضل و لطافت ایشاں یاد آمد''۔ [1]

بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عبارت و ریاضت میں جو کوشش کی تھیں وہ ان ہی کا حصہ تھا۔ چلہ معکوس، مسلسل روزوں، اور کریلے اور پیلو کی غذا نے اُن کے جسم کو لاغر و ناتواں بنا دیا تھا۔ آخری عمر میں ایک مرتبہ فرمانے لگے۔

''چالیس برس تک جو کچھ خدائے تعالیٰ نے فرمایا، بندۂ مسعود نے وہی کہا، اب چند سال سے جو کچھ مسعود کے دل میں خطرہ ہوتا ہے یا اُسے مانگتا ہے پاتا ہے۔'' [2]

حقیقت یہ ہے کہ بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی روحانی عظمت، کردار کی بلندی اور دردمندی خلق سے چشتیہ سلسلہ کی شہرت کو چار چاند لگا دیے۔ اُن کے زمانے میں سلسلہ کے اثرات کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ اُس کے نظامِ اصلاح و تربیت نے ایک مستقل شکل اختیار کر لی۔ اور مریدین کا ایک ایسا طبقہ تیار ہو گیا جس نے ملک کے گوشہ گوشہ میں چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم کرا دیں۔

بابا فرید گنج شکرؒ کے خلفاء اور ان کی اولاد:

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء میں مندرجہ ذیل بزرگ

---

[1] فوائد الفوائد، ص ۹۶۔

[2] خیر المجالس (اُردو ترجمہ) ص ۱۳۸۔۱۳۷

Marfat.com

خالص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(1) شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(2) شیخ بدر الدین اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(3) شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(4) شیخ علی احمد صابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(5) شیخ عارف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ [1]:

بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بہت عزیز خلیفہ تھے۔ اُن کی محبت میں بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ 12 سال تک ہانسی میں مقیم رہے۔[2] اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جمال حقیقت میں ہمارا جمال ہے۔[3] شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ بابا صاحب کو لکھا ہے کہ میرے تمام مریدوں اور خلفاء کو لے لو اور جمال الدین کو مجھے دے دو اور مروت کی بات یہ ہے کہ سودا درہم نہ کیا جائے۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب میں لکھا۔ جمال میرا جمال ہے۔ معاوضہ مال میں ہو سکتا ہے نہ کہ جمال میں" [4] بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ دستور تھا کہ جسے خلافت نامہ دیتے' فرماتے کے جمال الدین سے اس پر دستخط کرا لیتا [5] شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتقال بابا صاحب رحمۃ

[1] شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات ملاحظہ ہو:

سیر الاولیاء۔ ص ۱۷۸۔۱۸۴ اخبار الاخیار ص ۶۷۔۶۸

گلزار ابرار (اردو) ص ۵۴ مراۃ الاسرار (قلمی) ص ۵۸۵۔۵۸۶

معارج الولایت (قلمی) جلد اول ص ۲۵۰۔۲۵۲

شیخ جمال الدین ہانسویؒ کا دیوان اپسالہ یونیورسٹی میں ہے۔ مضامین کی فہرست کے لیے ملاحظہ ہو

Islamic Research Association Miscellany Vol I (1848) pp 167-(74 شیخ کی ایک عربی تصنیف ملہمات ہے جو ۱۳۰۶ھ میں اور ۱۸۹۱ء میں دہلی میں چھپی تھی۔

[2][3] سیر الاولیاء ص ۱۷۸

[4] گلزار ابرار اردو (دو) ص ۵۴ [5] سیر الاولیاء ص ۱۷۹۔۱۷۸

Marfat.com

اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات ہی میں ہوگیا تھا' ان کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے مجذوب تھے۔ چھوٹے جن کا نام مولانا برہان الدین صوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھا باپ کے انتقال کے وقت خورد سال تھے۔ شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک خادمہ' جو بڑی عابدہ اور صالحہ ہونے کی وجہ سے ام المومنین کہلائی تھیں' ان کو بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں لے گئیں۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن پر بڑا التفات وکرم فرمایا اور خلافت سے نوازا۔ ام المومنین نے ہندی زبان میں عرض کیا: خوجا برہان الدین بالا ہے۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ پونوں کا چاند بھی بالا ہوتا ہے یعنی چودھویں رات کا چاند بھی پہلی شب کو چھوٹا ہی ہوتا ہے۔ تدریجاً کمال کو پہنچتا ہے۔[1] بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہدایت کے مطابق مولانا برہان الدین اکثر شیخ نظام اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور اُن سے اتنی عقیدت رکھتے تھے کہ کسی کو مرید نہ کرتے۔ بلکہ کہہ دیتے کہ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہوتے ہوئے مجھے جائز نہیں کہ کسی کو کلاہِ ارادت دوں۔ شیخ قطب الدین منور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خاص خلفاء میں تھے۔ اُن ہی کے صاحبزادے تھے جمالیہ سلسلہ نے زیادہ ترقی نہیں کی۔ آگے چل کر یہ نظامیہ سلسلہ میں مدغم ہوگیا۔

شیخ بدرالدین اسحاق[2] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے داماد' خلیفہ اور خادم تھے۔ ابتدائی زمانہ میں علوم

---

1. سیر الاولیاء ص ۱۸۳۔
2. مولانا بدرالدین اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو:

سیر الاولیاء۔ ص ۱۷۸۔۱۶۹ اخبار الاخیار ص ۶۷۔۶۶

معارج الولایت (قلمی جلد اول۔ ص ۲۵۵۔۲۵۲

کتاب اسرار الاولیاء جو شیخ بدرالدین اسحاق" کی طرف منسوب کی جاتی ہے ان کی تصنیف نہیں ہے اور نہ اس میں بابا فرید" کے ملفوظات ہیں۔ شیخ بدرالدین اسحاق" کی ایک کتاب تصریف بدری کا ذکر سیر الاولیاء میں ہے۔ لیکن وہ اب دستیاب نہیں ہوتی۔

Marfat.com

ظاہری کی طرف بہت راغب تھے۔ کچھ مشکلات کو حل کرنے کے لیے بخارا تک گئے۔ لیکن تشفی نہ ہوئی۔ پھر بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

من کہ در ہیچ مقامے نزدم خیمہ عشق
پیش تو رخت بیفگندم و سر بنہادم

پھر اُن ہی کے ہو گئے۔ شیخ نے خلافت سے سرفراز کیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ جب تک وہ زندہ رہے شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کی عزت اور احترام کی وجہ سے کسی شخص سے بیعت نہیں لی۔[1] بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وفات کے بعد شیخ بدر الدین اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تعلقات شیخ بدر الدین سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (فرزند و جانشین بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے اچھے نہیں رہے اور اس بنا پر وہ پاک پٹن کی جامع مسجد میں منتقل ہو گئے۔ اور آخر عمر تک اسی مسجد میں رہے۔ وصال کے بعد اس مسجد کے قریب سپردِ خاک کیے گئے۔ شیخ بدر الدین اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے پیر و مرشد کے تعلیمی اثرات کا بہترین نمونہ تھے۔ بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دامن تربیت سے وابستہ ہونے کے بعد اُن کا وہ علمی غرور اور کج کلاہی جو اُنھیں بخارا تک لے گیا تھا' کافور ہو گیا۔ محبتِ الٰہی کا جذبہ اس شدت سے پیدا ہو گیا تھا کہ کبھی آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے خالی نہ رہتی تھیں۔[2] چاشت کی نماز میں مشغول ہوتے تو اس قدر روتے کہ سجدہ کی جگہ آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔[3] اس پیہم اشکباری نے بینائی پر اثر ڈالا۔ ایک دن میر خورد کی دادی نے (جو بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت تھیں) اُن سے کہا کہ اے بھائی اگر ایک ساعت آپ اپنے آنسوؤں کو تھامے رکھیں تو میں ان کا علاج سرمہ سے کروں۔ مولانا بدر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ سُن کر رو دئے اور فرمایا: ''اے میری بہن میں کیا کروں کہ آنسو میرے قبضہ میں نہیں ہیں۔''[4] شیخ

---

1. سیر الاولیاء ص ۱۷۳-۱۷۲ 2. سیر الاولیاء ص ۱۷۱
3. سیر الاولیاء ص ۱۷۱ 4. دونوں کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ سیر الاولیاء ص ۲۲۶-۲۲۴

Marfat.com

بدرالدین اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چشتیہ سلسلہ کو پھیلانے کے سلسلہ میں زیادہ کام نہیں کیا، لیکن اپنی جگہ وہ چشتیہ سلسلہ کا عظیم الشان ستون تھے۔ اُنھوں نے اپنے مرشد کی روایات کو پوری طرح جذب کرلیا تھا اور جہاں تک عبادت و ریاضت کا تعلق تھا اُن کو دیکھ کر بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔

شیخ بدرالدین اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو بیٹے تھے۔ خواجہ محمد امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور خواجہ محمد موسیٰ شیخ بدرالدین کی وفات کے بعد شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کی اہلیہ اور دونوں بیٹوں کو دہلی بلالیا تھا۔ اور ان دونوں لڑکوں کو تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ فرمائی تھی۔ خواجہ محمد امام کو شیخ نظام الدین اولیاء نے خلافت عطا فرمائی تھی اور وہ شیخ کی زندگی میں خلق خدا سے بیعت لیتے تھے۔[1]

شیخ عارف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کو خلافت دے کر سیوستان میں بھیج دیا تھا۔ تفصیلی حالات کسی تذکرہ میں درج نہیں۔ سیر الاولیاء میں مختصراً اُن کا ذکر کیا گیا ہے۔[2]

بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سلسلہ حقیقت میں اُن کے دو مریدوں (1) شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور (2) شیخ علی احمد صابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے چلا۔ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانہ میں چشتیہ سلسلہ کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا۔ انھوں نے ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں سلسلہ کی خانقاہیں قائم کرائیں اور اصلاح و تربیت کا کام عظیم الشان طریقہ پر انجام دیا۔ شیخ علی احمد صابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود سلسلہ کی ترقی کے لیے کچھ نہ کرسکے، لیکن اُن کے بعد اُن کے سلسلہ کے لوگوں نے اس کو فروغ دینے میں بڑی جدوجہد کی۔ شیخ علی احمد صابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات

---

1. خواجہ محمد امامؒ نے سلطان المشائخ ” کے ملفوظات انوار المجالس نام سے جمع کیے تھے افسوس ہے کہ انوار المجالس کا قلمی نسخہ کہیں دستیاب نہیں ہوتا۔

2. سیر الاولیاء ص ۱۸۵۔۱۸۴

Marfat.com

سے معاصر تذکرے اور تاریخیں یک سر خالی ہیں۔[1] اس بنا پر اُن کے کام کی نوعیت کا صحیح اندازہ لگانا قطعاً ناممکن ہے۔ چشتیہ سلسلہ کی تاریخ کے دور ثانی میں اُن کے سلسلہ کے مشائخ کافی نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس لیے صابریہ سلسلہ کی تاریخ ہم نے دور ثانی ہی میں بیان کی ہے۔

بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء کا ذکر کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اُن کی اولاد کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پانچ لڑکے تھے اور تین لڑکیاں تھیں۔ شیخ نصیر الدین نصر اللہ شیخ شہاب الدی، شیخ بدر الدین سلیمان، خواجہ نظام الدین۔ شیخ یعقوب۔ بی بی مستورہ۔ بی بی شریفہ بی بی فاطمہ۔

شیخ نصر الدین نصر اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سب سے بڑے فرزند تھے زمانہ دراز تک زراعت کا پیشہ کرتے رہے تھے۔[2] اُن کے ایک لڑکے تھے، شیخ بایزید۔ وہ بھی درویش صفت تھے۔ مالوہ کے مشہور بزرگ اور شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عزیز خلیفہ شیخ کمال الدین ان ہی کے فرزند تھے۔ مالوہ میں چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت اُن کے ذریعے سے ہوئی۔

شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

اُن کا نام بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صاحبِ عوارف المعارف سے عقیدت کا آئینہ دار ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء میں اور ان میں بڑی محبت تھی۔[3] اُن کے چھ لڑکے تھے۔ شیخ حسام الدین، شیخ عبدالحمید، شیخ مسعود، شیخ علی شیر، شیخ محمد اور شیخ جمشید۔ مزید تفصیل

---

[1] سیر الاولیاء ص (۱۸۵) میں صرف چند سطریں لکھی ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ بقول شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

''ذکر او خالی از غرابت نیست'' (اخبار الاخیار ص ۶۹)

[2] سیر الاولیاء ص۔ ۱۸۶ [3] سیر الاولیاء ص ۱۸۶

Marfat.com

جواہر فریدی [1] کے تیسرے بیٹے تھے۔ باپ کے بعد سجادہ پر بیٹھے تھے۔ اُن کے فرزند و سجادہ نشین شیخ علاء الدین اجودھنی اپنے تقدس اور اتقاء کی بنا پر مشہور تھے۔ سلطان محمد تغلق اُن کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گیا تھا۔ [2] برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں اُن کے متعلق لکھا ہے۔

''در تفسیر نوشتہ اند کے بعضے ملکہ مقدس بہ محض عبادت خدائے جل و علا مجبول اند و از آفرینش جز۔ تعبد ہیچ مشغولی ندارند۔ شیخ علاء الدین نیز ہم ازاں قبیل آفریدہ شدہ بود۔'' [3]

شیخ علاء الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو بیٹے تھے۔ شیخ معز الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ علم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ شیخ معز الدین کو محمد بن تغلق نے گجرات بھیج دیا تھا اور وہیں انھوں نے وصال فرمایا۔ [4] شیخ علم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو محمد بن تغلق نے۔ شیخ الاسلام بنا دیا تھا۔ اور بقول میر خورد

''جمیع مشائخ روزگار منقاد و محکوم او رکشتند۔'' [5]

شیخ معز الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک صاحبزادے افضل الدین فضیل تھے۔ شیخ علم الدین کے صاحبزادے کا نام مظہر الدین تھا۔ مؤخر الذکر کو اُن کے والد کے بعد شیخ الاسلامی کے عہدے پر مامور کیا گیا تھا۔ [6]

خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے سب فرزندوں میں انھیں سب سے زیادہ عزیز

1۔ جواہر فریدی (قلمی نسخہ) باب ۲ فصل پنجم

2۔ سیر الاولیاء ص ۱۹۶ نیز عجائب الاسفار از ابن بطوطہ ص ۳۴۔ ابن بطوطہ نے ان کا نام غلطی سے فرید الدین لکھ دیا ہے۔

3۔ تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۴۷

4۔ سیر الاولیاء (ص ۱۹۶) میں لکھا ہے: ''از دست ظالمان و باغیان بدرجہ شہادت رسید''

5۔ سیر الاولیاء ص ۱۹۶ 6۔ سیر الاولیاء۔ ص ۱۹۷

Marfat.com

رکھتے تھے[1] بلبن کی فوج میں ملازم تھے۔ اُن کے ایک فرزند تھے جن کا نام خواجہ ابراہیم تھا۔ اُن کے فرزند خواجہ عزیز الدین' شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔[2]

شیخ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ:

بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ امروہہ کے نواح میں قیام فرمایا تھا[3] اُن کے دو بیٹے تھے۔ خواجہ معز الدین اور خواجہ قاضی' اول الذکر نے دیو کیر کو اپنا مستقر بنایا۔ مؤخر الذکر نے دہلی میں رحلت فرمائی۔

بی بی مستورہ:

کے فرزند خواجہ عزیز صوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے۔ اُنھوں نے اپنے شیخ کے مناقب میں ایک کتاب تحفۃ الابرار فی کرامۃ الاخیار مرتب کی تھی جواب دستیاب نہیں ہوتی۔ اُن کے فرزند خواجہ قطب الدین حسن' شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ تھے۔[4]

بی بی فاطمہ:

کے دو فرزند خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حلقہ مریدین میں شامل تھے۔

بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء اور اُن کی اولاد کے مندرجہ بالا حالات پر انفرادی یا مجموعی کسی حیثیت سے غور کیا جائے' ایک حقیقت ضرور واضح ہو جائے گی اور وہ یہ کہ کسی نہ کسی منزل پر پہنچ کر یہ سب شاخیں نظامیہ سلسلہ میں مدغم ہو گئیں۔ بابا فرید رحمۃ اللہ

---

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۱۸۹۔ [2] سیر الاولیاء۔

[3] سیر الاولیاء (ص ۱۹۱) میں لکھا ہے "در اثنائے راہ قصبہ انبروہہ آں بزرگ زادہ رامرداں غیب بربودند وغایب کردند"

[4] گلزار ابرار (اردو) (ص ۵۲)

Marfat.com

تعالیٰ علیہ کے خلفاء میں حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ کوئی بزرگ اپنے سلسلے کے نظام کو[1] قائم رکھنے اور اور چلانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دامن تربیت سے وابستہ کرلیا۔ جو باقی بچے انھوں نے حکومتِ وقت کی ملازمت اختیار کرلی۔ شیخ جمال الدین ہانوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ بدر الدین اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ نصر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد نے حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنا روحانی رہبر تسلیم کرلیا۔ شیخ بدر الدین سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرزند شیخ علاؤ الدین نے تو اپنے مشائخ اور اپنے سلسلہ کی روایات کو زندہ رکھا۔ لیکن اُن کے بیٹوں نے محمد بن تغلق کی ملازمت اختیار کرلی اور سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت کا کام مدھم پڑھ گیا۔

شیخ نظام الدین اولیاء اور چشتیہ سلسلہ کا دورِ عروج:

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کی داغبیل حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاتوں پڑی۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے منظّم کیا اور حضرت شیخ نظام الدین اولیا نے اُسے معراجِ کمال تک پہنچادیا، نصف صدی سے زیادہ دہلی میں ان کی خانقاہ، ارشاد و تلقین کا مرکز اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ بنی رہی۔ ملک کے گوشہ گوشہ سے لوگ پروانوں کی طرح وہاں جمع ہوتے تھے۔ اور عشق الٰہی کی تپش اور خدمتِ خلق کا جذبہ لے کر واپس جاتے تھے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک قصیدہ کا عنوان لکھا ہے:

"مدح شیخ الطریقہ نظام الحق والحقیقہ محمدی ؒ کہ عیسیٰ ؑ آخر الزمانش فرستادند تا دم جان بخش او را اسلام محمدی را از سر زندہ گردانید و عمر جاوید بخشید"[2]

ابتدائی زمانہ میں حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لوگوں کے ہجوم سے بہت

---

[1] یہاں صابریہ سلسلہ زیرِ غور نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس دور میں یہ سلسلہ پوری وجود ہی میں نہیں آیا تھا۔

[2] مجنوں لیلیٰ۔ ص ۱۳ (علی گڑھ ۱۹۱۷)

Marfat.com

گھبراتے تھے۔ جب غیاث پور میں آ کر مقیم ہوئے اور وہاں کیقباد کے زمانے میں خلقت کی کثرت ہوئی تو چاہا کہ کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائیں۔ ایک دن ایک شخص نے آ کر کہا۔

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی کانگشت نمائے عالمے خواہی شد
امروز کہ زلفت دل خلقے بربود در گوشہ نشست نمی دارد سود[1]

آپ نے غیاث پور ہی میں قیام کا فیصلہ کر لیا۔ یہ زمانہ انتہائی عسرت اور تنگی میں بسر ہوا۔ بعض مرتبہ تین تین دن کے فاقے کرنے پڑے۔[2] لیکن استغنا کا یہ عالم رہا کہ سلطان جلال الدین خلجی نے گاؤں پیش کرنے کی اجازت چاہی تو فرمادیا ''مجھے اور میرے خدمت گاروں کو تمہارے گاؤں کی چنداں ضرورت نہیں' میرا اور ان کا خدا کارساز اور سیر سامان ہے۔''[3] بعد کو جب فتوح کا دروازہ کھل گیا[4] اور ہزاروں آدمی اُن کے لنگر سے کھانا کھانے لگے' اس وقت ان کا یہ حال تھا کہ مُسلسل روزے رکھتے تھے اور سحری کے وقت اس لیے کھانا نہ کھاتے تھے کہ شہر میں کچھ لوگ بھوکے سو رہے ہوں گے۔[5] خلق کی اس دردمندی نے انھیں اقلیم دل کا حکمراں بنا دیا۔ کوئی شخص اپنی لڑکیوں کے رشتہ کی وجہ سے پریشان ہوتا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ کوئی سلطان کی بے التفاتی سے رنجیدہ خاطر ہوتا تو اُن سے عرض حال کرتا۔ دل میں کوئی خلش ہوتی بے اختیار غیاث پور کی طرف قدم اُٹھنے لگتے' حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر ایک کا درد و غم سنتے اس کے زخموں پر مرہم لگاتے اور پھر بارگاہِ خداوندی میں ایک ایک تکلیف اپنے اوپر طاری کر کر دعا فرماتے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

---

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۱۱۱ [2] سیر الاولیاء ۱۳۰۔ ۱۱۲ ابتدائی زمانہ کا حال مفصل درج ہے

[3] سیر الاولیاء۔ ۱۳۰۔ ۱۱۲ ابتدائی زمانہ کا حال مفصل درج ہے۔

[4] خیر المجالس (مجلس ۸۷) میں لکھا ہے کہ فتوحات کا ایسا سلسلہ تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ جمنا کا رخ ان کی خانقاہ کی طرف کر دیا گیا ہے۔

[5] سیر الاولیاء۔ ص

Marfat.com

چیست انسانی تپیدن درغمِ ہمسائگاں
ازسمومِ نجد درباغِ عدن پژماں شدن
خواردیدن خویش راازخواری ابنائے جنس
درشبستاں تنگ دل از محنتِ زنداں شدن
آتش قحطے کہ در کنعاں بسوزدباغ وکشت
برفرازِ تختِ مصر از تابِ آں بریاں شدن

بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کے لیے دُعا کی تھی کہ تو ایک ایسا درخت ہو جس کے سایہ میں ایک خلق کثیر آسائش وراحت سے رہے [1] تقریباً 50 سال تک انسانی دلوں نے اس طرح ان کی خانقاہ میں راحت وسکون حاصل کیا جیسے کوئی تھکا ہارا مسافر' تمازتِ آفتاب سے خستہ جان' ٹھنڈے اور سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ کر فرحت و اطمینان کا سانس لیتا ہے۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔[2] امیر و غریب' عارف و عامی' شہری اور دیہاتی' بوڑھے اور بچے سب ہی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔[3] امیر خسرو فرماتے ہیں ۔

درنظر او زِ گدا و ملوک دُرشدہ بے جادہ بسلکِ سلوک
بر در او ہر کہ ارادت نمود زندہ جاوید شد ار مردہ بود

جو شخص جس وقت آپ سے ملنے کے لیے حاضر ہوتا' اسی وقت باریابی کی اجازت دی جاتی۔[4] ضیاءالدین برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی' حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حلقہ مریدین میں شامل تھے' شیخ کے اثرات کے متعلق لکھتے ہیں:

"اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت عام کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ وہ

1۔ سیر الاولیاء 2۔ سیر الاولیاء
3۔ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی۔ ص ۳۴۳ 4۔ سیر الاولیاء

Marfat.com

گناہگاروں کو خرقہ پہناتے تھے اور اُن سے توبہ کراتے تھے اور خود اپنے ارادے سے قبول کرتے تھے۔ ہر شخص کو خواہ خاص ہو یا عام' مالدار ہو یا غریب' بادشاہ ہو یا مفلس' جاہل ہو یا شریف' بازاری ہو یا شہری' آزاد ہو یا غلام' ہر ایک کو طاقیہ عطا فرماتے' مسواک دیتے اور توبہ کراتے تھے اور سب لوگ چونکہ اپنے آپ کو حضرت کا مرید اور خدمت گار سمجھتے تھے اس لیے بہت سی ناکردنی باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ اور اگر حضرت کے یہاں آنے والوں میں سے کسی سے لغزش ہو جاتی تھی تو وہ بیعت کی تجدید کر کے توبہ کا خرقہ لے لیتا تھا۔ اور حضرت سے مرید ہونے کی شرم بہت سے لوگوں کو کھلم کھلا یا چھپے چوری بہت سے منکرات کے ارتکاب سے بچاتی تھی۔ اور خلق خدا عام طور پر تقلیداً اور اعتقاداً طاعت اور عبارت کی طرف رغبت رکھتی تھی۔ خواص اور عوام کے دلوں میں نیکی اور نیکوکاری نے جگہ پکڑ لی تھی۔ مرد عورت' بوڑھے' جوان' بازاری' عامی غلام اور نوکر سب نماز ادا کرتے تھے۔ زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہو گئے تھے .... شہر سے غیاث پور تک مختلف مقامات پر چبوترے بنائے گئے تھے' چھپر ڈال دیئے گئے تھے۔ کنوئیں کھدوائے گئے تھے۔ پانی سے بھرے ہوئے مٹکے اور مٹی کے لوٹے رکھے رہتے تھے۔ چٹائیاں بچھی رہتی تھیں۔ ہر چبوترہ اور ہر چھپر میں ایک حافظ اور ایک خادم مقرر کر دیا گیا تھا' تاکہ مریدوں' توبہ کرنے والوں اور نیک لوگوں کو شیخ کے آستانہ تک آنے جانے میں نماز کے وقت وضو کرنے میں کوئی تردد نہ ہو۔"[1]

"حاصل کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پچھلی صدیوں میں شیخ جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ بایزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مثل پیدا کیا تھا۔"[2]

پروفیسر محمد حبیب صاحب نے غالباً حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے

---

1. تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۴۴۔۳۴۳ 2. تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۴۶

Marfat.com

ان ہی عظیم الشان اور دوررس اثرات کے پیش نظر ان کو ہندوستان کا سب سے بڑا مسلمان بزرگ بتایا ہے۔[1] علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کو خضر و مسیحا سے بھی اونچا مقام دیا ہے[2] فرماتے ہیں:

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

شیخ نظام الدین اولیاء کے خلفاء:

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کوششوں سے چشتیہ سلسلہ کے اثرات ہندوستان کے ہر ہر حصہ میں پہنچ گئے۔صاحب گلزار ابرار نے لکھا ہے:

"ان ایام میں زمین ہند کو عجیب زمانہ حاصل تھا۔کیونکہ آپ کی بارگاہِ خلافت سے وقتاً فوقتاً جو نئے خلیفہ روانہ ہوتے تھے'اُن کی فیض پاشی سے ہند کا ہر مکان اور ہر قطعہ زمین ہدایت آباد تھا۔ایک روایت ہے کہ آپ نے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مرتبے اور بڑی کرامتوں والے سات سو خلیفہ ایسے روانہ کئے تھے کہ ہر شخص کے سینے سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع کرتا تھا"[3]

ضیاءالدین برنی اور سید محمد کرمانی المدعو بہ میر خورد نے شیخ کے اثرات کا جو نقشہ پیش کیا ہے'اس کے پیش نظر' سات سو کی تعداد' نا قابل اعتبار نہیں معلوم ہوتی۔لیکن افسوس ہے کہ

[1] ملاحظہ ہو (ص ۱۲۹) Islamic Culture April 1946

[2] امیر خسرو نے جگہ جگہ اپنے شیخ کو خضر و مسیح سے تشبیہ دی ہے'ایک جگہ فرماتے ہیں:

وجودِ خواجہ نہ از آب و گل گشتہ مرتب
کہ جان خضر و مسیحا بہم شد مرکب

(سیر الاولیاء)

دولرانی خضر خاں میں کہتے ہیں (ص ۱۵) ع بعدر خضر و عیسیٰ مسند آرائے"

[3] گلزار ابرار (اردو) ص ۸۵-۸۴

Marfat.com

شیخ کے بہت کم خلفاء کے حالات معاصر تذکروں میں ملتے ہیں۔فوائد الفواد سیر الاولیاء خیر المجالس اور احسن الاقوال کی بنیاد پر شیخ کے مندرجہ ذیل خلفاء کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

(1) مولانا شمس الدین یحییٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(2) شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(3) شیخ قطب الدین منور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(4) مولانا حسام الدین ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(5) مولانا فخر الدین زرادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(6) مولانا علاء الدین نیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(7) مولانا وجیہہ الدین یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(8) مولانا سراج الدین عثمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(9) مولانا شہاب الدین امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(10) شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(11) قاضی محی الدین کاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(12) خواجہ محمد امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جن بزرگوں نے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں رہ کر کام کیا اور وہاں چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم کیں۔ان کا ذکر ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔یہاں صرف اُن خلفاء کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے جنہوں نے چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام سے وابستہ رہ کر دہلی میں کام کیا۔

مولانا شمس الدین یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ:

امیر خورد کا بیان ہے:

Marfat.com

"جملہ اہل عصر از علماء و مشائخ منقاد و معتقد او بودند" [1]

مولانا آزاد بلگرامی' جب علماء ہند کے مخصوص زمرہ میں اُن کے کمالات کا جائزہ لیتے ہیں تو بے اختیار زبان قلم سے نکل جاتا ہے۔

آفتابے ابست مفیض انوار دانش و عالی جناب مفید انواع بینش [2]

شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اُن سے تلمذ تھا' ایک قصیدے میں فرماتے ہیں ۔

سالت العلم من احیاک حقا

فقال العلم شمس الدین یحییٰ [3]

مولانا نے مشارق الانوار کی ایک شرح بھی لکھی تھی' [4] جو اب دستیاب نہیں ہوتی۔ لوگوں کو مُرید کرنے سے حتی الامکان گریز کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر خلافت نامہ پر حضرت شیخ کے دستخط نہ ہوتے تو اس کو اپنے پاس تک نہ رکھتا۔ [5] گو چشتیہ سلسلہ کی اشاعت کا کام شیخ یحییٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعے بہت کم ہوا۔ لیکن ان کی وجہ سے سلسلہ کا علمی رعب اور وقار قائم رہا۔ اور یہ ایک ایسی بڑی خدمت تھی کہ جس کی بنا پر ان کو سلسلہ کی تاریخ میں ایک امتیازی جگہ ملنی چاہیے محمد بن تغلق نے اُن کو جبراً بھیجنا چاہا تھا [6] اور اس سلسلہ میں ان پر سختی بھی کی تھی۔ لیکن جب روانگی کا وقت آیا تو ان کے سینے پر پھوڑا نکل آیا اور اسی تکلیف میں انھوں نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

شیخ حسام الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ:

علم' زہد اور تقویٰ کی وجہ سے مشہور تھے۔ علم فقہ میں خاص دلچسپی تھی۔ ہدایہ نوک

---

1. سیر الاولیاء۔ ص ۲۲۵
2. ماثر الکرام۔ ص ۱۸۲
3. اخبار الاخیار ص ۹۷۔ ماثر الکرام۔ ص ۱۸۲
4. اخبار الاخیار ص ۹۶
5. سیر الاولیاء۔ ص ۲۲۵
6. سیر الاولیاء۔ ص ۲۲۸

Marfat.com

زبان پر تھی۔ تصوف میں قوت القلوب اور احیاء العلوم از بر تھیں۔[1] محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب خلافت سے نوازا تو عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو شہر میں نہ رہوں بلکہ جاری پانی کے کنارے سکونت اختیار کرلوں۔ فرمایا نہیں۔ شہر میں ہی رہو۔ کن کاحد من الناس اور اس طرح رہو جیسے اور لوگ رہتے ہیں۔[2] شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام سے تعلق رکھتے تھے۔ اور حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے متعلق فرمایا تھا...... ''شہر دہلی در حمایت اوست۔''[3] (دہلی اس کی حمایت میں ہے) لیکن جب محمد بن تغلق نے علماء و مشائخ کو دہلی سے نکال کر ملک کے دور دراز حصوں میں بھیجنا شروع کیا تو شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گجرات چلے گئے اور وہیں وصال فرمایا۔[4]

مولانا فخر الدین زرادی رحمۃ اللہ علیہ:

جید عالم تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''درامر دین صلابت تمام داشت و عظمے وافر''[5]

سماع کی اباحت میں دو رسالے تصنیف کیے تھے۔[6] محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عشق تھا۔ اُن کے وصال کے بعد دائمی روزہ رکھنے لگے تھے۔[7] محمد بن تغلق کی تحریکِ دکن کے سلسلے میں ان کو دہلی چھوڑ کر دیوگیر جانا پڑا تھا۔ وہاں سے وہ حج کے لیے چلے گئے۔ واپسی میں جہاز ڈوب گیا اور مولانا بھی غرق ہو گئے۔[8]

---

1. سیر الاولیا۔ ص ۲۵۶ میں لکھا ہے: ''در فقہ ہر دو جلد ہدایہ یادداشت، و در علم سلوک قوت القلوب و احیاء العلوم تحت اللسان بود۔''
2. سیر الاولیاء۔ ص ۲۶۱
3. سیر الاولیاء۔ ص ۲۵۷
4. سیر الاولیاء۔ ص ۲۶۲
5. اخبار الاخیار ص ۹۱۔۹۰
6. ایک رسالہ اصول السماع ۱۳۱۱ھ میں مولانا غلام احمد خابریاں نے مسلم پریس جھجر سے شائع کیا تھا۔
7. سیر الاولیا۔ ص ۲۶۶۔
8. سیر الاولیاء ص ۲۷۵

Marfat.com

مولانا علاء الدین نیلی رحمۃ اللہ علیہ:

اودھ کے مشاہیر علماء میں تھے۔ کشاف و مفتاح کے غوامض بیان کرنے میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔[1] محبوب الٰہی نے انھیں خلافت عطا فرمائی تھی لیکن انھوں نے ایک شخص کو بھی مرید نہیں کیا۔[2] اپنے مرشد سے انھیں عشق تھا۔ اُن کے ملفوظات فوائد الفواد (مرتبہ حسن سنجری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اپنے قلم سے لکھ کر رکھ لئے تھے اور اکثر انھیں کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا آپ کے پاس ہر فن کی معتبر کتابیں موجود ہیں۔ ان ملفوظات کے علاوہ کسی اور کتاب کو کیوں نہیں پڑھتے! جواب دیا' میری نجات اسی سے متعلق ہے[3]

مرا نسیم تو باید صبا کجا ست کہ نیست
کجاست زلف تو مشک خطا کجا است کہ نیست

مولانا شہاب الدین امام رحمۃ اللہ علیہ:

محبوب الٰہی کے امام تھے آواز ایسی دلکش پائی تھی کہ۔ "پرندر ہوا و جنبندہ بر زمیں بالحسان خوش او مست و مدہوش می گشتند"[4]

پرند ہوا میں اور چلنے والے زمین پر مست و مدہوش ہو جاتے تھے۔
امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کے متعلق لکھا ہے

اوچو ابرِ کرم بفرق جہاں ‏ ‏ زیر کان چوں صدف کشادہ دہاں
شمع من یافتہ ضیا از دے ‏ ‏ مسِ من گشتہ کیمیا از وے

دیگر مشائخ وقت کی طرح آپ بھی دکن چلے گئے تھے۔ غالباً محمد بن تغلق کے

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۲۷۵) میں لکھا ہے: "در کشف غوامض کشاف و مفتاح مثل نداشت"

[2] سیر الاولیاء ص ۲۷۶۔ اخبار الاخیار ص ۹۳

[3] سیر الاولیاء ص ۲۷۸۔ اخبار الاخیار ص ۹۳

[4] سیر الاولیاء ص ۲۹۲۔۲۹۰

Marfat.com

اصرار پر ہی آپ نے دہلی کو چھوڑا۔ پھر کچھ دنوں بعد جب سلطان نے لوگوں کو واپسی کی اجازت دے دی تو آپ بھی دہلی واپس آ گئے۔[1]

قاضی محی الدین کاشانیؒ:

اودھ کے ایک ذی اثر قاضی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وظیفے کے فرمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور فقر و مجاہدہ کی زندگی اختیار کر لی۔[2] پیر و مرشد کی حیات ہی میں وفات پائی۔

ان بزرگوں کے علاوہ (جنہوں نے حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے باضابطہ خلافت پائی تھی) کچھ مریدین ایسے بھی تھے جن کو خلافت تو عطا نہیں کی گئی تھی لیکن انھوں نے دہلی میں رہ کر سلسلہ کی اخلاقی اور علمی بنیادوں کو استوار کیا۔ مولانا وجیہہ الدین پائلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جید عالم تھے۔ میر خورد نے لکھا ہے۔ بوقت سبق گفتن فحول علما بزانوئے ادب بخدمت اوی نشتند ے۔[3] مولانا فخر الدین مروزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمیشہ کتابت کلام پاک میں مصروف رہتے تھے اور بقول صاحب سیر الاولیاء "بجمال ورع و کمال تقویٰ آراستہ بود"۔[4] امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کے متعلق خود شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تھا۔

خسرو کہ بنظم و نثر مثلش کم خاست　　ملکیت مُلک سخن آں خسرو راست
آں خسرو ماست ناصر خسرو نیست　　زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست[5]

1۔ سیر الاولیاء ص ۲۹۲　　2۔ سیر الاولیاء ص ۲۹۵
3۔ سیر الاولیاء ص ۲۹۶　　4۔ سیر الاولیاء۔ ص ۲۹۸
5۔ سیر الاولیاء۔ ص ۳۰۴۔ بسلسلہ ص ۱۸۰۔ امیر خسروؒ کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔
امیر خسروؒ دہلوی از پروفیسر محمد حبیب (علی گڑھ ۱۹۲۷ء)
امیر خسروؒ کے حالات و تصانیف ڈاکٹر وحید مرزا (کلکتہ ۱۹۳۵ء)

(فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

Marfat.com

امیر حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ[1]:

مرتب فوائد الفواد' مولانا ضیاء الدین برنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب تاریخ فیروز شاہی ۔فتاویٰ جہاں داری' حسرت نامہ وغیرہ...... یہ اور چند اور بزرگ جن کا تذکرہ سیر الاولیاء میں ہے۔چشتیہ سلسلہ کے علمی ستون تھے۔انھوں نے سلسلہ کا علمی وقار دوبالا کر دیا اور اپنی تصانیف اور درس کے ذریعے اس کے اثرات دور دور تک پھیلا دیے۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے بعد چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام کو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سنبھالا۔ان میں اپنے پیر و مرشد کی بہت سی خوبیاں تھیں۔مصنف سیر الاولیاء کا بیان ہے۔

"بوئے کہ از مجلس سلطان المشائخ می آمد' آں بوئے از مجلس شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بمشام جاں کاتب حروف رسیدہ است[2]

جو خوشبو سلطان المشائخ کی مجلس میں آتی تھی' ویسی ہی خوشبو شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس سے کاتب حروف کے مشام جان تک پہنچی ہے۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابتدائے حال میں امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعہ پیر سے درخواست کی تھی کہ اُن کو کسی تنہائی کے مقام پر رہ کر عبادت کرنے کی اجازت دے دی جائے۔حضرت محبوب الٰہی نے جواب دیا:

اورا بگو ترا در میان خلق می باید بود و جفا و قفائے خلق می باید کشید و مکافات آں

(پچھلے صفحہ کے فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ)

"حیات خسرو" مولانا سعید مارہروی لاہور ۱۹۰۹ء

1. امیر حسنؒ کا انتقال دیوگیر میں ہوا۔حالات کے لیے مقدمہ (دیوان حسن دہلوی۔مرتبہ مولوی مسعود علی) نیز اخبار الاخیار' سیر الاولیاء' تاریخ فیروز شاہی۔وغیرہ

2. سیر الاولیا۔ص ۲۴۱

Marfat.com

بذل وایثار وعطامی باید کرد[1]

شیخ نصیر الدین سے کہدو کہ تمہیں خلق میں رہنا اور لوگوں کے جور وظلم کے مصائب جھیلنے چاہئیں اور ان کے عوض میں بذل وایثار اور سخاوت وبخشش کرنا چاہیے۔

پیرو مرشد کے اس فرمان پر وہ آخری دم تک عامل رہے۔ کوئی 'جفا' اور 'قفا' ایسی نہ تھی جس سے انھیں دوچار ہونا نہ پڑا ہو۔ لیکن اُن کی زبان پر کبھی حرفِ شکایت نہ آیا۔ اور ان کے پائے ثبات میں کبھی لغزش پیدا نہ ہوئی۔

حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے سلسلہ کا کام انتہائی نامساعد حالات میں کرنا پڑا اب دہلی، علاء الدین خلجی کی دہلی نہ تھی۔ جب بقول ان کے خوش حالی اور فارغ البالی کا یہ عالم تھا کہ ہر فقیر کے پاس، ایک چھوڑ دو دو لحاف ہوتے تھے۔[2] اب یہ بدقسمت شہر ایک مطلق العنان بادشاہ کے بدلتے ہوئے افکار وتصورات کا بازیچہ بنا ہوا تھا۔ ایسے بحرانی دور میں ایک کل ہند روحانی نظام کو چلانے کے لیے بڑی فکر اور عملی صلاحیتیں درکار تھیں۔ حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے اور ہمت واستقلال کے ساتھ کام کرتے رہے۔ بادِ مخالف کے بہت سے تیز وتند جھونکے آئے اور سلطان وقت محمد بن تغلق نے انھیں طرح طرح سے پریشان بھی کیا۔[3] لیکن اُنھوں اپنے پیر کے حکم سے سرمو انحراف نہیں کیا۔ اقبال نے سچ کہا ہے۔

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

ان کی خانقاہ میں عقیدت مندوں کے ہجوم کا یہ حال رہتا تا کہ ان کو سونے کا وقت

---

1. سیر الاولیاء۔ ص ۲۳۷۔ اخبار الاخیار۔ ص ۸۰۔
2. خیر المجالس (قلمی نسخہ)
3. تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "محمد بن تغلق کے مذہبی رجحانات" مطبوعہ "برہان" مارچ ۱۹۴۶ء (ص ۱۸۰۔۱۵۴)

Marfat.com

تک نہ ملتا تھا۔ ایک دن خود فرمانے لگے۔

اکنوں من بارے فرصت مشغولی و خلوت ندارم، ہمہ روز با خلق می باید بود، بلکہ قیلولہ نیز میسر نمی شود، بار ہا قیلولہ می خواہم کہ بکنم برمی کنند کہ آئندہ آمدہ است برخیزند“ [1]

اب مجھ کو فرصت مشغولی اور خلوت کی نہیں ہے دن بھر مخلوق کے ساتھ رہنا چاہیے۔ بلکہ قیلولہ بھی اکثر میسر نہیں ہوتا بار ہا قیلولہ کرنا چاہتا ہوں، جگا دیتے ہیں کہ فلاں آیا ہے اُٹھیے۔

پروفیسر محمد حبیب نے لکھا ہے کہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ملفوظات خیر المجالس کو پڑھتے وقت بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں [2] اس میں شک نہیں کہ شیخ کے ایک ایک حروف میں درد کی کیفیت پنہاں ہے۔ جہاں بظاہر شیخ کی آنکھوں میں آنسو نہیں معلوم ہوتے وہاں بھی ان کے الفظ ایسے غم اور تاثیر میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ کہ پڑھنے والی کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو ڈبڈبا آتے ہیں۔ غم کی یہ کیفیت کچھ ان کے حالات نے بھی پیدا کرتی تھی۔ اور یہ حالات بڑی حد تک محمد بن تغلق کی پالیسی کا نتیجہ تھے۔

چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مہر و محبت کا مجسمہ تھے۔ اُن کے اخلاق کی بلندی کا اندازہ لگانے کے لیے صرف ایک واقعہ بیان کر دینا کافی ہے۔ تکملہ خیر المجالس میں لکھا

---

1. خیر المجالس (قلمی نسخہ) مجلس ۱۲ ص ۳۷۔ اردو ترجمہ ص ۴۱

2. ملاحظہ ہو پروفیسر محمد حبیب کا مضمون

"Shaikh Nasir Uddin Chiragh -i- Delhi Asa Historical Personality."

مطبوعہ اسلامک کلچر اپریل ۱۹۴۶ء ص ۱۴۵

اس مضمون میں پروفیسر محمد حبیب صاحب نے حضرت چراغ دہلویؒ کی تصویر اپنے مخصوص انداز میں کھینچی ہے مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نے حبیب صاحب سے پوچھا تھا کہ انھیں اپنی تصانیف میں کون سی تصنیف سب سے زیادہ پسند ہے تو انھوں نے اسی مضمون کا نام لیا۔

Marfat.com

ہے:

"روزے بعد ادائے نماز ظہر از جماعت خانہ توجہ بحجرۂ خاص فرمودند۔ حضرت ایشاں را دربان بنودے۔ خادم خاص ایشاں خواہر زادہ شیخ زین الدین علی بود' اور نیز در خلوت گاہے حاضر بودے گاہے بنودے درعین مشغولی قلندرے بے باک ترابے نام در خلوتِ ایشاں درآمد کاردے درمیاں داشت وبرایشاں کاردزدن گرفت۔ بازدہ زخم بروجود پاک ایشاں بزد۔ حضرت ایشاں دراستغراق بودند' ایشاں تجاوز نفرمودند' درآن ناؤدانے بود' خون مبارک ایشاں از ناودانے بیروں آمد۔ بعضے مریداں آں حال رادیدہ اندروں آمدند' چہ بینند کہ آں قلندرے بے باک زخم ہائے کاردی زند' حضرت ایشاں دم نمی زند مریداں خواستند کہ آں بدبخت راایذائے عظیم رسانند۔ حضرت شیخ نگذاشتند' کہ ہیچ کس بہ ہیچ وجہ مزاحم او گردد و خدمت عبدالمقتدر تھانیسری راکہ ارمریداں خاص ایشاں بودند و خدمت شیخ صدرالدین طبیب راو خدمت شیخ زین الدین علی رابحضور خود سوگند دادند کہ مبادا کسے بضر قلندر ملتفت گردو بیست تنکہ سفید اور انعام فرمودند کہ شاید دروقت کاردزدن آزارے بدست دے رسیدہ باشد۔ سبحان اللہ' اہل بصیرت راحسن سیرت ایشاں معلوم گردد کہ درصدر حیات درتسلیم ورضا چہ رتبہ داشتند۔[1]"

ایک دن ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ جماعت خانہ سے حجرۂ خاص میں تشریف لے گئے۔ حضرت کوئی دربان نہیں رکھا کرتے تھے۔ ان کے خادم خاص ان کے بھانجے شیخ زین الدین علی تھے۔ وہ بھی کبھی خلوت میں موجود ہوتے تھے کبھی نہ ہوتے تھے شیخ مشغولی کی حالت میں تھے کہ ایک بیباک قلندر تراب نام خلوت میں آ پہنچا۔ اُس کے پاس ایک چاقو تھا۔ شیخ پر چاقو سے وار کرنے شروع کئے اور ان کے جسم مبارک پر بارہ زخم کئے۔ حضرت استغراق کی حالت میں تھے مطلقاً بچاؤ نہیں کیا وہاں ایک نالی تھی' خوں مبارک اس نالی سے باہر نکلنا شروع ہوگیا۔ کچھ

---

[1] تکملہ خیرالمجالس۔ ص ۳۱۵۔۳۱۴

Marfat.com

مریدوں نے دیکھا تو اندر آئے۔کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بے باک قلندر چاقو کے وار کر رہا ہے اور حضرت جنبش تک نہیں کرتے۔مریدوں نے چاہا کہ اس بد بخت کو سخت ایذا پہنچائیں۔حضرت نے گوارا نہ کیا۔اور اُسے نہ چھوڑا۔مبادا کوئی کسی طرح سے اُسے کوئی تکلیف پہنچائے عبدالمقتدر تھانیسری کو کہ مریداں خاص میں تھے اور شیخ صدرالدین طبیب اور شیخ زین الدین علی کو اپنے پاس بلایا اور قسم دی کہ کوئی قلندر کو ضرر نہ پہنچائے اور بیس تنکہ اس کو انعام دیا اور فرمایا کہ شاید چاقو مارنے میں ہاتھ میں کچھ تکلیف پہنچی ہو۔سبحان اللہ اہل بصیرت کو ان کی حسن سیرت معلوم ہو کہ زندگی میں تسلیم و رضا کا کیا درجہ رکھتے تھے۔

اس حادثہ کے تین سال بعد 18 رمضان المبارک 757ھ مطابق 1356ء کو حضرت چراغ دہلوی نے وصال فرمایا۔ان کا وصال حقیقت میں چشتیہ سلسلہ کے دورِ اول کا خاتمہ تھا۔مطہر نے اُن کے مرثیہ میں صحیح لکھا تھا۔

جہاں بماتم خواجہ نصیر دین محمود ہزار گونہ کرو نوحہ وزاری

بقیہ سلف ویادگارِ اہل کرم کہ کرد ختم خلافت بملک دیں داری [1]

چشتیہ سلسلہ کے دور اول کا خاتمہ اور اس کے اسباب:

چشتیہ سلسلہ کی تاریخ کا وہ دور جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے شروع ہوا تھا۔شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر ختم ہو گیا۔اس دور کی خصوصیات یہ تھیں۔

(1) چشتیہ سلسلہ کا ایک مرکزی نظام تھا۔اسی مرکز سے تمام متعلقین سلسلہ کی روحانی اور اخلاقی زندگی کی اصلاح و تربیت ہوئی تھی۔خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔قطب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء اور مریدین ملک کے دور و دراز علاقوں میں کام

[1] اخبار الاخیار۔ص ۸۵

Marfat.com

کرتے تھے۔لیکن ان کی نگاہیں ہمیشہ اجمیر' دہلی یا اجودہن کی طرف لگی رہتی تھیں۔وہ اپنے آپ کو ایک مرکزی نظام کے ماتحت تصور کرتے تھے۔

(2) امراء وسلاطین سے کسی قسم کا تعلق رکھنا روحانی سعادت کے منافی سمجھا جاتا تھا ''درویش دیہہ دار'' ہونا اخلاق اور مذہب دونوں کی توہین تھی۔گذر اوقات کے لیے یا تو افتادہ زمین کا کوئی حصہ کاشت کرنے لگتے' یا بغیر مانگے جو کوئی چیز مل جاتی اس پر قناعت کر لیتے۔حکومت کی ملازمت کی طرف اگر کسی خلیفہ کا ذرا بھی رجحان پاتے تو فوراً خلافت نامہ واپس لے لیتے۔

حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد سلسلہ کے یہ دو بنیادی اصول' ماضی کی داستان بن کر رہ گئے۔مرکزی نظام تباہ و برباد ہو گیا۔مرکز سے علیحدہ صوبوں میں خانقاہیں قائم ہو گئیں۔

سلسلہ کے بہت سے نوعمر افراد نے حکومتِ وقت سے تعلق پیدا کر لیا اور اپنا بیشتر وقت اسی میں صرف کرنے لگے۔بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے برسوں پہلے تنبیہ کی تھی۔

لو اردتم بلوغ درجة الكبار فعليكم بعدم الالتفات اِلٰى ابناء الملوك[1]

اگر تم اپنے روحانی مراتب میں بلندی چاہو تو سلاطین کی اولاد کی طرف توجہ نہ کرنا۔

ان نصیحتوں کو فراموش کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلسلہ کے ستون ہل گئے اور اس کے نظام میں ابتری پیدا ہو گئی۔

حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دوربین نگاہ نے مستقبل کے حالات کا مکمل طور پر جائزہ لے لیا تھا اور غالباً اسی بنا پر انہوں نے کسی کو اپنا جانشین بنانا مناسب نہیں سمجھا۔[2] شیخ زین الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دن عرض کیا۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۷۵

[2] جہاں تک مریدین کا تعلق ہے۔حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حلقہ ارادت میں بعض

(فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

Marfat.com

"مخدوم بیشترے مریدان شما صاحب حال و اہل کمال اند۔ ازیں جملہ یکے را اشارت شود کہ بجائے شما نشستہ باشد کہ ایں سلسلہ بکلی گستہ نگرود" [1]

مخدوم، آپ کے بہت سے مرید صاحبِ حال اور اہل کمال ہیں، ان میں سے کسی ایک کے لیے اشارہ ہو جائے تو آپ کی جگہ پر بیٹھ جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ سلسلہ بالکل ہی ختم ہو جائے۔

تو فرمایا جن درویشوں کو تم اہل سمجھتے ہو اُن کے نام لکھ لاؤ۔ مولانا زین الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تین فہرستیں تیار کیں۔ اعلیٰ اوسط اور ادنیٰ۔ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مطالعہ کے بعد فرمایا۔

"شیخ زین الدین ایشاں را بگو کہ غم ایماں خود بخورند چہ جائے آنکہ بار دیگر بردارند" [2]

شیخ زین الدین! ان لوگوں سے کہدو کہ اپنے ہی ایمان کا فکر کریں، دوسروں کا بوجھ سر پر لینے سے کیا حاصل۔

حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے محسوس کر لیا تھا کہ ان حالاتِ گردوپیش میں کوئی شخص ایک کل ہند نظام کا بارگراں نہ سنبھال سکے گا۔ چنانچہ انھوں نے

(پچھلے صفحے کے فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ)

جید عالم اور فاضل شامل تھے۔ سید محمد بن جعفر کی حسینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کی کتاب بحر المعانی اسرار معرفت کا خزانہ ہے۔ مولانا خواجگی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ استاد قاضی شہاب الدین دولت آبادی۔ قاضی عبدالمقتدر، مولانا احمد تھانیسری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ صدر الدین حکیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ اپنے اپنے فن میں وحید عصر و یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار، ماثر الکلام و تذکرہ علمائے ہند۔

1. تکملہ خیر المجالس ص ۳۱۵
2. تکملہ خیر المجالس (قلمی) نیز سیر العارفین (مطبع رضوی، دہلی) ص ۹۷

Marfat.com

وصیت فرمائی کہ مشائخ سلسلہ کے سب تبرکات اُن کے ساتھ دفن کر دیے جائیں۔ جب زمین نے اس آفتابِ علم وارشاد کو آغوش میں لیا تو چشتیہ سلسلہ کا ایک تابناک دور ہمیشہ کے لیے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

اسلامی ہندی کی تاریخ کا یہ ایک عجیب واقعہ ہے کہ جس وقت چشتیہ سلسلہ کا دور اول ختم ہوا' اسی وقت سلطنتِ دہلی' نے بھی دم توڑا۔ اگر ایک طرف حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام ختم ہو گیا' تو دوسری طرف فیروز شاہ کے انتقال (1388ء) کے بعد سلطنت دہلی' کی مرکزی حیثیت بھی فنا ہو گئی۔ صوبوں میں خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں اور دہلی کی امتیازی شان جاتی رہی۔ جس طرح فیروز شاہ کے بعد ہماری سیاسی توجہ کا مرکز جون پور' گجرات' دکن' بنگال' مالوہ کی حکومتیں بن جاتی ہیں اسی طرح ہماری مذہبی تاریخ کی دلچسپیاں دہلی سے ہٹ کر صوبوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں۔ کچھ عجیب توارد ہے کہ جس وقت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اجمیر میں اسلام کا روحانی مرکز قائم کرنے میں مصروف تھے اسی زمانے میں قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کی قشون قاہرہ دہلی میں سلطنت کی تعمیر وتشکیل کا کام انجام دے رہی تھیں۔ ایک طرف روحانی تسخیر ہو رہی تھی' دوسری طرف سیاسی فتوحات کا ہنگامہ برپا تھا۔ مسلمانوں کے یہ دونوں نظام تقریباً دو صدی تک سواری چلتے رہے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں سلطنت دہلی اپنے انتہائی عروج پر پہنچ گئی۔ اور اسی زمانے میں حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چشتیہ سلسلہ کو معراج کمال پر پہنچا دیا۔ معاصر مورخ ضیاء الدین برنی اس توارد کو محسوس کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''سبحان اللہ! عجیب دن اور عجیب زمانہ تھا جو علاء الدین خلجی کی حکومت کے آخری دس سال میں نظر آیا۔ یعنی ایک طرف سلطان نے اپنے ملک کی فلاح اور بہبودی واصلاح کے لیے تمام نشہ آور چیزیں ممنوعات اور فسق وفجور کے تمام اسباب ان سب کو جبر وقہر اور تشدد اور سخت گیری کے ذریعے روک دیا تھا اور دوسری طرف رکھا

Marfat.com

انہیں دنوں میں شیخ الاسلام نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عام بیعت کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ گنہگاروں کو خرقہ و توبہ عطا فرماتے تھے اور خود اپنے ارادے سے قبول کرتے تھے۔"[1]

پھر کچھ عرصہ کے بعد اگر سیاسی دنیا میں محمد بن تغلق یہ اعلان کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

ملک ما مریض گشت[2]

تو روحانی حلقوں میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہ حسرت ناک الفاظ کانوں میں پڑتے ہیں۔

امروز خود ایں کار (شیخی) بازی بچگاں شد[3]

پھر اگر ایک طرف آنکھوں کے سامنے وہ سماں پھرتا ہے جب حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وصیت کے مطابق مشائخ چشت کے تبرکات ان کی قبر میں رکھے جارہے ہیں۔[4] اور سلسلہ کی تاریخ کا ایک باب ختم کیا جارہا ہے، تو دوسری طرف وہ نظارہ بھی تصور سے محو نہیں ہوتا کہ فیروز شاہ کا آخری زمانہ ہے۔ ایک بزرگ فجر کی نماز کا وضو کر رہے ہیں کہ یک لخت کوشک سلطان کی طرف نظر اُٹھتی ہے اور بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں۔

"بلاہائے جملہ عالم زیر پائے اوست۔ آں روز کہ او ازیں جہاں برود معلوم جہانیاں شود۔"[5]

پھر یہ بات بھی اس وقت کیوں نظر انداز کر دی جائے کہ شہاب الدین محمد غوری کی فتح کی بشارت حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دی تھی[6] اور فیروز شاہ

---

1. تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۴۳۔
2. تاریخ فیروز شاہی (برنی) ص ۵۲۱
3. اخبار الاخیار۔ ص ۸۲
4. سیر العارفین۔ ص ۹۷
5. تاریخ فیروز شاہی (شمس سراج عفیف ص ۲۲۔۱۲
6. سیر الاولیاء ص ۴۷

Marfat.com

کو تخت پر بٹھانے والوں میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی شامل تھے۔[1]

اگر کوئی شخص ان واقعات سے یہ نتیجہ نکالے کہ مشائخ چشت، سلاطین دہلی کے ہم نوا اور شریکِ کار تھے اور اسی بنا پر اُن کے عروج و زوال کی داستانیں اس قدر پہلو بہ پہلو چلتی ہیں تو یہ تاریخی حقائق کے خلاف ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ مشائخ چشت بالخصوص دورِ اول کے بزرگ) ہمیشہ سلاطین اور سیاست سے علیحدہ رہے، اور انھوں نے درباداری کو ہمیشہ اخلاق اور مذہب دونوں کی توہین سمجھا۔

جس توارد کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی نظام (یعنی سلطنت دہلی) کی مضبوطی کا انحصار مسلم سوسائٹی کے ضبط و نظم پر تھا۔ اور مسلم سوسائٹی کی شیرازہ بندی کا دارومدار مشائخ کی کوششوں پر۔ وہ قوم کا اخلاقی مزاج درست رکھنے اور صحت مند عناصر کو اُبھارنے اور ترقی دینے کے لیے کوشاں رہتے تھے جب حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں تصوف کی تحریک عوامی تحریک بن گئی اور جاہل او عالم شہری اور دیہاتی امیر اور غریب عورت اور مرد بوڑھے اور جوان۔ آزاد اور غلام سب ہی اُن کے دامن تربیت سے وابستہ ہونے لگے تو ایک مضبوط۔ ہم رنگ اور صحت مند معاشرہ خود بخود اُبھر آیا۔ ناممکن تھا کہ یہ معاشرہ سیاسی نظام کو تقویت نہ پہنچائے۔ ایک مضبوط معاشرہ ہی ایک مضبوط سیاسی نظام کی تشکیل کا سامان مہیا کر سکتا ہے۔ علاء الدین خلجی کو خوش قسمتی سے یہ مضبوط معاشرہ ملا اور اس نے اس کی مدد سے ایک زبردست سیاسی نظام

---

[1] تاریخ فیروز شاہی (عفیف) ص ۲۹ نیز تاریخ فیروز شاہی (برنی) خواجہ اجمیری نے جن حالات میں یہ بشارت دی تھی اور حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جن حالات میں فیروز شاہ فیروز کو تخت پر بٹھایا تھا وہ غیر معمولی تھے۔ انھیں مجبوراً ایسا کرنا پڑا تھا۔ ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون Early Indo - Muslim Mystics and Thier Attitude Towards the stail (مطبوعہ اسلامک کلچر ۴۹۔۱۹۴۷)

Marfat.com

ترتیب دیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد جب چشتیہ سلسلہ کا نظام بگڑنا شروع ہوا تو سماج کا اخلاقی توازن بھی صحیح نہ رہ سکا۔ جو طبقہ خیر کی طرف بلاتا اور شر سے روکتا تھا جب وہی منتشر ہو گیا تو پھر سوسائٹی کے اجزاء میں انتشار پیدا ہو جانا ناگزیر تھا۔[1] اور ساتھ ہی ساتھ سیاسی نظام کا متاثر ہونا بھی یقینی تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چشتیہ سلسلہ کا نظام کیوں بگڑا؟ اس کی ذمہ داری ایک حد تک سلطان محمد تغلق پر عاید ہوتی ہے۔

سلطان محمد بن تغلق اپنے زمانے کا جید عالم تھا۔ شاید ہی علم و ہنر کا کوئی ایسا گوشہ ہو جس پر اس کو کامل عبور نہ۔ اس کا تابناک تخیل نئی نئی اسکیمیں تیار کرتا تھا۔ ایسی اسکیمیں جن کی افادیت سی انکار کرنا ناانصافی ہوگی۔ لیکن ان کو عملی جامہ پہنانے میں وہ اتنی جلدی کرتا تھا کہ سوسائٹی کے مختلف طبقے ان کو سمجھنے سے قاصر رہتے تھے اور اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اس کی ہر معقول اسکیم، عوام کی ناراضگی کا باعث بن جاتی تھی۔

محمد بن تغلق نے جب ہندوستان کے نقشے پر نظر ڈالی تو اُسے محسوس ہوا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی کم ہے وہاں سیاسی نظام کی بنیادیں بھی کمزور ہیں۔ دکن کے حالات کا تجزیہ کیا تو یہی بنیادی سبب نظر آیا۔ اس کے پیش رو باوجود بے پناہ طاقت اور قوت رکھنے کے دکن پر محض اس وجہ سے براہِ راست حکومت نہ کر سکے تھے کہ وہاں مسلمانوں کی کافی آبادی نہ تھی۔ ان حالات میں اس نے فیصلہ کیا کہ دکن میں اسلامی تہذیب و تمدن

---

[1] ہکسلے (Huxley) کا کہنا ہے کہ مفکرین کی ایک اقلیت کا سوسائٹی میں موجود ہونا اس سماج کی صحت کے لیے ضروری ہے۔

"......The Existence of at least a minority of contemplatives is necessary for the well being of the society

ملاحظہ ہو مہندر ناتھ سرکار کا خطبہ صدارت ص ۵۴ (فلسفہ کانگریس بائیسواں اجلاس)

جہاں یہ "اقلیت" دعوت و اصلاح کا کام بھی انجام دیتی ہو۔ سماج کے لیے اس کی ضرورت اور اہمیت بدرجہا بڑھ جاتی ہے۔

Marfat.com

پھیلا کر مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ کیا جائے' تاکہ جنوبی ہندوستان میں ایک مضبوط سیاسی نظام تیار ہو سکے۔ تبلیغ و اشاعت کے کام کے لیے اس کی نظر مشائخ پر گئی۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چشتیہ سلسلہ کا نظام دور دور پھیلا دیا تھا' لیکن پھر بھی دہلی میں بعض ایسے مشائخ موجود تھے جن کو ملک کے دوسرے علاقوں میں بھیج کر دعوت و اصلاح کا کام لیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ سلطان نے ایک دربارِ عام کیا جس میں مولانا فخر الدین زرادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مولانا شمس الدین یحیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ کو بلایا۔ اور ان لوگوں کو تلقین کی کہ دکن جا کر تبلیغ اسلام کریں [1]

سلطان محمد بن تغلق کی نیت درست لیکن مطالبہ غلط تھا۔ وہ الدین والملک لوامان [2] کا قائل تھا اور اس بنا پر چاہتا تھا کہ صوفیہ اس کے احکامات کا احترام کرتے ہوئے ملک کے مختلف گوشوں میں چلے جائیں۔ یہ چیز مشائخ کے بنیادی مسلک سے ٹکراتی تھی۔ وہ سلطان کے مطالبہ کو جن وجوہات کی بنا پر پورا کرنے سے قاصر تھے۔ وہ یہ تھے۔

(1) اُن کے نزدیک حکومتِ وقت سے تعلق رکھنا' روحانی موت کے مترادف تھا'

(2) اُن کا دائرہ عمل اور جائے قیام شیخ کا طے کیا ہوا تھا۔ وہ قطعاً اس مقام کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ جہاں ان کے شیخ نے انھیں بٹھا دیا تھا۔

(3) مشائخ چشت نے اپنے طور پر یہ طے کر لیا تھا کہ وہ خود سیاسی معاملات میں قطعاً دخل نہیں دیں گے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عہد کر لیا تھا کہ وہ اپنی خانقاہوں کا پُر سکون ماحول' شاہانِ وقت کو خراب نہ کرنے دیں گے۔ چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ دہلی کے اندر ہوتے ہوئے بھی سلطنت دہلی کا حصہ نہ تھی۔ ان کے خلفاء و مریدین وہی صورت قائم رکھنا چاہتے تھے۔

(4) ان بنیادی اصولوں کے پیش نظر کام کی نوعیت کا خیال ان کے لیے بالکل بے معنی

---

[1] تفصیل کے لیے سیر الاولیاء کا مطالعہ ضروری ہے۔

[2] سیر الاولیاء ص ۲۰۲۔ (اردو مطبوعہ دہلی)

Marfat.com

تھا۔ اچھا یا برا کوئی کام ہو سلطان وقت سے تعلق کسی طرح جائز نہ تھا۔ شیخ کمال الدین زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (اُستاد شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا واقعہ اس اصول کا بہترین آئینہ دار ہے۔ جب بلبن نے اُن سے شاہی امامت قبول کرنے کی درخواست کی تو انھوں نے جواب دیا "ہمارے پاس سوائے نماز کے اور کیا ہے۔ کیا بادشاہ یہ چاہتا ہے کہ وہ بھی جاتی رہے"[1]

سلطان نے جب ان بزرگوں کے دائرہ عمل میں دخل دیا تو انھوں نے پوری قوت کے ساتھ اس کی اس کوشش کی مخالفت کی۔ یہ مخالفت حقیقت میں ایک اصول کی محافظت تھی۔ محمد بن تغلق نے اس کو ذاتی مخالفت سے تعبیر کیا اور مشائخ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ شیخ شمس الدین یحییٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو (جن کے تجر علمی کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے) اس نے مجبور کیا کہ وہ کشمیر جا کر تبلیغ دین کر دیں۔ سیر الاولیا میں لکھا ہے:

"(سلطان محمد)............ پیش خود

طلبید چوں خدمت مولانا پیش او رفت سلطان گفت ہمچو تو دانش مندے ایں جا چہ کند تو در کشیر برو در بت خانہ ہائے آں دیار بنشیں و خلق خدائے را با سلام دعوت کن چوں ایں چنیں فرمانے شد کسان تعین شدند کہ ایں بزرگ را رواں کنند

سلطان محمد نے مولانا کو طلب کیا اور کہا تجھ جیسا دانش مند رہ کر یہاں کیا کر رہا ہے، تو کشمیر جا اور وہاں کے بت خانوں میں بیٹھ کر خلق خدا کو اسلام کی دعوت دے اس فرماں کے بعد چند آدمی مقرر کیے گئے کہ اس بزرگ کو کشمیر روانہ کر دیں۔

اتفاقاً مولانا کے سینے پر پھوڑا نکل آیا اور جانے سے قاصر رہے تو سلطان کو اُن کی بیماری کا یقین تک نہ آیا اور سمجھا کہ انھوں نے بہانہ بنالیا ہے۔ چنانچہ ان کو تکلیف کی شدت میں محل شاہی میں بلا کر دیکھا گیا اور جب ان کی بیماری کا یقین ہوگیا۔ تو ان کو دہلی میں آخری سانس لینے کی اجازت دی گئی۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۰۶ (فارسی)

Marfat.com

مولانا فخر الدین زرادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ شیخ قطب الدین منور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر بزرگانِ سلسلہ چشتیہ سے سلطان کے سخت برتاؤ کی تفصیل کے لیے سیر الاولیاء کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

سلطان محمد بن تغلق سے مشائخ کی اس کش مکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگوں کا وہ قیمتی وقت جو سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت میں صرف ہونا چاہیے۔ اپنی مدافعت میں ضائع ہو گیا۔ ان کا ذہنی سکون جاتا رہا۔ رات دن دربارِ شاہی کے سفیر خانقاہوں میں نئے نئے احکامات لیے کھڑے رہتے تھے۔ ان احکامات کی تعمیل مشکل تھی، خلاف ورزی اُس سے زیادہ مشکل۔ ایک طرف مشائخِ متقدمین کی وہ روایات تھیں جو انھوں نے خونِ جگر سے تعمیر کی تھیں، دوسری طرف سلطان کا جبر و تشدد تھا۔ ابھی یہ کش مکش چل ہی رہی تھی کہ سلطان نے حکم دیا کہ دہلی کی ساری مسلمان آبادی دیوگیر چلی جائے۔ اس حکم کے بعد مشائخ بھی بے بس ہو گئے۔ اور انھیں مجبوراً دہلی کو خیر باد کہنا پڑا۔ دہلی۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کوشش سے چشتیہ سلسلہ کا قلب و جگر بن چکی تھی۔ اس کی تباہی کیا ہوئی کہ سلسلہ کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا۔ وہ دہلی جو کبھی "رشکِ بغداد، غیرِ مصر، ہمسر قسطنطنیہ، موازیِ بیت المقدس تھی۔[1] جہاں چپہ چپہ پر خانقاہیں اور قدم قدم پر مدرسے تھے۔[2] ایسی تباہ و برباد ہوئی کہ دور دور خاک اُڑنے لگی۔ علمی و مذہبی محفلیں سرد پڑ گئیں، گھر کے گھر بے نور و بے چراغ ہو گئے۔

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط   دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے
یا صبح دم جو دیکھیے آ کر تو بزم میں   نے وہ سرور و شور نہ جوش و خروش ہے

چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام بھی اسی تباہی کی نذر ہو گیا۔ کچھ مشائخ سلسلہ جن کا

---

[1] تاریخ فیروز شاہی (ضیاء الدین برنی) ص ۲۴۱

[2] شہاب الدین العمری (مصنف مسالک الابصار کا بیان ہے کہ صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے، دو ہزار خانقاہیں اور شفا خانے تھے۔ (انگریزی ترجمہ ص ۲۴) نیز ملاحظہ ہو صبح الاعشیٰ) (نقشبندی) انگریزی ترجمہ ص ۲۹۔

Marfat.com

دہلی میں قیام' مرکزی قیام کی مضبوطی کے لیے ضروری تھا' منتشر ہو گئے' کچھ نوعمر افرادِ سلسلہ نے حکومتِ وقت کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور شاہی ملازمتیں قبول کر لیں۔ اجودھن میں بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتوں نے سب سے پہلے اپنے دادا کے اصولوں کو خیر باد کہا اور شیخ الاسلامی کے چکر میں پڑ گئے۔ دہلی میں بھی کرمانی خاندان کے کچھ نوعمر افراد نے حکومتِ وقت سے تعلق پیدا کر لیا۔[1]

اگر حالاتِ گردوپیش کا تجزیہ بے تعصبی کے ساتھ کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ محمد بن تغلق بڑی حد تک چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام کی تباہی کا ذمہ دار تھا۔ دہلی کی تباہی کے بعد چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں تو بہت جگہ قائم ہوئیں لیکن اس کا کل ہند مرکزی نظام کسی جگہ قائم نہ ہو سکا۔ سلسلہ کے جو مشائخ اس طوفان سے بچ رہے تھے۔ انھوں نے صوبوں میں خانقاہیں قائم کر لیں اور سلسلہ کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ صوبائی علاقوں میں کام کرنے والے یہ بزرگ سیاست سے نہ بچ سکے۔ اس طرح دورِ اول کی دونوں خصوصیات (مرکزی نظام اور سیاست سے علیحدگی) ختم ہو گئیں۔

---

[1] تفصیل کے لیے سیر الاولیاء کا مطالعہ ضروری ہے۔

Marfat.com

چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں

چشتیہ سلسلہ کے دورِ ثانی کا مطالعہ کرنے کے لیے ہمیں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ جب سلطنت دہلی کا مرکزی نظام تباہ ہوا تو بنگال' دکن مالوہ' جونپور اور گجرات میں خودمختار سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ اسی طرح جب چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام درہم برہم ہوا تو ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مرکز سے غیر متعلق خانقاہیں قائم ہوئیں۔ اس لامرکزیت سے بعض شدید نقصانات ضرور ہوئے لیکن ایک ایسا زبردست فائدہ بھی ہوا جس نے ان سب نقصانات کی تلافی کر دی۔ اور وہ یہ کہ ان علاقوں میں اسلامی تہذیب تمدن کی سرگرمیاں بڑھ گئیں اور اس سے جو تمدنی عظمت صرف دہلی کو حاصل تھی وہ اب پنڈوہ لکھنوتی' دولت آباد' گلبرگہ' برہان پور' زین آباد' مانڈو' احمد آباد کو بھی حاصل ہوگئی' اور اسلامی ہند کا بہت سا بہترین لٹریچر ان ہی علاقوں میں پیدا ہوا۔

ان آزاد صوبائی حکومتوں کے کارناموں سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے۔ لیکن یہ حقیقت بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ان حکومتوں کے وجود میں آنے سے قبل چشتیہ سلسلہ کے مشائخ نے ان علاقوں میں ایک زبردست تمدنی انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ شاید یہ حکومتیں کبھی وجود میں نہ آ سکتیں اگر اولیاء کرام ان علاقوں میں بس کر مختلف تمدنی عناصر کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ بنگال' گجرات' مالوہ' دکن وغیرہ میں جو آزاد سلطنتیں قائم ہوئیں اُن کے پیچھے ایک مضبوط معاشرہ نظر آتا ہے یہ معاشرہ کس طرح وجود میں آیا؟ اگر تاریخ کے اشاروں پر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سماجی نظام مشائخ چشت کی کوششوں کا مرہونِ منت تھا۔ انھوں نے ان علاقوں میں بسنے والے مختلف الخیال اور مختلف

Marfat.com

المذاہب لوگوں میں اتحادِ عمل اور اتحادِ فکر پیدا کیا۔ اور ان منتشر طبقوں کو ایک ایسے سماجی رنگ میں رنگ دیا جس نے ایک مضبوط معاشرہ کی شکل اختیار کر لی۔

ان بزرگوں کی خانقاہوں میں ہندو اور مسلمان سب ہی جمع ہوتے تھے۔ ان مشائخ نے اختلافات کے پردوں کو ہٹا کر ان میں ہم دلی اور ہم زبانی پیدا کی۔ اور ایسا عمدہ سماجی ماحول پیدا کر دیا کہ ہر صوبے کا یہ سماجی نظام اپنے مضبوط معاشرہ کو ایک مضبوط سیاسی نظام کی شکل میں ظاہر کر سکا۔

1۔ بنگال:

بنگال کو مسلمانوں نے فتح تو 98۔1197ء میں کر لیا تھا۔ لیکن عرصہ تک اس کی حالت بقول ابن بطوطہ ''جہنم پُر از نعمت کی سی رہی۔ پھر ایک زمانہ آیا کہ وہی بنگال علم وفن کا ایک زبردست مرکز بن گیا۔ اس کے گوشہ گوشہ میں مدرسے اور خانقاہیں قائم ہو گئیں۔ بنگال کا بحری سلسلہ عرب کے سواحل اور عجم کے بندرگاہوں سے متصل ہو گیا۔[1] اور شیراز تک سے یہ آواز بلند ہونے لگی ؎

حافظ ز شوق مجلس سلطاں غیاث الدین
خامش مشو کہ کارِ تو از نالہ می رود

اس تبدیلی کو سمجھنے کے لیے بنگال کے تمدنی انقلاب پر غور کرنا چاہیے۔

تیرہویں صدی کے آخری یا چودہویں صدی کے ابتدائی سال تھے کہ لکھنوتی سے ایک عقیدت مند سراج الدین نامی حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ علم سے تہی دست لیکن یقین کی دولت سے مالا مال۔ عرصہ تک اس طرح شیخ کی خدمت میں رہا کہ جب سال تمام ہو جاتا تو اپنی والدہ سے ملنے کے لیے لکھنوتی کا سفر کرتا۔ پھر واپس آ جاتا اور شیخ کی ملازمت کو اپنے لیے سعادتِ دارین سمجھتا۔ جب حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مریدین کو خلافت سے سرفراز فرمانے لگے تو لوگوں نے اس کا

[1] تفصیل کے لیے۔ ملاحظہ ہو ''ریاض السلاطین'' غلام حسین سلیم (۱۸۹۸ء)

Marfat.com

نام بھی پیش کیا۔ شیخ نے فرمایا: ''اس کام میں سب سے پہلا درجہ علم کا ہے۔''[1] اس شخص کے خلوص لیکن محرومی کو دیکھ کر مولانا فخر الدین زرادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو رحم آ گیا۔ اور انھوں نے چھ مہینے کے اندر اس کو عالم متبحر بنانے کا دعویٰ کیا اور ایسا کر دکھایا' تحصیل علم کے بعد جب اُنھیں شیخ کی خدمت میں پیش کیا گیا' تو اُنھوں نے ''آئینہ ہند'' کا خطاب دے کر خلافت سے سرفراز فرمایا۔ صاحب روضۃ الاقطاب نے صحیح لکھا ہے:

الحق کہ دے آئینہ ہند بود کہ تمام ہند از وے رونق ارشاد و ہدایت بیفز ود و طریق معرفت و ولایت روئے نمود' اگر چہ جمیع خلفاء سلطان المشائخ صاحب مقامات عالی بودند' اماں از اں ہا شیخ نصیر الدین محمود کہ چراغ دہلی و شیخ سراج الدین کہ آئینہ ہند است چاشنی دیگر واشتند' واز یں دو بزرگ بسے مرد ماں صاحب تکمیل وارشاد پیدا آمدند'' [2]

سچ تو یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے لیے آئینہ کی مانند تھے۔ تمام ہندوستان میں اُن سے ارشاد و ہدایت کی رونق بڑھ گئی اور معرفت و ولایت کے طریقوں کا انکشاف ہوا۔ اگر چہ سلطان المشائخ کے سب خلفاء اعلیٰ مقامات کے حامل تھے' لیکن شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کو چراغ دہلی کہا جاتا ہے اور شیخ سراج الدین جو آئینہ ہند ہیں' کچھ اور ہی چاشنی رکھتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں سے بہت سے صاحب ارشاد پیدا ہوئے۔

شیخ سراج الدین المعروف بہ اخی سراج' اپنے شیخ کے وصال کے بعد کچھ عرصہ تک دہلی ہی میں مقیم رہے۔ جب محمد بن تغلق نے مشائخ کو جبراً دیو گیر بھیجنا شروع کیا' تو وہ اپنے وطن لکھنوتی کو چلے گئے اور کچھ کتابیں محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کتب خانے سے بجہت مطالعہ و بحث'' [3] ساتھ لے گئے شیخ اخی سراج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پہلے بزرگ تھے جنھوں نے سرزمین بنگال پر چشتیہ سلسلہ کی تنظیم کی اور یہ چھوٹا سا کتب خانہ بنگال میں

---

1. سیر الاولیاء۔ ص ۲۲۸۔ 2. روضۃ الاقطاب ص ۴۹۔۴۸ (مطبع محب ہند دہلی)
3. سیر الاولیاء ص ۲۸۹

Marfat.com

چشتیہ سلسلہ کا پہلا کتب خانہ تھا۔

بنگال میں چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت اور اسلامی تہذیب و تمدن کی ترویج تبلیغ حضرت اخی سراج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اُن کے مریدین کے ذریعے سے ہوئی۔ امیر خورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے:

''وآں دیار را بجمال ولایت خود بیاراست وخلق خدائے را دست بیعت دادن گرفت' چنانکہ بادشاہاں آں ملک داخل مریدان او آمدند..........روضہ او قبلہ ہندوستان است' وخلفائے او تا ایں غایت در آں دیار خلق خدا را دست می دہند۔''[1]

اور اس مقام کو اپنے جمال ولایت سے سجا دیا۔ اور خلق خدا اُن سے بیعت ہونے لگی۔ یہاں تک کہ اس مُلک کے فرماں روا بھی اُن کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے ....اُن کا روضہ قبلہ ہندوستان ہے۔ اور ان کے خلفاء اب تک اس علاقہ میں خلق خدا کی رہنمائی کرتے ہیں

حضرت اخی سراج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سب سے زیادہ مشہور خلیفہ شیخ علاء الحق والدین بن اسعد بنگالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [2] تھے وہ ایک متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت اخی سراج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت سے ایسے متاثر ہوئے کہ فقر کی زندگی اختیار کر لی اور پنڈوہ میں ایسی عظیم الشان خانقاہ قائم کی کہ دور دور سے لوگ کھچ کر وہاں جمع ہونے لگے۔ شیخ علاء الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد ان کے خلفاء حضرت نور قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [3] اور میر سید اشرف جہانگیر سمنائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [4] نے سلسلہ کو

---

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۲۸۹-۹۰ [2] اُن کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو'

اخبار الاخیار ص ۱۴۱-۱۴۰ گلزار ابرار۔ ص ۱۰۴

معارج الولایت (قلمی نسخہ) مراۃ الاسرار (قلمی)

[3] تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو:

اخبار الاخیار۔ ص ۱۵۱-۱۴۹ گلزار ابرار ص ۱۰۵-۱۰۴

مراۃ الاسرار (قلمی) روضۃ الاقطاب۔ ص ۴۸ ([4] فٹ نوٹ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

Marfat.com

مقبول عام بنانے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ حضرت نور قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ علاء الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرزند رشید تھے۔ جس زمانے میں وہ مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز تھے، بنگال کی سیاست بڑے نازک دور سے گزر رہی تھی۔ راجہ کنس (جو بھوریہ ضلع راج شاہی کا جاگیردار تھا) بنگال کے تخت پر قابض ہو گیا تھا اور مسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ حضرت نور قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے براہِ راست اور سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وساطت سے سلطان ابراہیم شرقی کو بنگال پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ سید اشرف جہانگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مجموعہ مکتوبات [1] میں وہ دلچسپ خطوط خاص طور سے مطالعہ کے قابل ہیں جن میں اس سیاسی کش مکش کی تفصیل درج ہے۔[2] سید اشرف جہانگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو خط حضرت نور قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوب کے جواب میں لکھا تھا۔ وہ بنگال میں صوفیہ کرام کے کارناموں پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ یہاں ان مباحث کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ انشاء اللہ مشائخ چشت کی جلد دوم میں پیش کیے جائیں گے۔

ان سیاسی کارناموں سے قطع نظر حضرت نور قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بعض اہم علمی خدمات بھی انجام دی تھیں۔ اُن کے مکتوبات کا مجموعہ بڑا اہم ہے۔ شیخ

؎ تفصیلی کتاب حالات کے لیے ملاحظہ ہو:

اخبار الاخیار۔ ص ۱۶۳۔ ۱۶۱ گلزار ابرار۔ ص ۱۴۶۔ ۱۴۵

مراۃ الاسرار (قلمی)

نیز لطائف اشرفی مرتبہ مولانا نظام الدین یمنی المعروف بہ نظام حاجی غریب الیمنی (نصرت المطابع ۱۲۵۹ھ)

[1] مکتوبات سید اشرف جہانگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک مکمل اور صاف نسخہ سبحان اللہ اورینٹل لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔ (فہرست ۱۹ ۱۷ ۱۷،۲۹۷ء) اس کا سن کتابت ۱۲۳۳ء ہے۔

[2] مکتوب ۴۶ (ص ۹۸۔ ۹۷) سلطان ابراہیم شرقی کے نام ہے۔ نیز ملاحظہ ہو مکتوب ۴۵ (ص ۹۷، ۹۸) (قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری)

Marfat.com

عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان مکتوبات کے متعلق فرماتے ہیں "بغایت شیریں ولطیف بزبان اہل درد ومحبت" اگر ان مکتوبات میں سے شیخ نور قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہبی فکر کے بنیادی اصول نکال کر اُن کا چتینیا [1] 'روپا' سنائن' جیوا گوسوامی [2] کی تعلیمات سے مقابلہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ مشائخ چشت نے بھگتی کی تحریک کو کس درجہ متاثر کیا تھا اور وہ کس حد تک بنگال کی ان اصلاحی تحریکوں کے ذمہ دار تھے۔

حضرت نور قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک مشہور مرید اور خلیفہ مولانا حسام الدین مانک پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [3] تھے۔ شیخ محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن کے متعلق فرماتے ہیں:

از اعیانِ مشائخ وقت خود بوُد عالم بود بعلمِ شریعت و طریقت" [4]

ان کے ملفوظات رفیق العارفین کے نام سے جمع کئے گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اُن کے ایک سو بیس خلفاء تھے [5] جن میں (1) سید حامد شاہ ابن سید' راجہ شاہ مانک پوری (2) سید مسعود ابن سید ظہیر الدین فتح پوری (3) سید محمد امیر بدہا (4) مولانا کمال الدین عز اللہ (5) مولانا شہر اللہ ابوالقاسم ملتانی (6) شیخ نصیر الدین ملتانی ابن شہر اللہ (7) مولانا

---

[1] چتینیا (پیدائش ۱۴۸۵ء) نے ذات پات کی مخالفت کی اور اخوتِ انسانی کا درس دیا۔ تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔

Chaitanya's Life and Teachings: J.N Sarkar (calcutta 1912)

Chaitanya's Pilg Rim Ages and Teachinos J.N Sarkar (calcutta)

[2] روپا' سناتن اور جیو گوسوامی چتینیا سے متاثر تھے۔ اور اُنھوں نے اس تحریک کو جاری رکھا۔ اور بنگال میں اپنے خیالات کی ترویج کی۔

[3] ان کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو

اخبار الاخیار۔ ص ۱۷۲۔ ۱۷۱ گلزار ابرار۔ ص ۱۰۷۔ ۱۰۶

مراۃ الاسرار (قلمی) روضۃ الاقطاب۔ ص ۴۸۔ ۴۷

Marfat.com

فرید الدین سالار عراقی' (8) شیخ احمد قنوجی (9) معین الاسلام اودہی (10) مولانا منہاج الدین بہاری (11) مولانا جمال الدین حسن (12) شیخ ضیاء الدین یوسف داؤد کردی (13) مولانا سوند ہو کردی (14) مولانا محمد علاء الدین کردی (15) شیخ شہاب مانک پوری المعروف بہ ارزانی شاہ' خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت نور قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کوششوں سے چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں بنگال' بہار' جونپور وغیرہ میں قائم ہو گئیں۔

2۔ دکن:

بہمنی سلطنت جس نے دکن کو سیاسی' تمدنی اور سماجی ترقی کی راہیں دکھائی تھیں۔ 1347ء میں علاء الدین بہمن شاہ کی کوششوں سے وجود میں آئی تھی۔ اس کی بنیاد پڑنے سے تقریباً بیس سال قبل' سلطان محمد بن تغلق نے دہلی کے علماء و مشائخ کو جبراً اِن علاقوں میں تبلیغ و اشاعت کے لیے بھیج دیا تھا۔ اِن مشائخ میں کثیر تعداد چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کی تھی۔ ان بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ علاقہ جہاں کبھی سلطنت دہلی کا کامیاب تسلط نہ ہو سکا تھا' ایک ایسی سلطنت کا گہوارہ بن گیا' جس نے جنوبی ہندوستان میں عرصہ تک اسلامی علوم و فنون کی شمع روشن کر رکھی۔

کہا جاتا ہے کہ علاء الدین حسن بہمنی' صاحب اقتدار ہونے سے قبل ایک دن حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ مین حاضر ہوا اس سے پہلے محمد بن تغلق جو ان دِنوں شہزادہ تھا۔ شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس ہوا تھا علاء الدین حسن ابھی دروازے ہی پر تھا کہ شیخ نے ایک ملازم کو اُسے اندر لانے کے لیے بھیجا اور فرمایا:

''سلطانے رفت و سلطانے آمد''

پھر علاء الدین پر خاص التفات و کرم فرمایا اور ایک روٹی جو اپنے افطار کے لیے رکھی تھی' اُنگلی پر رکھ کر اس کو اس بشارت کے ساتھ دی

''ایں چتر شاہی ست کہ پس از مدتے دراز و محنت در دکن روزے نصیب تو خواہد

Marfat.com

شد۔"[1]

مورخوں کا بیان ہے کہ جب علاء الدین حسن بہمنی تخت پر بیٹھا تو سب سے پہلا حکم اس نے یہ دیا کہ پانچ من سونا اور دس من چاندی، شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روح کو ایصال ثواب کے طور پر، شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعے فقراء و مساکین میں تقسیم کرا دیا جائے۔[2] اس طرح گویا بہمنی سلطنت خود مشائخ چشت کی دعاؤں کا نتیجہ تھی۔

پہلے چشتی بزرگ جنہوں نے سرزمین دکن پر قدم رکھا۔ شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [3] تھے۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد وہ دیوگیر چلے گئے۔ اور وہاں ارشاد و تلقین کا کام شروع کر دیا۔ دکن میں آپ کی خانقاہ مرجع خاص و عام بن گئی اور عقیدت مندوں کا ہجوم رہنے لگا۔ اُن کی صحبت میں بڑی کشش اور الفاظ میں بڑی تاثیر تھی۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے۔

"ہر کہ یک ساعت بخدمت ایں بزرگ بودے از ذوق کلام عشق آمیز او و صفائی محاورۂ دلفریب اور عاشق جمال او گشتے' و بندگاں خدائے را در اعتقاد و محبت پیر راہ

1. تاریخ فرشتہ۔ جلد دوم۔ ص ۲۷۴ (نول کشور) دکن کی تاریخ کے لیے فرشتہ سے زیادہ مستند کوئی مورخ نہیں ہے خافی خاں نے لکھا ہے:

"اکثر در ذکر سلاطین دکن کلام اور (نظام الدین صاحب طبقات اکبری) محل اعتماد نشاید دسوائے قول محمد قاسم فرشتہ ہیچ مورخے بذکر سلاطین دکن نپرداختہ کہ در صحت کلام اعتبار داشتہ باشد۔"

منتخب اللباب۔ ج ا ص ۲۴۷

2. فرشتہ۔ ج ۲۔ ص ۲۷۷

3. تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو:

سیر الاولیاء۔ ص — مراۃ الاسرار (قلمی نسخہ)

معارج الولایت (قلمی) — اخبار الاخیار۔ ص

Marfat.com

نمونے بہتر ازو کسے بنود۔"[1]

شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ملفوظات حماد بن عماد کاشانی نے احسن الاقوال[2] کے نام سے جمع کئے ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کی اصلاح وتربیت کی طرف خاص توجہ فرمایا کرتے تھے۔

شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک مشہور خلیفہ شیخ زین الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔ علاء الدین حسین شاہ نے اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی تھی۔ عصامی نے لکھا ہے ۔

ازاں خرقہ وارد نصیبے تمام
شرِ شیر دل خسروِ نیک نام

شیخ زین الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعے چشتیہ سلسلہ کی کافی اشاعت ہوئی۔ اسی زمانے میں چشتیہ سلسلہ کے ایک اور بزرگ حضرت سید محمد گیسو دراز[3] دکن پہنچے۔ سلطان فیروز شاہ بہمنی نے علماء ومشائخ اور لشکرِ شاہی کے ساتھ اُن کا خیر مقدم کیا۔[4] حضرت گیسو دراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے گلبرگہ میں چشتیہ سلسلہ کی ایک عظیم الشان

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۷۹

[2] حسن الاقوال '۲۹' اقوال پر مشتمل ہے۔ اس میں مختلف عنوانات کے ماتحت شیخ کے ملفوظات کو جمع کیا گیا ہے۔ مثلاً آداب مجلس' آداب مرید بخدمت پیر' حسن معاملہ' مذمت طمع وغیرہ راقم السطور کے پیش نظر پروفیسر محمد حبیب کا نسخہ ہے جو کافی قدیم ہے۔

[3] سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو:
اخبار الاخیار ص ۱۳۴۔ ۱۲۹۔ گلزار ابرار۔ ص ۱۳۹
سیر محمدی۔ مصنفہ مولانا شاہ محمد علی مرید حضرت سید محمد گیسو دراز (مطبوعہ یونانی دوا خانہ پریس الہ آباد نیز جوامع الکلم۔ ملفوظات حضرت گیسو دراز۔ مرتبہ سید محمد اکبر حسینی (مطبوعہ انتظامی پریس عثمان گنج)

[4] برہان الماثر' مولفہ سید علی طباطبا (مطبوعہ حیدر آباد) ص ۴۴۔ ۴۳ نیز ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ (جلد دوم)

Marfat.com

خانقاہ قائم کی۔ شیخ محدث لکھتے ہیں:

"بعد از رحلتِ شیخ بدیار دکن رفت وقبولی عظیم یافت' اہل ایں دیار ہمہ منقاد و مطیع او گشتند۔" [1]

اُن کے خلفاء کی تعداد بہت کثیر تھی جن میں شاہ ید اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' شیخ علاء الدین گوالیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ ابوالفتح قریشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' سید صدر الدین اودہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' شیخ فخر الدین بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' شیخ محمد اکبر حسینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' سید یوسف حسینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' شیخ زادہ شہاب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' قاضی محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ خاص طور سے مشہور ہیں۔ ان خلفائے نے سلسلہ کی اشاعت میں بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ خود حضرت گیسو دراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصانیف [2] کے ذریعے تصوف کے خیالات کو عوام وخواص تک پہنچا دیا۔

دکن میں چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت کا کام شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اُن کے خلفاء نے انجام دیا۔ ان کی خانقاہیں جنوبی ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی اصلاح و تربیت کا مرکز تھیں۔ اور شاہ وگدا سب وہاں جمع ہوتے تھے۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۳۰۔

[2] سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ تصوف کی اعلیٰ کتابوں مثلاً عوارف المعارف فصوص الحکم' رسالہ قشیریہ' تمہیدات عین القضاۃ' قوت القلوب پر حاشیہ لکھے تھے اور بعض کو فارسی زبان میں منتقل کیا تھا۔ قرآن پاک کی تفسیر صوفیانہ رنگ میں لکھی تھی مشارق الانوار کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا' اور اس کی شرح لکھی تھی' کچھ کتابیں (شرح آداب المریدین اسماء الاسرار وغیرہ) حیدر آباد سے شائع بھی ہوگئی ہیں۔ بعض کے متعلق یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اُن ہی کی تصنیف ہیں یا غلط طور پر منسوب کردی گئی ہیں۔

Marfat.com

3۔ گجرات:

سرزمین گجرات سے چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام کا تعلق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں قائم ہوا۔ قطب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو مرید شیخ محمود اور شیخ حامد الدین احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہروالہ کے باشندے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے تفصیلی حالات تذکروں میں نہیں ملتے۔ گلزار ابرار میں صرف چند سطریں ان کے متعلق لکھی گئی ہیں۔[1]

گجرات میں چشتیہ سلسلہ کو پوری طرح روشناس کرنے کا کام حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مندرجہ ذیل خلفاء نے انجام دیا۔

(1) شیخ سید حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(2) شیخ حسام الدین ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(3) شاہ بارک اللہ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ سید حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحبِ علم و فضل بزرگ تھے۔ ہدایہ پر حاشیہ لکھا تھا۔[2] ایک روحانی اشارہ پر حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت ہو گئے۔ شیخ نے خرقہ خلافت عطا فرما کر گجراتیوں کی ہدایت کے لیے روانہ فرما دیا۔ نہروالہ میں ایک تالاب کے کنارے آپ کا مزار ہے۔[3] شیخ حسام الدین ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پیر نے دہلی سپرد کیا تھا۔ محمد بن تغلق کے عہد میں وہ مجبوراً نہراولہ چلے گئے۔ وہیں ان کا مزار ہے۔[4]
شاہ بارک اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق مراۃ احمدی میں لکھا ہے:

> مرید و خلیفہ حضرت سلطان المشائخ سلطان الاولیاء اند، مقبرہ ایشاں بیرون دروازۂ ابدرنزدیک بارہ حاجی پور واقعست[5]

---

[1] گلزار ابرار۔ (اردو ترجمہ) ص ۴۴۔ ۴۳

[2] گلزار ابرار۔ ص ۱۱۷ [3] گلزار ابرار ص ۱۱۶

[4] سیر الاولیاء [5] خاتمہ مراۃ احمدی مصنفہ مرزا محمد حسن (کلکتہ ۱۹۳۰ء) ص ۷۳

Marfat.com

گجرات میں چشتیہ سلسلہ کی باقاعدہ تنظیم اور نشر واشاعت کا کام علامہ کمال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ یعقوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ کبیر الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سید کمال الدین قزوینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انجام دیا۔

علامہ کمال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۷۵۶ھ) حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ اور بھانجے تھے۔ علم وفضل میں ممتاز تھے۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے:

"تا ابتدائے جوانی زفنونِ علمی بہرہ یاب گشتہ وعلم رامرور ایام تمام وکمال ساختہ، ہیچ علمے از وباقی نماندہ بود کہ در وکمالے بہم نرسانیدہ، ودر علم تفسیر وفقہ وحدیث خطے وافر داشت۔ درمیان علما مفسران وفقہاؤ محدثان وغیرہ کہ دراں زماں علم علمی افراشتہ بودند بعلامہ شہرت یافتہ[1]

اُن کی اولاد میں برابر ایسے بزرگ پیدا ہوتے رہے جنھوں نے چشتیہ سلسلہ کو گجرات میں قائم رکھا۔ علامہ کمال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد اُن کے فرزند ارجمند شیخ سراج الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ مشیخت پر بیٹھے۔ اُنھوں نے مولانا احمد تھانیسری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ مولانا عالم پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مولانا عالم سنگریزہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے علوم ظاہری حاصل کیے تھے۔[2] فیروز شاہ بہمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انھیں دکن بُلایا تو انکار کر دیا اور فرمایا "حق تعالیٰ مرادر گجرات ہرچہ ضرورت است عطامی فرماید۔"[3]

۸۱۷ھ میں وصال ہوا۔ ایک شاگرد مولانا ہمزہ ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مرثیہ لکھا:

امروز رفت علم ازیں شہر چوں عیاں
امروز نیست آنکہ کند بزودی بیاں

---

1. شجرۃ الانوار (قلمی) حالات کے لیے ملاحظہ ہو حدائق الحنفیہ۔ ص ۲۸۸
2. تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۲۶

Marfat.com

مفتاح وہم مطالع و توضیح وہم بدیع
آں کیست کو بگوید در درس می تواں

شیخ سراج الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ علم الحق سجادہ نشین ہوئے۔ شجرۃ الانوار کے مصنف نے ان کی ایک کرامت کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

حضرت شیخ را کرامتے بود ہر کہ از کافراں و فاسقاں و منکراں یک بار
در صحبت او.......... نشستے واز و کلام شنیدے و با ہم کلام
گشتے از افعال مذموم خود متنبہ گشتہ و توبہ نمودہ مرید او شدے۔'' [1]

حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑی کوئی کرامت ہی نہیں کہ ایک مرتبہ جو ہم کلام ہو جائے وہ اتنا بدل جائے کہ اس میں طاقت گناہ ہی نہ رہے!

شیخ علم الحق کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ محمود المعروف بہ شیخ راجن سجادہ پر بیٹھے۔ پھر علی الترتیب شیخ جمال الدین جمن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ شیخ حسن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت یحییٰ مدنی سجادۂ شیخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی سب سے زیادہ اہم اور مرکزی کڑی وہی ہے جو حضرت کمال الدین علامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعہ شیخ یحییٰ مدنی تک پہنچتی ہے۔ حضرت یحییٰ مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے گجرات سے سلسلہ کا پودا لے جا کر دہلی میں نصب کیا اور اپنی مُسلسل جدوجہد سے اُسے ایسا پروان چڑھایا کہ پھر ایک بار دورِ اول کی رونق آنکھوں کے سامنے آ گئی۔

شیخ یعقوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [2] (المتوفی ۷۹۸ھ) مولانا خواجگی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [3] کے فرزند رشید اور شیخ زین الدین دولت آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ

---

[1] شجرۃ الانوار (قلمی) [2] گلزار ابرار ص ۱۲۲۔ ۱۲۱
[3] مولانا خواجگی "چراغ دہلویؒ" کے خلیفہ اور اپنے عہد کے مشہور فاضل تھے۔ حالات کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۱۴۲۔ ۱۴۱۔ گلزار ابرار ص ۲۷۰۔ ۲۵۹، ماثر الکرام ص ۱۸۶۔ ۱۸۵

Marfat.com

تھے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف پر بڑا عبور تھا۔ فصوص الحکم کا درس بڑی کیفیت کے ساتھ دیتے تھے۔ انتقال بھی درس ہی کی حالت میں ہوا۔ آپ کی خانقاہ نہروالہ میں رشد و ہدایت کا سرچشمہ تھی۔

شیخ کبیر الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [1] (المتوفی ۸۵۸ء) شیخ حمید الدین صوفی سوالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے تھے۔ ناگور کے حالات نامساعد پائے تو احمد آباد آ کر اقامت گزین ہو گئے [2] ان کے ذریعے سلسلہ کی تعلیم عوام و خواص تک پہنچی۔ علم و فضل کی وجہ سے بھی مشہور تھے۔ مصباح النحو کی شرح لکھی تھی۔

سید کمال الدین قزدینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۸۸۱ء)' حضرت گیسودراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بھروچ میں خانقاہ تھی' جہاں ہزاروں گمراہانِ بادیہ ضلالت روشنی حاصل کرتے تھے۔

ان بزرگوں کے علاوہ جو چشتیہ سلسلہ کی اُس شاخ سے تعلق رکھتے تھے جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعے ہندوستان پہنچی تھی' گجرات میں ایک بزرگ ایسے بھی تھے جنہوں نے براہِ راست مشائخ چشت سے خلافت حاصل کی تھی۔ شیخ رکن الدین مودود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد میں تھے۔ [3] چشتیہ سلسلہ میں شیخ محمد زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [4] سے بیعت تھے۔ تجرید و تفرید میں لاثانی تھے۔ ان کے ایک عزیز مرید اور خلیفہ شیخ عزیز اللہ المتوکل علی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔ جن کا حال شیخ محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اخبار الاخیار محمد غوثی نے گلزار ابرار اور مرزا محمد حسن نے

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۷۷

[2] "بجہت تفرقہ کہ در ناگور از دست کفار آں دیار واقع شدہ بود بجانب گجرات رفتہ۔" اخبار الاخیار ص ۱۷۷

[3] رکن الدین بن علم الدین بن علاء الدین بدر الدین سلیمان بن فرید الدین مسعود گنج شکر گلزار ابرار ص ۱۳۸

[4] شیخ محمد زاہد بن شیخ یوسف بن شیخ احمد بن شیخ محمد بن خواجہ علی بن خواجہ احمد بن خواجہ مودود چشتی۔ گلزار ابرار ص ۱۳۸

Marfat.com

خاتمہ مراۃ احمدی میں لکھا ہے۔ اُن کے فرزند شیخ رحمت اللہ سے سلطان محمود بگیڑہ بیعت تھا۔

ان بزرگوں نے گجرات میں چشتیہ سلسلہ کو اس قدر مقبول بنا دیا کہ عارف و عامی سب ہی اس سے وابستہ ہو گئے۔ شیخ علی متقی [1] جن کے علم و فضل کا سکہ عرب و عجم میں ہر جگہ تسلیم کیا گیا تھا' چشتیہ سلسلہ ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ چشتیہ سلسلے کا مرکزی نظام تباہ ہو جانے کے بعد صوبوں میں جو خانقاہیں قائم ہوئیں اُن میں گجرات کی خانقاہوں کو ایک امتیازی شان حاصل ہے۔ وہاں کے خانقہی نظام میں مرکز کی کچھ خوبیاں باقی رہیں اور غالباً یہ ہی وجہ تھی کہ شاہانِ مغلیہ کے آخری دور میں دہلی کے ایک نوعمر عالم اور درویش نے وہاں جا کر سلسلہ کی روایات کو اخذ کیا اور پھر دہلی میں آ کر رواج دیا۔

4۔ مالوہ:

مالوہ اور اس کے نواح میں چشتیہ سلسلہ کی اشاعت شیخ نظام الدین اولیاء کے مندرجہ ذیل خلفاء کے ذریعے ہوئی۔

(1) شیخ وجیہہ الدین یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(2) شیخ کمال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(3) مولانا مغیث الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ وجیہہ الدین یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نہایت ہی مقرب اور مقبول خلفاء میں تھے۔ شیخ نے ایک بار اُن کے متعلق فرمایا تھا۔

''درروش درویشی کسے ہمتائے مولانا یوسف نباشد' دریں راہ چوں سالکان ثابت قدم می رود [2] ''

---

[1] حالات کے لیے اخبار الاخیار۔ ص ۲۶۱۔ ۲۴۹
تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۱۴۷۔ ۱۴۶
گلزار ابرار۔ ص ۴۰۳۔ ۴۰۲ مآثر کرام۔ ص ۱۹۹۔ ۱۹۲

[2] سیر الاولیا ئص ۲۸۶

Marfat.com

درویشی کی روش میں کوئی شخص مولانا یوسف کی نظیر نہیں ہے۔ وہ اس راہ میں سالکان ثابت قدم کی طرح چلتے ہیں۔

سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ عہد علائی میں ایک شخص چناریری کی فتح کے لیے سلطان کی طرف سے متعین کیا گیا۔ وہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا معتقد تھا۔ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

"مرا بادشاہ برائے مقامے قلب نامزد کردہ است اگر یارے از حضرت سلطان المشائخ نیز بر ما نامزد شود مادر پناہ اور بردیم واُمید فتح آں مقام واثق باشد" [1]

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شیخ وجیہہ الدین کو چندیری روانہ کر دیا۔ اُنھوں نے وہاں سلسلہ کی ایک بڑی خانقاہ قائم کی' حضرت محبوب الٰہی کا یہ قاعدہ تھا کہ چندیری کا کوئی شخص بیعت کے لیے آتا تو شیخ وجیہہ الدین کے پاس بھیج دیتے اور فرماتے "ہم چنیں تصور کنید گوئے بریں فقیر پیوستید" [2]

شیخ کمال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [3] شیخ نصر اللہ بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دامن تربیت سے وابستہ ہو گئے تھے۔ شیخ نے انھیں ایک چنبیلی کا پھول دیا اور کہا تم مالوہ میں جا کر رہو' پیر کے فرمان کے بموجب اُنھوں نے مالوہ کا رُخ کیا اور وہاں ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے۔ سلاطین مالوہ کو اُن کے سلسلہ کے لوگوں سے بڑی عقیدت تھی۔ سلطان محمود خلجی (م ۱۵۳۰) نے شیخ کی قبر پر گنبد اور متعلقین سلسلہ کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرائی تھی۔

مولانا مغیث الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [4] ۷۲۰ھ میں پیر و مرشد کی اجازت سے مالوہ آئے اور اُجین میں دریا کے کنارے اقامت اختیار کر لی۔ وصال کے بعد وہیں

1۔ سیر الاولیاء ص ۲۸۷۔ 2۔ سیر الاولیاء ص ۲۸۷

3۔ حالات کے لیے ملاحظہ ہو سیر الاولیاء ص ۱۹۸۔۱۹۷۔ گلزار ابرار ص ۵۸۲۔۵۸۱

4۔ گلزار ابرار ص ۱۱۱

Marfat.com

مزار بنا دیا گیا۔

ان تین بزرگوں نے چودہویں صدی عیسوی میں چشتیہ سلسلہ کو مالوہ میں روشناس کرایا۔ بعد کو چشتیہ سلسلہ کے کچھ اور بزرگ مثلاً قاضی الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [1] جو جید عالم تھے اور سلطان علاء الدین محمود (م ۱۴۷۵ء) کے پیر تھے وہاں جا کر تبلیغ و اشاعت کے کام میں مصروف ہو گئے۔

صابریہ سلسلہ:

صابریہ سلسلہ کے ابتدائی حالات لکھتے وقت تاریخ کے ایک طالب علم کو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اول تو بانی سلسلہ کے حالات کسی مرید یا عقیدت مند کے لکھے ہوئے نہیں ملتے، دوسرے تمام معاصر تذکرے اور تاریخیں اُن کے معاملہ میں بالکل خاموش ہیں۔ سیر الاولیاء میں [2] جو چند سطریں ایک بزرگ علی احمد صابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حال میں درج ہیں۔ ان کے متعلق بقول شیخ عبدالحق محدث دہلوی یہ یقین سے نہیں کیا جاسکتا کہ ان ہی کے متعلق ہیں یا کسی اور کے۔ [3] سترویں اور اٹھارویں صدی کے مذہبی تذکروں میں ان کے حالات بڑی تفصیل سے درج ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تذکروں [4] نے کہاں سے یہ حالات فراہم کئے ہیں ان کے مآخذ کیا ہیں اور ان کی تاریخی افادیت کس حد تک ہے؟ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُن کے تذکروں کی بنیاد یا تو

---

[1] گلزار ابرار ص ۱۲۷ [2] سیر الاولیاء۔ ص ۱۸۵

[3] اخبار الاخیار ص ۶۹ [4] مثلاً سیر الاقطاب۔ شیخ اللہ دیا چشتی، تالیف ۱۰۳۶ھ

مراۃ الاسرار۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی تالیف ۱۰۶۵ھ

معارج الولایت۔ مؤلفہ غلام معین الدین عبداللہ ملقب بالخلیفہ خویشگی چشتی تالیف ۱۰۹۴ھ۔ زمانہ حال کی کتابوں میں زمزمہ صابری (مؤلفہ تسلیم احمد امروہی، مطبوعہ مطبع حقانی، امروہہ ۱۹۰۷ء) خاص طور سے توجہ کی مستحق ہے۔ اس میں اصل ماخذ کی بنا پر حالات ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

Marfat.com

کشف' پر ہے یا محض سُنی سنائی روایات پر دونوں صورتوں میں ان پر اعتماد کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ ہم نے ان تذکروں کے استعمال میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔

شیخ علاء الدین احمد علی صابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ اور سجادہ نشین، شیخ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خواجہ احمد یسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [1] کی اولاد میں تھے مرشد کامل کی تلاش میں ترکستان کو چھوڑ کر ہندوستان آئے اور یہاں صابر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ کچھ عرصے تک سلطان غیاث الدین بلبن کی فوج میں بھی رہے تھے۔ مرشد نے پانی پت میں قیام کی ہدایت فرمائی۔ مدت العمر وہاں تلقین وارشاد میں مصروف رہے ۷۱۸ھ میں وصال فرمایا [2]

شیخ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد جمال الدین پانی پتی [3] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسند ارشاد پر بیٹھے۔ ان کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ معارج الولایت میں لکھا ہے۔

"مردماں از ہر جانب روئے بادمی آدرندونذر وفتوح بے شمار آوردند۔" [4]

اُن کے چالیس (۴۰) خلفاء تھے، جن میں شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اُن کے زمانے میں صابر یہ سلسلے کو کافی شہرت حاصل ہوئی۔ شیخ محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کے متعلق لکھا ہے:

---

[1] خواجہ احمد یسویؒ (المتوفی ۱۱۶۶ء) سلسلہ خواجگاں کے مشہور بزرگ تھے۔ اتا لیسوی کے نام سے مشہور تھے اتا ترکی زبان میں باپ کو کہتے ہیں۔ رشحات میں لکھا ہے" اتا راکہ بہ ترکی پدراست بمشائخ بزرگ اطلاق کنند" اُن کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ رشحات نیز نفحات الانس۔

[2] گلزار ابرار (ص ۵۸۶) میں لکھا ہے کہ اُن کے حالات تذکرہ مولانا علی کابلی گل بہاری میں مطالعہ کرنے چاہئیں۔ یہ تذکرہ راقم السطور کی نظر سے نہیں گذرا۔

[3] حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ مراۃ الاسرار (قلمی) سیر الاقطاب (قلمی نیز مطبوعہ نولکشور لکھنؤ) گلزار ابرار ص ۵۳۸

[4] معارج الولایت (قلمی)

Marfat.com

"جذبۂ قوی داشت و نظرے موثر و تصرفے غالب۔"[1]

چشتیہ صابریہ سلسلہ کا سب سے پہلا مرکز جس کو ہم تاریخ کی روشنی میں دیکھ سکتے ہیں۔ ردولی (ضلع بارہ بنکی) ہے شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایسے زمانے میں وہاں اپنی خانقاہ قایم کی تھی جب چشتیہ سلسلہ نظام ختم ہو چکا تھا۔ نظامیہ سلسلہ کے بزرگ گجرات، دکن، مالوہ، بنگال وغیرہ میں اپنی خانقاہیں قائم کر رہے تھے۔ دہلی اور اس کے اردگرد کا تمام علاقہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں سے تقریباً خالی تھا۔ شیخ احمد عبدالحق نے سیاحت کے دوران میں نظامیہ سلسلہ کی بعض خانقاہوں کو دیکھا تھا[2] اور حالات کا جائزہ لیا تھا۔ ردولی میں اُن کی خانقاہ رشد و ہدایت کا بڑا اہم مرکز بن گئی اور شمالی ہندوستان کے لوگ کثرت سے حاضر ہونے لگے۔ شیخ کے ملفوظات و حالات انوار العیون[3] کے نام سے شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مرتب کیے تھے۔

شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۸۳۷ھ میں وصال فرمایا۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے شیخ عارف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ نشین ہوئے۔ اُن کے اخلاق سے ہر ملنے والا متاثر ہوتا تھا[4] شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انوار العیون میں فرماتے ہیں کہ اس فقیر نے مدت العمر کسی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سُنا کہ شیخ عارف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مجھے محبت نہیں یا میرے اوپر وہ شفقت نہیں فرماتے[5] شیخ عارف رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اُن کے

---

1. اخبار الاخیار ص ۱۸۲
2. مثلاً پنڈوہ میں اُن کی ملاقات حضرت نور قطب عالمؒ سے ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۱۸۳
3. انوار العیون کا ایک اچھا قلمی نسخہ ذخیرہ عبدالسلام مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔ انوار العیون کا اُردو ترجمہ درِمکنون کے نام سے دہلی سے شایع ہوا تھا۔
4. شیخ محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن کے متعلق لکھتے ہیں "با ہر طائفہ سرے داشت و ہمہ کس از و راضی بودند۔" اخبار الاخیار ص ۱۸۶
5. انوار العیون (قلمی)

Marfat.com

صاحبزادے شیخ محمد سجادہ[1] مشیخت پر بیٹھے ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا مرید اور خلیفہ عطا فرمایا جس نے صابریہ سلسلے کو شمالی ہندوستان میں بڑی ترقی دی اور اس کے اثرات دور دور تک پہنچائے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ محمد ردولوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ تھے۔ وہ صابریہ سلسلہ کے پہلے بزرگ ہیں جن کے حالات معاصر تذکروں اور تاریخوں میں ملتے ہیں۔ جو شہرت اور عظمت ان کو حاصل ہوئی وہ اس سے پہلے صابریہ سلسلہ کے کسی بزرگ کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابتدائے حال میں ردولی میں مقیم رہے۔ ۹۱-۱۴۹۰ء میں ردولی کے حالات خراب ہوئے اور وہ[2] ترکِ وطن کر کر شاہ آباد آ گئے۔ جہاں ۳۸ سال تک اُنھوں نے ارشاد و تلقین کا ہنگامہ برپا رکھا۔ آخری عمر میں گنگوہ (ضلع سہارنپور) تشریف لے آئے اور وہیں 1537ء میں وفات پائی۔

جن حالات و گرد و پیش میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت کا کام کرنا پڑا۔ وہ بڑے ہوش ربا تھے۔ ہندوستان کی سیاسی فضا غیر یقینی تھی۔ مستحکم مرکزی نظام ختم ہو چکا تھا۔ سلطنت دہلی سانس توڑ رہی تھی۔ اس کا سیاسی اور سماجی ڈھانچہ بے جان ہو چکا تھا۔ صوبوں میں خود مختار حکومتیں تھیں۔ اور دارالسلطنت کے چاروں طرف ہنگامہ آرائی اور فتنہ فساد، ہندوستان کی ان تمام سیاسی طاقتوں میں جو اس وقت اپنا

---

1. مختصر حالات کے لیے ملاحظہ ہو گلزار ابرار ص ۵۸۳-۵۸۲، نیز سیر الاقطاب وغیرہ۔ گلزار ابرار میں ان کے ایک مکتوب کا اقتباس نقل کیا گیا ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں ان کے مکتوبات بھی دستیاب ہوتے تھے۔

2. لطائف قدوسی میں لکھا ہے: ''طرف ہندوستان غلبہ کافراں بود در پرگنہ ردولی عمل کافراں شد، شعار اسلام مندرس شد، در بازار گوشت خوک فروختہ می شد حضرت قطبی دل گیر شدہ بیروں آمدند۔'' ص ۱۳ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ء)

Marfat.com

تسلط قائم کرنے کے لیے کوشاں تھیں۔ راجپوت سب سے زیادہ منظم اور سیاسی بصیرت رکھنے والے تھے۔ پروفیسر رشبورک لمبس نے لکھا ہے کہ اگر بابر ہندوستان نہ آتا تو راجپوت یقیناً اپنا اقتدار قائم کر لیتے [1] چندیری' ناگور' اجمیر' ردولی وغیرہ مقامات پر حالات ایسے نازک ہو گئے تھے کہ مسلمان ان علاقوں کو خیر باد کہہ کر دوسری جگہ بسنے لگے تھے

ان حالات گرد وپیش میں سانس لینے والے بزرگ کا سیاست سے علیحدہ رہنا ممکن نہ تھا۔ سیاست گرد وپیش میں سانس لینے والے بزرگ کا سیاست سے علیحدہ رہنا ممکن نہ تھا۔ سیاست اور سلاطین سے علیحدہ بھی اسی وقت رہا جا سکتا ہے جب کم از کم سماجی توازن تو درست ہو۔ سماجی انتشار کی صورت میں سیاست سے بچنا تقریباً ناممکن تھا۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ' ابتدائے حال میں مشائخ چشت کے قدیم اصول کے مطابق سیاست وسلطان سے علیحدہ رہتے تھے۔ چنانچہ لطائف قدوسی میں ایک واقعہ لکھا ہے۔

''قاضی محمود تھانیسری داروغہ ردولی بود' چوں بجہت ملاقات می آبد حضرت قطبی گریختہ در ویرانے می رفتند کہ تبری از اہل دنیا بر کمال بود' اختلاط بایشان زہر قاتل مید انستند و می فرمودند کہ از اہل دنیا بوئے کریہ می آید لاچاری گریزم۔'' [2]

---

[1] ملاحظہ ہو: An Empire Bilder of India in the sixteenth Century R, Williams باب اول

[2] لطائف قدوسی۔ ص ۱۹۔ ۱۸

[3] آئین اکبری (ص ۲۱۴ مرتبہ سر سید احمد خاں) میں لکھا ہے: ''دانش صوری ومعنوی اندوخت و در ایزدی شناس والا پایہ شد' فراواں حقائق از و بر گویند' جنت آشیانی بابر خی کار را کہاں بزاویہ ادور شدے وانجمن آگہی گرے پذیرفتے۔''

نیز ملاحظہ ہو گلزار ابرار ص ۲۴۳

[4] مکتوبات قدوسی (مطبوعہ مطبع احمدی' دہلی) مکتوب نمبر ۳۴ ص ۴۶۔ ۴۴

Marfat.com

لیکن بعد کو اُنھیں سیاست میں حصہ لینا پڑا اور سلاطین سے ربط پیدا کرنا پڑا[3] ایک طویل مکتوب[4] میں انھوں نے سکندر لودی کو غم خواری خلق بالخصوص ائمہ اور علماء کی تیمار داری پر خاص طور سے توجہ دلائی ہے' اور بتایا ہے کہ حالات کی بہت کچھ درستگی اُن کے ذریعے ممکن ہے کچھ عرصہ بعد جب بابر کا تسلط ہوگیا تو انہوں نے مغل شہنشاہ کو بھی خط لکھا اور ہدایت کی۔

"باید وسزد کہ برائے شکر نعمت منعم سایہ عدل بر عالیماں چناں کشند ہیچ کس بر ہیچ کس ظلم نکند و ہمہ خلق و ہمہ سپاہ باد امر و نواہی شرع مستقیم و مستیدم بوند نماز بجماعت بگذارند و علم علماء را دوست؛ و در بازار ہر شہرے محتباں بگروند تا شہر و بازار را بجمال عدل شرع محمدی بیارانید در وشن و منور گردانند.......... چنانکہ در عہدِ سلف وخلفاء راشدین با جمیع شرائط بے شبہ بود۔"[1]

افغانوں اور مغلوں سے اُن کے تعلقات پر تفصیلی بحث کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے تفصیل کے لیے معاصر تذکروں' ملفوظات اور تاریخوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔[2]

شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحبِ علم وفضل بزرگ تھے۔ ان کی تصانیف سے اُن کے مطالعہ کی وسعت اور نگاہ کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ انھوں نے عوارف کی شرح لکھی تھی۔[3] اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مشہور تصنیف فصوص الحکم پر حاشیہ تیار کیا تھا۔[4] ان کی دیگر تصانیف کے نام یہ ہیں:

1. مکتوبات قدوسی ص ۳۳۷
2. اس سلسلہ میں لطائف قدوسی کا مطالعہ خاص طور پر مفید ثابت ہوگا۔
3. لطائف قدوسی میں لکھا ہے: "امام بعلم لدنی وفیض الٰہی چنداں استعداد بود کہ در ہر علمے بجہاء غریب کردند و تصانیف بسیار کردند می فرمودند کہ در ابتداء حال نسخہ عوارف بجہت برکت در حجرہ مامی بود؛ دراں نسخہ چنداں دخل بنود عاقبت الامر کار تا بحدے رسید کہ نسخہ عوارف را بشرح عربی کردند و نکات و اسرار غریب نقشبند چنانچہ مشہور و معروفت" ص ۸
4. گلزار ابرار ص ۲۳۹
5. مختصر رسالہ ہے مولوی غلام احمد خاں بریاں نے مسلم پریس جھجر سے شائع کیا تھا۔

Marfat.com

رسالہ قدسیہ' غرائب الفوائد' [5] رشد نامہ' مظہر العجائب' مکتوبات قدوسیہ' اُنھوں نے اپنی تصانیف میں وحدت الوجود پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ رشد نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوی پر اچھا عبور رکھتے تھے' یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف میں ہندوی دوہرے بہت کثرت سے ملتے ہیں۔

اتباع شریعت وسنت کا ان کو خاص خیال رہتا تھا۔ شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رشد نامہ [1] کے حاشیہ میں لکھا ہے:

حضرت ایشاں چناں در شرع محمدی و در عقیدہ اہل سنت و جماعت راسخ القدم بودند کہ ذرہ از شرع تجاوز نبود۔''

اُن کے مکتوبات میں بھی اس جذبہ کا جگہ جگہ اظہار ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے زمانے کے بعض امراء کو خاص طور سے اتباع شریعت کی تلقین کی ہے۔ خواص خاں ہیبت خاں شیروانی' ابراہیم خاں شیروانی' تردی بیگ' وغیرہ کے نام ان کے مکتوبات بہت اہم ہیں۔ [2] اور اس زمانے کے حالات پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔

جہاں تک صابریہ سلسلہ کا تعلق ہے اس کے نظام کو ترتیب دینا اور پھیلانا شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی کا کام تھا۔ مریدوں کی اصلاح وتربیت کی طرف اُن کی خاص توجہ تھی۔ مریدوں کے نام اُن کے خطوط یہ بتاتے ہیں کہ وہ اُن کی روحانی تعلیم کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ کسی حال میں ان کی طرف سے غفلت نہ برتی جائے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تین فرزند تھے۔ شیخ حمید الدین' شیخ عبدالجید اور شیخ رکن الدین۔ شیخ رکن الدین کے بیٹے شیخ احمد تھے اور اُن کے بیٹے شیخ

1۔ رشد نامہ' شیخ عبدالقدوسؒ کے ابتدائی زمانہ کی تصنیف ہے۔ شیخ رکن الدین پسر شیخ نے اس پر ایک حاشیہ لکھا تھا' اس میں لکھتے ہیں: ''درابتداء حال تصنیف کردہ بودند۔'' خاکسار کے پیش نظر رشد نامہ کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے' جس پر شیخ رکن الدین کا حاشیہ بھی موجود ہے۔

2۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور دیگر مشائخ ہند کے مکتوبات کو میں نے ایک علیحدہ کتاب ''مشائخ کے خطوط اُمراء وسلاطین کے نام'' میں مع حواشی کے ترتیب دیا ہے۔

Marfat.com

عبدالنبی جو اکبر کے صدر الصدور بھی رہے تھے۔

حکومت وقت سے تعلق صوفیہ کے لیے ہمیشہ مہلک رہا ہے۔ غالباً اسی بناء پر مشائخ متقدمین نے ہمیشہ اس سے علیحدہ رہنے کی تلقین کی ہے۔ اگر کوئی بزرگ کسی ضرورت اور مصلحتِ وقت سے مجبور ہو کر حکومت سے ذرا سا بھی رابطہ پیدا کر لیتا ہے۔ تو اس کے بعد اس کے متعلقین اس ہی میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ؒ اور شیخ رکن الدین ملتانی ؒ نے حکومت سے وابستگی رکھی لیکن اپنے روحانی پروگرام کو نظر انداز نہیں کیا۔ ان کی مثال سے ان کی اولاد نے غلط فائدہ اٹھایا اور سہروردیہ سلسلہ کا سارا نظام درہم برہم کر دیا۔ یہ ہی حال حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد کا ہوا۔ شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اصلاح و تربیت کی خاطر حکومت سے رابطہ پیدا کیا تھا۔ اُن کی اولاد نے حُب جاہ و زر کی خاطر شاہان مغلیہ کے آستانوں پر اپنی جبینوں کو جھکا دیا۔ شیخ عبدالنبی کے حالات عہد اکبری کی تاریخوں میں تفصیل سے درج ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حُب جاہ و زر نے اُن کے دینی جذبے کو بالکل ختم کر دیا تھا اور وہ مشائخ سلسلہ کے اصولوں کا قطعاً احترام نہ کرتے تھے۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد اُن کے کام کو جاری نہ رکھ سکی۔ مگر اُن کے کچھ خلفاء ایسے عظیم المرتبت اور عالی حوصلہ تھے کہ انہوں نے سلسلہ کی نشر و اشاعت کی طرف خاص توجہ کی۔ شیخ جلال الدین تھانیسری [2] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ

---

[1] ملاحظہ ہو:

منتخب التواریخ ملا عبدالقادر۔ بدایونی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے تذکرہ میں اس کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ (تذکرہ: نیا ایڈیشن ص ۳۷۔۳۵)

[2] اخبار الاخیار ص ۲۷۸۔ ۲۷۷

[3] شیخ محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: ''واز جملہ خلفائے وے شیخ عبدالغفور اعظم پوری بود بزرگ بود و صاحب واقعات۔'' اخبار الاخیار ص ۲۱۶

Marfat.com

عبدالغفور اعظم پوری، [3] شیخ عبدالعزیز کیرانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ شیخ عبدالستار سہارنپوری۔ شیخ عبدالاحد پدر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد تلقین کو اپنی زندگی کا اہم ترین مقصد قرار دے کر سلسلے کے اثرات کو دور دور پھیلا دیا۔

چشتیہ سلسلہ

سولھویں اور سترھویں صدی میں

سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی میں چشتیہ سلسلہ کی تاریخ ایک نظام کی تاریخ نہیں رہتی بلکہ ممتاز شخصیتوں کی سوانح عمری بن کر رہ جاتے ہے، وہ نظم وضبط اور باقاعدگی جو دورِ اول کے مرکزی نظام کی خصوصیت تھی۔ اب بالکل ختم ہوگئی۔ جہاں جس کو موقع ملا۔ اس نے اپنی حیثیت، صلاحیت اور حالات کے مطابق کام کرلیا۔ اس دور میں چشتیہ سلسلہ کی عام حالت کا اندازہ لگانے کے لیے چند بزرگوں کا مختصر حال پیش کردینا کافی ہے۔

شیخ جلال الدین تھانیسریؒ:

(المتوفی ۹۸۹ھ) حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ شیخ محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن کے متعلق فرماتے ہیں۔

"از مشاہیر مشائخ وقت بود عالم بود و عامل مستقیم و شیخے کامل۔ از اول عمر تا آخر بطاعت وعبادت ودرس و وعظ و ذکر وسماع و ذوق وحالت گزرانید۔ سن طویل یافتہ بود۔ برحفظ آداب ونوافل ورعایت اوراد واوقات تا آخرِ حیات مستقیم بود۔" [1]

درس وتدریس کا خاص شوق تھا۔ اکثر کتبِ متداولہ پر حاشیے لکھتے تھے۔ ان کی ایک مشہور تصنیف ارشاد الطالبین ہے، جس میں 37 ابواب میں تصوف کے مختلف عنوانات پر گفتگو کی گئی ہے۔ اکبر کے زمانے میں زمینوں کے متعلق کچھ احکامات جاری ہوئے لوگوں نے ان کو آگرہ چلنے کی تکلیف دی تاکہ بادشاہ سے اُن کے معاملات پر گفتگو کریں۔ بدایونی نے لکھا ہے:

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۷۷

Marfat.com

"بہ مہم سازی وشفاعت ائمیہ تھانیسر تشریف بردہ بود۔"[1]

اس مسئلہ پر اُنھوں نے ایک رسالہ تحقیق اراضی الہند[2] بھی لکھا تھا۔ بادشاہ کی نظر میں اُن کی عزت تھی، لیکن انھوں نے درس وتدریس اور ارشاد وتلقین سے کنارہ کش ہو کر درباداری کی زندگی کو اختیار کرنا پسند نہیں کیا۔

شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں خواجہ نظام الدین تھانیسری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اُن کے خلفاء کثیر تعداد میں تھے۔ شیخ ابوسعید گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ حسن بہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ عبدالکریم لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ عبدالرحمٰن کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ محمد صادق برہان پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خاص شہرت حاصل کی۔

شیخ ابوسعید گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۰۴۹ھ) نے صابریہ سلسلہ کی اشاعت میں کافی سرگرمی کا ثبوت دیا۔ اُن کے سب سے زیادہ مشہور خلیفہ شیخ محب اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۰۵۸ھ) تھے۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف پر بڑا عبور تھا۔ فصوص الحکم کی کئی شرحیں لکھی تھیں۔ شاہ جہاں نے ایک مرتبہ خط لکھا۔

عرفان آگاہ معارف جلوہ گاہ شیخ محب اللہ سلمہٗ فرمان اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ نیک تصور نمودہ بیانید کو شوق فوق الحد است "والدعا فوق المدعا"

جواب میں فرمایا:

امر دالی الامر رسید، اثر محبت مفہوم گردید، لیکن شخصے کہ از مرتبہ اولیٰ وثانی بز آمدہ باشد بمرتبہ ثالث چگونہ رسد۔"[3]

---

[1] منتخب التواریخ جلد سوم۔ ص ۴

[2] اس کا ایک قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتب خانہ میں بھی ہے۔

[3] یہ مکتوبات بچھراؤں (ضلع مراد آباد) کے ایک قلمی کتب خانہ میں نظر سے گزرے تھے۔

Marfat.com

دارا شکوہ نے الہ آباد قیام کے دوران میں اُن سے استفادہ کیا تھا۔[1] اورنگ زیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اُن کے متعلق رائے اچھی نہیں تھی۔ اُس نے اُن کے رسالہ تسویہ کو جلا دینے کا حکم دیا تھا۔

شیخ عبدالعزیز چشتی دہلویؒ:

شیخ حسن طاہر رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے' ۸۹۸ء میں جونپور میں پیدا ہوئے۔ ڈیڑھ برس کی عمر میں باپ کے ساتھ دہلی آ گئے' پھر وفات تک (۹۷۵ھ) یہیں رہے۔ شیخ محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کے متعلق لکھا ہے:

''در زمان خود یادگار مشائخ چشت بوُد' در دہلی بوجودِ او سلسلہ ارشاد و مشیخت برپا بود۔''[2]

شیخ کامل عارف دوران خود عبدالعزیز
آنکہ می داد اہل دل راجلسِ یاد از بہشت
ہرچہ از اوصاف اہل اللہ در عالم بود
حق تعالیٰ ز اول فطرت بذاتِ او سرشت
یادگارِ اہلِ چشت اوبود در دورانِ خود
گشت ازاں تاریخ فوتش یادگارِ اہل چشت

---

1. شہزادہ دارا شکوہ نے شیخ کو متعدد مکتوب بھی لکھے تھے جن کا انھوں نے مفصل جواب دیا تھا۔ ایک خط میں دارا شکوہ لکھتا ہے:
''از گرفتن صوبہ الہ آباد بیشتر خوش حالی از وجود شریف است'' ایک خط میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دارا شکوہ کو نصیحت فرماتے ہیں:
''فقیر کجا و نصیحت کجا' حق آنست کہ اندیشہ رفاہیت خلق خدا دامن گیر خاطر حکام باشد' چہ مومن و چہ کافر خلق خدا پیدائش خدا است''

2. اخبار الاخیار۔ ص ۲۷۵

Marfat.com

اُن کے تقدس، حلم اور تواضع نے ان کو ہر دل عزیز بنا دیا تھا۔ چشتیہ سلسلہ کی دیرینہ روایات اس تاریک دور میں پھر ایک بار ان کے ذریعے زندہ ہونے لگی تھیں۔ عوام و خواص سب ہی ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ بیرم خاں خانخاناں خاص طور پر ان کا معتقد تھا۔

شیخ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرزند شیخ قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ شیخ محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کے متعلق لکھا ہے۔

''عالم وفاضل وصاحبِ اخلاق حمیدہ وصفات پسندیدہ قدم صدق واستقامت بر سجادہ پدر نہادہ۔''[1]

شیخ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء میں شیخ جائیلدہ اور شیخ عبدالغنی بداونی کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔

شیخ سلیم چشتیؒ:

بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد میں تھے ۸۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ عرصہ تک ممالک اسلامی حجاز، روم، بغداد، شام و نجف[2] میں سرگرم سیاحت رہے۔ پھر سیکری میں آ کر اقامت اختیار کر لی۔ جہاں گیر کا بیان ہے

''مردم آں نواحی بہ شیخ اعتقاد تمام داشتند۔''[3]

ابتدائی زمانے میں شیخ نے ریاضتِ شاقہ کی تھیں اور عسرت میں زندگی گزاری تھی۔ جب شہنشاہ اکبر ان کا معتقد ہو گیا تو حالات بدل گئے۔ اور انھوں نے فراغت کی زندگی اختیار کر لی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے۔

''بمرور ایام جمعیتے بظاہر احوال ایشاں نیز راہ یافت و عمارتہا و باغہا و چاہا ساخت و

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۷۵

[2] منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی جلد سوم ص ۱۱

[3] تزک جہاں گیری (مرتبہ سرسید احمد خاں) ص ۱

Marfat.com

در مقام مشیخت متمکن گشت .... وبعضے عادات مخالف شریعت کی متعارف عوام باشد تغیر روداد"[1]

زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ اُن کے مزاج میں بھی جمعیت پیدا ہوگئی تھی۔ انھوں نے عمارتیں، باغ اور کنوئیں بنائے اور سجادۂ مشیخت پر بیٹھے .... اور بعضی عادتیں جو شریعت کے منافی ہیں اور عوام میں متعارف ہیں ان میں پیدا ہوگئیں۔

ان حالات میں سلسلہ کی نشر و اشاعت کا کام مدھم پڑ گیا۔ اُن کے خلفاء شیخ کمال الوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ پیارہ بنگالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ فتح اللہ ترین سنبلی رحمۃ اللہ علیہ شیخ رکن الدین اجودھنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[2] اور حاجی حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی صلاحیتوں اور حالات کے مطابق سلسلہ کا کچھ کام ضرور انجام دیا۔ لیکن اُن کی اولاد میں اس مرتبہ کا کوئی شخص پیدا نہ ہوا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی اولاد مشائخ سے زیادہ امراء کے زمرہ میں شامل کرنے کے قابل ہے۔ شیخ علاء الدین نبیرہ شیخ سلیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جہانگیر نے اسلام خاں کا خطاب اور دو ہزاری منصب عطا فرمایا تھا[3] شیخ کی اولاد میں سے کئی افراد میوات اور بنگال میں سرکاری عہدوں پر کام کرتے رہے تھے۔[4]

شیخ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۷۶

اس کے برخلاف بدایونی نے لکھا ہے:

"سنین عمر شریفش بہ نود و پنج سال رسیدہ قدم بر جادۂ شریعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہادہ، ریاضات شاقہ ومجاہدات صعب طریق معمول او بود۔" ج ۳ ص ۱۱

غالباً یہ ابتدائی زمانے کے متعلق ہے۔

[2] منتخب التواریخ۔ ج ۳ ص ۱۲ [3] تزک جہانگیری ص ۱۳

[4] ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر بنی پرشاد کی تاریخ جہانگیر (انگریزی) ص ۱۳۵، ۲۰۹

Marfat.com

قبل چشتیہ سلسلہ کے ایک مرتاض بزرگ حضرت شاہ بہاء الدین المعروف بہ بابا فریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رجب پور (ضلع مراد آباد) میں اپنا مسکن بنایا تھا۔ روحانی تربیت کا جو کام انھوں نے شروع کیا اس سے گردونواح کے صدہا گم گشتگان راہِ طریقت کو فائدہ پہنچا۔ افسوس ہے کہ اُن کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے[1]

اس دور کے چند مشہور چشتی بزرگوں کے نام یہ ہیں۔

(1) شیخ دانیال چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[2]

(2) سید علاء الدین مجذوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[3]

(3) شیخ نظام الدین امیٹھی دال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[4]

(4) شیخ ادہن جونپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[5]

(5) سید ابن امروہوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[6]

---

[1] رجب پور میں اُن کے سلسلے کے کچھ افراد موجود ہیں۔ آج کل جناب معین الدین صاحب فریدی سجادہ نشین ہیں۔

[2] اخبار الاخیار۔

[3] اخبار الاخیار ص ۲۸۱۔۲۸۰

[4] ملاحظہ ہو منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۲۴۔ ۱۵

[5] منتخب التواریخ ج ۳ ص ۴۲۔۱۴

[6] امروہہ (ضلع مراد آباد) میں ان کا مزار ہے۔ بدایونی نے اُن کے متعلق لکھا ہے۔

"سالک مجذوب بود دقیقہ از دقائق شریعت مطہرہ باوجود آں حالت از دفوت نشدے۔" ج ۳ ص ۳۹

ان کا مختصر حال اخبار الاخیار۔ گلزار ابرار و دیگر تذکروں میں ملتا ہے۔

Marfat.com

چشتیہ سلسلہ کا نشاۃ ثانیہ

(اٹھارویں صدی)

اٹھارویں صدی میں جب کہ مسلمانان ہند کا سیاسی نظام نہایت تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو رہا تھا اور ہر طرف اخلاقی ابتری اور زبوں حالی پھیلی ہوئی تھی چشتیہ سلسلے کا دور تجدید و احیاء شروع ہوا۔ اس نشاۃ ثانیہ کا سہرا اتمام تر حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سر ہے۔

تقریباً دو سو سال سے چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام پر جمود کا عالم طاری تھا۔ روحانی اصلاح و تربیت کا کام سُست پڑ گیا تھا۔ اور مشائخ متقدمین کی روایات بالکل بھلائی جا چکی تھیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی پُر خلوص جدوجہد سے سلسلے کے عروق مردہ میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی۔ اور اصلاح و تربیت کا ایسا نظام قائم کیا کہ دورِ اول کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ خود شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دہلی میں رہتے تھے' لیکن ان کا اصلاحی ہاتھ دکن تک کام کرتا تھا۔ وہ اپنے مریدوں کی زندگی کے ہر ہر گوشے پر نظر رکھتے تھے اور بات بات پر ان کو ہدائتیں دیتے تھے۔ اُن کے خلیفہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دکن میں سلسلہ کی نشر و اشاعت میں بے پناہ جدوجہد کی۔ اُن کی خانقاہ میں ہزاروں گم کشتگان راہ طریقت جمع ہوتے تھے اور اپنی روحانی پیاس بجھا کر نکلتے تھے۔ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید اور فرزند شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دکن کو خیر باد کہا اور دہلی آ کر اپنی خانقاہ قائم کی اُن کے زمانے میں چشتیہ سلسلہ کو بے حد عروج حاصل ہوا اور دور دور تک اس کی خانقاہیں قائم ہو گئیں۔ اُن کے ایک عزیز مرید اور خلیفہ شاہ نور محمد مہاروی نے پنجاب میں جگہ جگہ چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں

Marfat.com

قائم کرادیں۔تونسہ، چاچڑاں، کوٹ مٹھن۔احمد پور، ملتان وغیرہ روحانی اصلاح وتربیت کے مشہور مرکز بن گئے۔شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک اور خلیفہ شاہ نیاز احمد بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روہیل کھنڈ میں اپنی خانقاہ بنائی اور دور دور سے لوگ اُن سے مستفیض ہونے کے لیے وہاں جمع ہونے لگے۔شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اُن کے خلفاء ومریدین ہماری اس جلد کا موضوع ہیں۔اُن کے کارنامے آئندہ صفحات میں تفصیل سے نظر سے گزریں گے۔یہاں ضروری ہے کہ اُن کے معاصر مشائخ سلسلہ صابریہ کے متعلق بھی کچھ عرض کردیا جائے۔

صابریہ سلسلہ کا مرکز اس دور میں امروہہ بنا۔وہاں حضرت شاہ عضد الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [1] (المتوفی 1172ھ) حضرت شاہ عبدالہادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [2] (المتوفی 1190ھ) اور حضرت شاہ عبدالباری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [3] (المتوفی 1226ھ) نے تزکیہ نفس اور تجلیہ باطن کی وہ محفلیں گرم کیں کہ فضائیں تک جگمگا اُٹھیں۔شاہ عبدالباری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ حاجی سید عبدالرحیم فاطمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (1246ء) شیخ کی مجلس سے دین کا ایسا درد لے کر اُٹھے کہ جب تک زندہ رہے احیاءِ سنت کے لیے کوشاں رہے۔ جب حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جہاد کی تیاری کی تو اُن کے ساتھ ہو گئے اور بالاکوٹ کے میدان میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔[4] ان کے خلیفہ میاں جی نور محمد جھنجانوی

---

1. شاہ عضد الدین صاحب "شیخ محب اللہ الٰہ آبادی" کے خلیفہ سید شاہ محمدی" کے مرید تھے۔اپنے شیخ کی خدمت میں حاضری اور بیعت ہونے کا حال مقاصد العارفین میں لکھا ہے۔تذکرہ حاجی رفیع الدین مرادآبادی میں لکھا ہے کہ وہ علوم شریعت کے جامع تھے۔زہد وورع میں یکتا تھے۔حکام نے وظیفہ مقرر کرنا چاہا تو قبول نہ کیا۔

2. شاہ عبدالہادی صاحب "شاہ عضد الدین" کے خلیفہ تھے۔حالات کے لیے مفتاح الخزائن (شیخ نزہت علی) انوار العارفین (حافظ محمد حسین) اور انوار العاشقین (مولانا مشتاق احمد) ملاحظہ کیجئے۔

3. شاہ عبدالہادی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے اور خلیفہ تھے۔

4. ملاحظہ ہو سوانح احمدی مصنفہ مولوی محمد جعفر تھانیسری ص ۱۴۱۔۱۴۰

Marfat.com

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 1259ھ) کے دامن تربیت سے ایک ایسا شخص اُٹھا جس نے صابریہ سلسلہ کو عروج کی انتہائی منزل پر پہنچا دیا۔حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فیوض ہندوستان تک ہی محدود نہیں رہے' دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی اُن کے اثرات پہنچے۔

حضرت حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ 1232ھ) میں تھانہ بھون میں پیدا ہوئے تھے۔ابتدائی تعلیم وتربیت کے بعد حجاز چلے گئے' وہاں سے واپس آئے تو ارشاد وتلقین کا ہنگامہ برپا کردیا۔اللہ تعالیٰ نے انھیں دل ودماغ کی بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔وہ انیسویں صدی کی تین عظیم الشان تحریکوں کا منبع ومخرج تھے۔

(1) مسلمانوں کی دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے جو تحریک انیسویں صدی میں شروع ہوئی جس نے بالآخر دیوبند کی شکل اختیار کی' اُن ہی کے خلفاء ومریدین کی پُرخلوص جدوجہد کا نتیجہ تھی۔مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 1323ھ) مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی 1297ھ) مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن کے خلفاء تھے۔شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جانشین تھے۔ان ہی بزرگوں کی کوششوں سے دینی تعلیم کا چرچا ہوا۔

(2) باطنی اصلاح وتربیت کے لیے انیسویں صدی کے آخر اور بیسوی صدی کے شروع میں دو بزرگوں کی کوششیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ تھے۔نصف صدی سے زیادہ انھوں نے ایک پُرانے قصبہ کی ایک کہنہ مسجد کے گوشہ میں بیٹھ کر مسلمانوں کی زندگی کے مختلف گوشوں میں اصلاح کا کام کیا۔ لیکن مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحریک میں وہ وسعت اور گیرائی نہ پیدا

Marfat.com

ہوسکی جو مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دینی تحریک کو حاصل ہوئی۔

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے جو دینی بصیرت اور جذبہ اللہ نے انھیں عنایت فرمایا تھا۔اس کی مثال اس عہد میں مشکل سے ملے گی گذشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا۔جس طرح مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا تھا۔

(3) انیسویں صدی کی تیسری اہم تحریک' آزادی وطن کی تھی۔اس سلسلہ میں خود حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ! اور اُن کے منسلکین نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ ہندوستان کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔غدر کے زمانے میں تھانہ بھون کا انتظام حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور خود دیوانی اور فوجداری کے مقدمات فیصل فرماتے تھے۔آزادی وطن کے جس جذبے نے حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قلب وجگر کو گرمایا تھا وہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پہلو میں ایک شعلہ بن گیا تھا وہ اور اُن کے رفقاء اور تلامذہ نے ہندوستان سے انگریزی حکومت کا اقتدار ختم کرنے کے لیے جن مصائب کا سامنا کیا' تاریخ ہند کا کوئی دیانت دار مؤرخ ان کو بھلا نہ سکے گا۔

ان صفحات میں ہمارا مقصد ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کے نشوونما پر ایک سرسری نظر ڈالنا تھا بہت سے ایسے عنوانات اور مباحث جن کو تفصیل سے بیان کرنے کو جی چاہتا تھا' قلم انداز کرنے پڑے۔انشاء اللہ اس اجمال کی تفصیل اس سلسلہ کی دوسری جلدوں میں بیان کی جائے گی' اس باب کو ختم کرتے وقت ہماری زبان پر بے اختیار چودھری خوشی محمد ناظر کے یہ اشعار آجاتے ہیں ؎

ہیں خاکِ ہند میں کچھ نقشِ پا اُن رہ نوردوں کے
ادب سے چومتے جن کو ہیں دشت وکوہسار اب تک

Marfat.com

کوئی تھا گنج بخش اُن میں کوئی گنج شکر اُن میں
خزانے معرفت کے ہیں نہاں زیر مزار اب تک
ہوا ہندوستان جنت نشاں جن کی فضاؤں سے'
نہ آئی جا کے ان باغوں میں پھر فصلِ بہار اب تک

Marfat.com

(4) مشائخ چشت کا نظامِ اصلاح و تربیت

مشائخ چشت کے کارناموں کا سب سے اہم پہلو ان کے نظامِ اصلاح و تربیت سے وابستہ ہے۔ انھوں نے سماج کے فاسد عناصر کی اصلاح اور انسانیت کی اخلاقی سطح بلند کرنے کے لیے جو موثر طریقہ کار اختیار کیا' تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ دورِ حاضر کو علومِ عقلیہ اور سائنس کی ترقیات پر بہت بڑا فخر و ناز ہے۔ اور یہ فخر و ناز بڑی حد تک بجانب ہے۔ انسان نے ایک طرف اگر قوائے فطرت کی تسخیر میں حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کی ہیں تو دوسری طرف فطرتِ انسانی کے بہت سے اسرار کو بھی بے نقاب کر دیا ہے۔ لیکن ان ترقیات کے باوجود عصر حاضر کے ماہرین نفسیات' انسانی دل و دماغ کے ان گوشوں تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوئے جہاں یہ مشائخ اشاروں ہی اشاروں میں انقلاب پیدا کر دیتے تھے۔ اسباب کی تلاش ہو تو غور سے سنئے' آج بھی اُن کی پاک روحیں یہ کہتی ہوئی سنائی دیں گی ؎

عصرِ حاضر راخر در بخیر پاست
جان بے تابے کہ من وارم کجاست
بچشم عشق نگر تا سُراغِ خود گیری
جہاں بچشمِ خرد سیمیا و نیرنگ است

اُن کی نفسیاتی بصیرت کا چشمہ ایمان و عمل کی قوت سے اُبلتا تھا۔ اور ان کی نگاہ میں ایسی تاثیر پیدا کر دیتا تھا کہ جس کی طرف دیکھ لیتے' اس کی زندگی میں معصیت سوت خشک ہو جاتے۔ افسوس کی بات ہے کہ ان بزرگوں کے حالات میں اب تک ہندوستان میں جو لٹریچر شائع ہوا ہے اس میں ان کی زندگی کے اس پہلو کو نظر انداز کر کے' کرامات اور خرق

Marfat.com

عادات کی داستانوں کو مرکزی حیثیت دے دی گئی ہے۔ حالانکہ ان مشائخ نے اظہارِ کرامات کی نہ صرف جگہ جگہ مذمت کی ہے بلکہ اس کو 'حیض الرجال' سے تعبیر کیا ہے۔ ہم نے ان کی پاک زندگیوں کی کشش اُن کی اصلاحی اور دینی جدوجہد میں محسوس کی ہے۔ اس لیے اس باب میں ذرا تفصیل سے اُن کے نظام تعلیم وتربیت اور اندازِ تبلیغ واشاعت پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

بیعت کا مقصد

دینی تربیت

خلفاء کی تربیت

ہندوؤں سے تعلقات

سماع کی شرائط

Marfat.com

(1)

بیعت کا مقصد

بیعت کے معنی ہیں:

دست بر دست یک دیگر نہادن و عہد بستن۔"[1]

کسی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر عہد کرنا

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِہٖ ۚ وَ مَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰہَدَ عَلَیۡہُ اللّٰہَ فَسَیُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا۝

جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے اے محمدؐ! وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے سو جو عہد شکنی کرتا ہے تو اپنی ذات کی مضرت پر عہد توڑتا ہے اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اللہ سے کیا تھا اُن کو عنقریب اجر عظیم ملے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے مختلف مقاصد کے لیے بیعت لی تھی۔ کسی سے جہاد کے لیے کسی سے ہجرت کے لیے کسی سے ارکان اسلام کی پابندی کے لیے اور کسی سے سنتِ نبوی کے تمسک پر بعض احادیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے انصار عورتوں سے نوحہ نہ کرنے پر بیعت لی تھی۔ ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ محتاج مہاجرین سے اس پر بیعت لی کہ وہ کسی کے آگے دست سوال نہ پھیلائیں بعد کو ان لوگوں کا

---

[1] سبع سنابل میر عبدالواحد بلگرامی (مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۹ھ) ص ۳۶

Marfat.com

حال یہ ہو گیا تھا کہ کسی کا کوڑا ہاتھ سے گر جاتا تو خود گھوڑے سے اُتر کر اُٹھاتا تھا اور کسی سے کوڑا اُٹھانے تک کا سوال نہ کرتا تھا۔ بہر حال احادیثِ نبوی سے ثابت ہے کہ بیعت کسی بھی مقصد کے لیے لی جا سکتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں کیا ''حکمت'' تھی اور مشائخ چشت کس مقصد کے لیے بیعت لیتے تھے؟

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیعت کی حکمت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

.........فاعلم ان اللّٰه تعالیٰ اجریٰ سُنّته' اَنْ یَضبِطَ الامورا الخفیَّة المضمرة فی النفوس بافعالٍ و اقوالٍ ظاهرةٍ وینصبها مَقامَهَا کما اَنَّ التصدیقِ باللّٰهِ ورسولِهٖ وَالْیَوْمِ الآخِرِ خفِیٌّ فاقیم الاقرارُ مَقامَه' وکَمَا اَنَّ رضَی المتعاقدینَ ببذل الثمن والمبیع امْرٌ خفِیٌّ مُضْمرٌ فاقیم الایجاب والقبولُ مَقامَه' فکَذالِکَ التوبَةُ وَالعَزیمَةُ علیٰ ترکِ المعاصی واتمسک بُحبل التقویٰ خفِیٌّ مضمرٌ فاقیمت البیعة مَقَامَهَا.

معلوم کر کہ سنت اللہ یوں جاری ہے کہ امور خفیہ جو نفوس میں پوشیدہ ہیں اُن کا ضبط افعال اور اقوال ظاہری سے ہو اور افعال و اقوال قائم مقام ہوں اور امورِ قلبیہ کے۔ چنانچہ تصدیق اللہ اور اس کے رسول اور قیامت کی امر مخفی ہے تو اقرار ایمان کا بجائے تصدیق قلبی کے قائم کیا گیا۔ اور جیسے کہ رضامندی بائع اور مشتری کی قیمت اور مبیع کے دینے میں امر مخفی پوشیدہ ہے تو ایجاب اور قبول کو قائم مقام رضائے مخفی کے کر دیا۔ سو اِسی طرح توبہ اور عزم کرنا ترک معاصی کا اور تقویٰ کی رسی کو مضبوط پکڑنا امر مخفی اور پوشیدہ ہے تو بیعت کو اس کے قائم مقام کر دیا۔[1]

---

[1] قول الجمیل شاہ ولی اللہ دہلوی (معہ حواشی شاہ عبدالعزیز'' و اردو ترجمہ مولوی خرم علی (مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۱ھ)۔ ص ۱۳

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ بیعت میں ایک نفسیاتی مصلحت پوشیدہ ہے۔ جب انسان اپنے ماضی کی تنقیدی نگاہ سے جائزہ لیتا ہے تو بہت سی باتیں اس کو اخلاق و مذہب کے خلاف نظر آتی ہیں۔ اس کا ضمیر ملامت کرنے لگتا ہے۔ وہ دل ہی دل میں اپنی معصیتوں سے توبہ کرتا ہے۔ لیکن اُسے اطمینان نہیں ہوتا۔ اس سے قلب میں ایک بے چینی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ ماضی کا تصور اس کے لیے سوہانِ رُوح بن جاتا ہے۔ اس کی توبہ اس تصور پر غالب نہیں آتی اب وہ ایک پاک باطن، نیک نفس انسان کے ہاتھ پر ترکِ معاصی اور تقویٰ کا عہد کرتا ہے۔ شیخ یقین دلاتا ہے کہ: ''تائب با متقی برابراست'' [1] اس کے دل کے زخموں پر ایک پھایہ سا لگ جاتا ہے۔ تکلیف وہ ماضی سے اس کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے مستقبل کو نئی اُمیدوں، محکم یقین اور بیدار احساس کے ساتھ سنوارنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔

مشائخ چست جس مقصد کے لیے بیعت لیے تھے، اس کا اندازہ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

چوں کسے بخدمت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز بیامدے بہ نیت ارادت، اول فرمودے فاتحہ و اخلاص بخوانید، بعدہ امن الرسول بخواندے، بعدہ شھد اللہ تا ان الذین عنداللہ الا سلام خواندے، بعدہ فرمودے کہ بیعت کردی بریں ضعیف و خواجہ ایں ضعیف و خواجہ خواجگان ما و بر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و با حضرت عزت عہد کردی کہ دست و پائے و چشم نگاہ داری و بر نہج شرع باشی [2]

---

[1] فوائد الفواد۔ ص ۳۔ ۴

حدیث نبوی ہے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ، (ابن ماجہ، باب ذکر التوبہ)

[2] سیر الاولیاء ص ۲۲۳ ''و چشم نگاری'' میں جو مصلحت پوشیدہ ہے، اس پر حافظ ابن القیم'' کی یہ تشریح بہت اہم ہے، فرماتے ہیں ''نگاہ شہوت کی قاصد اور پیامبر ہوتی ہے اور نگاہ کی حفاظت دراصل شرم گاہ اور شہوت کی جگہ کی حفاظت ہے۔ جس نے نظر کو آزاد کر دیا، اس نے اس کو ہلاکت میں ڈال دیا.........اور نظر ہی ان تمام آفتوں کی بنیاد ہے۔ جن میں انسان مبتلا ہوتا ہے کیونکہ نظر کھٹک پیدا

(فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

Marfat.com

جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں ارادت کی نیت سے آتا تو اول آپ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھنے کا حکم فرماتے' بعدہٗ امن الرسول پڑھتے۔ اس کے بعد شہد اللہ سے ان الدین عند اللّٰہ الاسلام تک پڑھتے۔ پھر فرماتے کہ (کہو) تو نے اس ضعیف اور اس کے خواجہ خواجگان اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور خدائے تعالیٰ سے اس بات پر عہد کیا کہ ہاتھ پاؤں اور آنکھ پر نگاہ رکھے گا اور شرع کے طریقے پر چلے گا۔

انسان کو اخلاقی عیوب سے بچانا اور اس کو راہِ شریعت دکھانا' مشائخ چشت کی کوششوں کا مرکز محور تھا۔ اسی مقصد کے پیش نظر مریدین کو خلافت دی جاتی تھی' خوش قسمتی سے حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وہ خلافت نامہ جو انھوں نے اپنے ایک عزیز مرید شیخ شمس الدین یحییٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو عنایت فرمایا تھا۔ سیر الاولیاء میں ہمیں مل جاتا ہے' مشائخ چشت کے مقاصد کے تعین اور اُن کے لائحہ عمل کی وضاحت کے لیے اس سے زیادہ اہم کوئی دستاویز ہمارے پاس نہیں ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کر دیا جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ الَّذِیْ سَمَتْ ھِمَمِ اولیائِہٖ عَنْ الرکوَانِ الی الا کوانِ عاراً واعتلَقتہُ ھُمُو مھم بالواحِدِ الْحنّانِ باراً فَدَارت عَلَیْھِمْ بکرۃً وعشیًا کاءسُ المحبۃ مِنْ کوثرِ محبوبھم دارًا کُلَّمَا جَنَّ

(پچھلے صفحے کے فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ)

کرتی ہے۔ پھر کھٹک فکر کو وجود بخشتی ہے اور فکر شہوت کو ابھارتی ہے' شہوت ارادہ کو جنم دیتی ہے۔ اراد قوی ہو کر عزیمت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور عزیمت میں مزید پختگی ہو کر فعل واقع ہوتا ہے۔

(الجواب الکافی۔ ص ۲۰۴)

Marfat.com

عَلَیھِمُ الّیلَ تشتغلُ قلُوبُھُم مِن الشوقِ ناراً وَتفِیضُ اعْیُنھُم مِن الدمع مِدْرارًویَتمَتَّعُوْنَ بِمُنا جاۃِ الحبیب اسرارً و یَطُوْمُوْنَ بسر اوقات العِزّ افکارً اَلا یزال مِنھُم فی کُلّ زمان من ھم علی منکونۃ نضادۃ العرفان فیظْھَرُ فی الْاَقْطَار اثارہٗ ویزھَرُ فی الا فاق انوارہٗ لِسَانُہٗ ناطقٌ بالحق وَھُوَ داعی اللّٰہِ فی الخلق لیخرُ جھم من الظلماتِ اِلی النُّور وبِھُمْ یقر اِلی الرَّبّ الغفورِ ثُمَّ الصَّلٰوۃ علی صاحب الشریْعَۃ الْغرَّا وَالطَّرِیْقَتہِ الزھراءِ رسولِ الرَّحْمَۃ المخصُوْص بخُافتہ رَبّہ فی مَقَام البیعتِ و علٰی خلفائہٖ الراشدین الذیْنَ فأزوْ بکُلّ مقامٍ عَلِیّ وعلٰی آلہ الَّذِیْن یَدْعونَ رَبَّھُمْ بالغداوۃ والعشی‘ امَّابعدُفان الدعوۃ اِلی الواحدِ العلّامِ من اَرْفَع دعایم الاسلام واوثقِ عُروَۃٍ فی الایمان علٰی ماوردَّ فی الخبرِ عَنہُ علیہ السَّلاَم وَالذی نفسّ محمَّدٍ بیدہٖ لئِن شئتُمْ لا قسمَنَّ لَکُمْ اَنَّ اَحبَّ عباداللّٰہِ الی اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُحبُّوْنَ اللّٰہَ الیٰ عباد اللّٰہِ یحبُّوْنَ عبادَ اللّٰہ الی اللّٰہِ ویمشونَ فی الارضِ بِالنَّصِیْحَۃِ والامرومامدح اللّٰہُ عِبادَہٗ الَّذِیْن یقُولُوْنَ ربَّناھَبْ لنا مِنْ اَزْوَاجِنا وَذُرِّیَاتِنا قُرَّۃَ اعْیُنٍ وَّاجعلْنا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمامًا وَّقَدْ اَوْجَبھا اللّٰہُ تعالیٰ علیٰ وَفُقِہٖ لّا تباع سَیِّد المرسلینَ وقائدِ العِزُّ الْمُحجّلِیْنَ بقولِہٖ عِزّوَجلَّ قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْ اَدْعُوْااِلی اللّٰہِ علٰی بَصِیْرَۃٍ اَنا وَمَن اتَّبعَنِیْ وَاتّباعُہ‘ اِنّما یکُوْن برعایَۃِ اقْوالِہٖ وَالْاقتِداء بہٖ فِیْ اعْمَالہٖ وَتنْزِیْہِ السِّرِّعَنْ کُلّ ماسو اللّٰہ فی الوجود وَالا نْقِطَاع اِلی الْمَعْبُوْدِ ثُم انّ الْوَلَدَ الا عزّالتّقِی و العالمِ المرضِیُّ المتوجّہ اِلی ربّ الْعالمِیْن شمسُ الْمِلّتْ و الدِّین

Marfat.com

مُحَمَّدً بن یحییٰ افاض اللّٰہُ الواحدُ انوارہُ علی اھل الیقین والتقویٰ لَمَّا صحّ قصدہُ اِلینا ولبس خرقۃَ الارادۃِ منّا واستوفی الحظّ مِن صُحبتنا اجزتُ لہٗ اِذا اِستقام علٰی اِتّباع سیر الکائنات وَاستغرق الاوقات بالطّاعاتِ وَرافت القلبَ عَن ھوا جِسِ النّفسِ وَالخطراتِ وَاَعرض عَن الدُّنیا واسبابھا وَلَم یرکن اِلٰی ابنائھا وارْبھا وَانقطعَ الی اللّٰہ بالکلّیۃ وَاشرقتْ فِی قلبہ الانوارُ القُدسیّۃَ وَالاسرارِ الملکوتیۃ وَالفتحَ باب الفھم لتعریفات الالٰھیّۃ اَن یلبس الخرقۃ لِلمُریدین ویر شدھُم اِلٰی مقامات المؤقنین کَما اجازنی بعدَ ما لاحظنی بنظرہ الخاصّ وَالبسنی خرقۃ ....''[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''تمام حمد وثنا اس خدا کو ثابت ہے جس نے اپنے دوستوں کے ارادوں کو عالم اور اہل عالم کی طرف میل کرنے کی طرف کر دئے اور ان کے دلی قصدوں کو خدائے واحدو حنان کے ساتھ نیکوکاری کی رو سے وابستہ کیا۔ پس صبح وشام خدا کے دوستوں پر محبوب کے دریائے محبت کی شراب کا پیالہ ہمیشہ اور بلا زوال دور کرتا رہتا ہے۔ جب ان پر رات کا اندھیرا چھا جاتا ہے تو ذوق وشوق سے ان کے دل مشتغل ہو جاتے اور آنکھیں بارش کی طرح آنسو بہاتی ہیں وہ دوست کے ساتھ راز کہنے کی وجہ سے برخورداری حاصل کرتے اور وہ سراپردۂ حق کے گرد فکر سے گھومتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ہر زمانے میں عرفان کی تازگی کے لباس سے آراستہ رہتے ہیں۔ پھر اطراف عالم میں ان کی نشانیاں ظاہر ہوتی اور عالم میں ان

[1] سیر الاولیاء ص ۲۳۰۔۲۲۹ (فارسی) اس خلافت نامہ کا اردو ترجمہ مولوی غلام احمد بریاں کے ترجمہ سیر الاولیاء سے لیا گیا ہے ص ۲۳۶۔۲۳۴

Marfat.com

کے انوار روشن واضح ہوتے ہیں۔ ولی کی زبان حق کے ساتھ گویا ہوتی ہے۔ اور وہ خلق میں خدا کا داعی ہوتا ہے تا کہ خلق کو گمراہی کی تاریکی سے ہدایت کی روشنی کی طرف نکالے اور انھیں رب غفور کی طرف نزدیک کر لے۔ حمد و ثنا کے بعد روشن شریعت اور تابان طریقت کے صاحب یعنی رسول رحمت ان پر خدا کی کامل نازل ہو جو مقام بیعت میں اپنے پروردگار کے خلیفہ ہونے کے ساتھ مخصوص ہیں اور جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن خلفاء پر بھی خدا کی رحمتِ کاملہ نازل ہو جو راہِ راست دکھانے والے اور ہر برتر مقام پر پہنچنے والے ہیں۔ اور پیغمبر کی آل پاک پر بھی خدا کی رحمت نازل ہو جو اپنے رب کو ہر صبح و شام یاد کرتے ہیں۔ حمد و صلوۃ کے بعد واضح ہو کہ خدائے واحد علام کی کی طرف پکارنا اسلام کا ایک اعلیٰ وارفع رکن اور ایمان کا نہایت مضبوط کڑا ہے جیسا کہ پیغمبر علیہ السلام کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مجھے اس پاک ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ اے مسلمانو! اگر تم چاہو تو میں تمہارے وثوق و تیقن کے لیے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بندگان خدا میں سب سے زیادہ خدا کے دوست وہ لوگ ہیں جو خدا کو دوست رکھتے ہیں اس کے بندوں کی طرف اور بندگانِ خدا کو دوست رکھتے ہیں خدا کی طرف یعنی خدا کی محبت اور عشق کا طریقہ سیکھتے ہیں تیز بُری باتوں سے باز رکھنے اور اچھی باتوں کا حکم کرنے کے لیے زمین پر چلتے ہیں اسی بنا پر خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مدح سرائی ان الفاظ میں کی ہے کہ

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ الخ

یعنی رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو کہتے ہیں الٰہی! ہمیں ہماری بی بیوں اور اولاد میں سے آنکھوں کی خنکی عطا فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام قرار دے۔ اور تحقیق خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اس حدیث کی استواری اور موافقت کے لحاظ سے اس بہترین پیغمبر کی پیروی لازم و واجب کی ہے جو اپنی اُمت کے لوگوں کو بہشت کی

Marfat.com

طرف کھینچ لے جانے والا ہے جن کے اعضاءضو روشن و درخشاں ہوں گے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ یہ میری راہ اور میرا دین ہے اور اے میری اُمت میں تمہیں خدا کی طرف اس بینائی کی رو سے بلاتا ہوں جس پر میں ہوں اور جو لوگ میری پیروی کرتے ہیں اور پیغمبر کی پیروی بجز آپ کے اقوال کی رعایت و نگاہ داشت کرنے اور اعمال میں آپ کی اقتدا کرنے اور ان تمام چیزوں سے سر کو پاک کرنے کے جو وجود پیدائش میں خدا کے سوا ہیں اور تمام خلاق سے قطع تعلق کر کے معبود کی طرف ملنے کے ہرگز حاصل نہیں ہوتی' پھر جاننا چاہیے کہ فرزند عزیز پرہیزگار اور خدا کی صفات و وحدانیت کا عالم اور خدا کا پسندیدہ۔

اور رب العالمین کی طرف توجہ کرنے والا یعنی شمس الملت والدین محمد بن یحیٰی رحمۃ اللہ علیہ نے (خدائے واحد اس کے انوار کو اہل یقین اور صاحب تقویٰ پر فائز کرے) جب اپنا قصد و ارادہ ہماری طرف درست کیا اور ارادت کا خرقہ ہماری طرف سے زیب جسم کیا اور ہماری صحبت کا کافی و وافی حصہ حاصل کیا تو میں نے اُسے اجازت و رخصت دی جبکہ میں نے تجربہ کر لیا کہ وہ جناب سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی و اتباع پر ثابت قدم و مستقیم ہے اور اس نے اپنے تمام اوقات' طاعاتِ الٰہی میں مستغرق کر دئے ہیں اور غلباتِ نفس اور خطرات کے ہجوم سے اپنے دل کو محفوظ رکھتا ہے۔ دنیا اور اسبابِ دنیا سے روگرداں ہے اور ابناءِ دنیا اور اربابِ دنیا کی طرف میل کرنے سے بری ہے۔ اس نے تمام علائق کو قطع کر دیا ہے اور ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہے۔ اس کے دل میں عالم قدس کے انوار تاباں و درخشاں ہیں اور عالم ملکوت کے اسرار چمک رہے ہیں' اس کے لیے خدائے تعالیٰ کی معرفت کے دریافت کرنے کا دروازہ کھل گیا ہے اور محبت کا ذوق و شوق دل بھرا ہوا ہے میں نے اسے اس بات کی اجازت دی کہ مریدین کو خرقہ پہنائے اور انھیں اعلیٰ مقامات کی طرف راہ دکھائے۔ میں نے شمس الدین یحیٰی رحمۃ اللہ علیہ کو ویسی ہی اجازت دی جیسے مجھے میرے شیخ نے اپنی نظر خاص سے ملاحظہ کرنے اور خرقہ اختصاص کے پہنانے کے بعد اجازت دی تھی۔

Marfat.com

اس خلافت نامے کے مطالعہ کے بعد اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ مشائخ چشت کی جدوجہد کا بنیادی مقصد' اخلاقی احساس وشعور کو بیدار کر کے اصلاح وتربیت کا سامان فراہم کرنا تھا۔

معلّم اخلاق کا کردار اور خصوصیات:

ہدایت واصلاح کی کامیابی کا انحصار ہادی یا مصلح کی ذہنی اور عملی صلاحیتوں پر ہوتا ہے۔ کسی شخص سے نصیحت کے چند جملے کہہ دینا کوئی مشکل کام نہیں' لیکن اس نصیحت کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی کا سانچہ بدل دینا' جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ اس کے لیے کردار کی بہت سی خوبیاں درکار ہیں۔

(1) ایک معلم اخلاق کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود اُن اخلاقی اقدار کا حامل ہو' جن کی تبلیغ وہ دوسروں کو کرتا ہے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (بقرہ ۵)

کیا تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو۔

بے عمل انسان کے الفاظ' کسی کی لوح دل پر نقش نہیں بنا سکتے۔ وہ زبان سے نکل کر کانوں پر ٹکراتے اور اور فضاؤں میں گم ہو جاتے ہیں۔ دل تک تو صرف اس شخص کی آواز پہنچتی ہے جس کے الفاظ کے پیچھے عمل کی بے پناہ قوت ہوتی ہے' کسی نے کہا ہے۔

واعظ کا ہر ایک ارشاد بجا' تقریر بہت دلچسپ مگر
آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں' چہرے پہ یقیں کا نور نہیں

یہ 'سرورِ عشق' اور نورِ یقین' عمل کی پیداوار ہیں۔ ان میں ایک ایسی قوت کارفرما ہوتی ہے جو انسانی قلوب کے ساتھ وہی عمل کرتی ہے جو مقناطیس لوہے کے ساتھ۔ مولانا بدرالدین اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علمی غرور کا یہ عالم تھا کہ کسی کو نظر میں نہ لاتے تھے لیکن جب حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو۔

"شاہے دید کہ سینہ مصفےٰ وتقریر دلکشائے اور از ضمیر آیندہ حکایت می کند ودل از

Marfat.com

دست می برد۔ ''[1]

دیکھا کہ ایک بادشاہ ہے جو اپنے سینہ صافی اور دل کشا تقریر سے آنے والوں کے دلی بھید بیان کرتا ہے اور اُن کے دلوں کو اُچک لیتا ہے۔

مناقب فخریہ کا مصنف جب پہلی بار شاہ فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایسا محسوس کرنے لگا۔

''گویا شرابے بود کہ در جام دل من ریختند و آتشے بود کہ در سینہ من انداختند۔ ''

گویا ایک شراب تھی جو جام دل میں ڈال دی گئی یا ایک آگ تھی جو میرے سینے میں بھر دی گئی

نظر کی یہ تاثیر عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ مشائخ چشت نے معلم اخلاق کی کامیابی کا یہ راز پیغمبر اسلام کی پاک سیرت سے سیکھا تھا' سیر الاولیاء میں لکھا ہے:

''سلطان المشائخ فرمود' بنگرید کمال نبوت پیغمبر علیہ السلام والصلوٰۃ کارے بغیر خواست فرمود اوّل خود کرد تا دیگراں کنند و در آں اقتیا نمایند' از دیگرے ایں معنی چگونہ تصور تواں کرد کہ خود نکند و بغیرے فرماید و آں معمول شود' امیر خسرو خوش گوید [2] آں گفت مذکر نکند خلق کہ اورا گفتار بسے یابی و کردار نیابی۔ '' [3]

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام والصلوٰۃ کا کمال دیکھو کہ جس کام کی اوروں سے درخواست کی پہلے خود عمل میں لائے تا کہ دوسرے لوگ عملی طور پر اس کا اظہار کریں اور اس میں آپ کی فرماں برداری کریں۔ ایسے شخص سے یہ بات کیوں کر متصور ہو سکتی ہے کہ خود نہ کرے اور غیر کو کرنے کا حکم دے امیر خسرو نے کیا خوب کہا ہے کہ جو واعظ

---

[1] سیر الاولیا ص ۱۷۰ [2] مناقب فخریہ (قلمی نسخہ)

[3] سیر الاولیاء ص ۳۲۳ حضرت عائشہؓ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ آنحضرت کے اخلاق کیا تھے؟ فرمایا'' کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا: کان خلقه القرآن جو قرآن میں الفاظ کی صورت میں ہے۔ وہی حال قرآن کی سیرت میں بصورت عمل تھا۔

Marfat.com

اور نصیحت گو ایسی بات کی لوگوں کو نصیحت کرے کہ خود اس پر عامل نہ ہو تو خلق اسے شمار نہیں لاتی۔

(2) ایک معلم اخلاق کو پورے طور پر قوم کی اجتماعی اور انفرادی نفسیات سے واقف ہونا چاہیے کسی انسان کے فکر و عمل میں اس وقت تک تبدیلی پیدا نہیں کی جا سکتی جب تک اس کے ذہنی محرکات، قلبی کیفیات اور طبعی رجحانات کا صحیح اندازہ نہ ہو۔ جس صلاحیت کو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے ''نفس گیرا'' سے تعبیر کیا ہے وہ حقیقت میں یہ ہی چیز ہے کہ شیخ کی نظر، وجدان یا احساس کتنا ہو کہ وہ دل کی گہرائیوں کا پتہ لگا لے۔

اگر ایک مرتبہ انسان کے ان افکار و جذبات کا علم ہو جائے، جو وہ سماج یا قانون یا کسی اور ڈر سے اپنے دل میں چھپائے رکھتا ہے تو اس کی اصلاح و تربیت کا کام بہت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ انسانی فطرت سے ناواقفیت، اصلاحی کام میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس میں انسان کے تجربے کو بھی بڑا دخل ہے۔ عوام سے جتنا گہرا تعلق ہوگا اتنا ہی نفسیاتی تجربہ وسیع ہوگا۔ غالباً اسی مصلحت کے پیش نظر مشائخ چشت اپنے خلفاء کو خلق میں رہ کر لوگوں کی جفا و جفا برداشت کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے، اُن کا یقین تھا جو نفسیاتی بصیرت تجربے کی راہ سے آئے گی وہ زیادہ صحیح اور موثر ہوگی۔

موجودہ زمانے میں ماہرین نفسیات نے تجزیاتِ ذہنی (Psycho Analysis) میں بڑی ترقی کی ہے۔ لیکن عملی طور پر وہ مشائخ کرام سے بہتر نتائج پیدا نہیں کر سکے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اُن کے تجربات محدود ہیں انھوں نے اس سطح اور اس وسیع پیمانے پر فطرتِ انسان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جس پر ان مشائخ نے کی تھی، بھوکے آدمی کی نفسیات پر وہ شخص کیا کام کر سکتا ہے جس نے عمر میں ایک وقت بھی فاقہ کی زحمت نہ اُٹھائی ہو! صحیح نفسیاتی علم حاصل کرنے کے لیے بڑا خون جگر پینا پڑتا ہے۔ اور یہ وہی شخص کر سکتا ہے جو عام لوگوں سے اُن کی زندگی کے ہر شعبہ میں ربط ضبط رکھتا ہو۔ فرائڈ

Marfat.com

(Freud) کا شمار بہترین ماہرین نفسیات میں ہوتا ہے۔ اس کے تجربات کی نوعیت یہ تھی کہ وہ چند مقررشدہ گھنٹوں کے علاوہ لوگوں سے نہیں ملتا تھا اور کہتا تھا کہ اس کا طریقہ علاج صرف امرا اور روٴسا پر کامیاب ہوتا ہے! مشائخ چشت کی خانقاہیں ہر وقت کھلی رہتی تھیں اور زبان حال سے حافظ کا یہ شعر پڑھتی تھیں

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برد
گیر دار و حاجت دربان ایں درگاہ نیست

ہر قسم کے آدمی ان مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور وہ ہر ایک کے دل کو سکون واطمینان پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔

(3) ایک معلم اخلاق کو مہر و محبت کا مجسمہ ہونا چاہیے۔ درشت خو آدمی کی بات سننے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ حد یہ ہے کہ مریض کڑوی دوا کو یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ یہ ازالہ مرض کرے گی پینے سے گریز کرتا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران ۷)

اور (محمد ﷺ) اگر تم درشت خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ تمہارے پاس سے چل دیتے۔

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان نہیں لاتا جب تک میں اس کے باپ اور بچوں سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہو جاؤں۔

جو معلم اخلاق اپنی محبت سے قلوب انسانی پر قبضہ کر لیتا ہے اس کو اپنا پیغام دل کے کانوں میں پہنچانے میں بڑی آسانی ہو جاتی ہے۔

اصلاح وتربیت کے طریقے:

(1) علم نفسیات میں انسان کی تین کیفیات سے بحث کی جاتی ہے۔ ادراک۔

Marfat.com

احساس اور عمل (Knowing Feeling Willing) ہر انسانی فعل ادراک واحساس کی منزل سے گزرتا ہے سماج اور حکومت عمل پر مواخذہ کرتے ہیں۔قانون تعزیرات کی کوئی دفعہ ادراک واحساس کی منزل پر جرائم کا احتساب نہیں کر سکتی۔مشائخ کی اصلاح کا بنیادی طریقہ اور اصول یہ تھا کہ انسان کا عمل درست کرنے کے لیے ادراک واحساس کو درست کیا جائے۔ان کا کہنا تھا کہ برا فعل بُرا ہے۔لیکن برا خیال اُس سے بھی بُرا ہے' جسم کی جنابت پانی سے دور ہو جاتی ہے۔لیکن دل کی جنابت دور کرنے کے لیے یہ پانی کافی نہیں۔وہ آنکھوں کے پانی سے دھلتی ہے۔اور نالہ ہائے نیم شبی سے اس کے اثرات محو ہوتے ہیں۔انسان کی صحیح تربیت وہ ہے جو اس کے ادراک احساس اور عمل کو درست کرے' وہ صرف بُرے عمل ہی سے پرہیز نہ کرے' بلکہ بُرے خیالات اور بُرے احساسات سے بھی بچے۔صرف اس کی گردن سے زُنار ہی نہ دور کر دیا جائے بلکہ اس کی پیشانی میں چھپے ہوئے سجدہ ہائے صنم بھی نکال دئے جائیں۔

ایک دن حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا:

''اول خطرہ است یعنی اول چیز لے در دل بگذرد' بعد ازاں عزیمت است یعنی برآں اندیشہ دل می بندد' و بعد ازاں فعل است یعنی آن عزیمت را بفعل رساند بعد ازاں فرمود کہ عوام را تا فعل نکنند نگیرند اما خواص را ہم در خطرہ مواخذہ باشد۔''[1]

اول خطرہ ہے یعنی وہ چیز جو دل میں گذرے اور بعد ازاں عزیمت ہے' یعنی اسی اندیشے پر دل لگے۔اور پھر فعل ہے یعنی وہ ارادہ فعل میں بدلتا ہے۔بعد ازاں فرمایا کہ عوام سے جب تک فعل سرزد نہ ہو مواخذہ نہیں کیا جاتا لیکن خواص سے خطرہ کی صورت ہی میں مواخذہ کر لیتے ہیں

پھر اس کی مزید توضیح کے لیے انھوں نے اپنے مخصوص انداز میں ایک حکایت

---

1. فوائد الفواد۔ص ۱۸

Marfat.com

بیان فرمائی کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو خیال میرے دل میں گزرا اُس کے فعل کی مجھ پر تہمت لگی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک درویش آپ کی خانقاہ میں آیا۔ شیخ نے اس کا خاص احترام کیا اور اپنی لڑکی سے کہا کہ پانی لا کر اس کے سامنے پیش کیا کرے۔ لڑکی نے نہایت ادب وعزت سے پانی پیش کیا۔ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لڑکی کا ادب بہت پسند آیا۔ دل میں خیال کیا کہ وہ کیسا نیک بخت ہوگا جس کی منکوحہ یہ لڑکی بنے گی۔ تھوڑی ہی دیر بعد حسن موذن نے آکر شیخ کو بتایا کہ بازار میں لوگ یہ کہہ رہے تھے۔ کہ

''شیخ ابوسعید میں خواہد کہ دختر خود درادر حبالہ خود آرد۔''

شیخ ابوسعید یہ سُن کر ہنس پڑے اور کہا:

''ہم آں خطرہ مرا بر من مواخذہ کردند۔''[1]

(2) یہ اصول تسلیم کر لینے کے بعد کہ انسانی اعمال کی درستگی کے لیے ادراک واحساس کی اصلاح ضروری ہے۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے لیے کون سے ذرائع استعمال کرنے چاہئیں۔

انسان کی جن دو قوتوں کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بہیمی اور ملکوتی کا لقب دیا ہے[2] ان کو حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نفس اور قلب سے تعبیر کرتے ہیں۔ نفس میں دشمنی، غوغا اور فتنہ ہے۔ قلب میں سکوت، رضا اور نرمی[3] ایک کا رجحان برائی کی طرف ہے دوسرے کا بھلائی کی جانب۔ برائی کا سدِ باب نفس کو کچلنے سے نہیں۔ بلکہ قلب کو بیدار کرنے سے ہوسکتا ہے۔

ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ انسان کی کسی فکری یا ذہنی کیفیت کو زبردستی دور نہیں کیا

---

1. فوائد الفواد ص ۱۹
2. ملاحظہ ہو شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصیت نامہ اور حجۃ اللہ البالغہ
3. فوائد الفواد ص ۱۲۴

Marfat.com

جاسکتا۔ انسان کا جسم زنجیروں سے جکڑا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے ذہن پر پہرے نہیں بٹھائے جاسکتے۔ بعض صورتوں میں ایسا احساس محسوس ضرور ہوتا ہے کہ زبردستی جو کیفیت دور کرنے کی کوشش کی گئی تھی وہ کامیاب ہوگئی لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا' جس ذہنی کیفیت کو ایک جگہ دبا دیا جاتا ہے وہ دوسری جگہ ایک ضغطہ دماغی (Complex) کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ اور اس طرح خود بہت سی ذہنی کشیدگیوں کا سبب بن جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کا صحیح فکری مزاج قائم نہیں رہتا اس میں قنوطیت' بے عملی' پست ہمتی اور خوف کی مختلف کیفیتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔

برائی کو دور کرنے کا سب سے مؤثر طریقہ قلب کو بیدار کرنا ہے۔ جب قلب قوت حاصل کر لیتا ہے۔ تو نفس کے تقاضے خود بخود خاموش ہوجاتے ہیں۔ انسان کی بہیمی قوت کم زور پڑ جاتی ہے اور وہ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس نصیحت پر کہ ''از سر شہوات باید گذشت''[1] عمل کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔

قلب' صوفیہ کے نزدیک کیا چیز ہے؟[2] اور کس طرح بیدار ہوسکتا ہے؟ اجمالاً

---

[1] فوائد الفواد۔ ص ۱۱
حضرت محبوب الٰہیؒ نے یہاں نفسانی خواہشات کو کچلنے کی نہیں بلکہ اُن پر سے گزر جانے کی نصیحت کی ہے۔

[2] یہ ایک ایسا عنوان ہے جس پر صوفیہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔ روح الارواح' احیاء العلوم' عوارف المعارف وغیرہ میں اس پر کافی معلومات درج ہے۔ قرونِ وسطیٰ کی دو مشہور کتابیں دل کے فائدے' (فوائد الفواد) اور دل کی غذا (قوت القلوب) کے نام سے مرتب کی گئی تھیں۔ خاکسار کے خیال میں اس عنوان پر سب سے زیادہ دلچسپ اور مکمل کتاب رسالہ مطلوب فی عشق المحبوب ہے جو فیروز شاہ تغلق کے عہد میں محمد امیر نے تصنیف کی تھی۔ یہ رسالہ ۱۳۸ صفحات پر مشتمل ہے اور غالباً اب تک شائع نہیں ہوا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ خاکسار کے پاس ہے۔ اس میں چار باب ہیں جن کے عنوانات یہ ہیں۔ (1) در بیان عشق۔ (2) در بیان دل۔ (3) در بیان حجاب ہائے دل۔ (4) در بیان وصول الی اللہ۔

Marfat.com

اس ضمن میں صوفیہ کے خیالات یہ تھے۔

(1) دِل انوار ربانی کا محل ہے۔ معرفتِ حق اسی کے ذریعے ممکن ہے۔ انسان کے جسدِ خاکی میں یہی وہ حصہ ہے جو اس کو مبدفیاض سے ملاتا ہے' کی راہیں دکھاتا اور مضرابِ حیات کو نظامِ ربوبیت سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا دارالملک بتایا ہے اور کہا ہے **قلوب احبائی داد ملکی روح الارواح** میں رسول پاکؐ کی ایک حدیث درج ہے کہ **القلب بيت الله**۔

(2) لیکن ہر انسان کا دل انوارِ ربانی کا محل نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دل کی مثال آئینہ کی سی ہے۔ جب اس پر حجابات پڑ جاتے ہیں تو وہ نظارۂ جمال کے قابل نہیں رہتا۔ پیکرِ انسانی میں دو قوتیں کام کر رہی ہیں۔ بہیمی اور ملکوتی۔ ایک انسان کو نیچے کی طرف کھینچتی ہے۔ دوسری اوپر کی طرف' جو قوت زور پکڑ جاتی ہے اسی سے قلب متاثر ہو جاتا ہے۔ مصباح الہدایت میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''دل نتیجہ روح و نفس است' و میان نفس و روح تجاذب و تطارد واقع۔ روح خواہد کہ نفس را بعالم خود کشد و نفس خواہد کہ روح را بعالم خود کشد۔ و ہمیشہ دریں تنازع و تجاذب باشد۔ گاہ روح غالب می شود و نفس را از مرکز سفلی بمقام علوی می کشد۔ و گاہ نفس غالب می گردد و روح را از اوجِ کمال بحضیضِ نقصان می کشد و دل پیوستہ تابع آں طرف بود کہ غالب گردد۔'' [1]

مختصر یہ ہے کہ جب نفس یا بہیمی قوت غالب آ جاتی ہے تو آئینہ دِل غبار آلود ہو جاتا ہے۔ اس میں انوارِ ربانی کو کھینچنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث:

الا و ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد كله و اذا

---

[1] مصباح الہدایت (مطبع نولکشور) ص ۷۳۔۷۲

Marfat.com

فسدت فسد الجسد کله' الاوھی القلب

معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے جس پر انسان کی اچھائی بُرائی کا مدار ہے وہ جب ٹھیک ہوتا ہے تو انسان ٹھیک رہتا ہے اور جب بگڑ جاتا ہے تو انسان میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس کا دل ہے۔

پڑھ کر دل کی بیماریوں کا حال بیان فرمایا کرتے تھے۔

جب بہمیت کا پورا تسلط اور غلبہ ہو جاتا ہے تو انسان کے کان کسی بھلائی کی بات سننے اور اس کا دل کسی ہدایت کو سمجھنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن میں فرمایا گیا ہے: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ

(3) انسان میں بہیمی یا ملکوتی قوت کے غالب آنے کے کیا اسباب ہوتے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ایک پورا باب:

فی اسباب الخواطر الباعثة علی الاعمال [1]

(ان ارادوں کے اسباب ہیں جو کاموں کے باعث ہوتے ہیں)

قائم کیا ہے اور اس پر بحث کی ہے۔ مجموعی طور پر اگر حجۃ اللہ البالغہ کی روشنی میں ان اسباب کو متعین کرنے کی کوشش کی جائے جو اعمال انسانی کے اصل محرک ہوتے ہیں تو ہم مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچیں گے۔

(ا) انسان کا پیدائشی مزاج

(ب) معاشی حالات

(س) ماحول

(ش) غذا

اپنے خیالات کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ (حمایت الاسلام پریس لاہور) جلد اول ص ۴۸۔ ۴۷

Marfat.com

''انھیں اسباب میں سے آدمی کا پیدائشی مزاج ہے جو خورد و نوش وغیرہ کی محیط تدابیر سے متغیر رہتا ہے۔ مثلاً گرسنہ کھانے کو طلب کرتا ہے' اور تشنہ پانی کو اور خواہش نفسانی والا عورتوں کی جانب مائل ہوتا ہے۔ اکثر لوگ مقوی باہ غذاؤں کا استعمال کرتے ہیں تو اُن کا عورتوں کی طرف میلان ہو جاتا ہے۔ ان کے دلوں میں ایسے ہی ایسے خیالات اور وسوسے گذرتے ہیں۔ جن کو عورتوں سے تعلق ہوتا ہے......... اکثر لوگ سخت غذاؤں کا استعمال کرتے ہیں' اُن سے وہ سنگ دل ہو جاتا ہے۔ قتل کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ ایسے ایسے موقعوں پر غصہ ظاہر کرتے ہیں جہاں اوروں کو غصہ نہیں آتا۔''[1]

(4) قلب کی صحیح کیفیت قائم رکھنے اور ملکوتی قوتوں کو اُبھارنے کے لیے عبادات کی ضرورت ہے۔ ارکان دین کے علاوہ تصوف کے اعمال واشغال کا مقصد بھی یہ ہی ہے کہ قلب کو اس طرح بیدار کر دیا جائے کہ اس پر ملکوتی رنگ غالب آ جائے۔

نماز اگر صحیح اور مکمل طور پر ادا کی جائے تو یہ اچھے اخلاق پیدا کرتی ہے۔ اور برائی سے بچاتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ ''جس شخص کی نماز اس کو بُرائی اور بدی سے نہ روکے تو ایسی نماز اس کو خدا سے اور دور کر دیتی ہے۔'' جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ نماز کا مقصد اچھے اخلاق پیدا کرنا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں ''میں کہتا ہوں نماز میں دونوں باتیں موجود ہیں۔ تزکیہ نفس اور اخبات اور اس کی وجہ سے نفس کو پاک ہو کر عالم ملکوت تک رسائی ہو جاتی ہے۔[2] تلاوتِ کلام پاک کے فوائد بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس سے نفس آسمانی اثرات قبول کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔[1] حدیث شریف میں آیا ہے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۴۸۔ ۴۷ [2] حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۲۷۹

Marfat.com

لِکل شی ءٍ مصقلة القلب تلاوة

(ہر چیز کے لیے ایک خاص صیقل ہوا کرتی ہے اور دل کی صیقل قرآن کی تلاوت کرنا ہے)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارکان دین کے اسرار بیان کرنے میں جن نفسیاتی حقیقتوں کو بے نقاب کیا ہے' ان سے ہمارے اس خیال کی پوری تائید ہوتی ہے کہ ارکان دین کو صحیح جذبہ کے ساتھ ادا کیا جائے تو قلب کی ملکوتی کیفیت اُجاگر ہو جاتی ہے اور خود بخود اچھے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں۔ عبادات کے اس اہم پہلو کے مطالعہ کے لیے حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔

مشائخ کے اشغال و اعمال کا سب سے اہم پہلو یہ ہی ہے کہ اُن کے ذریعے انسانی قلوب کی صفائی ہو جاتی ہے۔ اور بہیمی قوت کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ صرف مشائخ سلسلہ چشتیہ کے اشغال پر ہی غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان میں کیا کیا مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ ذکر خفی و جلی کا جو طریقہ چشتیہ سلسلہ میں رائج ہے اس سے ایک رگ جس کا نام کیماس ہے۔ خاص طور پر متاثر ہوتی ہے۔ اس سے دل میں ایسی گرمی پیدا ہوتی ہے جس سے وسوسے خود بخود دفع ہو جاتے ہیں اور جمعیت خاطر پیدا ہو جاتی ہے۔ ذکر کا یہ فائدہ شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے بیٹے شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیان کیا تھا۔[2] شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کشکول کلیمی میں ذکر پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ذکر' نفسیاتی خطرے اور شیطانی وسوسے سے دل کی صفائی کرتا ہے اور باطن کو اس طرح بھرتا ہے کہ اگر کوئی خطرہ دل میں آنے کا ارادہ کرے تو ہرگز نہ آسکے۔[3]

مراقبہ کے متعلق شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دل کا نگراں ہوتا ہے۔ تین چیزوں سے دل میں مرض پیدا ہوتا ہے۔ ''اول حدیث نفس ہے جو خلاو ملا میں

---

1. حجۃ اللہ البالغہ۔ جلد اول ص ۱۴۳۔
2. قول الجمیل ص ۴۸۔۴۷ (مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۷ء)
3. کشکول کلیمی (قلمی نسخہ)

Marfat.com

قصد و اختیار سے دل میں آتی ہے۔ دوسرا خطرہ دل میں بلا قصد و ارادہ کے آتا جاتا ہے تیسرا غیر کی طرف نظر ڈالنا ہے یعنی علم اشیاو متکثرہ [1] ان امراض کا علاج مراقبت سے ہو جاتا ہے۔ شیخ عزیز الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں عزیز الدین تم روزے رکھا کرو۔ اور دل کے روزے رکھا کرو۔ شیخ عزیز الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ خواب بیان کیا تو فرمایا کہ حضرت نے اس طرح تمہیں مراقبہ کا حکم دیا ہے [2]

(3) انسان میں اچھائیاں بھی ہوتی ہیں اور برائیاں بھی ہوتی ہیں۔ برائیوں کو دور کرنے کے لیے انسان کی اچھائیوں کو اُچھالنا چاہیے۔ اس کا ایک نفسیاتی اثر انسان کی طبیعت پر مرتب ہوتا ہے اور وہ خود بخود برائیوں سے گریز کرنے لگتا ہے۔ موجودہ زمانے میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مشائخ چشت کے اس اصلاحی اصول کو خوب اچھی طرح سمجھا تھا اور وہ اس پر عامل بھی تھے۔ آخری علالت کے زمانے میں انھوں نے ہدایت فرمائی تھی:

"یاد رکھو کہ مسلمانوں کی برائیوں کا انسداد اُن کی برائیوں کی برائی بیان کرنے سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ چاہیے کہ ان میں جو ایک آدھ بھی اچھائی موجود ہو اس کی تاثیر کی جائے برائیاں خود بخود دور ہو جائیں گی۔ [3]

(4) جس انسان کی اصلاح و تربیت مقصود ہو اس کو ہمدردانہ طور پر سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مصلح کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس انسان کی اصلاح کرنا چاہتا ہو پہلے اس کی اندرونی کش مکش اور خلش کا پتہ لگائے۔ پھر ایسے دبے پاؤں جا کر اس کے دل کی دنیا کا جائزہ لے کہ وہ افشاء راز پر گھبرا نہ جائے اُس کا پردہ فاش نہ ہو لیکن اس کی اصلاح کا سامان مہیا ہو جائے۔ شیخ نظام الدین اولیاء

---

[1] کشکول کلیمی (قلمی نسخہ) [2] سیر الاولیاء ص ۱۰۴

[3] حضرت مولانا محمد الیاس" اور ان کی دینی دعوت۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی ص ۱۵۵

Marfat.com

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک وقعہ اس اصول کی بہترین وضاحت کرتا ہے۔

شعبان (719ھ) کی 21 تاریخ تھی اور ہفتہ کا دن۔ ایک عالم نے آ کر حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ مرید ہونے کے ارادے سے آیا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ایک دفعہ افغان پور میں دریا کے کنارے شام کی نماز میں مشغول تھا کہ جناب کی صورتِ پاک دیکھی۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ پہلے اس صورت سے آشنا نہ تھا۔ الغرض جب جناب کا دیدار ہوا تو نماز ہی میں درہم برہم ہونا چاہا۔ آخر جب نماز سے فارغ ہوا تو دل میں کہا کہ مجھے مخدوم عالمیاں' کی خدمت میں جا کر مرید ہونا چاہیے۔ اب میں اسی مقصد سے آیا ہوں۔ جوں ہی اس عالم نے یہ حکایت ختم کی' محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ ایک مرتبہ کوئی شخص دہلی سے اس نیت سے روانہ ہوا کہ بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پہنچ کر توبہ کرے۔ اثنا راہ میں ایک مطربہ اس کے ساتھ ہوگئی اور اس کوشش میں رہی کہ کسی نہ کسی طرح اس شخص سے تعلق پیدا کرلے۔ اس شخصیت کی نیت صاف تھی۔ اس عورت کی طرف راغب نہ ہوا۔ آخرکار ایک منزل میں وہ دونوں اتنے قریب آ گئے' کہ ان میں کوئی حجاب نہ رہا۔ ایسی حالت میں اس کا دل بھی عورت کی طرف راغب ہوگیا۔ اُس سے بات کی یا ہاتھ بڑھایا۔ اسی وقت ایک آدمی کو دیکھا جس نے آ کر اس مرد کے چہرے پر تھپڑ مارا اور کہا تو فلاں شخص کی خدمت میں توبہ کی نیت کر کر جا رہا ہے۔ اور ایسی حرکتیں کرتا ہے۔ اسی وقت متنبہ ہوا۔ اور پھر اس عورت کی طرف نہ دیکھا۔ جب وہ شخص بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے سب سے پہلے یہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اس روز بہت بچایا۔[1]

بظاہر حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان کیا ہوا۔ یہ قصہ بالکل بے ربط معلوم ہوتا ہے۔ آنے والے نے کچھ بات کہی اور اُنھوں نے کچھ۔ لیکن حقیقت میں یہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اندازِ اصلاح و تربیت کا بہترین آئینہ دار

1۔ فوائدالفواد ص ۲۲۰۔ ۲۱۹

Marfat.com

ہے۔ حضرت میں ''نفس گیرا'' بدرجہ اتم تھا۔ انھوں نے اس عالم کی ذہنی کش مکش اور تکلیف پتہ لگایا تھا۔ وہ بھی غالباً کسی جنسی بے چینی اور خلش میں مبتلا تھا۔ جس سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ شیخ نے اس کی حالت کا جائزہ لے لیا اور پھر مناسب حال بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک واقعہ بیان کر دیا۔ جس کو دوسرے حاضرین مجلس نے غالباً بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کرامت کی حیثیت سے سُنا' لیکن آنے والے نے اس میں اپنے درد کا علاج پایا۔

(5) اگر کوئی انسان کسی برائی کا شکار رہے تو اس سے یہ کہنا کہ تم اُسے چھوڑ دو۔ سودمند نہیں ہوسکتا۔ اس مطالبہ کے بعد اس میں ایک ایسی کش مکش پیدا ہو جائے کی جو اس کی خواہشات کو تحت الشعور میں اُتار کر بہت سی ذہنی الجھنوں کو اُبھار دے گی۔ اس کے برخلاف اگر کسی خیال کو چھوڑ دینے کا تقاضا کرنے کے بجائے کوئی اور دلچسپی (Counter Attraction) پیدا کرادی جائے تو غیر محسوس طریقے پر وہ خیال اس کے ذہن سے نکل جائے گا۔ مثلاً ایک ایسے شخص جس پر جنسی جذبات کا غلبہ ہے' یہ کہنے کے بجائے کہ تم ان جذبات سے باز آ جاؤ۔ یہ کہا جائے کہ تم ہر اس موقع پر جب کسی غیر مناسب جذبے کا شکار ہو اپنے شیخ کا تصور کر لیا کرو' تو اس پر بہت اچھا اثر پڑے گا' اور وہ اپنے جذبات پر قابو پانے کے قابل ہو جائے گا۔

قرآن کے اس ارشاد میں کہ

اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ

(بے شک نیکیاں' برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔)

ایک زبردست نفسیاتی حقیقت پوشیدہ ہے۔ مشائخ چشت نے اس حقیقت کو خوب سمجھا تھا۔ اسی بنا پر وہ کسی برائی کو دور کرنے کے لیے کسی غیر متعلق نیکی کو ابھارنے کی کوشش کرتے تھے۔

Marfat.com

(6) انسان کی اصلاح وتربیت میں تبدیلی ماحول سے زیادہ موثر کوئی چیز نہیں ہے۔ مشائخ چشت کا خیال تھا کہ انسان کے بہت سے رجحانات' افکار اور احساسات ماحول ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اگر ماحول میں مناسب ردو بدل کر دیا جائے تو انسان کی بہت سی خرابیوں کی اصلاح ہو جائے۔ فوائد الفواد میں ہی کہ ایک دن صحبت پر گفتگو ہو رہی تھی تو حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

صحبت را اثرِ قویست''[1]

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا صحبتِ صالح پر بڑا زور تھا۔ وہ اپنے مریدوں سے اکثر اُن کی صحبت کے متعلق دریافت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن امیر حسن سنجری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا ''مصاحبت بیشتر با کہ میکنی۔'' پھر ہدایت فرمائی۔

با عاشقاں نشیں و غمِ عاشقی گزیں   با ہر کہ نیست عاشق کم کن از وقریں[2]

سلطان قطب الدین مبارک خلجی کے عیش پرستی کی تفصیل برنی کی تاریخ فیروز شاہی میں درج ہے۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس کے تعلقات بہت خراب تھے۔ ایک مرتبہ شیخ سے اس کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے یہ حدیثِ نبوی کو اس کو پڑھ کر سُنائی۔

ما من صاحب يصحب صلاحية ولو ساعة من ليل او نهار اه يسال الله عن صحبته هل اديت فيها حق الله ام لا

(جو شخص کسی صالح آدمی کی صحبت میں بیٹھے گا اگر ایک ساعت ہی بیٹھا ہو تو خدا تعالیٰ اس صالح سے سوال کرے گا کہ تو نے اپنی صحبت کا حق ادا کیا یا نہیں۔)

''از من تو برائے ایں صحبت خواہند پرسید کہ بچہ نیت بود و حقوق صحبت چگونہ رعایت یافت۔''[3]

---

[1] فوائد الفواد۔ص ۱۲   [2] فوائد الفواد ص ۲۲

[3] سیر الاولیا۔ص ۵۵۸

Marfat.com

(قیامت کے دن) تجھ سے اور مجھ سے اس صحبت کی بابت پوچھا جائے گا کہ کس نیت سے تھی اور حقوق صحبت کو کس طرح ادا کیا گیا۔

شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اصلاحی پروگرام میں ماحول کی تبدیلی پر بڑا زور دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ماحول تبدیل نہ ہونے کی صورت میں اصلاح باطن کی ساری کوششیں کوہ کندن وکاہ برآوردن کی مصداق رہتی ہیں۔ شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مریدین کو برابر خطوط لکھتے رہتے تھے اور اُن سے ان کے ماحول کے متعلق دریافت فرمایا کرتے تھے۔ اُن کی ہدایت تھی کہ کوئی ایسا شخص جس کو تمہاری دینی جدوجہد میں دلچسپی نہ ہو تمہارا مصاحب نہیں بننا چاہیے۔ شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ بری صحبت کے اثرات کے سلسلے میں عوارف المعارف کی ایک عبارت نقل کیا کرتے تھے کہ ایک سانپ ایسا ہوتا ہے کہ جس پر اس کی نظر پڑ جاتی ہے وہ جل جاتا ہے۔ جب حیوانات کے یہ اثرات ہیں تو پھر بُرے انسانوں کی صحبت کے اثرات کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ [1]

(7) مصباح الہدایت میں لکھا ہے:

"سبب خلاص نفس از مہالک ذنوب توبہ است [2]

مشائخ کے اصلاحی طریقہ کار میں توبہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ترکِ معصیت میں کوئی چیز اتنی ممد ومعاون نہیں ہوتی جتنی توبہ۔ توبہ کے بعد انسان دوبارہ جنم لیتا ہے ماضی سے اس کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔ توبہ انسان کی زندگی میں ایک ایسا موڑ ہے جہاں سے وہ ایک نئی دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ یہ موڑ انسان کی زندگی میں جتنی جلد آ جائے اچھا ہے۔ ورنہ بڑھاپے میں تو اس کے علاوہ چارہ کار ہی نہیں ہوتا۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے۔

"توبہ دانابت در حال جوانی نیکو می آید در پیری چہ کند کہ تائب نہ شود۔" [3]

---

[1] نافع السالکین ص ۵۲ [2] (مطبوعہ ایران) ص ۳۶۶

[3] فوائد الفواد۔ ص ۲۱۹

Marfat.com

مشائخ چشت نے توبہ کی تین قسمیں کی ہیں:

توبہ حال۔ توبہ ماضی۔ توبہ مستقبل

توبہ حال یہ ہے کہ انسان کئے ہوئے گناہ پر پشیمان ہو۔ توبہ ماضی یہ ہے کہ جن لوگوں کے حقوق ہیں اُن کو پورا کرے۔ اگر کسی کو بُرا بھلا کہا ہے تو اس سے معافی مانگتے کسی سے قرض کیا ہے تو وہ قرض ادا کرے۔ اگر کسی کو منکوحہ یا لونڈی سے زنا کیا تھا تو معافی نہ مانگے بلکہ اللہ کی پناہ تلاش کرے۔ اگر شراب پیتا تھا تو توبہ کر کر لوگوں کو میٹھا شربت اور ٹھنڈا پانی پلائے توبہ مستقبل یہ ہے کہ نیت کرے کہ آئندہ ارتکاب گناہ نہیں کرے گا۔[1]

نظام اصلاح وتربیت میں خانقاہ کی اہمیت:

مشائخ چشت کی اصلاحی جدوجہد کا مرکز اُن کی خانقاہیں تھیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نوعیت اور افادیت پر یہاں غور کرلیا جائے۔

خانقاہ کے لفظی معنی پر بڑا اختلاف ہے۔ مصباح الہدایت کے ایرانی مصح آقائے جلال الدین ہمائی اُستاد دانش گاہ کا خیال ہے کہ یہ لفظ خوانگاہ کا مغرب ہے۔ جس کے معنی میں کھانے کی جگہ۔[2] شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا خیال ہے کہ یہ لفظ خان اور قاہ سے مرکب ہے۔ خان بمعنی خانہ' قاہ بمعنی عبادت یا دعا۔ یعنی عبادت کا گھر۔[3] حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

تاسیس خانقاہ کے مقاصد اور فوائد یہ تھے:

(1) شیخ کو ایک علیحدہ اور مخصوص مقام پر اپنے مزاج اور اصولوں کے مطابق لوگوں کی اصلاح وتربیت کا موقع مل جاتا تھا۔

(2) مصباح الہدایت کے مصنف نے لکھا ہے:

"بناء خانقاہ برضعتے کہ اصل وضع اوست زیبے ست از زیبتہائے ملت اسلام۔"[4]

1۔ فوائد الفواد 2۔ مصباح الہدایت۔ ص ۱۵۴

3۔ خیر المجالس۔ مجلس ۷۵ 4۔ مصباح الہدایت (مطبوعہ ایران) ص ۱۵۳

Marfat.com

اور یہ لفظ بہ لفظ صحیح ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں خانقاہیں اسلامی تہذیب و تمدن کا بہترین مرکز تھیں۔

(3) جن دین دار لوگوں کا کوئی مسکن و ماویٰ نہ ہوتا تھا' وہ خانقاہوں میں قیام کر لیتے۔ اور اپنے آپ کو دینی جدوجہد کے لیے وقف کر دیتے۔

(4) مختلف طبائع اور مختلف مقامات کے افراد ایک جگہ مل جل کر رہتے اور اس طرح بہت کچھ ایک دوسرے سے حاصل کرتے۔ ان میں رابطہ محبت قائم ہو جاتا' اور اس طرح ''قلوب و نفوس و ارواح و اشباح شان از پرتوِ انوار یک دیگر متعاکس و مقتبس شوند۔''[1]

(5) یہ خانقاہ ایک ایسی تربیت گاہ ہوتی تھی' جہاں پہنچ کر بڑے سے بڑے گنہگار کی ذہنی آب و ہوا بدل جاتی تھی۔ تقویٰ' دین داری' خلوص اور توکل کا یہ ماحول انسانی قلوب پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ بہت سے ناواقف لوگ مشائخ سے بحث کرنے کی نیت سے خانقاہ میں آتے' لیکن وہاں کی دینی فضا دیکھ کر ایسے مرعوب ہو جاتے کہ پھر اس در کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوتے۔

(6) مشائخ چشت کی خانقاہیں صرف تزکیہ باطن اور تہذیبِ نفس ہی کے لیے مخصوص نہ تھیں' بلکہ وہاں دینی تعلیم کا بھی بندوبست ہوتا تھا۔

---

[1] مصباح الہدایت (نولکشور) ص ۱۱۸

Marfat.com

(2)

دینی تربیت

دینی تربیت:

مشائخ چشت کی اصلاحی جدوجہد کا آغاز دینی تربیت سے ہوتا تھا ارکانِ اسلام کی پابندی پر وہ خاص زور دیتے تھے اور چاہتے تھے کہ اُن کے خلفاء اس معاملے میں سختی سے کام لیں۔ ان کا عقیدۂ راسخ یہ تھا کہ ارکان اسلام کی پابندی کے بغیر کوئی روحانی ترقی ممکن نہیں۔ راہِ سلوک کی پہلی منزل یہی ہے جو یہاں بھٹک گیا' وہ ہمیشہ کے لیے قعرِ مزلت میں گر گیا۔

(1) نماز۔ مشائخ چشت' نہ صرف خود نماز بجماعت کی پابندی کرتے تھے' بلکہ تمام متعلقین پر اس معاملہ میں سختی برتتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے:

"در آن باب نیکو غلو فرمود۔"[1]

حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس سوزِ دل کے ساتھ نماز بجماعت کی تلقین فرماتے تھے۔ اس کا احساس خیر المجالس کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے۔[2] شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کے سلسلہ کے مشائخ نے اس معاملہ میں جو سختی برتی۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں ملے گی۔

---

[1] فوائد الفواد۔ ص ۱۰۶

سیر الاولیاء میں ایک طویل "نکتہ" نماز کی اہمیت پر ہے (ص ۳۹۵۔۳۹۱)

[2] خصوصاً ملاحظہ ہو مجلس ۶'

Marfat.com

(2) روزہ۔سلطان المشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ روزہ بدکار کے لیے ڈھال اور نیک کار کے لیے جنت ہے۔[1] شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ رمضان کے روزے اس عذر سے چھوڑتے ہیں کہ ان سے خشکی ہوتی ہے وہ گمراہی نفس کا شکار ہیں۔[2]

(3) زکوٰۃ۔حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ نماز اور زکوٰۃ توام ہیں [3] جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اس کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔امیر خورد نے محبوبِ الٰہی کے قلم سے لکھی ہوئی یہ عبارت دیکھی تھی۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مامنع قوم من الزکوۃ الا حبس اللّٰہُ عنھُمُ المطر ولوہ البھائم لم تمطر [4]

نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قوم زکوٰۃ ادا کرنے سے باز رہتی ہے خدا تعالیٰ اُن سے بارش روک لیتا ہے اور اگر بہائم نہ ہوتے تو کبھی مینہہ نہ برسایا جاتا۔

(4) حج۔صاحبِ استطاعت پر فرض ہے۔بہت سے لوگ یا تو سیر و تفریح یا نمود کی خاطر حج کرنے کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں۔اس چیز کی مشائخ چشت نے مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ مکان کے بجائے مکین کو تلاش کیا جائے تو بہت ہے'حج کے سلسلے میں مشائخ چشت کے رویے کی وضاحت کے لیے سیر الاولیاء' اور مکتوبات شیخ الاسلام میں مولانا حسین احمد مدنی کا وہ خط جو انھوں نے ایک مرید کے نام حج کے سلسلے میں لکھا ہے وہ مطالعہ کرنا چاہیے۔

(5) اتباعِ شریعت۔مشائخ چشت' خود زندگی کے ہر شعبہ میں اتباعِ شریعت و سنت کا اہتمام کرتے تھے اور متعلقین سے اس کے فوائد بیان کرتے تھے۔شاہ کلیم اللہ

---

[1] سیر الاولیاء میں روزہ کی فضیلت پر تفصیلی بحث ہے۔ص ۴۰۲۔ ۳۹۹

[2] نافع السالکین ص ۱۰۹ [3] سیر الاولیاء۔ص ۴۰۷۔ ۴۰۲

[4] سیر الاولیاء

Marfat.com

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے خلفاء کو ہدایت فرماتے ہیں۔

"ہمہ واخلاں طریقت را تاکید نمایند کہ ظاہر شریعت آراستہ دارند و باطن بعشق مولے پیراستہ سازند[1]

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی ایک تصنیف السنۃ الجلیہ فی الچشتیہ العلیہ میں [2] بڑی محنت سے متعدد ملفوظات اور تذکروں کی مدد سے مشائخ چشت کا اتباع سنت وشریعت میں انہماک دکھایا ہے۔

تعلیم اخلاق:

مشائخ چشت کے اصلاحی پروگرام کا مرکزی نقطہ اور محور تعلیم اخلاق تھا۔ وہ اس کو کار نبوی ﷺ سمجھتے تھے اور دن رات اسی کوشش میں رہتے تھے کہ انسان کے اخلاق ذمیمہ کو دور کر کے اس کی شخصیت کو جلا دی جائے۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پیر مشاطہ کی مانند ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح مشاطہ دلہن کو بناتی اور سنوارتی ہے۔ اسی طرح پیر اپنے مرید کے اخلاق و عادات کو سنوارتا ہے۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسن اخلاق و کمال حضرت

---

[1] مکتوبات کلیمی۔ ص ۹۵ مکتوب ۱۲۹۔

[2] یہ کتاب بڑی محنت سے تیار کی گئی ہے، لیکن اس میں ایک شدید نقص ہے اور وہ یہ کہ موضوع ملفوظات کو بڑی کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ عرصہ ہوا راقم السطور نے مولانا سید سلیمان ندوی صاحب سے اس بارے میں استفسار کیا تھا تو انھوں نے لکھا کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نہ شہرتِ عام کی بناء پر ان کو قبول کیا ہے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے عالم کا جعلی ملفوظات کو محض شہرت عام کی بنا پر استعمال کرنا تعجب خیز ہے۔

ان ملفوظات کے غیر معتبر اور جعلی ہونے کے متعلق ملاحظہ ہو۔ پروفیسر محمد مجیب صاحب کا مضمون "Chisti Mystic Records of the Suttanate Period.

مطبوعہ Medieval India Quarterly اکتوبر ۱۹۵۰ء

Marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کی ہوئی ان تین چیزوں میں پایا تھا

(1) لوگوں سے خندہ پیشانی کا برتاؤ۔

(2) کسبِ حلال

(3) بندگانِ خدا پر توسع [1]

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تین چیزیں زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہیں۔ اُن کا خیال رکھنے سے زندگی کا ہر شعبہ سنور سکتا ہے۔

تعلیم اخلاق کے سلسلہ میں مشائخ چشت کا اصرار جن چیزوں پر خصوصیت کے ساتھ تھا وہ یہ ہیں۔

(1) اصلاح نیت۔ نیت کی درستگی، مشائخ کی نظر میں، سب سے زیادہ اہم تھی۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے:

"اصل نیت صالح می باید، زیرا نچہ نظر خلق بر عمل است اما خدائے تعالیٰ را نظر بر نیت است۔" [2]

(2) استقامت۔ مشائخ کا کہنا تھا کہ بغیر استقامت انسان کچھ حاصل نہیں کر سکتا "یک در گیر محکم گیر" [3] انسانی زندگی کا اصول ہونا چاہیے۔

(3) فوائد الفواد۔ [4] تحفۃ النصائح۔ [5] سیر الاولیاء [6] اور مشائخ چشت کی دیگر کتابوں میں توکل کی اہمیت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے۔

"اعتماد بر حق باید کرد و نظر بر ہیچ کس بناید داشت [7]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۵٦٠۔ [2] فوائد الفواد۔ ص ۲۷، نیز ملاحظہ ہو سیر الاولیاء۔

[3] فوائد الفواد۔ ۲۹۔ [4] ص ۱۰۱

[5] تحفۃ النصائح۔ شیخ یوسف گدا (مطبع نور لاہور) ص ۴۷

[6] باب دہم ص ۲۔ 551 [7] فوائد الفواد۔ ص ۱۰۱

Marfat.com

توکل کے معنی مشائخ کی نظر میں یہ نہ تھے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے۔ چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"کسب کرنا مانع توکل کا نہیں ہے۔ اگر کوئی عیال دار کچھ کسب کرے اور نظر اُس کے دل کی اس کسب پر نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو وہ متوکل ہے۔"[1]

(4) عفو سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ غصہ کے پی جانے سے معاف کر دینا بہت بہتر ہے' کیونکہ جو شخص غصہ پی جائے اور معاف نہ کرے تو ممکن ہے کہ اس کے دل میں کینہ جڑ پکڑ جائے۔"[2]

(5) ایثار: چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ کر

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

(پسند کرتے ہیں غیروں کو اپنی جانوں پر' اگرچہ خود حاجت مند ہوں)

ایثار کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔[3] اس سلسلے میں اُن کی بیان کی ہوئی بعض حکائتیں[4] پڑھ کر بے اختیار آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔

(6) دیانت داری: خیر المجالس' فوائد الفواد' سرور الصدور' نافع السالکین' میں متعدد جگہ حاضرین مجلس کے ذہنوں پر یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی ہے' کہ معاملات میں دیانت داری' فارغ البالی اور مسرت کی ضمانت ہے۔ فوائد الفواد میں بتایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ لاہور صرف اس وجہ سے تباہ ہوا تھا کہ وہاں کے تجار نے گجرات میں اپنے مال کی زیادہ قیمت وصول کی تھی[5] سرور الصدور میں ان لوگوں کی

---

1. خیر المجالس۔ مجلس ۱۱۔
2. حلم وعفو پر سیر الاولیاء (ص ۵۵۶۔ ۵۵۲) کے صفحات کے مطالعہ کے قابل ہیں۔
3. خیر المجالس۔ مجلس ۲۶ 4. خیر المجالس۔ مجلس ۹۴
5. فوائد الفواد ص ۱۱۶

Marfat.com

مذمت کی گئی ہے جو اس نیت سے غلہ کو جمع کرتے ہیں کہ جب قیمت بڑھ جائے تب فروخت کریں۔[1]

(7) عیب جوئی سے پرہیز۔[2] ملفوظات میں جگہ جگہ اس مذموم عادت کو چھوڑنے کی تلقین کی گئی ہے۔ عیب جوئی کی عادت انسان کو بے کار کر دیتی ہے۔ اس کی تعمیری اور عملی صلاحیتیں، تخریبی اور تنقیدی کاموں میں الجھنے سے فنا ہو جاتی ہیں۔

(8) تحمل: تحمل کو "کار صدیقان"[3] بتا کر اس کی تلقین کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں مشائخ چشت نے اپنے مریدین و متعلقین کو اسلامی آداب سکھانے کی بڑی کوشش کی۔ اور اس سلسلہ میں انھوں نے صدہا سنن نبوی کو زندہ کیا۔ تفصیل کی تلاش ہو تو سیر الاولیاء کے باب ہفتم[4] کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

---

1 سرور الصدور (قلمی)
2 فوائد الفواد، ص ۲۲۷۔ ۲۲۶
3 فوائد الفواد ص ۲۳۷
4 سیر الاولیاء ص ۴۰۷۔ ۴۲۰

Marfat.com

(3)

خلفاء کی تربیت

مشائخ کرام کی خدمت میں مختلف قسم کے لوگ حاضر ہوتے تھے۔ اُن کی ذہنی صلاحیتیں، ضروریات اور مقاصد مختلف ہوتے تھے۔ چنانچہ مشائخ کو اُن کی اصلاح و تربیت کے لیے مختلف طریقے اور تدابیر اختیار کرنی پڑتی تھیں۔ آنے والوں میں عموماً چار طرح کے لوگ ہوتے تھے۔

(1) خلفاء

(2) مخصوص مریدین (یعنی وہ لوگ جن کو خلافت سے تو نہیں نوازا جاتا تھا لیکن اُن کی اصلاح کی طرف خاص توجہ کی جاتی تھی اور وہ اکثر و بیشتر شیخ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔)

(3) عام مریدین (جو بیعت کرنے کے بعد عموماً شیخ سے جُدا ہو جاتے تھے اور کبھی کبھی شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔)

(4) عوام (وہ لوگ جو مختلف دینی یا دنیوی مقاصد کے لیے آتے تھے)

خلفاء کی تربیت:

جن مریدوں کو مشائخ خرقہ ولایت [1] دینا چاہتے تھے۔ ان کی اصلاح و تربیت کی طرف خاص طور سے توجہ فرماتے تھے۔

---

[1] مصباح الہدایت میں اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

"و آں آنست کہ چوں شیخ در مرید آثارِ ولایت و علامتِ وصول بدرجہ تکمیل و تربیت مشاہدہ کند و خواہد کہ او را بنیابت و خلافت خود نصب کردہ بطرفے فرستد و او را در تصرف و تربیت خلق ماذوق گرداند دے را خلعت ولایت و تشریف عنایت خود پوشاند تا مدد نفاذ امراوَ و موجب سرعت مطاوعت خلق گردد (مطبوعہ ایران ص ۱۵۰)

Marfat.com

ان خلفاء پر سلسلہ کی آئندہ ترقی کا انحصار ہوتا تھا' اس بناء پر ان کی شخصیت کی تعمیر میں بڑی محنت کی جاتی تھی۔ اور ان کی ظاہری اور باطنی زندگی کے ہر ہر گوشہ کو پرکھا جاتا تھا۔ شیخ کی یہ اصلاحی جدوجہد اس وقت تک جاری رہتی تھی جب تک اس کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ اب خلیفہ میں سلسلہ کے نظام کو سنبھالنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے۔

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا کہ خلافت کے لیے کن اوصاف کی ضرورت ہے تو شیخ نے فرمایا:

''اوصاف ایں کار بسیار است فاما در آں ایام کہ خواجہ من مرا بدولت خلافت خود رسانید' روزے مرا گفت باری تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق دادہ است و ہر کہ بدیں سہ صفت موصوف بناشد از و خلافت مشائخ نیکو آید۔''[1]

> اس کام کے لیے بہت سے اوصاف درکار ہیں۔ لیکن جس زمانہ میں کہ خواجہ نے مجھے دولتِ خلافت عنایت فرمائی تھی' ایک دن مجھ سے یوں فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ نے تجھے علم، عشق، عقل تینوں چیزیں عنایت فرمائی ہیں۔ اور جو شخص ان تینوں چیزوں کے ساتھ موصوف ہو اُسے مشائخ کی خلافت سزاوار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مشائخ کرام خلیفہ کی ان ہی تین صلاحیتوں علم، عقل، عشق کو صیقل کرنے کی کوشش فرمایا کرتے ہیں۔ ان کی اصلاحی جدوجہد کا مقصد ان قوتوں اور صلاحیتوں کو اس طرح پر اُبھارنا ہوتا تھا کہ اُن کے ذریعے دوسروں کی باطنی زندگی کو سدھارنے کا کام لیا جا سکے۔ خلیفہ کے لیے صرف یہ ہی ضروری نہ تھا کہ اس میں ذاتی کردار کی خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہوں بلکہ یہ بھی ناگزیر تھا کہ وہ دوسروں کو پوری طرح پر متاثر کرنے کی وقت رکھتا ہو۔

(1) علم:

خلافت کے لیے جو لوگ منتخب کیے جاتے تھے وہ علوم ظاہری میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۴۵

Marfat.com

چشتیہ سلسلہ کے مشائخ کا یہ ایک محکم اصول تھا کہ وہ کبھی ایسے شخص کو خلافت نہ دیتے تھے جس نے علوم ظاہری کی تکمیل نہ کرلی ہو۔[1] اس پابندی میں بہت سی دینی مصلحتیں تھیں۔ایک بے علم انسان نہ تو خود تصوف کے اسرار کو سمجھ سکتا ہے اور نہ ایک حاذق طبیب کی طرح امراض ملت کی صحیح تشخیص اور علاج کرسکتا ہے۔ شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صرف اہل علم کو خلافت دینے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ

درصحبت اور ضلالت رواج نخواہد گرفت[2]

(اس کی صحبت میں گمراہی رواج نہیں پائے گی)

لیکن یہ علم خلفاء کے لیے کافی نہ ہوتا تھا' اس لیے مشائخ کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان کو کچھ اہم مذہبی کتابوں کا درس اپنے طریقے پر دے دیا جائے۔شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کے پیر نے قرآن پاک' عوارف المعارف اور تمہید ابوشکور سالمی کا درس دیا تھا۔[3] بعد کو چشتیہ سلسلہ کے بزرگ اپنے خلفاء کو بہت سی دیگر کتابوں کا بھی درس دینے لگے تھے۔مثلاً احادیث نبویؐ احیاء العلوم قوت القلوب۔مکتوبات عین القضاۃ۔ فصوص الحکم۔فتوحات مکیہ۔کشف المحجوب۔رسالہ قشیری۔کیمیائے سعادت' مثنوی مولانا روم[4] وغیرہ اس تعلیم کا مقصد صحیح مذہبی وجدان کو بیدا کرنا ہوتا تھا۔اور ان کتابوں کے

---

[1] بابا فرید" اور حضرت محبوب الٰہی" نے کسی ایسے شخص کو خلافت نہیں دی جو صاحب۔علم نہ ہو (ملاحظہ ہو سیر الاولیاء) اخی سراج۔محبوب الٰہی" کے عزیز ترین مریدین میں تھے۔لیکن شیخ نے اُن کو اس وقت تک خلافت عطا نہ فرمائی جب تک اُنھوں نے علوم ظاہری کی تکمیل نہ کرلی۔

[2] مکتوبات کلیمی ص ۴۵۔مکتوب ۴۴' ۶۹' ۵۲' ۹۴ میں اُنھوں نے خلافت کے لیے علم کے ضروری ہونے پر گفتگو کی ہے۔

[3] سیر الاولیاء ص ۱۰۶

[4] ملاحظہ ہو' تاریخ فیروز شاہی' برنی ظ (ص ۶۔ ۳۴۵) مکتوبات کلیمی' سرور الصدور وغیرہ۔

Marfat.com

انتخاب میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور پیش نظر ہوتی تھی۔ امام غزالی کی کتابیں مذہبی مسائل میں اعلیٰ بصیرت پیدا کرنے کے لیے ضروری تھیں۔ سرور الصدور میں لکھا ہے کہ ایک دن شیخ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیمیائے سعادت کا مطالعہ کر رہے تھے۔ جب فارغ ہوئے تو بے اختیار پکار اُٹھے: شاد باش اے شیخ محمد غزالی! شاد باش اے شیخ محمد غزالی! پھر فرمایا:

بابا پیوستہ ایں را در نظر باید داشت

بابا اس کو ہمیشہ زیر مطالعہ رکھنا چاہیے

کیونکہ اس کے مطالعہ سے خلق کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے۔[1]

عوارف کے مطالعہ سے خلیفہ کو ان تمام اصولوں سے واقفیت ہو جاتی تھی جن پر سلسلہ کے نظام کی عمارت تعمیر کی جاتی تھی۔ حضرت امام اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف تصوف کے اعلیٰ خیالات سے روشناس کرانے کے لیے ضروری تھیں۔ لیکن اُن کے درس میں بڑی احتیاط برتی جاتی تھی۔ بعض مشائخ تو اس کا درس دیتے وقت حجروں کو بند کرا دیتے تھے۔ مثنوی کا مطالعہ اگر ایک طرف عشق حقیقی کی آگ کو تیز تر کرنے کے لیے ضروری تھا تو دوسری طرف تصوف کے نازک خیالات کی بزم تک صرف اسی کی مدد سے رسائی ممکن تھی۔

تصوف کی دیگر کتابیں بھی کچھ نہ کچھ افادیت رکھتی تھیں۔ مشائخ متقدمین کی روایات سے واقفیت کے لیے ان کا مطالعہ از بس ضروری تھا۔ ان کتابوں کے مطالعہ کے بعد خلفاء کا دینی احساس و شعور بیدار ہو جاتا تھا۔ اُن میں تصوف کے تاریخی اور علمی پہلوؤں سے پوری واقفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ اور خانقھی نظام کے چلانے کے لیے جس تنظیمی قابلیت کی ضرورت ہوتی تھی وہ بھی حاصل ہو جاتی تھی۔

(2) ترکِ دُنیا:

تکمیل تعلیم کے بعد شیخ کا سب سے اہم کام یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے خلیفہ کے دل کو مادی

[1] سرور الصدور (قلمی) ص ۱۴۔ ۳۰

Marfat.com

آلائشوں سے پاک صاف کر دے تا کہ توکل و استغنا کی دولت سے وہ ایسا مالا مال ہو جائے کہ مادی دنیا کی کوئی کشش اُن کو اپنی طرف نہ کھینچ سکے' جاہ و حشم کی خواہش اور مال و زر کی تمنا سے وہ نہ صرف بے نیاز ہو جائے بلکہ متنفر۔

ترکِ دنیا کا مفہوم جو اُن کے ذہن میں تھا اس کی وضاحت بھی ضروری ہے حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب مولانا حسام الدین ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خلافت عطا فرمائی تو شہادت کی انگلی اٹھا کر دو مرتبہ فرمایا۔ دُنیا کو ترک کر۔ دنیا کو ترک کر مولانا نے عرض کیا' اگر حکم ہو تو شہر میں نہ رہوں۔ فرمایا: نہیں شہر ہی میں رہو۔ اور اسی طرح رہو' جیسے اور لوگ رہتے ہیں۔[1]

ایک دن فرمایا:

"ترکِ دنیا کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اپنے آپ کو ننگا کر لے اور لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ترکِ دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھائے بھی۔ لیکن جو کچھ اُسے ملے اُس کی طرف راغب نہ ہو اور اس سے دل نہ لگائے۔"[2]

ترکِ دنیا کے سلسلے میں خلفاء سے چار چیزوں کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔

(1) فتوح[3] کو جمع کر کے نہ رکھیں گے۔

(2) امراء و سلاطین کی صحبت سے پرہیز کریں گے۔

(3) وظائف وادرار قبول نہ کریں گے۔

(4) ملازمتِ شاہی سے بچیں گے۔

فتوح کے قبول کرنے اور صرف کرنے کے باقاعدہ اصول تھے۔[4] خلیفہ کے

---

[1] سیر الاولیاء [2] فوائد الفواد۔ص ۹

[3] فتوح سے مراد وہ روپیہ یا تحائف تھے جو عقیدت مند شیخ کی خدمت میں بلا طلب پیش کرتے تھے۔ سیر الاولیاء میں اس کی نوعیت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو باب دہم)

[4] ملاحظہ ہو' سیر الاولیا' فوائد الفواد' احسن الاقوال وغیرہ

Marfat.com

لیے لازمی تھا کہ اگر وہ ایک ہاتھ سے قبول کرے تو دوسرے ہاتھ سے حاجت مندوں میں تقسیم کردے۔ امراء وسلاطین کی صحبت سے پرہیز اس لیے ضروری تھا کہ درباداری اور دینی جدوجہد دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انفاس العارفین میں نقل کرتے ہیں:

در بعض ملفوظات خواجگان چشتیہ مذکور است کہ ہر کہ نام او در دیوان بادشاہ نوشتہ شد نام او از دیوان حق سبحانہٗ برمی آرند[1]

خواجگان سلسلہ چشتیہ کے بعض ملفوظات میں ہے کہ ہر وہ شخص جس کا نام بادشاہ کے دفتر میں لکھا گیا۔ اس کا نام حق سبحانہٗ کے دفتر سے نکال دیتے ہیں۔

''ہر درویشے کہ در اختلاط با ملوک و امراء بکشاید عاقبت او وخیم گردد[2]

ہر وہ درویش جو بادشاہوں اور امیروں سے اختلاط کا دروازہ کھولتا ہے۔ اس کی عاقبت خراب ہو جاتی ہے۔

اگر شیخ کو کبھی اس بات کا ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ خلیفہ شغل کی طرف مائل ہے تو سے خلافت نامہ واپس لے لیا جاتا تھا۔ قاضی محی الدین کاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو علاء الدین خلجی نے اودھ کی قضا دینی چاہی۔ اُنھوں نے قبول کرنے سے پہلے شیخ کی اجازت لینی ضروری سمجھی اور دہلی تشریف لائے۔ شیخ سے عرض کیا۔ حضور جیسا حکم فرمائیں ویسا ہی کروں حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کبیدہ خاطر ہو کر فرمایا۔ پہلے یہ خطرہ تمہارے دل میں گزرا ہوگا پھر کہیں یہ حکم صادر ہوا ہوگا۔ اس کے بعد اُنھوں نے خلافت نامہ واپس لے لیا اور سال بھر تک اُن کی طرف التفات نہ فرمایا۔[3]

شغل سے پرہیز کی شرط صرف خلفاء کے لیے تھی۔ ورنہ عام مریدین پر کوئی پابندی نہ تھی۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امیر حسن سنجری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ضیاالدین برنی

---

1. انفاس العارفین۔ ص ۶۹ 2. تاریخ فیروز شاہی۔ برنی۔ ص ۲۰۷
3. سیر الاولیاء۔ ص ۲۹۵

Marfat.com

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' وغیرہ شیخ نظام الدین اولیاء کے مخصوص مریدین میں تھے' لیکن خلفاء نہ تھے' اس لیے شیخ کو اُن کی ملازمت پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ شیخ کو امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جو محبت تھی وہ کسی تفصیل کی محتاج نہیں۔ لیکن انھوں نے اس محبت کو سلسلہ کے اصولوں یا نظام میں خلل انداز نہیں ہونے دیا اور جہاں تک اُن کے نظام تربیت کے اصولوں کا تعلق تھا' اُن کے ساتھ کسی طرح کی رعایت نہیں کی۔ ایک مرتبہ سماع کے موقع پر امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رقص کرنے کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو شیخ نے فوراً اُنھیں ٹوک دیا۔ اور فرمایا۔ تمہارا تعلق دنیا سے ہے تمہیں اس کی اجازت نہیں۔[1] عام مریدین اور خلفاء کے جو حدود تھے اُن کا مشائخ بڑی سختی سے خیال رکھتے تھے۔

خلفاء کو اجازت نہ تھی کہ وہ کسی طرح کا وظیفہ یا جاگیر قبول کریں۔ 'درویش دیہ دار' دین کی توہین تھی۔ علاوہ ازیں ان چیزوں میں اُلجھ جانے کے بعد دینی جدوجہد' ذہنی یکسوئی کے ساتھ کس طرح ممکن ہو سکتی تھی اور جب صورت یہ ہو کہ

شاہ مارا دہ دہد منت نہد
رازقِ ما رزق بے منت دہد

تو پھر کسی کا احسان لینا بے کار تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلافت نامہ دیتے وقت ہدایت فرمایا کرتے تھے:

"می باید کہ تارک دنیا باشی۔ بسوئے دنیا و ارباب دُنیا مائل نشوی و دیہہ قبول نہ کُنی۔ وصلہ بادشاہاں نگیری۔"[2]

چاہئے کہ تارک دنیا ہو جاؤ۔ دنیا اور اہل دنیا کی طرف میلان نہ رکھو اور گاؤں جاگیر قبول نہ کرو' اور بادشاہوں سے صلہ نہ لو۔

دنیوی عزت و عظمت کی خواہش خلفاء کے دل سے نکالنے میں مشائخ اپنی نفسیاتی بصیرت کو کام میں لاتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ اس سلسلہ میں بڑا دلچسپ ہے

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۵۰۶ [2] سیر الاولیاء۔ ص ۲۹۵

Marfat.com

شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ طالب علمی کے زمانے میں اپنی ذہانت کی وجہ سے مشہور تھے' دوستوں کا خیال تھا کہ وہ تکمیل کے بعد کسی اعلیٰ عہدے پر پہنچیں گے اس کے برخلاف شیخ نے بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت کر کے فقر وفاقہ کی زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ ایک دن اجودھن میں پھٹے پُرانے کپڑے پہنے پھر رہے تھے کہ اتفاقاً ایک پرانا ساتھی مل گیا۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر سخت متعجب ہوا اور کہنے لگا۔ مولانا نظام الدین! تمہاری یہ کیا حالت ہو گئی؟ اگر تم شہر میں رہ کر لوگوں کو تعلیم ہی دیتے تو مجتہد زمانہ کہلاتے' اور تمہاری حالت بہتر ہوتی۔ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ جب بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں آئے تو انھوں نے ذہنی حالت کا پتہ لگا لیا اور کہا باورچی خانے میں سے کھانے کا ایک خوان لو اور سر پر رکھ کر اپنے دوست کے پاس لے جاؤ' اور اس کی بات کا یہ جواب دو ؎

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برد
ترا سعادت باد مرا نگوں سازی[1]

دنیا کی طرف ذرا سی بھی رغبت جو نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دل میں پیدا ہو سکتی تھی۔ اس نفسیاتی تدبیر سے ختم ہو گئی۔ شیخ اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے محسوس کر لیا کہ ان کی اور اُن کے دوست کی راہیں مختلف ہیں۔ وہ جس دنیا میں رہتے ہیں اس کے انداز اور طریقے مختلف ہیں ؎

محبوبہ محملِ شاہی کہ در ولایتِ عشق
گدا بہ تخت نشانند و پادشہ گیرند!

دماغ کو تصوف کے خیالات سے بھر دینے اور دل کو دنیا کی آلائشوں سے خالی کر دینے کے بعد' خلیفہ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر توجہ کی جاتی تھی۔ جہاں اصلاح و تربیت کی ضرورت ہوتی۔ شیخ اپنے حسن تدبیر سے کام لیتا۔ کہیں اشاروں سے کام لیا جاتا۔ غرض جس طرح سے ممکن ہوتا۔ خلیفہ کی ظاہری و باطنی زندگی کو سنوارا جاتا۔ شیخ برہان الدین غریب

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۲۳۹

Marfat.com

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ اس سلسلہ میں بڑا سبق آموز ہے۔

مولانا برہان الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کبرسنی اور ضعف کی وجہ سے اپنی کملی کی دو تہہ کر کر اس پر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن کچھ لوگوں نے حضرتِ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا کہ مولینا برہان الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادۂ مشیخت پر بیٹھ کر اپنے آپ کو افضل و برتر سمجھتے ہیں۔ سلطان المشائخ یہ سُن کر بے حد رنجیدہ ہوئے اور جب مولانا برہان الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن سے ملاقات کے لیے آئے تو اُن سے نہ بولے۔ مولانا قدم بوسی کے بعد جماعت خانے میں آ بیٹھے۔ فوراً اقبال (خادم خاص) نے آ کر کہا کہ شیخ کا فرمان ہے کہ تم فوراً لوٹ جاؤ اور اپنے گھر چلے جاؤ۔ یہ فرمان سُن کر مولانا کے پیروں کے نیچے کی زمین نکل گئی۔ گھر جا کر گریہ وزاری کرنے لگے۔ اس درد سے روتے تھے کہ جو ملنے جاتا وہ بھی رونے لگتا۔ امیر خسروؔ ان کے دوست تھے۔ اُن سے یہ حالت نہ دیکھی گئی۔ شیخ کی خدمت میں عرض کیا۔ مولانا برہان الدین آپ کے مرید صادق ہیں۔ اب اس درجہ ضعیف ہو گئے ہیں کہ بوریئے پر نہیں بیٹھ سکتے۔ ان کے دونوں پاؤں میں سخت درد رہتا ہے۔ اور اس زحمت کو دور کرنے کے لیے ناچار اپنی کملی نیچے ڈال لیتے ہیں۔ ہر چند امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سفارش کی، شیخ نے قبول نہ فرمائی۔ آخرکار ایک دن امیر خسرو نے اپنی گردن میں دستار ڈالی اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مؤدب کھڑے ہو گئے۔ شیخ نے پوچھا: ترک کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا: مولانا برہان الدین کے جرم کی معافی شیخ نے مسکرا کر فرمایا: اچھا اُنھیں بلاؤ۔ مولانا برہان الدین نے بھی آ کر اسی طرح معافی مانگی۔ شیخ نے معاف کر دینے کے بعد اُنھیں دوبارہ بیعت کیا۔[1]

(3) تعمیر شخصیت:

مشائخ اپنے خلفاء میں مکارمِ اخلاق پیدا کرنے کی بڑی کوشش فرماتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اُن کے خلفاء مہر و محبت، عجز و انکسار، ہمدردی و خلوص کی جیتی جاگتی تصویریں ہوں۔[2]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۸۰۔ ۲۷۹ [2] فوائد الفواد ص ۴۸

Marfat.com

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اُس کا دلِ بے نیاز
اُس کی اُمیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اُس کی ادا دل فریب اس کی نگاہ دلنواز

مصیبت زدہ غریب اس کی طرف دیکھے تو اس کے دل پر پھاہیہ سا لگ جائے۔ بات کرنے لگے تو ایسا محسوس ہو گویا پھولوں پر شبنم کی بارش ہو رہی ہے۔ لیکن اگر کسی جابر کا مقابلہ کرنا پڑے تو عجز و انکسار کا یہی مجسمہ پہاڑوں سے زیادہ مضبوط بن جائے۔ اور دُنیا کی کوئی طاقت اس کو خوف زدہ نہ کر سکے۔

...ین کردار کی یہ خوبیاں پیدا کرنے کے لیے' مشائخ 'زبان سے نہیں' عمل سے کام لیتے تھے۔ دن رات خانقاہ میں رہنے والے خلفاء و مریدین اُن کے کردار کو دیکھتے تھے اور اُس سے متاثر ہوتے تھے۔

15 محرم 710ھ کو ایک شخص شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا۔ اور اُن کو گالیاں دینے لگا۔ شیخ خاموشی سے سنتے رہے۔ پھر اس کے سب مطالبات پورے کر دیے۔ جب وہ چلا گیا تو حاضرین کو بتایا کہ ایسا ہی ایک شخص ایک مرتبہ بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں آیا اور ان سے بے باکی کے ساتھ کہنے لگا: تو بت بن کر بیٹھ گیا ہے تو بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نرمی سے جواب دیا: "من نہ ساختہ ام' خدا تعالیٰ ساختہ است

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پیر کا کردار کس طرح خاموشی کے ساتھ خلفاء و مریدین کے افکار و اعمال کو متاثر کرتا تھا! بے بس اور کمزور لوگوں کی گالیاں سُن لینے والے اس شخص نے سلطان مبارک خلجی [2] اور سلطان غیاث الدین

---

[1] فوائد الفواد ص ۴۸

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو' تاریخ فیروز شاہی (ضیاء الدین برنی) ص ۳۹۶' سیر العارفین' مطلوب الطالبین وغیرہ

Marfat.com

تغلق [1] کی جابرانہ قوت وسطوت کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا۔ اس کے مریدوں نے اس سے استقامت کا سبق لیا۔ ایک قلندر نے چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جسم کو چھریوں سے لہولہان کر دیا تو انھوں نے زبان سے اُف تک نہ کہا' [2] لیکن جب محمدؒ بن تغلق نے غصہ سے بات کی تو جان کا خیال کئے بغیر پکار اُٹھے۔ اس جانوروں کے غصہ سے باز آؤ! [3] حقیقت یہ ہے کہ مشائخ چشت اپنے عمل سے خلفاء کو یہ تعلیم دیتے تھے۔

رکھ وہی روش دریا کی ہے جو ہلکے کو ترا بھاری کو ڈبو
عاجز کی کبھی تحقیر نہ کر جابر کی کبھی تعظیم نہ کر
جھکنے سے سعادت ملتی ہے کھچنے میں شقاوت ہے مضمر
سر سامنے ناحق کے نہ جُھکا توہین سر تسلیم نہ کر

اوران ہی اصولوں پر ان کی شخصیت کی تعمیر ہوتی تھی۔

(4) اوقات کی پابندی:

انسان پابندی اوقات کے بغیر زندگی کا کوئی کام انجام نہیں دے سکتا۔ اسی بنا پر مشائخ' اپنے خلفاء سے پابندی اوقاف کا مطالبہ کرتے تھے۔ خلفاء کو اپنے پاس رکھنے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ اُن کے اوقات کی نگرانی کی جائے اور انھیں وقت کی قدر و قیمت سمجھائے جائے۔ اُن کا کہنا تھا کہ فقیر کے پاس اگر کوئی قیمتی چیز ہے تو وقت ہے۔ اگر وہ اُسے بھی ضائع کر دے تو یہ اس کی بدنصیبی ہے۔

بر دست فقیر نیست نقدے جز وقت
آں نیز کہ از دست رود وائے برد

شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

---

[1] ملاحظہ ہو سیر العارفین' سیر الاولیا' تاریخ مبارک شاہی وغیرہ

[2] سیر العارفین ص ۹۷۔ ۹۶ نیز تکملہ خیر المجالس

[3] "غضب سباعے کہ در طبیعت شما استقرا یافتہ است زائل گردانید" سیر العارفین۔ ص ۹۶

Marfat.com

''ضبط اوقات انکہ ندارد خسر الدنیا والآخرۃ است''[1]

(جو اوقات کی پابندی نہیں کرتا وہ دُنیا اور آخرت دونوں میں نقصان میں رہتا ہے)

مصباح الہدایت میں شیخ کے فرائض کا ایک اہم جزیہ بتایا گیا ہے کہ وہ مرید سے اوقات کی پابندی کرائے۔[2]

(5) اظہارِ کرامت سے پرہیز:

مشائخ اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے کہ اُن کے خلفاء میں اظہار کرامت کا جذبہ نہ پیدا ہوا ہو۔ اُن کا کہنا تھا کہ کشف و کرامات ''حجاب راہ'' ہیں[3] اُن سے روحانی شخصیت ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے۔ ایک دن مولانا حسام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے پیر سے عرض کیا: ''مخدوم! خلق' طالب کرامت ہے۔'' فرمایا: کرامت کے طالب نہ بنو۔ تم اپنے کام میں ثابت قدم رہو۔ استقامت ہی کرامت ہے۔[4]

(٥) قرض اور امانت سے پرہیز:

مشائخ چشت' اپنے خلفاء کو ہدایت فرماتے تھے کہ وہ قرض لینے سے بچیں۔ اور کسی کی امانت نہ رکھیں۔ شیخ برہان الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے:

''درویش را امانت کے قبول نباید کرد وضماں کے نباید شد۔ و گواہی خود در قبالہ نباید نوشت۔''[5]

بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو یہاں تک کہتے تھے کہ جس نے امانت قبول کی وہ میرا مرید نہیں رہا امانت رکھنا بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ مشائخ چشت یہ نہ چاہتے تھے کہ اُن کے خلفاء ایسی ذمہ داریاں قبول کریں جن سے اُن کی ذہنی یکسوئی میں خلل پڑے۔

---

1. مکتوبات کلیمی۔ ص ۲۶
2. مصباح الہدایت (مطبوعہ ایران) ص ۲۳۳۔ ۲۳۲
3. فوائد الفواد۔ ص ۳۳
4. سیر الاولیاء، ص ۲۶۲
5. احسن الاقوال (قلمی) ص ۱۲

Marfat.com

مذکورہ بالا طریقہ پر خلفاء کی تربیت کرنے کے بعد' شیخ انھیں خرقہ ولایت پہناتا اور ہدایت کرتا [1]

شیوۂ اخلاص را محکم بگیر
پاک شواز خوف سلطان و امیر
در رہِ دیں سخت چوں الماس زی
دل بر حق بر بند و بے وسواس زی

خاص مریدین کی تربیت:

خلفاء کے علاوہ کچھ بزرگ ایسے بھی ہوتے تھے جن کو خلافت تو کسی وجہ سے نہیں دی جاتی تھی' لیکن اُن کے خلوص اور جذبے کے پیشِ نظر شیخ کو ان کی باطنی اِصلاح و تربیت میں خاص دلچسپی ہوتی تھی۔ ایسے لوگ عموماً شیخ کی ذات سے اپنے آپ کو وابستہ کر لیتے تھے اور رات دن خدمت گزاری میں بسر کرتے تھے۔ شیخ کی قربت سونے پر سہاگہ کا کام کرتی تھی اور ان کی باطنی زندگی میں ایک جلا پیدا ہو جاتی تھی۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے مخصوص مریدین میں خواجہ عزیز الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نبیرہ بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' شیخ کبیر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' خواجہ رفیع الدین ہارون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' خواجہ ابوبکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' مولانا قاسم سید کمال الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل تھے۔ شیخ نے ان کو خلافت عطا نہیں فرمائی تھی۔ لیکن ان کی تعلیم و تربیت کی طرف کافی توجہ کی تھی۔ شیخ کی صحبت سے اُن میں پاکیزہ اخلاق اور دینی جذبات پیدا ہو گئے تھے۔ خواجہ عزیز الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دینی جذبات بیان کرنے کے بعد صاحب سیر الاولیاء نے لکھا ہے:

ایں ہمہ از برکت آں بود کہ در نظر مبارک سلطان المشائخ پرورش می یافت [3]

---

[1] نافع السالکین ص ۱۲۵ [2] سیر الاولیاء۔ ص ۱۱۹ [3] سیر الاولیاء: ص ۲۱۴

Marfat.com

یہ سب فضائل سلطان المشائخ کی نگرانی میں پرورش پانے کا پھل تھے۔

ان بزرگوں کی تربیت اور روحانی ترقی میں جو چیز سب سے زیادہ ممد و معاون ہوتی تھی وہ شیخ کی صحبت تھی۔ وہ شیخ کی خلوت وجلوت کے شریک ہوتے تھے کوئی مصلے' برداری کا کام کرتا' کوئی وضو کراتا' کوئی سحری کا انتظام کرتا۔ شیخ موقع اور مصلحت کے مطابق اُن کو نصیحتیں کرتے اور اُن کی زندگی کا جو گوشہ اصلاح طلب ہوتا اس کی طرف توجہ کرتے۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے:

''بر آں جملہ کہ سلطان المشائخ بکمال عقل و حکمت و کرامت موصوف بود' ہر کسے را کارے فرمودے کہ شایاں آن کار می دید' یکے را فرمود کہ لب بر بندی و در بر بندی و دوم را فرمود کہ در کثرت مرید کردن بکوشی و سیوم را فرمود کہ ترا در میاں خلق می باید بود و جفا و قفاء خلق می باید کوشید [1]

> چونکہ سلطان المشائخ' عقل' حکمت اور کرامت بدرجہ اتم رکھتے تھے' اس لیے ہر شخص کو اس کی صلاحیت کے مطابق کام کرنے کا حکم دیتے تھے کسی سے فرماتے کہ سکوت اختیار کرو اور دروازہ بند کر کے بیٹھو۔ کسی سے فرماتے کہ مریدوں کی تعداد بڑھانے میں جدوجہد کرو۔ کسی سے فرماتے کہ خلق میں رہ کر اُن کی جفا اور قفا برداشت کرو۔

یہ ہی معاملہ ان خاص مریدین کے ساتھ ہوتا تھا۔ مشائخ ان کی صلاحیتوں کا اندازہ کرنے کے بعد مختلف کاموں پر متعین کرتے تھے۔

عام مریدین کی اصلاح و تربیت:

عام مریدین کی اصلاح و تربیت کے سلسلہ میں شیخ کے کیا فرائض ہیں؟ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قول الجمیل کی تیسری فصل میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ شیخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مرید کے عقائد کو درست کرے۔ توحید کا صحیح تصور اس کے دماغ میں بٹھائے۔ نبوت کے متعلق صحیح اعتقادات قائم کرائے۔

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۲۳۸

Marfat.com

گناہوں کی تفصیل بتائے۔ کبائر وصغائر سے اجتناب کی تاکید کرے۔ پھر ارکان اسلام کی پابندی کی ہدایت کرے اور ضرورتِ معاش سے آگاہ کرے۔[1]

شیخ محمود بن علی کاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شیخ کے پندرہ فرائض بتائے ہیں۔[2] جن میں تخلیص نیت، توزیع اوقات، تہذیبِ نفس وغیرہ پر زور دیا ہے۔

یہ تفصیل اپنی جگہ درست ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ بیعت ہوتے ہوں، وہاں اصلاح وتربیت کا کیا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے یا کیا گیا ہوگا؟ اس سلسلہ میں مولانا ضیاء الدین برنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک بیان جو سیر الاولیاء میں نقل کیا گیا ہے۔ خاص طور پر قابل غور ہے۔

''مولانا ضیاء الدین برنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اشراق کے وقت سے چاشت تک آپ کے جان بخش کلمات اور روح افزا گفتگو سننے میں مشغول رہا۔ اس روز بہت سے بندگانِ خدا سلطان المشائخ کی خدمت میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوئے اور دولتِ ابدی سے مشرف ہوئے۔ اس وقت میرے دل میں خطرہ گذرا کہ مشائخ سلف مرید کرنے میں نہایت احتیاط کرتے تھے اور خوب غور و تامل کے بعد کسی کو مرید کیا کرتے تھے۔ سلطان المشائخ انتہا درجہ کے کرم اور مہربانی کی وجہ سے عام و خاص کی دستگیری کرتے اور بغیر امتحان و امتیاز کے لوگوں سے بیعت لیتے ہیں۔ میرے دل میں آیا کہ آپ سے اس بارے میں دریافت کرنا چاہیے، لیکن چونکہ حضور مکاشف عالم تھے۔ فوراً میرے اس خطرہ سے واقف ہو گئے۔

اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: مولانا ضیاء الدین! تم ہر بات کو مجھ سے دریافت کرتے ہو۔ لیکن کبھی یہ نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق کئے آنے والوں کو

---

1. قول الجمیل۔ ص ۲۵۔ ۳۴ (مطبع نظامی ۱۲۹۱ھ)

2. مصباح الہدایت۔ (مطبوعہ ایران) ص ۲۲۳۔ ۲۲۶

Marfat.com

بیعت کے سلسلہ میں کیوں داخل کر لیتا ہوں اور بے تفتیش ہر شخص کے ہاتھ میں دستِ بیعت کیوں دے دیتا ہوں۔ سلطان المشائخ کی یہ بات سُن کر میں سر سے پاؤں تک لرز اُٹھا۔ اور حضور کے قدموں میں گر کر عرض کیا کہ عرصہ سے یہ مشکل اور دشواری مجھے درپیش تھی۔ آج بھی میرے دل میں یہ خطرہ گذرا تھا...... فرمایا کہ سنو: خدا تعالیٰ نے ہر زمانے میں اپنی حکمتِ بالغہ کی ایک خاصیت پیدا کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے کے آدمیوں کا طریقہ اور رواج و رسم علیحدہ ہوتا ہے اور زمانے کی رفتار لوگوں میں اس درجہ اثر کرتی ہے کہ زمانہ موجودہ کے لوگوں کے مزاج اور طبیعت گذشتہ لوگوں کے طبائع سے بالکل مشابہت نہیں رکھتے۔ البتہ بہت کم آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کی طبیعتیں پہلے لوگوں کی طبیعتوں سے ملتی جلتی ہیں اور یہ بات تجربات سے خوب واضح ہوتی ہے۔ جب اس قدر بات۔ معلوم کر چکے تو یہ بھی معلوم کرو کہ مرید کی اصل ارادت یہ ہے کہ وہ غیر حق سے قطع تعلق کر کے مشغول بحق ہو جائے...... سلف کا قاعدہ تھا کہ جب تک مرید میں کلی انقطاع نہ دیکھتے تھے اس کے ہاتھ میں دست بیعت نہ دیتے تھے۔ لیکن شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے سے شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عہد تک اور شیخ شیوخ العالم شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عہد مبارک سے حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے زمانے تک ایک اور ہی طریقہ نے جلوہ گری کی تھی۔ اِن اولوالعزم اور جلیل القدر بادشاہوں کے دروازوں پر جن کے علوِ درجات اور کرامات شرح سے مستغنی ہیں۔ ہر وقت ہجوم خلائق رہتا تھا۔ اور ہر چار طرف سے بادشاہ ٗامراء ٗمشاہیر اور دیگر لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اخروی مہلکات کے خوف سے اپنے تئیں ان عاشقان خدا کی پناہ میں ڈال دیتے تھے۔ یہ مشائخ بغیر تحقیق و تفتیش کے عام و خاص سے برابر بیعت لیتے اور سلسلہ اردت میں داخل کرتے تھے۔ اور ہر ایک شخص کو حسب مراتب خرقۂ توبہ یا خرقۂ تبرک

Marfat.com

عنایت فرماتے تھے' کیونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ محبوبان خدا کا سا معاملہ ہر شخص کے ساتھ دوسروں پر قیاس کر کے برتا جاتا۔ پس شیخ ابو سعید ابوالخیر اور شیخ سیف الدین باخرزی اور شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ! اسرارہم۔ لوگوں کو اسی طرح مرید کیا کرتے تھے جس طرح کہ میں کرتا ہوں اور اس زمانے کے موافق یہی ٹھیک بات ہے' کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کا ایک محبوب اور پسندیدہ شخص ایک جہاں کے گناہگاروں کو اپنے سایہ حمایت میں لینا چاہیے' تو لے سکتا ہے۔ اب میں تمہارے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ سنو! میں جو مریدوں سے بیعت لینے میں زیادہ احتیاط اور تفتیش نہیں کرتا ہوں' اس کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ میں سنتا ہوں کہ بہت سے لوگ میری بیعت میں داخل ہونے سے معصیت و گناہ سے باز رہتے ہیں۔ نماز با جماعت سے ادا کرتے ہیں اور اوراد و نوافل میں مشغول و مصروف ہوتے ہیں۔ اگر میں پہلے ہی سے ارادت کے شروط و قیود ان سے بیان کروں اور ان شرائط کے بجالانے پر مجبور کروں نیز خرقہ توبہ اور خرقہ تبرک جو خرقہ ارادت کے قائم مقام ہیں ندوں تو اس قدر بھلائیاں جو ان سے ظہور میں آتی ہیں وہ اُن سے محروم و بے نصیب رہیں۔ دوسرے یہ کہ مجھے شیخ سے اس بات کی اجازت ہے کہ بغیر کسی سفارش یا۔ التماس باوسیلہ کے بدون کسی تفتیش و کرید کے لوگوں سے بیعت لوں اور جب میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان آدمی عجز و اضطراب اور مسکنت و بے چارگی کے ساتھ میرے پاس آتا اور بصد الحاج کہتا ہے کہ میں تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں تو مجھے اس سے بیعت لینے میں کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے' خاص کر جبکہ میری نیت میں اس کے صادق ہونے کا غلب احتمال ہوتا ہے۔ پس ایسی صورت میں مجھے اس سے بیعت لینا ضروری ہو جاتا ہے' قطع نظر اس کے کہ میں نے نہایت ثقہ اور راست باز لوگوں سے سنا ہے کہ جو لوگ میری ارادت و بیعت میں داخل ہوتے ہیں وہ تمام گناہوں سے الگ

Marfat.com

ہو جاتے ہیں۔[1]

تذکرے اور تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں کہ مشائخ کرام کے دستِ حق پرست پر توبہ کرنے کے بعد اکثر لوگ معصیت سے پرہیز کرنے لگتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ ہر طرح کے لوگ ان سے بیعت کرتے تھے اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے آپ کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے۔ اس لیے بہت سے گناہوں سے باز رہتے تھے اور اگر شیخ کے کسی مرید سے کوئی لغزش ہو جاتی تو از سر نو بیعت کرتے اور توبہ کا خرقہ عطا فرماتے تھے' اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری اور باطنی برائیوں سے روک دیتی تھی۔[2]

قصبہ بوہر میں ایک شخص سراج الدین نامی رہتا تھا وہ اور اس کے متعلقین بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے۔ ایک دن نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اُس کے مکان میں ٹھہرے۔ اتفاقاً بوہر کے کچھ لوگوں سے اس کا جھگڑا ہوا۔ لوگوں نے اس کو برا بھلا کہا اور اس پر اتہام لگائے۔ اس کی بیوی نے جواب دیا۔ جو کچھ اتہامات تم نے ہم پر لگائے ہیں وہ بیعت سے پہلے تو صحیح تھے' بیعت کے بعد نہیں۔ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس عورت کے جواب کو بہت پسند کیا۔[3]

آخر یہ کس طرح ممکن تھا کہ ایک شخص بیعت ہونے کے بعد گناہوں سے باز آ جاتا تھا جب کہ اس کو عرصہ تک شیخ کی صحبت میں رہ کر باطنی اصلاح و تربیت کا موقع بھی نہیں ملتا تھا؟ مشائخ کی روحانیت کے علاوہ' اس میں ایک زبردست نفسیاتی حقیقت بھی کام کرتی تھی۔

مشائخ کے پاس جو شخص بیعت ہونے کے لیے آتا تھا اس پر دو کیفیات طاری

---

[1] سیر الاولیاء ص ۴۸۔ ۳۴۶ (فارسی) ص ۶۔ ۳۴۵ (اردو۔ دہلی ۱۲۳۰ھ)

[2] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۴۳۔ ۳۴۲

[3] فوائد الفواد۔ ص ۵۷

Marfat.com

ہوتی تھیں۔(1) اپنے گناہوں کا شدید احساس' اور اُن سے مستقبل میں پرہیز کرنے کا جذبہ (2) شیخ کے روحانی کمالات اور تہذیبِ نفس کی قابلیت پر کامل بھروسہ مشائخ ان ہی دو کیفیات کو ایک خاص نفسیاتی طریقہ پر استعمال کر کے مرید کے دل میں ایک ایسا محتسب پیدا کر دیتے تھے جو ہر قدم پر اُس کو ٹوکتا تھا......تو گناہوں سے توبہ کر چکا ہے' توبہ کرنے کے بعد تائب اور متقی برابر ہو جاتے ہیں' اب تو بالکل پاک وصاف ہے' کیا تو پھر معصیت کی طرف لوٹ جائے گا؟ اگر تو نے ایسا کیا تو شیخ کی روحانی امداد و اعانت سے تو محروم ہو جائے گا۔

دل کی یہ آواز' اور ضمیر کا یہ احتساب اپنی جگہ بڑا اہم ہوتا تھا۔ اور اسی کی وجہ سے لوگ معصیت سے بچنے لگتے تھے۔

بیعت کرنے کے بعد عام مریدین کو مشائخ چشت چار نصیحتیں فرمایا کرتے تھے۔

(1) نماز بجماعت پڑھنا۔

(2) جمعہ فوت نہ کرنا۔

(3) ایام بیض کے روزے لازم جاننا۔

(4) جو کام خدا اور رسول نے منع کیا ہے اُسے نہ کرنا۔[1]

عوام:

ان منسلکین کے علاوہ ہزار ہا آدمی مختلف دنیوی مقاصد کے لیے مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ بعض لوگ محض ملاقات کے لیے آتے' شیخ سے دو چار باتیں کرتے اور چلے جاتے۔ مشائخ ان سب باتوں سے فائدہ اُٹھاتے' اور ایک دو نصیحت کی بات ایسے پیرائے میں کہہ دیتے کہ سننے والے کے دل میں اُتر کر اپنا کام کر جاتی۔ آیئے مشائخ کی دو تین مجلسوں میں جا کر اُن کے طریقہ کار کا جائزہ لیں۔

(1) ایک بڑا امیر جو کچھ عرصہ پہلے اپنے منصب سے معزول ہو گیا تھا۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اس سے پہلے وہ دُعا

1۔ خیر المجالس (قلمی نسخہ)

Marfat.com

کے لیے آیا تھا۔ اب یہ خوش خبری سنانے آیا ہے کہ شیخ کی دعا سے وہ خلاصی پا گیا ہے شیخ دیکھ کر فرماتے ہیں: خوش آمدی مرحبا بنشیں۔" وہ شیخ کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

فرماتے ہیں:

"جب کوئی خار کسی کے پاؤں میں چبھے یا چیونٹی کاٹے تو یہ سمجھے یہ میرے عمل کی جزا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

مَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ [1]

(2) شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حاضرین مجلس میں سے ہر ایک کی پرسش احوال کر رہے ہیں، ایک شخص سے پوچھتے ہیں۔ تم کیا کام کرتے ہو، عرض کرتا ہے۔ زراعت کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

"لقمہ زراعت اچھا لقمہ ہے اور بہت سے کاشتکار صاحبِ حال گزرے ہیں۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں ایک کاشتکار صاحبِ حال تھا.......اس کی بہت سی کرامتیں مشہور تھیں۔ جب دعا کرتا پانی برستا جب موقوف ہونے کی دعا کرتا برسنا بند ہو جاتا..........امام حجۃ الاسلام..........اس کے پاس گئے۔ لوگوں نے اس بزرگ سے ان کی تعریف کی کہ یہ بڑے بزرگ عالم دین ہیں، ان کا لقب حجۃ الاسلام ہے۔ وہ کاشتکار عامی مسلمان دیہاتی تھا۔ حجۃ الاسلام کو کیا سمجھے۔ اس وقت ٹوکری غلہ کی بغل میں لئے ہوئے زمین میں تخم ریزی کر رہا تھا۔ اسی طرح بیج ڈالتا ہوا، امام حجۃ الاسلام کے پاس باتیں کرنے کے لیے آیا۔ اس وقت ایک اور شخص نے کہا تم ان سے باتیں کرو، غلہ مجھ کو دو۔ اتنی دیر میں تخم زمین میں ڈالوں گا۔ اس بزرگ نے ٹوکری نہ دی..........(اصرار کیا تو) کہا میں تخم زمین میں دل شاکر اور زبان ذاکر سے ڈالتا ہوں۔ اور امیدوار رہتا ہوں کہ جو کھاء اس کو نور و قوت عبادت حاصل ہو اور یادِ خدا میں صرف ہو۔ اگر یہ غلہ اور کو دیدوں

---

[1] خیر المجالس (قلمی نسخہ)

Marfat.com

تو کیا معلوم وہ دل شاکر اور زبان ذاکر سے بوئے یا نہ بوئے۔ ڈرتا ہوں کہ بے برکتی واقع نہ ہو۔''[1]

(3) ملتان سے ایک شخص چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں آیا ہے۔ شیخ اس سے دریافتِ حال کرتے ہیں۔ عرض کرتا ہے: تجارت کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں: لُقمہ تجارت' اچھا لقمہ ہے' اور پھر ایک تاجر خواجگی خجندی کا قصہ سُناتے ہیں جو حافظِ قرآن تھا' حلقہ میں بیٹھا تھا' سستا مال بیچتا تھا اور زکوٰۃ دیتا تھا' جس کی وجہ سے ایک مرتبہ ڈوبا ہوا مال اُسے مل گیا تھا۔[2]

(4) حاجی محمد ایک شخص حج سے واپس آیا ہے۔ قاضی محی الدین کاشانی سے عرض کرتا ہے۔ جب سے حج کر کے آیا ہوں' دِل میں اطمینان اور قرار نہیں پاتا۔ سلطان المشائخ سے کوئی دعا پوچھ دیجئے تاکہ میرے دل کی بے قراری اور پریشانی دفع ہو۔ سلطان المشائخ اس کا حال سن کر فرماتے ہیں:

''ایسے شخص کو دو کام کرنے چاہئیں' یا تو کسب و حرفت میں مشغول ہونا چاہیے جس سے وجہ معاش حاصل ہو یا عبادت و گوشہ نشینی میں کچھ زمانہ بسر کرنا چاہیے۔''[3]

(5) محمد شاہ غوری نامی ایک شخص اضطراب کی حالت میں بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ شیخ اُن کی پریشانی کا سبب پوچھتے ہیں۔ عرض کرتا ہے۔ میرا بھائی سخت بیمار ہے۔ کیا عجب ہے کہ میرے یہاں آنے تک وہ مر چکا ہو۔ اس کی وجہ سے زیروزبر ہوں۔ فرمایا:

''ہم چنیں کہ تو ایں ساعت ہستی من ہمہ عمر ہم چنیں ام و لے با کسے پیدا نکنم''[4]

ان واقعات پر غور کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ عوام کی اصلاح و تربیت کے لیے ان بزرگوں نے کیا انداز اور طریقہ کار اختیار کیا تھا۔

---

1. خیرالمجالس۔ مجلس ۴۸ (قلمی نسخہ)
2. خیرالمجالس
3. سیرالاولیاء
4. فوائدالفواد

Marfat.com

(4)
ہندوؤں سے تعلقات

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کا ایک اہم اصول یہ رہا ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ شگفتہ تعلقات رکھے جائیں۔ نافع السالکین میں لکھا ہے:

''حضرت قبلہ من قدس سرہٗ فرمودند کہ در طریق ماہست کہ با مسلمان و ہندو صلح باید داشت۔ وایں بیت شاہد آوردند۔

حضرت قبلہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے سلسلہ کا یہ اصول ہے کہ مسلمان اور ہندو دونوں سے صلح رکھنی چاہیے اور یہ بیت پڑھا کرتے تھے۔

حافظ گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رم رام'' [1]

اُن کے نزدیک یہ تقاضا سماج اور سیاست کا نہ تھا بلکہ اخلاق و انسانیت کا مطالبہ تھا۔ وہ عملاً اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ کے قائل تھے اور چاہتے تھے کہ عقائد و نظریات کے اختلافات انسانی برادری کے رشتہ پر نظر انداز نہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان

وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا

اے خدا کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ (بخاری)

اُن کا ایمان تھا۔ وہ مہر و محبت۔ خلوص و مروت، ہمدردی و رواداری سے انسانی قلوب کو ایک رشتہ الفت میں پرونے کی کوشش کرتے تھے۔

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۱۷۶

Marfat.com

ایک شخص نے بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں قینچی پیش کی۔ فرمایا۔ مجھے تو سوئی دو۔ میں کاٹتا نہیں' جوڑتا ہوں[1]

ہندو مذہب کی طرف مشائخ چشت کا جو رویہ تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے۔ ایک دن صبح کے وقت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ' امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ اپنے جماعت خانہ کی چھت پر چہل قدمی فرما رہے تھے' دیکھا کہ پڑوس میں کچھ ہندو بتوں کی پوجا کر رہے ہیں۔ فرمایا:

"ہر قوم قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے۔"[2]

یہ جملہ اُن کے افکار کا مکمل ترجمان اور چشتیہ سلسلہ کے اصولوں کا بہترین آئینہ دار ہے۔

مشائخ چشت کی وسعتِ نظر اور رواداری کا یہ حال تھا کہ ہندوؤں کی کوئی بات پسند آتی تو اس کی بے تکلف تعریف کرتے۔ بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ میں جوگی اکثر حاضر ہوتے تھے۔ دو مرتبہ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اُن سے وہاں گفتگو ہوئی[3] ایک بار عالم علوی اور سفلی پر بات چیت چھڑ گئی۔ جوگی نے اپنے خیالات کی جو وضاحت کی تو شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر بڑا اثر ہوا اور فرمایا۔: مرا سخن او خوش آمد"[4]

مذہبی معاملات میں خلوص اور استقامت کو مشائخ چشت بے حد پسندیدگی کی نگاہ

---

[1] فوائد الفواد۔

[2] امیر خسرو نے فوراً ہی دوسرا مصرعہ کہا۔

من قبلہ راست کردم جانب کج کلا ہے

کہتے ہیں کہ اس وقت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے سر پر ٹوپی ٹیڑھی رکھی ہوئی تھی' ملاحظہ ہو انوار العیون (قلمی) نیز تزک جہانگیری۔

[3] فوائد الفواد۔ ص ۸۵۔ ۲۴۵ [4] فوائد الفواد۔ ص ۸۵

Marfat.com

سے دیکھتے تھے۔ غالب کی طرح اُنھوں نے یہ تو نہیں کہا ۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے
مرے بت خانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

لیکن اس استواری کی ہمیشہ تعریف کی۔ ایک مرتبہ امیر حسن سجزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (جامع الفوائد) کو کچھ دنوں تک تنخواہ نہ ملی جس کی وجہ سے وہ سخت پریشان ہوئے۔ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس کا علم ہوا تو فرمایا:

''ایک شہر میں کوئی مال دار برہمن رہتا تھا۔ شاید اس پر شہر کے حاکم نے جرمانہ کیا اس کا سارا مال و اسباب لے لیا' بعد ازاں وہی برہمن مفلس اور مضطرب کسی راستے چل رہا تھا۔ سامنے سے اُسے ایک دوست ملا۔ پوچھنے لگا۔ کیا حال ہے؟ برہمن نے کہا اچھا اور بہت عمدہ ہے۔ اس نے کہا ساری چیزیں تو تجھ سے چھن گئیں۔ اب کیا خاک اچھا ہوگا۔ بولا: ''زنار من با من است'' (میرا جنیو تو میرے پاس ہے)''[1]

یہ حکایت سُن کر امیر حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دل کو بڑی تسکین ہوئی۔ علامہ اقبال امیر خسرد کے اس شعر کو بہت پسند کرتے تھے کہ مذہبی رواداری اور بے تعصبی کے جذبات کا بہترین آئینہ دار ہے۔

اے کہ زبت طعنہ بہ ہندو بری
ہم زوے آموز پرستش گری

اسلام اور اسلام کے اصولوں کی اشاعت کے لیے جو طریقہ کار مشائخ چشت نے اختیار کیا تھا' وہ مروجہ طریقوں سے بالکل مختلف تھا۔ وہ زبان سے کسی اصول کی تبلیغ و اشاعت کو بے سود بے کار سمجھتے تھے وہ کہتے تھے' کہ جب تک انسان کی زندگی خود ان اُصولوں کی تفسیر نہ بن جائے' کسی کو اُن اصولوں سے دلچسپی پیدا نہیں کرائی جا سکتی۔ عمل میں ایک جاذبیت ہے اس کا اثر زیادہ گہرا اور زیادہ پائدار ہوتا ہے۔ کارلائل (Corlyle)

---

[1] فوائد الفواد ص ۵۶

Marfat.com

نے رسول مقبول ﷺ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ نور کے ایک بہتے ہوئے چشمے کی مانند تھے جو اُن کے نزدیک آجاتا' منور ہو جاتا۔ مشائخ کی بھی کوشش یہ ہی تھی کہ ان کے عمل کی کشش خود بخود لوگوں کو کھینچ لے انھیں زبان سے نہ کہنا پڑے۔ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے:

"ہر چہ علماء بزبان دعوت کنند' مشائخ بعمل دعوت کنند۔" [1] ایک دن ایک مسلمان' ایک ہندو کو لے کر شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو اور کہا: یہ میرا بھائی ہے۔ حضرت شیخ نے پوچھا:

"ایں برادر تو ہیچ میلے بمسلمانی دارد" [2]

(تیرا یہ بھائی مسلمانی سے بھی کچھ رغبت رکھتا ہے)

اس شخص نے عرض کیا: میں اسی غرض سے اُسے یہاں لایا ہوں کہ جناب کی نظر التفات سے وہ مسلمان ہو جائے۔ شیخ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے فرمایا: اس قوم پر کسی کے کہنے کا اثر نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کسی صالح مرد کی صحبت میں آجایا کریں تو شاید اس کی برکت سے مسلمان ہو جائیں۔" اس کے بعد انہوں نے ایک طویل حکایت بیان کی جو تبدیلی مذہب کے بنیادی اصولوں پر اُن کے خیالات کی بہترین ترجمانی کرتی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کو نہ تو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جاسکتا ہے نہ زبانی تلقین سے اچھا کردار' تلوار اور زبان سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔ اس کی مقناطیسی قوت' اعتقاد و عملی میں انقلاب برپا کرسکتی ہے۔ دوسروں کو مسلمان بنانے سے پہلے خود مسلمان بننا ضروری ہے۔ پھر تمہاری صحبت میں جو آئے گا خود مسلمان ہو جائے گا۔

مشائخ چشت ہدایت فرماتے تھے کہ اگر کوئی ہندو تمہاری صحبت سے گرویدگی یا عقیدت کی بنا پر تمہارے پاس آنے جانے لگے اور تم سے ذکر وغیرہ کے متعلق پوچھے تو فوراً بتادو' اس فکر میں نہ رہو کہ وہ باقاعدہ مسلمان ہو جائے جب اُسے روحانی تعلیم دی جائے۔

---

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۳۲۱ [2] فوائد الفواد۔ ص ۱۸۲

Marfat.com

شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"صلح با ہندو و مسلمان سازند و ہر کہ ازیں دو فرقہ کہ اعتقاد و بشما داشتہ باشند' ذکر و فکر مراقبہ و تعلیم او بگویند کہ ذکر بخاصیت خود او را بر بقہ اسلام خواہد کشید۔" [1]

شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت ہم اوپر نقل کر آئے ہیں کہ فرماتے تھے کہ اگر بیعت کے شرائط و قواعد کو وہ پہلے ہی سے بیان کر دیں تو بہت سے لوگ محروم رہ جائیں۔ دینی معاملات میں سہولت پیدا کرنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ انسانی فطرت کو بیک وقت بہت سے اصول و قواعد کی بندش میں جکڑنا اچھا نہیں۔ کسی نئی قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکامات کا بوجھ ایک دفعہ ان پر ڈال دینا' نفسیاتی مصلحتوں کے خلاف ہے۔ [2] شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ (باب التیسیر [3] میں مذہبی آسانیوں پر مفصل گفتگو کی ہے اور بتایا ہے کہ لوگوں کی طبیعت کی رغبتوں

---

[1] مکتوبات کلیمی۔ ص ۴۷

[2] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبل کو یمن روانہ کرتے ہوئے ہدایت فرماتے ہیں

انک تاتی قوما من اهل الکتاب فادعهم الی شهادة ان لا اله الا اللّٰهُ وانی رسول اللّٰه فان هم اطاعو الذالک فاعلمهم ان اللّٰه افترض علیهم خمس صلوٰت فی کل یوم ولیلة فان هم اطاعوا لذالک فاعلمهم ان اللّٰه افترض علیهم صدقة توخذ من اغنیاء هم وترد الی فقراء هم فان هم اطاعو الذالک فایاک و کرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانه لیس بینها وبین اللّٰه حجاب.

تم اہل کتاب کے پاس جاتے ہو' پہلے اُن کو کلمہ توحید کی دعوت دو' اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے رات اور دن میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے اُن پر صدقہ فرض کیا ہے' جو ان کے امراء سے لے کر اُن کے غربا پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر وہ اس کو بھی تسلیم کر لیں تو اُن کے بہترین مال سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا' کیونکہ اس میں اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

[3] حجۃ اللہ البالغہ۔ جلد اول ص ۲۱۱

Marfat.com

کو سامنے رکھ کر مذہبی اصولوں کے اتباع کی دعوت دینی چاہیے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو تبلیغی کام کے لیے یمن روانہ کیا' تو ہدایت فرمائی۔

لیسرا و لا تعسرا وبشرا و لا تُنَفِّرا وتطاوعا و لاتختلفا

(دین کو) آسان کر کے پیش کرنا' سخت بنا کر نہیں۔ لوگوں کو خوش خبری سنانا' نفرت نہ دلانا اور باہم ہمیشہ موافق رہنا' اختلاف نہ کرنا۔

مشائخ چشت' اشاعتِ دین کے اسی اصول پر عامل تھے۔ اور اسی کو زیادہ موثر خیال کرتے تھے۔

ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے لے کر شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے تک مشائخ کو ایسے لوگوں کی اصلاح و تربیت کرنی پڑی ہے جنھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا' لیکن اپنے قبیلے کے ڈر سے اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ فوائد الفواد میں لکھا ہے:

"یکے از حاضران پرسید کہ ہندوے کہ کلمہ می گوید وخدائے را بوحدانیت یاد می کند رسول را برسالت' اما ہمیں کہ مسلمان می آیند ساکت می شود عاقبت او چہ باشد" [1]

حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ ایک ہندو کلمہ پڑھتا ہے' اللہ کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت پر اعتقاد رکھتا ہے' لیکن جو ہی مسلمان آتے ہیں' خاموش ہو جاتا ہے۔ اس کی عاقبت کیسی ہوگی۔

شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک خط میں شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں:

"دیگر مرقوم بود بھیہ دیارام دہندوہائے دیگر بسیار ور ربقہ اسلام درآمدہ اند۔ اما بر مردم قبیلہ پوشیدہ می مانند۔" [2]

---

1. فوائد الفواد ص ۱۳۵   2. مکتوبات کلیمی ص ۲۵

Marfat.com

شا کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس چیز کو پسند نہیں کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ آہستہ آہستہ تبدیلی مذہب کا ظہار بھی ہو جانا ضروری ہے۔[1] حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے لوگوں کے متعلق صرف اتنا فرمایا تھا:

"معاملہ او بحق است' تاحق چہ کند
انشاء عفا و انشا عذب"

---

[1] مکتوبات کلیمی ص ۲۵

Marfat.com

(5)
سماع کی شرائط

اصلاح وتربیت سے متعلق اس بات کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چشتیہ سلسلہ کی ایک اہم رسم سماع کے متعلق یہاں کچھ عرض کر دیا جائے۔

سماع کے مسئلے پر علماء ومشائخ میں بڑا اختلاف رہا ہے۔ بعض مشائخ نے اس کو روحانی ترقی کے لیے لازمی قرار دیا ہے۔ کچھ علماء نے اس کو صریحاً حرام بتایا ہے۔ بعض محتاط بزرگوں نے "نہ انکاری کنم نہ ایں کاری کنم" کہہ کر سکوت اختیار کر لیا ہے۔ اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں کے مطالعہ کے لیے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رسالہ السماع والرقص [1] مولانا ابوالفرح ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب تلبیس ابلیس [2] مولانا فخر الدین زرادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رسالہ اصول السماع امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کیمیائے سعادت۔ شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی کشف المحجوب اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رسالہ قرع الاسماع باختلاف اقوال المشائخ واحوالھم فی السماع ملاحظہ کرنا چاہیے۔

مولانا محمود کاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مشائخ کے لیے اس کی ضرورت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

اصحاب ریاضت وارباب مجاہدہ را از کثرت معاملات گاہ گاہ اتفاق افتد کہ کلالتے وملالتے در قلوب ونفوس حادث شود، وقبض دیا سے کہ موجب فتورِ اعمال وقصور احوال بود

---

[1] اردو ترجمہ "وجد وسماع" از مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی (مطبوعہ الہلال بک ایجنسی
[2] مطبوعہ مصر ۱۹۲۸ء)

Marfat.com

طاری گردد" بس مشائخ متاخراز برائے رفع ایں عارضہ و دفع ایں حادثہ ترکیبے روحانی از سماع صوات طیبہ والحان تناسبہ واشعارِ مہیجہ مشقوقہ بروجہے کہ مشروع بود نمودہ اند۔"[1]

مشائخ چشت' سماع کو روحانی غذا سے تعبیر کرتے تھے' لیکن اس کے آداب کا نہایت سختی سے خیال رکھتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سماع کی چار قسمیں ہیں۔ حلال ' حرام ' مکروہ اور مباح۔ اگر صاحبِ وجد کو حق کی طرف زیادہ میل ہے' تو سماع اس کے حق میں مباح ہے اگر اس کا میلان مجاز کی طرف زیادہ ہے تو سماع اس کے حق میں مکروہ ہے۔ لیکن جس کا دل بالکل مجاز ہی کی طرف ہو اس کے لیے سماع حرام ہے۔ جب میلان طبع بالکل حق کی طرف ہو تو حلال ہے۔[2]

سماع کے حلال ہونے کے لیے چار چیزوں کی ضرورت تھی

(1) مُسمّع (2) مستمع (3) مسموع (4) آلہ سماع

مُسمّع (یعنی گانے والا) مرد کامل ہو لڑکا یا عورت نہ ہو۔ مستمع (یعنی سننے والا) یاد حق سے خالی نہ ہو۔ مسموع (یعنی جو چیز گائی جائے) فحش نہ ہو۔ آلہ سماع (یعنی مزامیر) موجود نہ ہوں[3] مشائخ چشت کا خیال تھا کہ اگر ان میں سے ایک شرط بھی پوری نہ ہو تو مسماع حرام ہے۔

رفتہ رفتہ ان شرائط کو نظر انداز کیا جانے لگا۔ یہاں تک کہ سماع کی روح ختم ہو گئی اور بقول شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' صرف 'ہائے ہوئے سماع'' رہ گیا۔ شاہ صاحب نے ان ہی حالات کے پیش نظر اعلان کیا کہ کثرت سماع ہم خوب ندارم' اور اس کی وجہ یہ بتائی۔

"امروز قدر راگ مشائخ نمی شناسند و آداب را رعایت[4] نمی کنند۔"

---

[1] مصباح الہدایت ص ۱۸۲۔ ۱۸۰ آقائے جلال الدین ہمائی نے سماع میں نہایت دلچسپ مکمل تشریحی نوٹ لکھا ہے۔

[2] سیر الاولیاء ص ۴۹۱ [3] سیر الاولیاء ص ۴۹۲۔ ۴۹۱

[4] مکتوبات کلیمی۔ ص ۸۳

Marfat.com

مشائخ چشت

(سلسلہ نظامیہ)

متاخرین

Marfat.com

سیاسی حالات

اقتصادی حالت

معاشرہ وتمدن

اخلاق اور مذہب

1۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
2۔ حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
3۔ حضرت شاہ فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
4۔ خواجہ نور محمد مہاوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
5۔ شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
6۔ خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
7۔ حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
8۔ شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
9۔ حافظ محمد علی خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
10۔ حاجی نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
11۔ خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
12۔ خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

Marfat.com

اٹھارویں اور انیسویں صدی کا ہندوستان

سیاست۔ اقتصادی حالات۔ معاشرہ اور مذہب

(1)

سیاسی حالات

اٹھارویں صدی عیسوی' صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں بڑی اہم سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کا زمانہ تھا۔ کچھ ملک غلامی کی زنجیریں توڑنے میں مصروف تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کی گردنوں میں غلامی کے طوق ڈالنے کی تیاری کی جارہی تھی۔ امریکہ کی جنگِ آزادی کامیاب طور پر لڑی جا چکی تھی۔ انقلابِ فرانس نے سارے یورپ میں آزادی کی تحریکوں کو اُبھار دیا تھا۔ پرانا سیاسی اور سماجی نظام درہم برہم ہو رہا تھا اور انگلستان کے مشہور شاعر ورڈ سورتھ (Words Worth) کو فرانس میں ایک نئی دنیا جنم لیتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن عالم اسلامی کی حالت بالکل مختلف تھی۔ وہاں عام رجحان پستی اور تنزل کی جانب تھا۔ ایک طرف دولتِ عثمانیہ کا آفتابِ اقبال تیزی کے ساتھ گہن میں آ رہا تھا۔ دوسری طرف ایران میں انتشار وابتری کا دور دورہ تھا۔ اِدھر سلطنت مغلیہ دم توڑ رہی تھی۔ نئی نئی قوتیں اُبھر کر سیاسی فضا کو مکدر کر رہی تھیں اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مسلمانوں کی سیاست اور سماج کی ساری بنیادیں ہمیشہ کے لیے ہل جائیں گی۔

3 مارچ 1707ء کو اورنگ زیب نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ تقریباً نصف صدی

Marfat.com

تک وہ ہندوستان کے سیاسی حالات کو درست کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ اور بڑی حد تک اُس میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ آخری وقت میں اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ وہ صلح اور خوش دِلی کے ساتھ سلطنت کو تین حصوں میں تقسیم کر لیں۔ یہ وصیت حالات کے گہرے مطالعہ اور اپنے بیٹوں کو صلاحیتوں کے صحیح جائزے پر مبنی تھی۔ عالمگیر کی دور بین نگاہوں نے اُن طاقتوں کو اُبھرتے ہوئے دیکھ لیا تھا جن کا اِستیصال ایک مرکز سے قطعاً ناممکن تھا۔ لیکن اس کے تنگ نظر اور خود غرض جانشینوں نے اس وصیت کی طرف توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طاقت جو تین مرکزوں میں تقسیم ہو کر مخالف قوتوں کو دبانے میں صرف کی جا سکتی تھی، آپس میں لڑ کر ختم ہو گئی۔

1707ء سے 1758ء تک اگر ایک طرف جنگِ تخت نشینی نے سیاسی نظام کو متزلزل رکھا تو دوسری طرف بادشاہوں کی کوتاہ اندیشی، عیش پرستی اور پست ہمتی نے حالات کو بد سے بدتر کر دیا۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں باغیانہ قوتیں کام کرنے لگیں۔ اور ہر طرف لوٹ مار قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔ ان حالات میں کچھ بوریہ نشینوں نے بادشاہ کو اس کے گہوارۂ عیش و عشرت میں بیدار کرنے کی کوشش کی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بادشاہ، وزیر اور امراء کے نام دس کلمات کا ایک اعلان جاری کیا، جس میں مطالبہ کیا۔

''آنکہ بادشاہ اسلام و امراء کبار بہ عیش و حرام مشغول نشوند، از گذشتہ توبہ نصوح بجا آرند و آئندہ اجتناب نمایند۔''[1]

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہدایت کی۔

''پس اول مقدم ایں است کہ آں صاحب بذات خود مستعد محنت کشی و ملک گیری شوند۔''[2]

---

[1] ''شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات''، مرتبہ خاکسار راقم الحروف ص ۴۲

[2] مناقب فخریہ۔ ص ۳۶۔۳۵

Marfat.com

لیکن 'مے ورامش ورنگ وبو' کی اس دنیا میں مدرسوں اور خانقاہوں کی یہ آواز کہاں سُنی جاسکتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ زوال وانحطاط کی رفتار تیز سے تیز تر ہوگئی۔ مرکزی حکومت کا ڈھانچہ بے جان ہوکر گرنے لگا۔ صوبائی گورنروں' جاگیرداروں' امراء اور حکام نے سیاسی بدنظمی سے فائدہ اُٹھا کر اپنی طاقت بڑھانی شروع کردی۔ اور وہ سلطنت مغلیہ جس کا اقتدار کبھی کشمیر سے دکن اور بنگال سے کابل وقندھار تک تسلیم کیا جاتا تھا۔ سمٹ کر قلعہ معلیٰ کی چار دیواری میں آگئی!

فرماں رواؤں کی غفلت اور عیش پسندی سے سب سے پہلے جو طبقہ فائدہ اُٹھایا کرتا ہے وہ ہمیشہ اُمراء کا ہوتا ہے۔ اٹھارویں صدی میں اُن اُمراء نے جو حالات پیدا کردئے تھے وہ حد درجہ افسوسناک تھے۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے وہ ایک طرف گروہ بندی کرتے تھے۔ دوسری طرف بیرونی طاقتوں سے ساز باز' اس طرح سماج اور سیاست کا ہر ہر گوشہ ان کی شاطرانہ چالوں سے متاثر ہوتا تھا۔ جماعت بندی کے مسموم اثرات محلات سے لے کر جھونپڑوں تک پہنچتے تھے۔ اور سماجی زندگی کی تلخیوں میں اضافہ کرتے تھے۔ دربار میں دو مستقل پارٹیاں (ایرانی اور تورانی) تھیں۔ ہندوستان کی سیاست ان ہی دو پارٹیوں کے گرد گھومتی تھی تاریخ احمد شاہی کے مصنف نے ان حالات میں لکھا تھا۔

"یہ تمام فتنہ وفساد ایرانی اور نورانی امراء کے آپس کے جھگڑوں کا نتیجہ ہے۔"[1]

سیاسی حالات کا اُتار چڑھاؤ ان ہی امراء کی ابروئے چشم کے تابع تھا۔ سرجادو ناتھ سرکار کا خیال ہے کہ سلطنتِ مغلیہ کے آخری دور کی تاریخ صرف ان ہی دو پارٹیوں کی بزد آزمائی کا نام ہے۔[2]

مرکز کو کمزور پاکر صوبائی حکومتوں کا اعلان خودمختاری کردینا بالکل فطری بات تھی' چنانچہ سعادت علی خاں نے اودھ میں' علی وردی خاں نے بنگال میں اور نظام الملک نے دکن

---

[1] Fall of the Mughal Empire vol I p 439

[2] Fal of the Mughal Empire Vol I p 13

Marfat.com

میں اپنا اقتدار قائم کر لیا اور اس طرح سلطنت مغلیہ کا سیاسی اقتدار اور اقتصادی ذرائع ختم ہو گئے۔

جو علاقہ شاہانِ مغلیہ کے قبضہ میں تھا' وہاں جاگیرداری اور اجارہ داری کی رسمیں جاری تھیں اور اُن کے مذموم اثرات کاشتکار سے لے کر حکومتِ وقت تک کے لیے پریشانی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ بڑے جاگیردار ایک طرف حکومت کے ٹیکس ادا کرنے سے گریز کرتے تھے۔ دوسری طرف غریب کاشتکاروں کا خون چوستے تھے اُن کا وجود حکومت کے لیے پریشان کن اور کاشتکاروں کے لیے ایک بلائے آسمانی کی مانند تھا۔ چھوٹے منصب داروں کی حالت مختلف تھی۔ انھیں کوئی لگان دینے پر ہی آمادہ نہ ہوتا تھا۔ مرکزی حکومت نے اپنا کام آسان کرنے کے لیے سارا ملک جاگیرداروں میں بانٹ رکھا تھا۔ جو علاقہ باقی رہ گیا تھا وہاں اجارہ داری کی رسم جاری کر دی تھی۔ ان حالات میں ہر طبقہ پریشان اور اقتصادی بدحالی میں مبتلا تھا۔ بادشاہ کے ایک لاکھ ملازمین تھے۔ جن میں سے کچھ اہل نقدی تھے اور کچھ اہل جاگیر۔ دونوں کی حالت بقول شاہ ولی اللہ یہ ہو گئی تھی کہ

کاسۂ گدائی در دست گرفتہ [1]

ان حالات میں ناگزیر تھا کہ ملک کے وہ تمام عناصر جو تھوڑی سی بھی قوت جمع کر سکتے ہوں۔ قسمت آزمائی کے لیے تیار ہو جائیں۔ سکھ' مرہٹے' روہیلے' جاٹ سب نے اس ماحول میں ہنگامہ آرائی کی' اور حالات کو اس درجہ خراب کر دیا کہ امن و سکون ملک سے مستقل طور پر رخصت ہو گیا۔ فتنہ و فساد' منافرت و عداوت لوٹ مار اور غارت گری نے سماجی زندگی کا نام و نشان بھی باقی نہ چھوڑا۔

سیاسی انتشار' اخلاقی زبوں حالی اور معاشی بحران کے اس دور میں ایک بیرونی طاقت نے اپنے پنجے جمانے شروع کیے' اور رفتہ رفتہ پورے ملک پر قبضہ کر لیا۔ اس غیر ملکی تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لیے کچھ کوششیں بھی کی گئیں لیکن اس بیرونی طاقت کے

---

[1] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات۔ ص ۵۱

Marfat.com

پیچھے یورپ کا صنعتی انقلاب تھا' اور شہنشاہیت کا بے پناہ خمار۔ یہ کوششیں فوری طور پر بارآور نہ ہوئیں اور کچھ عرصہ کے لیے ملک غلامی کی زنجیروں میں جکڑا گیا۔

جن مشائخ کے حالات' آپ ان صفحات پر پڑھیں گے وہ اسی ماحول میں پیدا ہوئے تھے اور اسی ماحول میں ان کو کام کرنا پڑا تھا۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بعض اہم سیاسی تحریکوں کا جائزہ لے کر ہم آگے بڑھیں۔

سکھ:

پندرویں صدی میں اسلام کے اثر سے ہندوؤں میں جو مذہبی رہنما پیدا ہوئے تھے۔ ان میں گرونانک (1538۔1496) کی شخصیت خاص اہمیت رکھتی ہے۔ وہ بڑے وسیع مشرب انسان تھے۔ وحدانیت' اخلاقی زندگی اور سماجی مساوات پر اُن کا ایمان تھا۔ مسلمان بزرگوں اور صوفیہ کی صحبت سے وہ کافی مستفیض ہوئے تھے۔ پاک پٹن میں حضرت بابا فرید گنج شکر کے سجادہ نشینوں کی صحبت سے کافی فائدہ اُٹھایا تھا۔[1] ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے لکھا ہے:

> "بابا نانک انسانی دل کو سیاسی آزادی نہیں بلکہ روحانی آزادی دلانا چاہتے تھے۔ ان کا مقصد تھا کہ اُن کے پیرو' خود غرضی' مذہبی تعصب اور روحانی جمود سے آزاد ہوں۔ گرو گوبند نے ان کی روحانی طاقت کو مادی کاموں میں لگا دیا۔ یہ ایک اچھی تحریک کا حسرت ناک انجام تھا۔"[2]

جب تک سکھوں کی تحریک خالصتاً مذہبی رہی' مسلمان بادشاہوں نے اس کے رہنماؤں کے ساتھ بڑی عزت اور احترام کا برتاؤ کیا' لیکن جب اُس نے سیاسی رنگ اختیار کرلیا تو مغل بادشاہوں کے تعلقات کی نوعیت بھی بدل گئی۔ مشہور ہے کہ جب بابر ہندوستان آیا' تو گرونانک کی خدمت میں عقیدت مندانہ حاضر ہوا۔ گرونانک نے اُسے

---

[1] Irvine : Letter Mughals, Vol I p. 74

[2] Modern Review, April 1911

Marfat.com

ہندوستان کی فتح اور سات پشتوں تک اس کی نسل کی حکمرانی کی دعا دی[1] اکبر نے گرو جی امر داس وغیرہ کی بڑی عزت کی۔ گرو ارجن کے متعلق تو یہاں تک مشہور ہو گیا تھا کہ اُن کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ شہنشاہ تک اُن کے آگے جھکتا ہے[2] جب اکبر چتور پر حملہ آور ہوا تو بھگوان داس کو گرو امر داس کے پاس دعا کے لیے روانہ کیا[3] کہتے ہیں کہ اکبر نے خود حاضر ہو کر ان سے بارہ دیہات قبول کرنے کی درخواست کی تھی۔[4] گرنتھ پر اشرفیاں چڑھائی تھیں۔ اگر وارجن کی سفارش پر پنجاب کا ایک سال کا لگان معاف کر دیا تھا[5] امرتسر جس کا قدیم نام گرو چاک ہے' اکبر ہی نے سکھوں کو دیا تھا[6] سر جیمس ڈوئی (Sir James Douie) نے لکھا ہے کہ سکھوں کے ساتھ اکبر کے اس اچھے برتاؤ کا ایک سبب یہ تھا کہ اکبر کے آزادانہ مذہبی افکار بہت حد تک ان گروؤں کے اصولوں سے ہم آہنگ تھے۔[7]

مغل بادشاہوں کے یہ تعلقات اس وقت تک رہے جب تک سکھوں کے رہنماؤں نے سیاست میں مداخلت نہیں کی۔ جوں ہی اس تحریک نے رنگ بدلا' شاہان مغلیہ کے رویہ میں بھی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ مسلمان بادشاہوں کی مخالفت کا سبب کوئی مذہبی عناد نہ تھا۔ بلکہ اس کی وجہ کلیتاً سیاسی تھی۔[8] گرو ارجن نے ایک سیاسی نظام تیار کیا' اور امرتسر کو عسکری مرکز بنا کر کابل سے ڈھاکہ تک جہاں جہاں سکھ بستے تھے اُن سے محصول لینا شروع کیا۔ اس طرح بقول ڈاکٹر تارا چند ایک مذہبی برادری' ایک حکمراں طبقہ میں منتقل

1۔ 'شمشیر خالصہ' از گیانی سنگھ گیانی و بابو راجندر سنگھ۔

2۔ Macauliffe III p , 28

3۔ تاریخ ہند' مولوی ذکاء اللہ مرحوم' جلد ۹ ص ۴۹

4۔ // // ص ۴۹

5۔ تاریخ ہند۔ جلد ۹ ص ۵۲

6۔ چاک ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ گرو چاک کے معنی ہوئے وہ ٹکڑا جو گرو کو پیش کیا جائے۔

7۔ The Punjab , P . 175

8۔ Sarkar: History of Aurangzeb vol III , p. 305

Marfat.com

ہوگئی۔[1] دولت کی ہوس اس قدر بڑھ گئی کہ خود سکھوں میں مشہور ہوگیا کہ دنیا کی دولت گرونانک سے بارہ کوس کے فاصلہ پر تھی۔ گروانگد سے ۶ کوس پر گروامرداس کے دروازہ پر، گروامرداس کے قدموں میں گروارجن کے گھر میں[2] سکھوں کا سب سے پہلا جھگڑا جہانگیر سے ہوا۔ گروارجن (1581ء1609) نے شہزادہ خسرو کو جس نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی تھی، پناہ دی۔ جہانگیر نے اس بات پر گرو کو دربار میں بلایا اور جرمانہ کیا۔ جب انھوں نے جرمانے کی ادائیگی سے انکار کیا تو ان کو سزادی گئی۔ ڈاکٹر بینی پرشاد نے صحیح لکھا ہے کہ سزا صرف سیاسی اسباب کی بنا پر دی گئی تھی۔ اگر گروارجن ایک باغی شہزادے کی مدد نہ کرتے تو وہ بلا ضرر اور پورے اطمینان کے ساتھ اپنے دن گذار سکتے تھے[3] سرجادو ناتھ سرکار کا بھی یہی خیال ہے کہ اس قتل میں کوئی مذہبی جذبہ شامل نہ تھا۔ یہ سزا وہی تھی جو معمولاً سیاسی مجرموں کو دی جاتی تھی۔[4] واقعہ کی نوعیت کچھ بھی ہو، یہ حقیقت ہے کہ اس قتل نے شاہان مغلیہ اور سکھوں کے درمیان ایک ابدی منافرت کا بیج بودیا۔ اس کے بعد جب گروہرگو بند (1606۔1645) نے سکھوں کی تنظیم بالکل سیاسی نہج پر شروع کردی تو حکومت سے ان کا تصادم یقینی ہوگیا۔[5] ڈاکٹر سنہا نے گروگو بند کو سکھ عسکریت کا بانی بتایا ہے۔[6]

---

[1] History of the Indian People , p 269

نیز ملاحظہ ہوارون: ج ا ص ۷۶

[2] تاریخ ہند۔ مولوی ذکاءاللہ مرحوم۔ جلد ۹ ص ۵

[3] History of Jahngair, p . 130

[4] تاریخ اورنگ زیب جلد سوم ص ۳۰۸ (انگریزی)

[5] Douie: The Punjab P. 175

ایک پیرانہ سال سکھ بھائی بدھانے جب ان کی سیاسی ہوس پر ان کو تنبیہ کی تو انھوں نے جواب دیا کہ مجھے روحانی اور مادی دونوں تلواریں دی گئیں ہیں۔

ملاحظہ ہو Macanliffe , vol iv , p. 4. 5, 53

[6] N. K. Sinha Ranjit Singh , P . 175

Marfat.com

گرودھر رائے (1661۔1645) نے جنگ تخت نشینی کے دوران میں دارا شکوہ کو مدد دی۔[1] اور اورنگ زیب سے اُن کے تعلقات خراب ہو گئے۔ پھر تیغ بہادر (1675۔1664) نے کشمیر کے ہندوؤں میں بغاوت پھیلانی شروع کی تو اورنگ زیب نے ان کو قتل کرا دیا۔[2] گرو گوبند سنگھ (1708۔1675) سے بھی اس کے تعلقات خراب رہے۔ 1676ء میں جب بادشاہ جامع مسجد سے نکل رہا تھا تو ایک سکھ نے بادشاہ پر اینٹیں پھینکیں۔[3] اب سکھوں کی دشمنی صرف بادشاہوں تک ہی محدود نہ رہی عام مسلمانوں سے بھی مخالفت شروع ہو گئی۔ سکھ راہنماؤں نے حکم دیا کہ کوئی سکھ مسلمان بزرگوں کی قبروں پر نہ جائے۔ اگر جائے گا تو 125 روپے جرمانہ کیا جائے گا۔[4]

اورنگ زیب نے جب اُن کے سیاسی اقتدار کو بڑھتے ہوئے دیکھا اور سلطنت مغلیہ سے اُن کی دشمنی کا پورا یقین ہو گیا تو ان کے استیصال کی کوششیں شروع کر دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی اجتماعی وحدت کا خاتمہ ہو گیا نہ ان کا ایک مرکز رہا۔ نہ ایک رہنما۔ ان کی طاقت منتشر ہو گئی۔ سر جادو ناتھ سرکار کا خیال ہے کہ اگر اورنگ زیب کے جانشیں لائق ہوتے تو سکھوں کا بھی وہی حشر ہوتا جو دہنو کی دانگ اور تانیتہ ٹوپی کا برطانوی عہد میں ہوا تھا۔[5] اورنگ زیب کے کم زور جانشینوں نے ان کی لالچ کو اور بڑھا دیا۔ اور ان کی چیرہ دستیاں اور مظالم اس حد تک پہنچ گئے کہ

"زنہائے حاملہ راشکم دریدہ وجنین راکشیدہ می کشتند۔"[6]

---

[1] اروِن جلد اول۔ ص ۷۷ (انگریزی)

[2] تاریخ اورنگ زیب۔ سر جادو ناتھ سرکار۔ جلد سوم ص ۳۱۶

[3] مآثر عالمگیری۔ ص ۱۵۴

[4] تاریخ اورنگ زیب۔ جلد سوم۔ ص ۳۱۶

[5] تاریخ اورنگ زیب۔ جلد سوم۔ ص ۳۲۰

[6] سیر المتاخرین۔ ص ۴۰۲

Marfat.com

باندا کے مظالم سے تمام شمالی ہندوستان گھبرا اُٹھا۔ 1710ء میں جب سرہند پر سکھوں کا حملہ ہوا تو بہت سے مسلمانوں نے ہندوؤں کے گھروں میں بھیس بدل کر پناہ لی۔[1] اُن کے مظالم زندوں تک محدود نہ رہے۔ شاہ قمیض قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزار خود اُن کی اولاد سے جبراً کھدوایا گیا۔[2] سہارنپور میں عورتیں سکھوں کے ڈر سے کنوؤں میں ڈوب کر مر گئیں۔[3] بعض لوگوں نے قتل وغارت گری کے اس ہنگامہ میں اپنے نام بدل دیے۔[4]

1739ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا۔ اس کے بعد سکھوں کی طاقت اور ہمت میں اضافہ ہو گیا۔ 1739ء سے 1765ء تک متعدد بیرونی حملوں کی وجہ سے حالات خراب ہو گئے اور سکھوں کو ہنگامہ آرائی کا موقع ملا۔ انھوں نے 1764ء میں لاہور پر قبضہ کر لیا اور جہلم سے جمنا تک اپنا تسلط قائم کر لیا۔ 1765ء اور 1800ء کے درمیان ان کا اقتدار اور بڑھا۔ اٹک سے کرنال تک اور ملتان سے جموں تک اُن کے قبضہ میں آ گیا۔ اور انھوں نے دوآب اور روہیل کھنڈ پر بھی حملہ کرنے شروع کر دیے۔ انیسویں صدی کے شروع میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پنجاب میں اپنا اقتدار قائم کیا اور سکھوں کی طاقت اپنے پورے عروج پر پہنچ گئی۔

روس کے ایک مشہور فاضل پروفیسر ای' ایم ریسنر (E.M Reisner) نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اٹھارویں صدی میں سکھوں کی تحریک بہت ترقی پسند تھی۔ وہ حقیقتاً (Anti - Feudel) تھے۔[5] لیکن اٹھارویں صدی کی تاریخ اس خیال کی تائید

---

[1] اردن۔ جلد اول۔ ص ۹۶

[2] مرات واردات۔ محمد شفیع وارد بحوالہ اردن جلد اول ص ۹۷

[3] اردن جلد اول۔ ص ۱۰۱، تاریخ ہند (مولوی ذکاء اللہ) جلد ۹ ص ۶

[4] دستور الانشاء یار محمدؒ ص ۸

[5] Medieval India Quarterly, p 7l. October 1950

Marfat.com

نہیں کرتی۔ اٹھارویں صدی میں سکھوں نے جو حالات پیدا کردئے تھے ان سے لوگوں کے مصائب میں بڑا اضافہ ہو گیا تھا۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ ایک کل ہندسیاسی نظام قائم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔

اٹھارویں صدی کے لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ سکھوں کے حملوں کی وجہ سے لوگ کس قدر پریشان رہتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انتہائی پریشانی کے عالم میں اپنے چچا کو لکھتے ہیں:

ایام بر داتت فالقلب منجزع من قم سکھ و ان الخون معقول

سردیوں کا موسم آ گیا اور دل پریشان ہے سکھ قوم سے اور دل کا یہ اندیشہ معقول ہے

مرہٹے:

اورنگ زیب نے اپنی زندگی کے آخری 26 سال دکن میں مرہٹوں سے جنگ کرنے میں صرف کئے تھے۔ 25 نومبر 1681ء کو وہ برہان پور پہنچا تھا اس کے بعد "ختم سفر" (3 مارچ 1707ء) تک وہ مرہٹوں سے بزدآزما تھا۔ جغرافیائی حالات کی بنا پر مرہٹوں کا مکمل خاتمہ ناممکن ہو گیا تھا۔ لیکن تمام مشکلات کے بوجود اس نے مرہٹوں کے ایک مرکز اور اجتمائی قوت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ صحیح ہے کہ اُن کی اجتماعی طاقت کے منتشر ہونے کے بعد عالمگیر کو بجائے ایک جگہ کے' مختلف مقامات پر اُن کا مقابلہ کرنا پڑا اور اس طرح اس کا کام اور زیادہ مشکل ہو گیا' لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اگر چند سال اورنگ زیب کے جانشین پوری طرح جدوجہد کرتے تو مرہٹوں کی سیاسی طاقت کا خاتمہ ہو جاتا۔

اورنگ زیب کے مرنے کے بعد مرہٹوں کی طاقت میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ دکن اور گجرات کی صوبہ داری پر امراء آپس میں جھگڑتے تھے اور مرہٹوں کی طاقت بڑھتی تھی۔[1] جب مرہٹوں کا طوفان شمال کی جانب اُمنڈتا تھا تو اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے حکومت کی طرف سے مرہٹوں کو مراعات دی جاتی تھیں' تاکہ وقتی طور پر وہ طوفان رُک

[1] سرجادوناتھ سرکار: "زوال سلطنت مغلیہ" جلد اول ص ۶۷

Marfat.com

جائے۔ان مراعات نے مرہٹوں کی ہمت میں اضافہ کردیا۔جب فرخ سیر اور سید برادران میں کش مکش ہورہی تھی تو سید حسین علی نے دکن میں مرہٹوں کو اپنا ساتھی اور مددگار بنانے کی نیت سے بالاجی وشواناتھ کو تمام دکن سے چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے کا حق دے دیا[1] بادشاہ نے اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تو حسین علی فروری 1719ء کو مرہٹوں کی فوج کے ساتھ دہلی پر حملہ آور ہوا! یہ واقعہ گو اس ماحول میں جو عالم گیر کے بعد پیدا ہو گیا تھا' کچھ غیر معمولی نہ تھا' لیکن جس دن حسین علی مرہٹوں کو اپنا مددگار بنا کر مغلوں کے دارالسلطنت میں لایا تھا۔اسی دن مغلیہ سلطنت کے اقتدار کا جنازہ اُٹھ گیا تھا! ڈاکٹر سنہا نے لکھا ہے کہ مرہٹوں کا اس وقت دہلی آنا اُن کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ تھا۔وہ اس وقت ملازمین کی حیثیت سے نہیں بلکہ مددگار کی حیثیت سے آئے تھے بالاجی وشواناتھ کے بعد اس کے بیٹے باجی راؤ (۴۰۔ ۱۷۲۰) نے مالوہ اور گجرات سے خراج وصول کیا اور بندھیل کھنڈ پر قبضہ کرلیا۔۴۔۱۷۳۳ء میں مرہٹوں کا یہ حال تھا کہ گوالیار سے اجمیر تک ۲۲۰ میل کے فاصلے میں پھیل گئے تھے۔راجہ جے سنگھ جو دہلی دروازہ سے زابد کے کنارے تک کا حاکم تھا' باوجود 30ہزار فوج رکھنے کے کچھ نہ کرسکتا تھا۔خود محمد شاہ کا یہ حال تھا کہ مرہٹوں کے حملہ کی خبر سُن کر جے سنگھ کو بیس تیس لاکھ دے کر مرہٹوں سے صلح خریدنے کے لیے بھیج دیتا تھا۔[2] بادشاہ کی اِن حرکتوں سے مرہٹوں کو سلطنتِ مغلیہ کی کمزوری کا خوب اندازہ ہوگیا' اور ان کی دست درازیاں بڑھنے لگیں۔بے حس اور خود غرض امراء کا یہ حال تھا کہ جب گجرات یا مالوہ پر مرہٹوں کے حملہ کی خبر بادشاہ کو پہنچتی تو اس کی پریشانی دور کرنے کے لیے شکار پر لے جاتے تھے۔[3] 1737ء میں مرہٹے دہلی پر حملہ آور ہوئے۔تو مغل بادشاہ نے دریا میں

۱؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

H.N Sinha: Rise of the Pesh was.

۲؎ Irvin: Later Mughals vol II P 227 - 8

۳؎ اردن۔ جلد دوم۔ ص ۲۷۸

Marfat.com

کشتیاں ڈلوا دیں تا کہ محل شاہی کی دریچی سے نکل کر بھاگنے میں سہولت ہو۔[1] طارق کی روح نے پکار پکار کر کہ اس کارزار ہستی میں عمل سے زندگی بنتی ہے۔لیکن ہنگامہ ہائے عیش و نشاط میں خلل انداز ہونے والی یہ صدائیں کون سنتا تھا!

بادشاہوں کی کمزوری اور امراء کی خود غرضی کے باعث مرہٹوں کو لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا موقع مل گیا۔[2] اُن کے مظالم نے شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ[3] تعالیٰ علیہ مرزا مظہر جان جاناں[4] 'شاہ عبدالعزیز[5] 'سلیم اللہ'[6] 'گنگا رام[7] ویشورو دیالنکر[8] اور بہت سے پرتگالیوں کے دل ہلا دئے بنگال کے مشہور شاعر گنگارام نے لکھا ہے:

''برگیوں (مرہٹوں) نے دیہاتوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔........کچھ لوگوں کے انھوں نے ہاتھ' ناک اور کان کاٹ لئے۔خوبصورت عورتوں کو وہ رسیوں میں باندھ کر لے گئے۔جب ایک بارگی زنا کر چکتا تھا تو دوسرا کرتا تھا۔عورتیں چیخیں مارتی تھیں۔........انھوں نے گھروں کو آگ لگا دی اور ہر طرف لوٹ مار کرتے ہوئے گھومے۔''[10]

ویشورو دیالنکر نے لکھا ہے کہ شاہو راجہ کی فوجیں' حاملہ عورتوں' بچوں' برہمنوں اور غریبوں کو بڑی بیدردی کے ساتھ قتل کرتی تھیں۔وہ ہر طرح کے گناہ کا ارتکاب کرتے تھے اور جدھر سے گذر جاتے ایک قیامت برپا ہو جاتی۔''[11]

---

۱ اردن۔جلد دوم ص ۲۹۱

۲ اورنگ زیب تک کوان امراء نے آخری عمر میں پریشان کیا تھا' سیر المتاخرین میں لکھا ہے:
''اما از تہاون بعض امراء رکاب کہ برائے اغراض خود انفصال ہنگامہ مرہٹہ نمی خواستند' استیصال مرہٹہ صورت نہ گرفت'' ص ۹۲۳

۳ ملاحظہ ہو'' شاہ ولی اللہ دہلوی'' کے سیاسی مکتوبات ص ۴۷۔۴۶

۴ // // کلمات طیبات

۵ // // شاہ صاحب کے عربی منظوم خطوط بنام شاہ اہل اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ

۱۱،۱۰،۶ Sarkar: Fall of the Mughal Empire Vol I P. 86 - 88

Marfat.com

ان حالات میں لوگوں کو اپنی زندگی وبال معلوم ہونے لگی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے مجبور ہو کر احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی کہ وہ ہندوستان آ کر مرہٹوں کے تسلط سے خلاصی دلائے۔[1] احمد شاہ ابدالی ہندوستان آیا اور پانی پت کے مقام پر مرہٹوں کی طاقت سے ٹکرایا۔ اس جنگ نے مرہٹوں کی طاقت کو پارہ پارہ کر دیا اور بقول سرکار مہاراشٹر میں کوئی گھر ایسا نہ رہا جہاں صفِ ماتم نہ بچھ گئی ہو۔ دس سال تک مرہٹوں نے شمال کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اس کے بعد دو تین بار انھوں نے اپنی طاقت کو مجتمع کر کے شمالی ہندوستان پر تسلط جمانے کی کوشش کی اور اس میں کچھ کامیابی بھی ہوئی' لیکن انگریزوں کے بڑھتے ہوئے۔ اقتدار کے مقابلہ میں اُن کو کوئی مستقل کامیابی حاصل ہونا ممکن نہ تھا۔

جاٹ:

اورنگ زیب کے آخری عہد میں جاٹوں کو عروج حاصل ہوا۔ انھوں نے دہلی اور آگرہ کے گردونواح میں اپنی گڑھیاں بنائیں اور تمام علاقہ میں لوٹ مار شروع کر دی۔ حد یہ ہے کہ اکبر کے مقبرے میں سے اس کی ہڈیوں کو نکال کر جلایا۔[2] یہ برتاؤ اس اکبر کے ساتھ تھا جس نے بندرہ بن اور متھرا میں جگل کشور' گوپی ناتھ' کو بند دیو وغیرہ منادر اپنے صرفہ سے جاٹوں کے لیے بنوائے تھے۔[3]

---

[1] آنندرام مخلص نے شاعرانہ انداز میں بات کہی ہے۔

بردلِ ماتیرہ روزاں زاں صفِ مژگان گذشت
انچہ از فوج دکن بر مُلک ہندستاں گذشت
در چمن بر برگِ گلہا نگذرد صبح از نسیم
بر گریباں اُنچہ از دستم شبِ ہجراں گذشت

[2] وقائع عالم گیری۔ چودھری نبی احمد سندیلوی۔ ص ۹۵ _ ۴۹

Smith: Akbar, The Great Mughal P. 328(N)

Nanucci: Vol II P. 320 Sarkar: Aurangzeb, V P. 299

[3] Smith , P 445 - 446

Marfat.com

جاٹوں کی گڑھیاں' دارالسلطنت سے اتنی قریب تھیں کہ حکومت کو ان سے مستقل خطرہ رہتا تھا۔ مغل فوجوں کی آمد و رفت اکثر اسی علاقے سے ہوتی تھی اور ان کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ بقول سرکار "دہلی اور آگرہ کی سڑک پر ایسا کانٹا برداشت نہیں کیا جاسکتا تھا۔"[1]

جاٹوں کے مظالم سے دہلی اور اردگرد کے باشندے سخت پریشان ہو گئے تھے۔ ہرچرن داس' مصنف چہار گلشن شجاعی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ "جب جاٹوں نے لوٹ مار شروع کی تو دہلی کے باشندے گھبراہٹ اور پریشانی میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے' وہ در بدر' گلی بہ گلی مارے پھرتے تھے' بالکل اسی طرح جیسے کوئی ٹوٹا ہوا جہاز ظالم موجوں کے رحم و کرم پر ہو' پاگلوں کی طرح ہر شخص پریشان حال اور گھبرایا ہوا نظر آتا تھا۔"[2] شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوبات سے دہلی کے باشندوں کی پریشانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک خط میں حافظ جاراللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لکھتے ہیں:

> وقد وقعت بالدهلی داهیة عظیمة فنهب الکفار من قوم جت البلدة القدیمة من الدهلی وعجزت الدولة عن دفعهم فنهبت الاموال وانتهکت وحرقت البیوت..... وکانت الواقعه فی اوائل رجب سنه 1161ھ و استمرت الی اواخر شعبان[3]
>
> دہلی میں ایک حادثۂ عظیم واقع ہوا۔ قوم جاٹ نے دہلی کے شہر کہنہ کو لوٹا اور حکومت اس فساد و شرارت کو دفع کرنے سے عاجز رہی۔ انھوں نے مال لوٹے' عزت و ناموس کو برباد کیا اور مکانات کو آگ لگائی .... اور یہ لوٹ مار کا حادثہ اوائل رجب 1161ھ میں ہوا اور آخر شعبان تک باقی رہا۔

1. Sarkar: Fall of The Mughal Empire Vol I P. 369
2. قلمی نسخہ 410/b
3. "شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سیاسی مکتوبات" ص ۸۹

Marfat.com

روہیلے:

سترویں صدی میں افغانوں کے کچھ جتھے ہندوستان آ کر مختلف مقامات پر بس گئے۔ بریلی۔ شاہ جہاں پور' فرخ آباد میں خاص طور سے اُن کی نو آبادیات قائم ہوئیں۔ فرخ آباد کے افغانوں نے محمد خاں بنگش کی قیادت میں بڑا عروج حاصل کیا۔ بریلی کے افغان قبائل روہیلوں کے نام سے مشہور ہوئے اور انھوں نے اتنی تیزی کے ساتھ تنظیم کی کہ اٹھارویں صدی کی سیاسی دنیا میں اپنے لیے ایک خاص جگہ پیدا کر لی۔

اٹھارویں صدی کے ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی طبقہ اگر عیش و عشرت کی زندگی سے محفوظ تھا تو وہ صرف روہیلے تھے۔ ان میں عسکری صلاحیت اور سیاسی بصیرت کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ وہ مہلک امراض جنہوں نے سلطنتِ مغلیہ کے جسم کھوکھلا کر دیا۔ اُن کو چھو کر بھی نہ گزرے تھے۔ حکمران کی حیثیت سے بھی اُن کی شان امتیازی تھی۔ سر جادو ناتھ سرکار نے لکھا ہے کہ اس معاملہ میں وہ مرہٹوں کے بالکل برعکس تھے۔ مرہٹے چوتھ وصول کرنے کے بعد کبھی یہ بھی نہ سوچتے تھے کہ ان علاقوں کی نگہداشت کی اخلاقی ذمہ داری ان پر عاید ہوتی ہے یا نہیں[1] روہیلوں نے جن علاقوں پر حکومت کی' اُن کے باشندوں کو اپنی انصاف پسندی سے فتح کر لیا۔ جارج فارسٹر 1783ء میں روہیلوں کے علاقہ سے گذرا تو اُن کے نظام حکومت سے بڑا متاثر ہوا وہ لکھتا ہے روہیلوں کے نام کی بھی اس علاقہ میں عزت کی جاتی ہے۔ انھوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں فارغ البالی اور خوشحالی پھیلا دی ہے۔ گاؤں سرسبز و شاداب ہیں اور ہر طرف بحالی ہی بحالی ہے۔[2]

روہیلوں میں مذہبی جذبہ بدرجہ اتم تھا۔[3] لیکن مذہبی تعصب نام کو نہ تھا۔ اکثر

---

[1] Fall of the Mughal Empire I P 56

[2] George Forster: A Journey From Bengal To England (London . 1793) Vol I P. 98.,99

[3] ملاحظہ ہوں' شاہ ولی اللہ دہلوی کے مکتوبات بنام نجیب الدولہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات میں ہے "نزد نجیب الدولہ نہ صد عالم بود' ادنیٰ پنج روپیہ و اعلیٰ پان صد ص ۸۱

Marfat.com

روہیلے مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مُرید تھے اور ان سے بڑی عقیدت رکھتے تھے[1] شاہ ولی اللہ اور نجیب الدولہ کے تعلقات بہت گہرے تھے۔ شاہ صاحب اس کو رئیس الغزاۃ اور راس المجاہدین کے لقب سے پکارتے تھے۔[2] روہیلوں نے ہندو دیوان کثرت سے ملازم رکھے تھے۔ نجیب الدولہ خاص طور پر ہندوؤں کے تہواروں کے موقعوں پر اُن کا خیال رکھتا تھا۔[3]

بیرونی حملے:

اٹھارویں صدی میں ہندوستان پر متعدد بیرونی حملے ہوئے۔ ان حملوں نے ملک کے سیاسی اور اقتصادی حالات کو بد سے بدتر کر دیا اور باغیانہ قوتوں کو اُبھار کر ہر طرف انتشار وابتری کا ماحول پیدا کر دیا۔

1739ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا۔ شمالی ہند کے باشندوں کو عموماً اور دہلی کے باشندوں کو خصوصاً جن ہولناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا اس کا اندازہ اس زمانے کے لٹریچر سے کیا جاسکتا ہے۔ لوگوں میں خوف و ہراس، قنوطیت، پست ہمتی کا یہ حال ہو گیا کہ وہ خودکشی پر آمادہ ہو گئے۔ مغلوں کے خلاف ملک میں جتنی طاقتیں تھیں ان کو اپنی قوت اور ذرائع بڑھانے کا موقع مل گیا، سکھوں مرہٹوں اور جاٹوں نے پوری خود اعتمادی کے ساتھ شاہ جہاں اور نگ زیب کی دلی پر حملے کرنے شروع کر دیے۔ شاہانِ مغلیہ کا اقتدار ختم ہو گیا۔ بے حساب دولت ہندوستان سے باہر چلی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ اقتصادی طمانیت بھی ختم ہو گئی۔

پھر **1747**ء سے **1769**ء تک احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر نو حملے کیے ان حملوں کی تفصیل ''شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی مکتوبات'' میں بیان کی گئی ہے

---

1. ملاحظہ ہو کلمات طیبات ص ۶۶، ۶۸ وغیرہ
2. شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات۔ ص ۵۹، ۶۰، ۶۱
3. ایضاً ص ۲۰۳

Marfat.com

اس کا چھٹا حملہ (61 - 1760ء) ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے ہندوستان کی سیاست کا رُخ بدل دیا اور مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو ختم کر دیا۔

مجموعی طور پر اگر اٹھارویں صدی کے ان حملوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے ملک کی سیاسی اور سماجی فضا کو اس درجہ خراب اور ہندوستانیوں کو اس قدر پست ہمت کر دیا کہ جب یہاں برطانوی سامراج کا سیلاب آیا تو ملک کے کسی گوشے میں بھی مضبوط بند نہ باندھے جا سکے!

انگریزوں کا تسلط:

ہندوستان میں انگریزوں کا تسلط کس طرح قائم ہوا؟ اس کی تفصیل دلچسپ اور عبرت انگیز ضرور ہے لیکن یہاں اس کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ ہندوستان کی غلامی کے اسباب مختلف نوعیت کے تھے۔ اقتصادی' سیاسی اور سماجی' ایک طرف اگر ہندوستان کا اقتصادی نظام ابتر ہو چکا تھا تو دوسری طرف انگریزوں نے سب سے پہلے ہندوستان کے اس حصے پر قدم جمائے تھے جو اس ملک کا سب سے زیادہ خوش حال علاقہ تھا۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں ہندوستان کا اقتصادی مرکزِ ثِقل (Center of Gravity) بنگال کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ اورنگ زیب تک کے اخراجات آخری زمانہ میں بنگال کے محاصل سے چلتے تھے۔ انگریزوں کے بنگال پر مسلط ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی اقتصادی شہ رگ اُن کے قبضہ میں چلی گئی۔ بادشاہوں اور امراء کی تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی کے باعث انگریزوں کو اپنا اقتدار بڑھانے کے موقع ملے۔ 1714ء میں فرخ سیر نے کمپنی کو بغیر محاصل اور چنگی کے ملک میں تجارت کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر جعفر اور صادق جیسے ننگ وطن لوگوں نے ان کو اپنی طاقت بڑھانے میں مدد دی اور برطانوی سامراج کے مضبوط پنجے اس مُلک میں جم گئے۔

پانی پت کی تیسری جنگ (1760ء) کے بعد' کچھ بیدار معزز لوگوں نے انگریزوں کے بڑھتے ہوئے خطرہ کو محسوس کر لیا تھا۔ اس زمانے میں احمد شاہ ابدالی اور اس

Marfat.com

کے ہم خیال امراء کی جو خط کتابت وینسی ٹارٹ (Vansi Ttart) سے ہوئی ہے وہ بہت غور سے مطالعہ کے قابل ہے۔ احمد شاہ ابدالی نے انگریزوں کی نیت اور ارادوں کا پتہ لگایا۔ اس بنا پر وہ چاہتا تھا کہ اپنی واپسی سے قبل شاہ عالم کی طاقت کا استحکام کر جائے۔ لیکن شاہ عالم اس وقت دہلی نہ آیا اور حالات انگریزوں کے موافق ہو گئے۔ فروری 1771ء کو نواب شجاع الدولہ نے جنرل بارکر کو اطلاع دی تھی کہ مرہٹے روہیلہ اور افغان ایک معاہدہ کرنے والے ہیں[1] گمان غالب یہ ہے کہ جب ہندوستان کے لوگوں نے غیر ملکی اختیار کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے اختلاف کو دور کر کے اس پر آمادہ ہو گئے کہ سب متحد ہو کر انگریزوں کا مقابلہ کریں۔ حد یہ ہے کہ حضرت مولانا سید احمد شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کی تحریک عموماً صرف سکھوں کی مخالفت کے پس منظر میں دیکھی جاتی ہے، غیر ملکی اقتدار کو ختم کرنے کے لیے ہندوؤں سے تعاون اور اشتراکِ عمل کے کوشاں تھے۔ راجہ ہندو رائے کو ایک خط لکھتے ہیں:

بر رائے عالی روشن و مبرہن است کہ بیگانگاں بعید الوطن ملوک زمین و زمن گردیدہ و تاجران متاع فروش بپایہ سلطنت رسیدہ امرائے کبار و ریاست روسائے عالی مقدار بر باد نمودہ اند و عزت اعتبار ایشاں بالکل ربودہ چوں اہل ریاست و سیاست در زاویہ خمول نشستہ اند ناچار چندے از اہل فقر و مسکنت کمر ہمت بستہ ایں جماعتِ ضعفا محض بر بنا خدمت دین رب العالمین بر مستبند ہر گز از دنیا داراں جاہ نیستند محض بنا پر خدمت دیں رب ذوالجلال برخاستہ اند نہ بنا بر طمع مال و منال رفتہ کہ میدان ہندوستان از بیگانگاں دشمناں خالی گردیدہ و نیز سعی ایشاں بر ہدف مراد رسیدہ آیندہ مناصب ریاست و سیاست بطالبین آن مسلم باد۔''[2]

جناب کو خوب معلوم ہے کہ پردیسی سمندر پار کے رہنے والے دنیا جہاں کے تاجدار

---

1. Caleudar of Persian Correspoudence III 155- 6, No 581

2. ملاحظہ ہو"مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا (از مولانا سید ابوالحسن ندوی ص ۲۷۲۔ ۲۷۳۔

Marfat.com

اور یہ سودا بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے ہیں۔ بڑے بڑے امیروں کی امارت اور بڑے بڑے اہل حکومت کی حکومت اور اُن کی عزت وحرمت کو انھوں نے خاک میں ملا دیا ہے' جو حکومت و سیاست کے مرد میدان تھے وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں' اس لیے مجبوراً چند غریب و بے سروسامان کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو گئے اور محض اللہ کے دین کی خدمت کے لیے اپنے گھروں سے نکل آئے یہ اللہ کے بندے ہرگز دنیادار اور جاہ طلب نہیں ہیں۔ محض اللہ کے دین کی خدمت کے لیے اُٹھے ہیں مال و دولت کی اُن کو ذرہ برابر طمع نہیں جس وقت ہندوستان ان غیر ملکیوں سے خالی ہو جائے گا اور ہماری کوششیں بارآور ہو گئیں' حکومت کے عہدے اور منصب ان لوگوں کو ملیں گے جن کو ان کی طلب ہوگی۔

انگریزوں نے اپنی شاطرانہ چالوں سے ہندوستان کی ہر ایسی تحریک کا جو اُن کے مفاد کے خلاف کام کر سکتی تھی' رُخ بدل دیا۔ 1857ء میں پھر ایک بار غیر ملکی حکومت کو ختم کرنے کے لیے ہندو اور مسلمان دونوں نے مل کر کوشش کی' لیکن تنظیم کی کمی' غداروں کی کثرت اور اقتصادی مشکلات کے باعث وہ تحریک بھی ناکام رہی۔

اس سیاسی ماحول میں مسلمانوں کی حالت:

اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ہندوستان کی تاریخ مسلمانوں کے درد والم کی ایک طویل داستان ہے۔ 1739ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا۔ اور مسلمانوں کی پریشانیوں کا ایک ایسا باب کھل گیا جو 1857ء کے بعد تک جاری رہا۔ ہر صبح ان کے لیے ایک نئے فتنے کا پیغام لاتی تھی [1] اور ہر رات کی خاموشی میں اُنھیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ

---

[1] ''اما اختلال حال کہ شہر کہ روز فتنہ تازہ گل می کند''

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات۔ ص۔ ۷۷

''از تشویشات ہر روزہ دہلی تنگ آمدہ ام۔''

مرزا مظہر جان جاناں۔ مکتوبات۔ ص ۶۶

Marfat.com

کان نجوماً اومفت فی الغیاهب
عیون الافاعی اورؤس العقارب

(تاریکیوں میں جو ستارے چمک رہے ہیں، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ناگوں کی آنکھیں ہیں یا بچھوؤں کے سر ہیں)

ان حالات میں صبر و استقلال کا قائم رکھنا آسان کام نہ تھا۔ جب نادر شاہ نے آگ اور خون کا ہنگامہ برپا کیا تو دہلی کے وہ باشندے جنھوں نے شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے عہد میں امن اور چین کے ساتھ زندگی بسر کی تھی، بدحواس ہو گئے۔ مایوسی، وحشت، کم ہمتی اور خود فراموشی نے اُن کے قوائے عمل کو ایسا شل کر دیا کہ خودکشی کے علاوہ انھیں کوئی راہ ہی نظر نہ آئی، اور انھوں نے آگ میں جل مرنے کا فیصلہ کیا۔ شاہ ولی اللہ نے جب قوم کی پست ہمتی کا یہ عالم دیکھا تو حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور مصائب کے واقعات بیان کر کے اُن کی ڈھارس بندھائی اور ان کی قنوطیت کو دور کیا[1] لیکن نادر شاہ کا قتل عام مسلمانوں کے مصائب کی انتہا نہ تھی، ابتدا تھی۔ ابھی موج خون سر سے نہ گزری تھی، نادر شاہ کے حملہ کے بعد تو ملک میں وہ ابتری اور انتشار پیدا ہو گیا کہ بقول ہرچرن داس لوگوں پر دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

مرہٹے، جاٹ، سکھ تینوں کی ہنگامہ آرائی نے زندگی کو ایک مصیبت بنا دیا۔ پھر افغانوں کے حملوں نے تو جان ہی نکال لی۔ شاہ ولی اللہ نے کرب و بے چینی کے عالم میں نجیب الدولہ کو خط لکھا:

مقدمہ مہم تر آن است کہ مسلمانان ہندوستان چہ دہلی و چہ غیر آں چندیں صدمات دیدہ اند و چند بار نہب و غارت آزمودہ، کارد بہ استخواں رسیدہ است، جائے ترحم است برائے خدا و برائے رسول خدا تاکید بلیغ باید کرد کہ معترض مال مسلمانے نشود[2]

---

[1] ملفوظات شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (مطبوعہ میرٹھ)

[2] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات۔ ص ۶۲

Marfat.com

ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلمانان ہندوستان نے خواہ وہ دہلی کے ہوں خواہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ کے...... کئی صدمات دیکھے ہیں اور چند بار لوٹ مار کا شکار ہوئے ہیں۔ چاقو ہڈی تک پہنچ گیا ہے رحم کا مقام ہے' خدا کا اور اس کے رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ کسی مسلمان کے مال کے درپے نہ ہوں۔

ان حالات میں شاہ جہاں آباد ایسا اُجڑ کہ دور دور خاک اُڑنے لگی۔ گھر کے گھر بے نور و بے چراغ ہو گئے۔

میر تقی میر نے اسی زمانے میں لکھا تھا ؎

جس جا کہ خس و خار کے اب ڈھیر لگے ہیں
واں ہم نے ان ہی آنکھوں سے دیکھی ہیں بہاریں
یا قافلہ در قافلہ ان رستوں میں تھے لوگ
یا ایسے گئے یاں سے کہ پھر کھوج نہ پایا

سرسری تم جہان سے گزرے ورنہ ہر جا جہان دیگر تھا
اب خرابہ ہوا جہان آباد ورنہ ہر اک قدم پہ یاں گھر تھا
بے زری کا نہ کر گلہ غافل رہ تسلی کہ یوں مقدر تھا

سکھوں' مرہٹوں اور جاٹوں کے حملوں سے جب نجات ملی تو غیر ملکی حکومت کا تسلط سر پر پایا۔ مسلمان پانچ سو سال سے زیادہ تک حکمرانی کر چکے تھے اور ان ہی سے سیاسی اقتدار چھینا بھی گیا تھا۔ اس بنا پر انگریزی حکومت نے ان پر سختی کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ 1857ء کے ہنگامہ میں مسلمانوں کے جان' مال اور آبرو سب پر مصیبت آئی اور پوری قوم پر نکبت اور افسردگی کا عالم طاری ہو گیا۔

---

1 شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات۔ ص ۶۲

Marfat.com

(2)
اِقتصادی حالت

اورنگ زیب نے تقریباً 26 سال تک اپنی سلطنت کے سب ذرائع کا رُخ دکن کی جانب کر دیا تھا' ان لڑائیوں میں کروڑوں روپیہ صرف ہوا تھا لیکن عالمگیر کے تدبر' معاملہ فہمی' انتظامی قابلیت اور سیاسی بصیرت نے ملک کی اقتصادی حالت کو بگڑنے سے بچالیا تھا۔ اس نے ان تمام اخراجات کے باوجود چوبیس کروڑ روپیہ آگرہ کے قلعہ میں چھوڑا تھا۔[1] اس کے نام اہل جانشینوں نے یہ روپیہ آنکھ بند کر کر بہایا۔ اُدھر ملک کے ذرائع محدود ہوتے چلے گئے' اور رفتہ رفتہ سارا اقتصادی نظام متزلزل ہو گیا۔ اور یہ سیاسی اور سماجی نظام کے گر جانے کا پیش خیمہ تھا۔

اورنگ زیب کا جانشین بہادر شاہ حد سے زیادہ فیاض تھا۔[2] اس کی فیاضی نے سلطنت کی مالی حالت کو تباہ کر دیا۔ پھر جہاں دار شاہ نے اپنی عیاشی میں بے دریغ دولت کو لٹایا۔ اس کی محبوبہ لعل کنور پر دو کروڑ روپیہ سالانہ خرچ ہوتا تھا۔[3] دربار میں عیش وطرب کی جو محفلیں بجتی تھیں۔ اُن میں اس کثرت سے چراغاں کیا جاتا تھا کہ دہلی میں تیل کی قلت ہو گئی تھی اور اس وجہ سے تیل کا نرخ بڑھ گیا تھا۔ گیہوں سات سیر فی روپیہ بکنے لگا تھا۔ فرخ سیر تخت پر بیٹھا تو حالات اور خراب ہو گئے۔ اس کو گھوڑوں کا شوق تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں

---

[1] Irvine: Later Mughals Vol I P. 21

[2] Later Mughals, P 139 .

[3] Later Mughals I P. 194

اروِن نے لعل کنور کے خراب اثرات کو تفصیل سے بیان کیا ہے ص 192 تا 196

Marfat.com

گھوڑے اس کے اصطبل میں بے کار بندھے رہتے تھے' اور ہزاروں روپیہ روزانہ اُن پر خرچ ہوتا تھا۔[1]

اِس گرتے ہوئے مالی نظام پر نادر شاہ کے حملے نے ضرب آخر کا کام کیا۔ وہ ستر کروڑ سے زیادہ روپیہ ہندوستان سے باہر لے گیا۔ اس کے بعد شاہی خزانے اور امراء کے محلات بالکل خالی نظر آنے لگے۔[2]

احمد شاہ کے زمانے میں شاہی خزانے کی یہ حالت تھی کہ دو دو ڈھائی ڈھائی سال تک محلات کے ملازمین کو تنخواہیں نہیں ملتی تھیں۔ بادشاہ کی ساکھ اس قدر گر گئی تھی کہ مہاجن اور ساہوکار بھی قرض دینے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے۔ اس زمانے میں شہزادیوں کو تین تین دن کے فاقے کرنے پڑتے ہیں۔[3] سر سید احمد خاں لکھتے ہیں:

اکبر شاہ اگرچہ تخت نشین ہوئے' مگر اخراجات کی تنگی کا وہی عالم تھا جو شاہ عالم کے وقت میں تھا شاہ عالم کے وقت میں اخراجات کی نہایت تنگی تھی۔ تمام کارخانے ابتر ہو گیے تھے۔ شاہزادوں کو جو قلعے کے نو محلے میں رہتے تھے۔ ماہوارہ روپیہ نہیں ملتا تھا اور چھتوں پر چڑھ کر چلاتے تھے کہ بھوکے مرتے ہیں' بھوکے مرتے ہیں۔''[4]

پروفیسر اسپیر (P. Spear) نے حال ہی میں اپنی عالمانہ تصنیف Twilight of the Mughals. شائع کی ہے۔ اس میں مغل شہزادوں کے درد ناک مصائب کا نقشہ کھینچا ہے اور بتایا ہے کہ اِن شہزادوں کو بھوک سے مرجانے دیا جاتا تھا'

---

[1] Letter Mughals Vol I P. 397

[2] Letter Mughals Vol II, P 370 - 71

تاریخ عالمگیر ثانی (قلمی) ص ۱۹۰ نیز

[3] Fall of the Mughals Empire II P. 36 - 37

[4] سیرت فریدیہ ص ۲۲۔ ۲۳

Marfat.com

لیکن کوئی مزدوری یا ملازمت کرنے کی اجازت محض اس وجہ سے نہ ملتی تھی کہ یہ ان کے دونِ مرتب تھا۔ اُن کی حالت جانوروں سے بدتر تھی۔

فضول خرچی کے مرض میں امراء بھی مبتلا تھے۔ راجہ جگل کشور کا واقعہ اس سلسلہ میں بڑا عبرت آموز ہے۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے کنور آنند کشور کی شادی دہلی میں اس طرح کی کہ سارے شہر کو کھانے پر بلایا' جس کے متعلق یہ خیال ہوا کہ شاید ''صلائے عام'' کو اپنے لیے باعثِ ننگ سمجھ کر نہ آئے گا۔ اس کے گھر پر خود گیا اور ان الفاظ میں مدعو کیا: ''آپ کے بھتیجے کی شادی ہے۔ اگر آپ شریک نہ ہوئے تو محفل بے رونق رہے گی۔''[1] کچھ ہی عرصہ بعد کا ذکر ہے کہ میر تقی میر اپنی عُسرت و پریشان حالی سے مجبور ہو کر اس کے پاس گئے تو شرما کر کہنے لگا ''میرے پاس ایک پُرانی شال ہے' کچھ اور مقدرت ہوتی تو اس سے دریغ نہ کرتا۔[2] یہ حال صرف جگل کشور ہی کا نہ تھا۔ مُلک کے اکثر و بیشتر امراء اپنی فضول خرچیوں کی وجہ سے اسی انقلاب کا شکار ہو رہے تھے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سلطنت مغلیہ کے زوال کے اسباب میں اقتصادی تباہی کو سب سے اہم سمجھ کر اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

''اس زمانے میں مُلک کی تباہی اور ویرانی کے زیادہ تر دو سبب ہیں۔ ایک بیت المال یعنی ملک کے خزانے پر تنگی۔ وہ اس طرح کہ لوگوں کو یہ عادت پڑ گئی ہے کہ کسی محنت کے بغیر خزانہ سے روپیہ اس دعوے سے حاصل کریں کہ وہ سپاہی ہیں یا عالم ہیں جن کا حق اس خزانے کی آمدنی میں ہے' یا ان لوگوں میں سے ہیں جن کو بادشاہ خود انعام و اکرام دیا کرتے ہیں جیسے زہد پیشہ صوفی اور شاعر اور دوسرے گروہوں

---

[1] مجموعہ نغز (تذکرہ) حکیم سید ابوالقاسم عرف میر قدرت اللہ قادری دہلوی ص ۲۸۲ (کریمی پریس لاہور ۱۹۳۳ء)

[2] ذکر میر۔ ص ۷۸

Marfat.com

میں سے جو ملک و سلطنت کے کسی کام کے بغیر کسی نہ کسی ایسے طریقے سے روزی حاصل کرتے ہیں جو محنت کے بغیر ان کو ملتی ہے۔ یہ لوگ اُن کے اور دوسروں کے ذرائع آمدنی کو کم کر دیتے ہیں' اور ملک پر بوجھ ہیں۔

دوسرا باب کاشتکاروں' بیوپاریوں اور پیشہ وروں پر بھاری محصول لگانا اور ان پر اس بارہ میں سختی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جو بے چارے حکومت کے مطیع اور اس کے حکم کو مانتے ہیں وہ تباہ ہو رہے ہیں اور جو سرکش اور نادہند ہیں وہ اور سرکش ہو رہے ہیں اور حکومت کے محصول ادا نہیں کرتے حالانکہ ملک اور سلطنت کی آبادی سستے محصول اور فوج اور عہدہ داروں کے بقدر ضرورت تقرر پر ہے۔ چاہیے کہ اس زمانے کے لوگ ہوشیار ہو کر سیاست کے اس راز کو سمجھیں۔'' [1]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مکتوبات میں معاشی زندگی کے اور گوشوں پر بھی بحث کی ہے۔ ان کی نظر میں جاگیرداری اور اجارہ داری کی رسمیں ہی سب معاشی مصائب کا بنیادی سبب تھیں۔ ان کی وجہ سے معاشی زندگی کا توازن بگڑ گیا تھا۔ مغل شہنشاہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''موجب ضعف امورِ سلطنت کمی خالصہ وقلتِ خزانہ است۔'' [2]

سوداگروں اور صنعت پیشہ لوگوں کی حالت سب سے زیادہ تباہ تھی۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہل حرفت کو ملک کی اقتصادیات کا مرکزی نقطہ سمجھتے تھے' ان کی تباہ حالی پر سخت پریشان تھے۔

جب انگریزوں کا تسلط قائم ہو گیا تو ہندوستان کے معاشی حالات بد سے بدتر ہو گئے۔ اب تک ہندوستان کی دولت بجا یا بے جا طور پر ہندوستان ہی میں صرف ہوتی رہی تھی۔ انگریزوں کے تسلط کے بعد اس کا رُخ انگلستان کی طرف ہو گیا۔ علاوہ ازیں انگرزوں نے عمداً ہندوستان کی دیسی صنعتوں کو ختم کیا۔ تاکہ انگلستان کے مال کی کھپت ہندوستان میں ہو سکے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ۔ باب سیاست المدینہ۔ [2] ''شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات'' ص ۴۲

Marfat.com

(3)

معاشرہ اور تمدن

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہندوستان کے معاشرہ اور تمدن کی خصوصیات کا جائزہ لینے کے لیے دہلی کے تہذیبی حالات پر ایک نظر ڈال لینی کافی ہوگی۔

دہلی، اسلامی ہند کی ابتداء سے تہذیب و تمدن کا ایک بڑا مرکز رہی ہے دجلہ و فرات سے علم و عرفان کی جو موجیں اُٹھی ہیں وہ جمنا ہی کے کناروں سے آ کر ٹکرائی ہیں، بغداد و بخارا سے جو علمی و روحانی قافلے چلے ہیں وہ یہیں آ کر ٹھہرے ہیں۔ کبھی اس کی رونق کا یہ عالم تھا کہ چپہ چپہ پر خانقاہیں تھیں، قدم قدم پر مدرسے تھے[1] کوچہ کوچہ میں مسجدیں تھیں۔ تشنگانِ معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لیے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کرتے تھے اور یہاں پہنچتے تھے۔ ہندوستان کا یہ دارالسلطنت ''رشکِ بغداد و عزتِ مصر بنا ہوا تھا۔[2]

اٹھارویں صدی میں جب کہ سلطنتِ مغلیہ پر نزع کا عالم طاری ہوا تو یہ شہر ''بمنزلہ لعب صبیاں''[3] ہو گیا۔ دکن سے جو طوفان اُٹھتا وہ لال قلعہ سے آ کر ٹکراتا، پنجاب سے جو آندھی اُٹھتی اس کے زلزلے دہلی میں محسوس ہوتے، جاٹوں کا جو ہنگامہ برپا ہوتا اس کی جولانگاہ یہی بدبخت شہر بنتا۔ لیکن ان تمام مصیبتوں کے باوجود بھی دہلی انتہائی بارونق تھی، ابھی کچھ نقوش باقی تھے جن سے ''کاروانِ رفتہ'' کی عظمت و شوکت کا اندازہ ہوتا تھا اس

---

[1] ملاحظہ ہو مسالک الابصار (انگریزی ترجمہ) ص ۲۹

[2] تاریخ فیروز شاہی۔ برنی۔ ص ۲۴۱

[3] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات ص ۵۲

Marfat.com

زمانے میں بھی اگر کسی نے یہاں کے علماء سے دہلی کی حالت کے متعلق سوال کرلیا تو بے اختیار کہہ اُٹھے

ان البلاء اماءٌ وھی سیّدۃٌ
وانھا درۃٌ والکل کالصدف [1]

(دوسرے شہر لونڈیاں ہیں اور دلی ملکہ، یہ موتی ہے اور باقی سب سیپیاں)

اور اس میں واقعی کوئی مبالغہ بھی نہ تھا۔ یہاں اب بھی علم و عرفان کے ایسے چشمے اُبل رہے تھے جن سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرونِ ہند بھی مستفیض ہو رہا تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ اسلامی ہند نے اپنے زوال اور انحطاط کے زمانے میں دنیا کے مسلمانوں کو مشعلِ راہ دکھائی ایک ایسے نازک دور میں جب کہ دنیائے اسلام حدیث و سنت کو بھول چکی تھی۔ دہلی ہی نے اس کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا جس کا اعتراف مصر کے مشہور فاضل علامہ رشید رضا نے اِس طرح کیا تھا:

ولولا عنایة اخواننا علماء الھند بعلوم الحدیث فی ھذا العصر لقضی علیھا بالزوال من من امصار الشرق فقد ضعفت فی مصر والشام والعراق والحجاز منذالقران العاشر للھجرۃ حتٰی بلغت منتھی الضعف فی اوائل ھذا القرن الرابع عشر......"

ہمارے ہندوستانی بھائیوں میں جو علماء ہیں اگر حدیث کے علوم کی طرف اُن کی توجہ نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا' کیونکہ مصر' شام' عراق حجاز میں دسویں صدی ہجری سے یہ علم ضعف کا شکار ہو چکا تھا اور چودھویں صدی کے اوائل تک ضعف کے آخری منزل تک پہنچ گیا تھا۔

چند نفوسِ قدسیہ کی موجودگی نے تو دہلی کو تمام ممالک اسلامیہ کی توجہ کا مرکز بنادیا

---

[1] یہ شعر شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔ سرسید نے آثار الصنادید (ص ۴۷) میں نقل کیا ہے۔

Marfat.com

تھا۔ شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ میں شام، مصر، چین اور حبش [1] کے لوگوں کے جھمگٹے لگے رہتے تھے تو دوسری طرف حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خرمن کمال کے خوشہ چین ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے تھے اور علوم دینی کا چرچا کر رہے تھے۔[2] سلطنت دم توڑ رہی تھی۔ سیاسی زوال و پستی کی آخری منزلیں طے ہو رہی تھیں، لیکن ذہنی شعور ابھی مردہ نہ ہوا تھا۔ کچھ بیدار مغز انسان تجدید و احیاء کے نئے راستے تلاش کر رہے تھے، وہ اس سیاسی زوال کو مذہبی اور ذہنی زاول کا پیش خیمہ بنانا نہیں چاہتے تھے۔ ان تمام کوششوں کے باوجود دہلی دھوپ اور چھاؤں کا شہر تھی۔ یہاں خانقاہیں بھی تھیں۔ شراب خانے بھی۔ مدرسے بھی تھے اور قمار بازی کے اڈے بھی۔ دہلی کی یہ متضاد خصوصیات اس زمانے کے بہت سے لوگوں کی زندگی میں بھی پائی جاتی تھیں۔ لوگ بڑی عقیدت اور ارادت کے ساتھ خانقاہوں اور مزارات پر حاضر ہوتے تھے، پھر اسی جوش اور ولولہ کے ساتھ طوائفوں کی محفلوں میں شرکت کرتے تھے۔ ان کی رندی اور مذہبیت ساتھ ساتھ چلتی تھی۔

نہ رندی مذہب پر غالب آتی، نہ مذہب رندی پر۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احمد شاہ ابدالی کو لکھا تھا اگر حالات نہ بدلے تو مسلمان

"اندکے از زماں نگذرد کہ قومے شوند کہ نہ اسلام را دانند نہ کفر را۔"[3]

اس زمانے کے لوگوں کا یہ حال تھا کہ نہ رندی سے واقف تھے، نہ مذہبیت سے وہ متضاد چیزوں کو ایک ساتھ لے کر چلتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ نہ رندی ہاتھ سے جائے نہ مذہبیت کا دامن چھوٹے۔ لیکن یہ ایک خود فریبی تھی۔

---

[1] اثار الصنادید۔ ص ۱۸ (باب چہارم)

[2] "شاگردان دے اور اقالیم دور و دراز رسیدہ باب علوم دینی بروئے خلق کشادند" (خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۳۸۸)

[3] سیاسی مکتوبات۔ ص ۵۲

Marfat.com

نیک و بد در آدمی پنہاں نمی ماند چنانکہ
نافہ در جیب ملوک و بادہ در جام بلور
(خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

یہ مذہبیت جو رندی کے پہلو بہ پہلو چلتی تھی۔ فسق و فجور سے زیادہ متعفن تھی یہ ضمیر کی آواز کو کچلنے کا ایک ظالمانہ انداز تھا!

آیئے دہلی کے محلات' مدرسوں' خانقاہوں' بازاروں اور ادبی محفلوں پر ایک نظر ڈال لیں تا کہ حالات کا صحیح انداز ہو جائے۔

محلات شاہی:

"بزم آخر"[1] میں منشی فیاض الدین نے دہلی کے آخری دو بادشاہوں' اکبر شاہ ثانی اور بہار شاہ کے طریق معاشرت کی تصویر پیش کی ہے۔ اس پوری تصویر میں صرف آسائش اور عیش کا رنگ بھرا ہوا ہے۔ رات اور دن جشن میں گزرتے تھے۔ کبھی تورے بندی ہے' کبھی رتجگہ' کبھی نوروز کبھی آخری چہار شنبہ' کبھی خواجہ صاحب کی چھڑیاں' کبھی سلونو' کبھی پھول والوں کی سیر غرض بزم ہی بزم ہے' رزم کا کہیں نام نہیں۔ قلعہ معلےٰ کے باہر جو طوفان برپا ہے اس سے بے خبر' فکرِ فردا سے بے نیاز ایسا معلوم ہوتا ہے "رقص پری پیکراں" اور غوغائے رامشگراں' میں ساری دنیا سمٹ کر آ گئی ہے۔

امراء کی مجلس:

مرزا منور محمد شاہ کے زمانے میں دہلی کے ایک امیر زادے ہیں۔ اُن کا حال یہ ہے:

"خانہ اش بہشت شداد است و کاشانہ اش آشیانہ جمع پریزاد ہر نو خطے رنگیں کہ بایں محفل ربط ندارد فردِ باطل است و ہر ملیحے کہ بایں مجمع مربوط نیست در حلیہ اعتبار عاطل مجلش دار العیار شاہداں است و بزمش محک امتحان گلرخاں۔ نقد قراضہ حسن

---

[1] مطبوعہ رحمانی پریس' دہلی ۱۹۲۰ء

Marfat.com

تابدار الضرب بزمش رجوع نکند، کامل عیار نیست چہ شد شکل طلائے دست افشار است
وسیم جمال تا دکوزۂ محکش گذار نیابد چاندی نیست چہ شد کہ زر نقرۂ خالص است [1]

بازار:

میر نے لکھا تھا

دلی کے نہ تھے کوچے اوراقِ مصور تھے
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

لیکن دو بازار تھے، چوک سعد اللہ خاں اور چاندنی چوک جو سارے شہر کی جان تھے چوک سعد اللہ خاں کی رونق کا یہ عالم تھا کہ اس کو دیکھ کر مرغ نظر کا شکار ہوتا تھا۔ ایک سیاح نے لکھا ہے:

''نظر از ملاحظہ محسوسات رنگا رنگ دست و پا گم می کند۔'' [2]

کسی طرف ''رقص امارو خوش رو قیامت آباد'' تھا تو دوسری طرف ''کرسی ہائے چوبیں از قبیل منابر۔'' [3] نصب تھیں تاکہ نماز اور روزہ کی تلقین کی جائے۔ کسی گوشہ میں اہل تنجیم و رمال، نظر آتے تھے، تو کسی طرف آتشک و سوزاک کی دوا بیچنے والے [4]۔ ایک جانب ''اسلحہ فروش'' تھے، دوسری طرف ''میوہ فروش'' [5]

چاندنی چوک سب جگہوں سے زیادہ دلفریب تھا۔ کپڑا، جواہرات، عطریات وغیرہ کی وہاں دکانیں تھیں۔ ہر وقت رؤسا کے جھمگٹے لگے رہتے تھے۔ ایک یتیم رئیس زادہ چاندنی چوک کی سیر کرنا چاہتا ہے۔ بیوہ ماں تہی دستی کا عذر کرنے کے بعد اس کو ایک لاکھ روپیہ دیتی ہے اور کہتی ہے کہ چوک کے نوادر اور نفائس اس قلیل رقم سے نہیں خریدے جا سکتے ہیں، مگر اب اسی قلیل رقم کو اپنے ضروری مصارف کے لیے لے جاؤ۔ [6]

---

1 مرقع دہلی۔ از نواب سالار جنگ مرتبہ حکیم سید مظفر حسین ص ۲۸-۲۷

2 تا 5 مرقع دہلی۔ ص ۱۴-۱۵

6 مرقع دہلی۔ مقدمہ۔ ص ۶۲

Marfat.com

مدرسے:

مدرسہ بازار خانم کا مدرسہ اور اجمیری دروازہ کا مدرسہ اورنگ زیب کی وفات سے لے کر غدر 1857ء تک ان مدرسوں سے علم و عرفان کی چشمے اُبلے تھے۔ یوں تو دہلی میں سینکڑوں درس گاہیں تھیں۔ لیکن اِن تینوں مدرسو کو امتیازی شان حاصل تھی۔ مدرسہ رحیمیہ میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسندِ درس پر متمکن نظر آتے تھے تو بازار خانم کے مدرسہ میں شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جانشین اجمیری دروازہ کے مدرسہ میں شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا چشمہ فیض جاری رہتا تھا۔ مسلمانوں کی دینی زندگی کو سنوارنے میں ان مدرسوں کا خاص حصہ تھا۔ مدرسہ رحیمیہ سے علوم اسلامی کو زندہ کرنے کی عظیم الشان تحریک اُٹھی۔ آج ہندوستا میں علوم دینی کی جتنی درسگاہیں ہیں وہ سب مدرسہ رحیمیہ کے چشمہ فیض کا نتیجہ ہیں۔ جب مسلمانوں کی دینی زندگی بے روح ہو رہی تھی تو اسی مدرسے کے معلموں نے اُن کے دینی احساس کو بیدار کرنے کی سعی کی۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' شاہ رفیع الدین' شاہ محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وعظ اسی مدرسے میں ہوتے تھے۔

خانقاہیں:

اس زمانے میں دہلی بہت سے سلسلوں کے عظم المرتبت مشائخ جلوہ افروز تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے:

در عہد محمد شاہ بادشاہ بست و دو بزرگ صاحب ارشاد از ہر خانوادہ در دہلی بودند و ایں چنیں اتفاق کم می شود۔[1]

محمد شاہ کے زمانے میں بائیس بزرگ صاحب ارشاد ہر سلسلہ اور طریقہ کے دلی میں تھے۔ ایسا اتفاق کم ہوتا ہے۔

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ کی خانقاہیں رشد و ہدایت کا منبع تھیں۔ غدر سے کچھ پہلے تک خانقاہوں کی یہ رونق

[1] ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

Marfat.com

باقی رہی۔ شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ "دین دار لوگوں کا ملجی و ماوئی تھی"۔[1] اُن کی صحبت کا اثر یہ ہوتا تھا کہ بقول خالد کردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ع

دہد سنگِ سیہ خاصیتِ لعلِ بد خشانی

پھر شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شاہ محمد آفاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، خواجہ نصیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ[2] کی خانقاہیں تھیں، جہاں تزکیہ باطن اور تہذیبِ نفس کے درس دیئے جاتے تھے اور باطنی زندگی کو سنوارنے کے لیے رات دن کوشش کی جاتی تھی۔

میلے:

دہلی کے میلے کیا تھے، عیش و نشاط کے ہنگامے تھے جہاں اوباش اور شہوت پرستوں کی محفلیں سجتی تھیں اور کوئی اخلاقی جرم ایسا نہ تھا جو وہاں نہ ہوتا ہو ہر مہینے کی 27 کو ایک ناگل کا میلہ ہوتا تھا۔ جہاں شوقین مزاج، تماشہ بیں عورتیں بن سنور کر پہنچتی تھیں اور ہر طرح کی عیاشی میں حصہ لیتی تھیں۔[3]

ایک محمد شاہی امیر کسل سنگھ نے ایک محلہ کسل پوری آباد کیا تھا۔ جہاں فواحشان روزگار، اور زنہائے بازاری کو بسایا تھا۔ محتسب کی مجال نہ تھی کہ وہاں قدم رکھ سکے۔ ہر وقت وہاں چنگ ورباب کی آواز سنائی دیتی تھی۔"[4]

مشاعرے:

مشاعرے غدر سے پہلے کی دلی کی ادبی محفلوں کی جان تھے۔ قلعہ معلی میں اکثر

1۔ حیات جاوید۔ حالی (رعد اڈیشن ۱۹۰۱ء) جلد دوم صفحہ ۹

2۔ ان بزرگوں کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "۱۸۵۷ء سے پہلی کی دلی۔" (علماء و مشائخ کا اجتماع) مطبوعہ رسالہ "برہان" جون ۱۹۴۷ء)

3۔ مرقع دہلی مقدمہ ص ۳۴

4۔ مرقع دہلی مقدمہ ص ۳۴۔ ۳۳

Marfat.com

مشاعروں کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں، امراء رؤسا کو بھی اس سے دلچسپی تھی۔ شعراء کی آپس کی صحبتیں بڑی دلچسپ اور رنگین ہوتی تھیں، مومن و غالب کی علمی مجلسیں اور مشاعرے، اپنی نظیر آپ تھے۔

غدر کے اثرات دہلی پر:

1857ء کے ہنگامہ نے یک دم دلی کی بساط الٹ دی۔ پرانی مجلسیں درہم برہم ہوگئیں۔ علمی و مذہبی محفلیں سرد پڑ گئیں۔ گھر کے گھر بے نور و بے چراغ ہو گئے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط
دامانِ باغبان وکفِ گل فروش ہے
یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں
نے وہ سرور و شور، نہ جوش و خروش ہے

مسجدیں مسمار ہوگئیں، خانقاہیں تباہ و برباد ہوگئیں۔ مدرسوں میں کھیتی ہونے لگی۔ مسجد اکبر آبادی "جس کی رفعت و شان کے آگے گنبد اخضر پست"[1] معلوم ہوتا تھا ایسی تباہ و برباد ہوئی کہ نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ مدرسہ رحیمیہ جہاں سے ولی اللہی حکمت کا چشمہ اُبلا تھا اور جہاں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قرآن و حدیث کے درس دیئے تھے۔ وہاں "مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس کا تختہ لگ گیا۔"[2]

میاں کالے صاحب رحمۃ اللہ علیہ مغفور کا گھر اس طرح تباہ ہوا جیسے جھاڑو دیدی۔"[3]

اچھے اچھے گھرانے تباہ و برباد ہو گئے۔ عزت و ناموس کا بچانا محال نظر آنے لگا۔ جب مصائب ناقابل برداشت ہوگئے تو بڑے بڑے بزرگ اور عالم دہلی چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ میاں کالے صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیٹے میاں نظام الدین نے حیدر آباد کا

---

1. آثار الصنادید۔ ص ۲۷
2. "واقعات دار الحکومت دہلی" مولوی بشیر الدین ج ۲ ص ۱۶۷
3. غالب کا خط سید احمد حسن مودودی کے نام (اردوئے معلیٰ آگرہ ۱۹۱۴ء) ص ۱۸۴۔۱۸۳

Marfat.com

رُخ کیا [1] اور شاہ فخر الدین کی خانقاہ سونی پڑ گئی۔ شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حرمین الشریفین کی راہ لی۔ اور شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ کا چراغ گل ہو گیا۔ ہر طرف حسرت اور مایوسی چھا گئی جو اس ہنگامہ دار و گیر سے بچا وہ کافور کفن [2] کی تمنا کرنے لگا۔ زندگی وبال معلوم ہونے لگی آزردہ نے اسی زمانے میں ایک مرثیہ لکھا

روز وحشت مجھے صحرا کی طرف لاتی ہے
سر ہے اور جوشِ جنوں' سنگ ہے اور چھاتی ہے
ٹکڑے ہوتا ہے جگر جان پہ بن آتی ہے
مصطفےٰ خاں کی ملاقات جو یاد آتی ہے
کیوں نہ آزردہ نکل جائے' نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

ہزاروں علمی ذخیرے اسی تباہی کے نذر ہو گئے۔ مہر نے اسی زمانے میں لکھا تھا

اس دور میں ہر اک تہ چرخ کہن لٹا
اوروں کا زر لٹا' مرا نقدِ سخن لٹا
بلبل کو کیسی کیسی ہوئیں آفتیں نصیب
گلچیں کے دستِ ظلم سے کیا کیا چمن لٹا

غدر 1857ء کے ساتھ معاشرۃ کا ایک دور ختم ہو گیا!

ہندو مسلم تعلقات:

ہندو مسلم تعلقات کی کشیدگی برطانوی عہد سے شروع ہوتی ہے "لڑاؤ اور حکومت کرو" برطانوی سامراج کا تقاضہ تھا اور اس مقصد کے حصول کے لیے ہندوں اور مسلمانوں میں مختلف قسم کے نفاق اور اختلافات عمداً پیدا کیے گئے تھے۔ سر ہنری ایلیٹ نے اس زہر کو تاریخ ہند کی رگوں میں پہنچا کر اس طرح تاریخی مطمح نظر کو خراب کیا کہ اس کے خلاف آج جو

[1] اردوئے معلی۔ ص ۲۳۱ [2] اردوئے معلی۔ ص ۲۱۳

Marfat.com

بات کہی جاتی ہے وہ شک آمیز تعجب سے سُنی جاتی ہے۔

برطانوی عہد سے قبل ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات انتہائی شگفتہ تھے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں خلوص ومحبت' اتحاد و یگانگی کے اثرات کارفرما نظر آتے تھے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(1) ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک مشترکہ علمی اور ادبی ذوق پیدا کر لیا تھا۔ ہندی اور فارسی کا مطالعہ ہندو اور مسلمان دونوں کرتے تھے' اور ان دونوں زبانوں کے امتزاج سے ایک نئی زبان کی تشکیل کا سامان بہم پہنچا رہے تھے۔ غلام علی آزاد بلگرامی' ٹیک چند' آنندرام مخلص وغیرہ کے علمی کارناموں کو ہندو اور مسلمان سب ہی نے پسند کیا تھا۔

اردو ہندو اور مسلمان دونوں کی محبوب زبان تھی گلشن بے خار میں شیفتہ نے 61 ہندو شاعروں کا ذکر کیا ہے "نغمہ عندلیب" [2] میں حکیم میر قطب الدین باطن نے 80 ہندو شعراء اردو کا تذکرہ لکھا ہے۔

(2) مغلیہ دور کا ایک مشترکہ کلچر تھا جس میں ہندو اور مسلمان دونوں یکساں طور پر رنگے ہوئے تھے۔ کنور پریم کشور فراقی' اپنا نجی روزنامچہ اس طرح شروع کرتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"حمد وثنا پادشاہ ہے راسزا کہ سلطنت کونین بوجودِ دست وشاہان روئے زمین و خداوندان چتر ونگین راافتخار بہ فضل او .... ودرود وتحیات وسلام زاکیات برآں سرور کہ درشان او' لولاک لما خلقت الافلاک" نازل شدہ' وصلوات بیغایات ونیاز بے نہایات برابن عم ووصی اعظم او کہ مظہر العجائب واسد اللہ الغالب وصائب ذوالفقار وقیم الجنت والنار است صلوات اللہ علیہا وعلی

[1] مطبوعہ نول کشور۔ ۱۹۱۰ء [2] مطبوعہ نول کشور۔ ۱۸۷۵ء

Marfat.com

آلہ اجمعین۔''[1]

(3) مذاہب کے اختلافات کے متعلق درگاہ اس کی یہ رائے سننے کے قابل ہے:

آفریدگار جمیع مذاہب و مشارب ہماں ذات یکتا است کہ آفرینندہ عالم و پروردگار ہر طبقات است واین ہم حکمتِ بالغہ و مصلحتِ کاملہ اوست کہ برائے ہر مذہبے بہ تناسب حالات اوطریقے جداگانہ فرمودو برائے ہر یکے ہدایتے خاص نمود۔ وچنانکہ گلشن روزگار را از اشجار نو بنو وگلہائے رنگارنگ برآراست ہم چناں از مذاہب گوناگوں و مشاربِ بوقلموں ہنگامہ شناسائی خود گرم کردہ شورے وشغفے در دل ہا انداخت' اگر مسجدے است بیاد او بانگ می زند' واگر بت خانہ است بیاد او جرس می جنباند۔

درحیرتم کہ دشمنی کفرودیں چرا است از یک چراغ کعبہ و بت خانہ روشن است

دریں صورت انسان را لازم است کہ آئینہ خاطر خود را از رنگ کدورت مصفا ساختہ با اہل ہر ملت وکیش سلوک برادرانہ نماید واز خار زار مخالفت خود را برکراں داشتہ در بوستان جنت نشان اتفاق قیام فرماید کہ گفتہ اند............

آسائش دوگیتی تفیسر ایں دوحرف است بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا و نیز در معبدگاہ ہر ملتے کہ برسد بحرمت او کوشد و پیش بزرگان ہر مذہبے کہ درآید تعظیم وتکریم او مبالغہ نماید و در معاملات دینی باکسے مباحثہ نہ سازد و ازیں افکار بے کار چشمہ یگانگی بخاشاک بیگانگی نہ انباشد[2]

تمام مذاہب اور مشارب کا آفریدگار وہی ایک ذات ہے جو عالم کو پیدا کرنے والا ہے اور ہر طبقہ کا پروردگار ہے۔ اس میں اس کی حکمتِ بالغہ اور مصلحتِ کاملہ ہے کہ اس نے ہر مذہب کے لیے اس کے حالات کی مناسبت سے جُداگانہ طریقہ مقرر فرمایا ہے اور ہر ایک کے لیے خاص طرح سے ہدایت کی ہے جس طرح کہ دنیا کے

---

[1] ''وقائع عالم شاہی'' مرتبہ مولانا امتیاز علی عرشی (رامپور ۱۹۴۹ء) ص ۲

[2] مخزن الاخلاق۔ص ۶۰۔ ۵۹

Marfat.com

باغوں میں طرح طرح کے پیڑوں اور رنگ برنگ کے پھولوں سے رونق ہے اسی طرح مختلف قسم کے مذاہب اور مشارب کے ذریعے اس نے مختلف انداز میں دلوں میں اپنی شناسائی کا شور برپا کیا ہے۔ اگر مسجد ہے تو اس کی یاد میں اذان دی جاتی ہے۔ اگر بت خانہ ہے تو اس کی یاد میں جرس بجایا جاتا ہے۔

(میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کفر و دین کا جھگڑا کیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک ہی چراغ سے کعبہ اور بت خانہ روشن ہیں اس حالت میں انسان کو لازم ہے کہ اپنے دل کو کدورت کے رنگ سے صاف کر کے اور ہر مذہب اور ملت کے لوگوں کے ساتھ بھائیوں کا سا برتاؤ کرے۔ مخالفت کے خارزار سے اپنے آپ کو علیحدہ کر کے اتفاق کے بوستان جنت نشان میں قیام کرے جیسا کہ کہا گیا ہے۔

(دونوں جہان کی آسائش کا انحصار ان دونوں حرفوں پر ہے۔ دوستوں کے ساتھ تلطف دشمنوں کے ساتھ مدارا)

اور جب کسی مذہب کی عبادت گاہ میں پہنچے تو اس کی عزت و احترام کرے اور جب کسی مذہب کے بزرگوں کی خدمت میں جائے تو ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ و گذاشت نہ کرے۔ دینی معاملات میں کسی سے مباحثہ کرے اور ان بے کار جھگڑوں سے یگانگی کے تعلقات میں بیگانگی نہ پیدا کرے۔

(4) اٹھارویں صدی کے مسلمانوں کے ہندو مذہب کے متعلق خیالات معلوم کرنے ہوں تو حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مکتوب چہاردہم [1] غور سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ انھوں نے ہندوؤں کو ''مشرکان عرب'' کے مشابہ تسلیم کرنے سے صاف انکار کیا ہے۔ اور وید کو الہامی کتاب مانتے ہوئے ہندوؤں کو اہل کتاب کا مرتبہ دیا ہے۔

(5) ہندو اور مسلمان دونوں ایک دوسرے کے مذہبی تہواروں میں دلچسپی لیتے تھے۔

---

[1] کلمات طیبات۔ ص ۳۷ تا ۴۰

Marfat.com

مذہبی رواداری کا یہ حال تھا کہ خود شاہان مغلیہ ہولی اور دسہرہ کا تہوار مناتے تھے۔

(6) ہندوؤں اور مسلمانوں کے سماجی تعلقات کا یہ عالم تھا کہ ہندو' مسلمان امیروں کے یہاں اور مسلمان' ہندو امیروں کے یہاں ملازمت کرتے تھے۔ میر تقی میر جب عسرت و تنگی کے دن گذارتے تھے تو ہندوؤں ہی نے اُن کی مدد کی۔ خان آرزو سرور مصحفی' غالب وغیرہ کے محسنوں کی فہرست میں ہندوؤں کے نام بھی ملیں گے۔

غلام محمد المشہور بہ میاں مجو کے متعلق مخزن الشعراء میں لکھا ہے:

''اُستادی بر ذاتش مسلم اگر عسجدی وقت گویم سزا است' واگر فردوسی عہد خوانم رواست''[1]

مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لالہ برج لال کی پرزور سفارش ایک امیر سے کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

''ذکر کسے باایں اہتمام باشما نکردہ ایم وعادت بمبالغہ نداریم''[2]

کسی کا ذکر میں نے اس انداز میں نہیں کیا ہے۔ میری مبالغہ کی عادت نہیں ہے۔

سرسید احمد خاں کے نانا نواب دبیر الدولہ فرید الدین خاں نے اپنے انتقال سے قبل جو جائداد تقسیم کی تو اپنے ایک قدیم ہندو دیوان لالہ تلوک چند کو برابر کا حصہ دیا۔[3]

(7) پھر ہندو اور مسلمان کھیلوں میں شریک ہوتے تھے۔ ساتھ رہتے تھے' اور محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ غدر سے پہلے کا ذکر ہے کہ دہلی میں تیراندازی کا ایک کلب تھا جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہوتے تھے۔ سرسید نے ایک ذی عزت

---

1. مخزن الشعراء (تذکرہ شعرائے گجرات) مؤلفہ قاضی نورالدین فائق مرتبہ مولوی عبدالحق صاحب (جامع پریس دہلی ۱۹۳۳ء ص ۴۴)
2. کلمات طیبات ص ۶۵۔ ۶۴
3. سیرت فریدیہ۔ ص ۳۸

Marfat.com

ہندو کا قصہ لکھا ہے کہ وہ تیر لگاتے وقت "اللہ غنی" کہتا تھا اس لیے اس کا نام "اللہ غنی" ہی پڑ گیا تھا۔ [2]

---

[1] سیرت فریدیہ۔ ص ۴۴

Marfat.com

(4)

اخلاق ومذہب

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں مسلمانان ہند کی مذہبی اور اخلاقی حالت انتہائی زبوں تھی۔ فکر وعمل' اخلاق وعادات' کردار واطوار سب پر انحطاطی رنگ چھایا ہوا تھا۔ زندگی سکرِ دوام میں تبدیل ہو رہی تھی اور ہر قوم کو سیاسی زوال سے پہلے اور اس کے بعد جو اخلاقی زوال کی منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں وہ نہایت سرعت کے ساتھ طے کی جا رہی تھیں۔ اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی اور سماجی نظام کا سارا ڈھانچہ بگڑ رہا تھا۔ عالم گیر نے فتاویٰ عالم گیری کی تدوین کرا کر جس کرنے ہوئے اخلاقی اور سماجی نظام کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی وہ اس کے کم زور اور نا اہل جانشینوں کے عہد میں منہدم ہو رہا تھا۔

کسی بزرگ نے کہا ہے:

وھل افسد الدین الا الملوک واحبار سوء ورھبانھا

دین کو محض بادشاہوں بُرے علماء اور پیروں نے خراب کیا۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں مسلمانوں کے زوال کا ذمہ دار علامہ اقبال نے ان ہی تینوں کو قرار دیا ہے۔[1] چنانچہ ہم عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی زندگی کے ساتھ ساتھ خصوصیت سے بادشاہوں' علماء سوء اور صوفیہ خام کی حالت کا جائزہ لیں گے۔

سلاطین وامراء کی اخلاقی اور مذہبی حالت:

حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد گرامی ہے:

''سلطان کالروح است وسائر انسان کالجسد۔ اگر روح صالح است۔ بدن

1. Islam and Ahmadism P.23 - 24 Meenit

Marfat.com

صالح است اگر روح فاسد است بدن فاسد"[1]

سلطان روح کی مانند ہے اور رعایا جسم کی مانند۔ اگر روح صالح ہوتی ہے تو جسم بھی صالح رہتا ہے' اگر روح فاسد ہو جاتی ہے تو بدن میں بھی فساد پڑ جاتا ہے۔

اورنگ زیب کے جانشینوں کی اخلاقی حالت اور عوام پر اس کے اثرات دیکھ کر اس کلیہ کی حقیقت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ مُغل بادشاہوں کی ہر بے راہ روی کا اثر عوام کی زندگی پر پڑتا تھا اور عیش و عشرت کی جو محفلیں دربار میں سجتی تھیں' اُن کے مہلک جرا ثیم جھونپڑوں تک اپنا کام کرتے تھے۔

بہادر شاہ' اورنگ زیب کا بیٹا اور جانشین تھا۔ لیکن مذہبی معتقدات میں باپ کی بالکل ضد تھا۔ اس کی مذہبی بے راہ روی کے خلاف ملک میں متعدد بلوے بھی ہوئے۔ گو ارادت خاں نے یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ اس کے اعتقادات درست تھے' اور جو کچھ اس کی مخالفت ہوئی وہ سب متعصب لوگوں کی غلط فہمی تھی۔[2] لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیعہ مذہب کی طرف اس کا رجحان ہو گیا تھا۔ سیر المتاخرین میں لکھا ہے:

"بہادر شاہ بدستور.......... در ترویج و تقویت مذہب شیعہ می کوشید۔"[3]

بہادر شاہ' بدستور' شیعہ مذہب کو رواج دینے اور تقویت پہنچانے کی کوشش کرتا رہا۔

اس نے خطبہ میں اپنے نام کے ساتھ سید کا لفظ شامل کرایا تھا۔[4] علاوہ ازیں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے نام کے ساتھ خطبوں میں وصی مصطفےٰ کا اضافہ کیا تھا[5] اس اضافہ پر لاہور' احمد آباد اور دیگر مقامات پر سخت قسم کے فسادات ہوئے حاجی یار محمد نے نہایت جرات اور ہمت سے بادشاہ کی مخالفت کی۔ بادشاہ ناراض ہوا تو جواب دیا: "حق

1۔ مکتوبات۔ جلد دوم۔ مکتوب ۶۷ ص ۱۳۵۔

2۔ تاریخ ارادت خاں Elliot and Dow Son Vol VII P. 551 - 2

3۔ سیر المتاخرین۔ ص ۷

4۔ Keene: The Turks In India P. 199

5۔ منتخب اللباب۔ خافی خاں۔ جلد دوم۔ ص ۶۸۱۔ ۶۶۱۔ ۶۰۳

Marfat.com

تعالیٰ کی چار نعمتیں ہیں' علم' حفظ قرآن' حج اور شہادت' بفضل الٰہی تین نعمتیں مجھے حاصل ہیں' کیا ہی اچھا ہو کہ آپ کے ذریعے سے چوتھی بھی حاصل ہو جائے۔''

بہادر شاہ کے بعد جہاندار شاہ (1713ء 1124ھ) تخت پر آیا۔ اس نے حکومت کی باگ ڈور ایک ناچنے والی عورت لعل کنور کے ہاتھ میں دے دی۔ اس کی ابروئے چشم کے اشارہ پر لوگوں کی قسمتیں بنتی اور بگڑتی تھیں۔ کوئی ایسا اخلاقی' سماجی اور انسانیت کا گناہ نہ تھا جو اس عورت کے اثر میں نہ کیا گیا ہو۔ لعل کنور نے ایک دن اس سے کہا کہ میں نے ڈوبتی کشتی میں آدمیوں کی جو حالت ہوتی ہے وہ نہیں دیکھی۔ حکم شاہی ہوا کہ یہ خواہش بھی پوری کر کے دکھا دی جائے ![1] خود بادشاہ کا یہ عالم تھا کہ لعل کنور کے ساتھ بازاروں میں پھرتا تھا اور اس کے ساتھ شراب خانوں میں شراب پیتا تھا۔ ہندوؤں کی رسوم میں دلچسپی کا یہ حال تھا کہ راون کے قلعے بنوا کر آگ لگاتا تھا۔[2] جہاندار شاہ کی عیش و عشرت کی زندگی نے عوام کی زندگی پر بھی اثر ڈالا اور حالات یہاں تک پہنچ گئے کہ ''قاضی قرابہ کش اور مفتی پیالہ نوش'' ہوں[3]

جہاندار شاہ کے جانشین فرخ سیر (1719۔ 1712) میں سب سے بڑی برائی اس کی کمزوری تھی۔[4] اور کمزوری سے سینکڑوں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ۔

صد مرض پیدا شد از بے ہمتی
کوتہ دستی ' بے دلی' دون ہمتی

اس کی کمزوری سے ملک میں متعدد فتنے کھڑے ہو گئے۔ یہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اثر تھا کہ وہ اتنے دنوں تخت پر رہ سکا۔[5] شاہ صاحب رحمۃ اللہ

---

[1] عبرت نامہ کامراج بحوالہ Later Mughals I P. 192

[2] مرات وارادات (قلمی) وتذکرۃ الملوک یحییٰ (قلمی)

[3] تاریخ ہند۔ از مولوی ذکاءاللہ مرحوم۔ جلد نہم ص ۸۹

[4] Later Mughals, I P. 396

[5] انفاس العارفین۔ ص ۶۲

Marfat.com

علیہ کے وصال کے 50 دن بعد وہ قید ہو گیا۔ شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اس غرض سے کہ مسلمانوں کا سیاسی اقتدار کہیں ان جلد جلد تبدیلیوں کی نذر نہ ہو جائے اس کو قائم رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن کمزوری ایک ایسا مرض تھا جس نے اُسے کبھی حالات پر قابو نہ پانے دیا۔

فرخ سیر کے زمانے میں ایک شخص نمود وانمود نے نبوت کا دعوے کیا اپنا علیحدہ مسلک' قواعد اور زبان ایجاد کی۔ آ قوسہ مقدسہ نامی کتاب کو الہامی کتاب بتایا۔ اور دعویٰ کیا کہ نبوت اور وصیت کے درمیان ایک لاہوتی عہدہ بیگو کت ہوتا ہے اور وہ اسی پر قائم ہے۔ فرخ سیر اس شخص سے اتنا متاثر ہوا کہ تنہائی میں اس سے ملاقات کی۔ بادشاہ کی اس دلچسپی اور احترام سے اس مفسد دینی کو اپنے کام میں بڑی مدد مل گئی۔

محمد شاہ افیم کا شوقین تھا اور عیش و عشرت کا دلدادہ۔ دن رات حرم میں پڑا رہتا تھا۔ 28 سالہ دورِ حکومت میں اگر وہ کبھی محل سے باہر نکلا ہے تو صرف لونی پارک میں گھومنے کے لیے یا گڈھ کا میلہ دیکھنے کے لیے' [1] اس کے جانشین احمد شاہ کی عیش پرستی کا بھی یہی عالم تھا۔ ایک میل تک اس کا زنانہ محل تھا۔ ہفتوں تک کسی مرد کی شکل اس کے سامنے نہ پڑتی تھی۔ شاہ عالم ثانی کے دربار کا حال پولیر نے لکھا ہے۔ [2] وہ مطالعہ کے قابل ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان بادشاہوں کے مشاغل۔ ذہنی اور فکری صلاحیتیں کیا تھیں اور وہ کس حد تک اس زمانے کے سیاسی نظام کو سنبھالنے کی قابلیت رکھتے تھے۔

سلاطین کی عادتوں اور دلچسپیوں کی نقل امراء کرتے تھے۔ اٹھارویں صدی میں امراء کے گھر عیاشی کے اڈے تھے۔ مخربِ اخلاق عادتیں ان کا معمول تھیں اور اُن کے ضمیر کی آواز اتنی دھیمی پڑ چکی تھی کہ کبھی انھیں بھول کر بھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ ان کی حرکات اخلاق و مذہب کی توہین ہیں۔

۱۔ Fal of the Mughal Empire Vol I P. 6

۲۔ Shahalam II and His Court By Anotoine Henri Polier Edited By Pratulc Gupta (Calcutta 1947)

Marfat.com

صوفیہ خام اور علماء سوء کی حالت:

اگر احبار یہود کی حالت دیکھنا چاہو تو آج کل کے علماء کو دیکھ لو اور اگر عیسائیوں کا نقشہ دیکھنا چاہتے ہو تو آج کل کے مشائخ کے سامنے بیٹھ کر کھینچ لو۔[1] ان الفاظ میں اٹھارویں صدی کے سب سے بڑے عالم نے اپنے ہم عصر علماء کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے کے صوفیہ خام اور علماء سوء صد ہا قسم کی گمراہیوں کا شکار تھے اور ان کی گمراہی کا اثر کہ و مہ پر پڑتا تھا۔

دنیا پرستی سے زیادہ بڑی کوئی لعنت علماء کے لیے نہیں ہو سکتی۔ اس دور کے علماء اسی میں گرفتار تھے اور مختلف امراء اور رؤسا سے منسلک ہو کر سیاست میں حصہ لے رہے تھے ایسی سیاست جس کا مقصد دوسروں کی فلاح و بہبود نہ تھا بلکہ اپنے لیے جاہ و منزلت کا حاصل کرنا تھا۔ اکبر کے زمانے میں علماء کی اس دنیا پرستی کے خلاف حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آواز اُٹھائی تھی اس دور میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے خاندان نیز شاہ کلیم اللہ شاہ جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے منسلکین نے اس رجحان کے خلاف جنگ کی اور علماء کو اُن کے اعلیٰ فرائض یاد دلائے۔

اس دور کے علماء عموماً یونانی علوم میں پھنسے ہوئے تھے۔ اُن کا سارا وقت دور از کار بحثوں میں صرف ہوتا تھا۔ قرآن و حدیث سے اُن کا رابطہ تقریباً ٹوٹ چکا تھا۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس ماحول میں للکارا اور اعلان کیا۔

''یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے یا سنت ثابتہ قائمہ کا۔''

یہ خاندان ولی اللٰہی کا وہ زبردست اعلان تھا جس سے علم کے متعلق سارے ہندوستان کے نظریے بدل گئے۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تایا شیخ ابو الرضا الہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد تھے۔ اس لیے علم کے متعلق اُن کا نظریہ بھی وہی تھا جو خود حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور

---

[1] الفوز الکبیر

Marfat.com

اُن کے بزرگوں کا تھا۔علوم دینی کے متعلق اس دور کے مشائخ چشت کے خیالات کی اساس و بنیاد اس پر تھی۔اور اُنھوں نے زمانے کے عام رجحانات کے خلاف اس سلسلہ میں سخت جنگ کی۔

صوفیہ خام کا حال اس سے بھی بدتر تھا۔اُنھوں نے نہ صرف مشائخ متقدمین کی روایات کو فراموش کر دیا تھا بلکہ اسلامی فکر و کردار اُن کا سرمایہ زندگی بن گیا تھا۔تصوف کے سرچشمے قرآن و حدیث سے ہٹ کر ویدانت اور اپنیشد کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔عملیات' تعویذ اور گنڈوں میں حد سے زیادہ اعتقاد بڑھ گیا تھا۔پیر کی غیر شرعی حرکات حجتِ سمجھی جاتی تھیں۔شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان لوگوں کو اس طرح مخاطب کیا ہے:

"میں ان متقشف واعظوں' عابدوں اور خانقاہ نشینوں سے کہتا ہوں کہ اے زہد کے مدعیو! تم ہر وادی میں بھٹک نکلے اور ہر رطب و یابس کو لے بیٹھے۔تم نے لوگوں کو موضوعات اور اباطیل کی طرف بلایا۔تم نے خلق خدا پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا۔حالانکہ تم فراخی کے لیے مامور تھے' نہ کہ تنگی کے لیے۔تم نے مغلوب الحال عشاق کی باتوں کو اپنا مدار علیہ بنالیا ہے' حالانکہ یہ چیزیں پھیلانے کی نہیں' لپیٹ کر رکھ دینے کی ہیں۔"

اس قسم کے صوفیہ نے مذہبی تعلیم کو مسخ کرنے کے ساتھ ساتھ' ملت کے قوائے عمل کو شل کر دیا تھا۔اس دور کے مشائخ چشت نے اس قسم کے صوفیہ کے خلاف' آواز بلند کی۔ اور تصوف کی خالص اسلامی صورت نکھار کر پیش کی۔

عام مسلمانوں کی دینی زندگی:

جب بادشاہ' علماء اور صوفیہ ہی صدہا اخلاقی عیوب اور دینی گمراہیوں میں مبتلا تھے' تو عام مسلمانوں کی زندگی کا ذکر ہی بے کار ہے' "الناس علی دین ملوکھم" قرون وسطیٰ کا ایک ناقابل تردید اصول تھا۔

اس دور میں عام مسلمانوں کی مذہبی حالت کا جائزہ لینے کے لیے شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے' اس حکیم الامت نے

Marfat.com

ملت کی بیماریوں کا تجزیہ بڑی بالغ نظری کے ساتھ کیا ہے اور اس کی ایک ایک دکھتی ہوئی رگ کو پکڑا ہے۔ اس زمانے کے صوفیہ کرام کی کوششوں کی اصلی نوعیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جن خرابیوں کی طرف اشارہ کیا ہے، اُن ہی کے ازالہ کی کوششیں ہیں۔

(1) شرک:

''تم غیر اللہ کے لیے قربانیاں کرتے ہو اور مدار صاحب اور سالار صاحب کی قبروں کا حج کرتے ہو، یہ تمہارے بدترین افعال ہیں۔'' (تفہیمات)

''تم نے یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔'' (تفہیمات)

(2) ارکان دین سے غفلت:

(ا) ''تم نمازوں سے غافل ہو.......... کوئی اپنے کاروبار میں اتنا مشغول ہوتا ہے کہ نماز کے لیے وقت نہیں پاتا، اور کوئی اپنی تفریحوں اور خوش گپیوں میں اتنا منہمک ہوتا ہے کہ نماز فراموش ہو جاتی ہے۔'' (تفہیمات)

(ب) ''تم زکوٰۃ سے بھی غافل ہو.......... تم میں کوئی مال دار ایسا نہیں جس کے ساتھ بہت سے کھانے والے لگے ہوئے نہ ہوں۔ وہ اُن کو کھلاتا اور پہناتا ہے، مگر زکوٰۃ و عبادت کی نیت نہیں کرتا۔'' (تفہیمات)

(س) ''تم رمضان کے روزے بھی ضائع کرتے ہو اور اس کے لیے طرح طرح کے بہانے بناتے ہو۔'' (تفہیمات)

(3) فسق و فجور:

''چاہیے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعے پورا کرو۔ خواہ تمہیں ایک سے زیادہ ہی نکاح کیوں نہ کرنا پڑے.......... تمہاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف

Marfat.com

ہو رہی ہیں کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں پکواتے رہو اور نرم و گداز جسم والی عورتوں سے لطف اُٹھاتے رہو۔" (تفہیمات)

(4) بُری رسومات:

"اے بنی آدم! تم نے ایسے فاسد رسمیں اختیار کر لی ہیں جن سے دین متغیر ہو گیا ہے۔ مثلاً یوم عاشورہ کو تم باطل حرکات کرتے ہو۔ ایک جماعت نے اس دن کو ماتم کا دن بنا رکھا ہے' کچھ لوگوں نے اس دن کو کھیل تماشوں کا دن بنالیا ہے' اور کچھ دوسرے لوگوں نے اُسے مذہبی مناسک کا دن بنا رکھا ہے۔ پھر تم شب برات میں جاہل قوموں کی طرح کھیل تماشے کرتے ہو اور تم میں سے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اس روز مردوں کو کثرت سے کھانا بھیجنا چاہیے۔ (تفہیمات)

(5) غیر شرعی حرکات:

"پھر تم نے ایسی رسمیں بنا رکھی ہیں جن سے تمہاری زندگی تنگ ہو رہی ہے۔ مثلاً شادیوں میں فضول خرچی' طلاق کا ممنوع بنالینا' بیوہ عورت کو بٹھا رکھنا تم نے موت اور غمی کو عید بنا رکھا ہے۔" (تفہیمات)

(6) کاہلی اور فضول خرچی:

"اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تمہاری ضرورتیں پوری ہوں۔ دوسروں کے سینوں کے بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو ان سے مانگ مانگ کر کھایا کرو۔ تم اُن سے مانگو اور وہ نہ دیں۔ اس طرح بادشاہوں اور حکام کے اوپر بھی بوجھ نہ بن جاؤ۔ تمہارے لیے یہی پسندیدہ ہے کہ تم خود کما کر کھایا کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو خدا تمہیں معاش کی راہ بھی سمجھائے گا۔" (تفہیمات)

"اپنے مصارف وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو۔ اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو۔ (تفہیمات)

Marfat.com

شیعہ سُنی تنازعات:

اٹھارویں صدی کا ایک اہم مسئلہ شیعہ سُنی تعلقات کا بھی تھا۔ اورنگ زیب کے بعد شیعوں کا سیاسی اثر بڑی تیزی کے ساتھ بڑھنے لگا تھا۔ حد یہ ہے کہ اورنگ زیب کا جانشین بہار شاہ تک شیعوں کے اثر میں آ گیا تھا۔ اس کے بعد سادات بارہ کے اقتدار سے شعیوں کو بہت تقویت حاصل ہوگئی۔ ایرانی اور تورانی پارٹیوں کے اختلافات کی بنیاد صرف سیاست نہ تھی بلکہ مذہبی اختلافات کو بھی اس میں کافی دخل تھا۔

اس زمانے میں شیعوں نے اپنے عقائد کو ترویج میں تشدد سے کام لیا اور سنی علماء کو سخت قسم کے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو شہید کیا گیا' شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہنچے اُتروائے گئے' شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو چھپکی کا ابٹن ملوایا گیا۔ غرض ہر طریقے سے مشاہیر سنی علماء کو پریشان کیا گیا۔ اور اُن کے لیے حالات ایسے پریشان کن کردیئے گئے کہ ان کو دہلی چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں قیام کرنا پڑا۔

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں بھی شیعوں کے اقتدار کا مسئلہ نور جہاں کی وجہ سے بہت اہم ہوگیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے ایک رسالہ رد روافض' کے نام سے لکھا تھا۔ اس زمانے میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی فاضلانہ کتاب ''ازالۃ الخفاءعن خلافۃ الخلفا'' تصنیف فرما کر بہت سی عقائد باطلہ کی تردید کی۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا خیال ہے کہ پورے اسلامی لٹریچر میں اس موضوع پر ایسی کتاب موجود نہیں ہے۔ شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ایک کتاب رد روافض کے نام سے تصنیف فرمائی تھی۔

چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں نے شیعوں کے عقائد کی اصلاح کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے خلیفہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو ہدایت کی کہ وہ ''معتقدات رفض'' کو روکنے کے لیے پوری

Marfat.com

جدوجہد کریں۔شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شیعوں کی مخالفت کا مقابلہ سختی سے نہیں بلکہ محبت سے کیا۔جس شخص نے مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو شہید کیا تھا اس نے اُن کو بھی شہید کرنے کا ارادہ کیا۔لیکن اُن کی مجلس میں پہنچ کر ایسا متاثر ہوا کہ اپنے ارادے سے توبہ کر لی۔شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بہت سے شیعوں کو مرید بھی کیا تھا۔شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار اس پر اعتراض کیا تو فرمایا: ''مرید ہو کر وہ تبرے سے باز آ جاتے ہیں۔'' آخری زمانے میں شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ راہ اختیار کی کہ سنی مسلمانوں کو شیعوں کی صحبت اور اثر سے بچنے کی تلقین کی۔

شیعوں سے مذہبی عقائد کے اختلاف کے باوجود ان بزرگوں نے اپنے عادلانہ اور منصفانہ رویے میں فرق نہ آنے دیا۔وہ ہر چیز کو اس کی حقیقی صورت میں دیکھتے تھے' اور کبھی وقتی مخالفت کی رو میں بہ کر عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ایک شخص نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شیعوں کو کافر قرار دینے کے متعلق فتویٰ دریافت کیا تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اختلاف کیا۔وہ شخص یہ کہہ کر کہ ''ایں شیعی است'' [1] چلا گیا۔ایک روہیلہ پٹھان آفتاب نامی شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درس میں شریک ہوا کرتا تھا۔ایک دن شاہ صاحب نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل و مناقب بیان فرمائے تو اس کو اس قدر غصہ آیا کہ (خود شاہ عبدالعزیز صاحب کا بیان ہے):

''بندرا شیعہ فہمید آمدن درس موقوف کرد۔'' [2]

بندہ کو شیعہ سمجھ کر درس میں شریک ہونا بند کر دیا۔

جن بزرگوں کا کام انتشار و ابتری کے زمانے میں قوم کے ذہنی توازن کی نگہبانی کرنا تھا وہ کس طرح عوام کے جذبات کا شکار ہو سکتے تھے۔چنانچہ ان ہی بزرگوں کا کام تھا کہ اگر ایک طرف انھوں نے شیعوں کے عقائدِ باطلہ کی تردید میں اپنی زبان اور اپنے قلم کو

---

[1] تا [2] ملفوظات شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

Marfat.com

جنبش دی۔ تو دوسری طرف انھوں نے سُنی مسلمانوں میں اُن کے خلاف تشدد کو روکا اور عدل وانصاف کو کبھی نظر انداز نہ کیا۔

آیئے اب حالات کے اس پس منظر میں اٹھارویں اور اُنیسویں صدی کے مشائخ سلسلہ چشت کے حالات کا مطالعہ کریں!

Marfat.com

بابِ اوّل

حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

1650-1729

حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو چشتیہ سلسلہ کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔ ان کے زمانے سے چشتیہ سلسلہ کا دورِ تجدید و احیاء شروع ہوتا ہے۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ اور صوبوں میں مرکز سے غیر متعلق خانقاہیں قائم ہو گئیں تھیں۔ حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' حضرت نور قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' علامہ کمال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر مشاہیر نے سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت میں بڑی جدوجہد کی تھی۔ لیکن سلسلہ کو ایک "کل ہند ادارہ" کی حیثیت سے زندہ نہ کر سکے تھے۔ مرکزیت کے فنا ہو جانے سے سلسلہ کے نظام کی اساس و بنیادی بدل گئی تھی' شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ کارنامہ تھا کہ انھوں نے چشتیہ سلسلہ کے بے ترتیب نظام میں پھر ایک بار باقاعدگی پیدا کی اور متقدمین صوفیہ کی نہج پر تبلیغ و اشاعت اور اصلاح و تربیت کا کام شروع کر دیا۔ اُنھوں نے ملک کے دور دراز علاقوں میں اپنے خلفاء بھیجے اور ان کے ذریعے ایک گرتی ہوئی سوسائٹی کو انتشار و ابتری سے بچایا۔ حقیقت یہ ہے کہ چشتیہ سلسلہ کا نشاۃ ثانیہ اُن ہی کی کوششوں کا رہین منت تھا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رشد و ہدایت کی شمع ایسے زمانے میں

Marfat.com

روشن کی تھی۔ جب ہندوستان کے مسلمان ایک نہایت ہی نازک دور سے گزر رہے تھے۔ سلطنت مغلیہ کا آفتاب غروب ہوا چاہتا تھا' معاشرہ پر انحطاطی رنگ چھا رہا تھا' زندگی 'سکر ودوام' میں تبدیل ہو رہی تھی۔ ہر شخص ایک گونہ بے خودی کے عالم میں مست وخراب تھا۔ مذہب کی روح ختم ہو چکی تھی اور اگر کچھ باقی رہ گیا تھا تو اوہام کا تار پود۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تنزل اور انحطاط کے اس دور میں احیاء ملت اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیے جو کوششیں کیں وہ اسلامی ہند کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ وہ حالات کی نامساعدت کو پہچانتے تھے۔ زمانے کی رفتار کو دیکھتے تھے' لیکن ہمت نہ ہارتے تھے اور پکار پکار کر کہتے تھے۔

''دراعلائے کلمۃ الحق باشید وجان ومال خود صرف ایں کار کنید۔''[1]

اعلاء کلمۃ الحق میں مصروف رہو اور اپنے جان و مال کو اسی میں صرف کردو۔

دہلی کے مشہور بازار خانم [2] میں اُن کی خانقاہ تھی۔ خانقاہ کیا تھی علم ومعرفت' رموز وحکمت' احسان وسلوک کا سرچشمہ تھی' ہزاروں تشنگان معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لیے وہاں آتے تھے۔ شائقین علم وفضل اُن کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہونا باعثِ فخر ومباہات تصور کرتے تھے میر غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے:

''امراء وفقراء حلقہ اعتقاد در گوش داشتند' و بہ مطالب دینی ودنیوی کامیاب اندوختند'' [3]

---

1. مکتوب ۲۱ ص ۲۶۔
2. ''خانم کا بازار بھی ایک بہت بڑا اور پُر رونق بازار تھا جو قلعے کی فصیل کے برابر سرادگیوں کے منڈ رتک چلا گیا تھا۔ جہاں اب ٹھنڈی سڑک ہے۔ یہ سارا میدان بھی صاف ہو گیا۔ غرض یہ کہ جامع مسجد کے دروازہ شرقی کے محاذ میں جو صاف اور چٹیل میدان نظر آتا ہے یہ حصہ فوجی اغراض اور دور اندیشی سے عمارات سے صاف کر دیا گیا۔ اس میں اب ایڈورڈ پارک بنایا ہے' اور پریڈ گراؤنڈ ہے۔'' واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم۔ ۱۲۳
3. ماثر الکرام ص ۴۲

Marfat.com

امیر اور فقیر (سب ہی) اُن سے نیاز مندانہ اعتقاد رکھتے تھے' اور دینی و دنیوی مقاصد میں کامیابی حاصل کرتے تھے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علمی اور روحانی دونوں مراتب نہایت اعلیٰ تھے۔لوگ اُن کی بڑی عزت اور احترام کرتے تھے۔ ماثر الکرام میں لکھا ہے:

"درعلوم عقلی و نقلی پایہ بلند دور حقائق و معارف رتبہ ارجمند داشت"[1]

علوم عقلی اور نقلی میں اُن کا پایہ بلند اور حقائق و معارف میں ان کا رتبہ ارجمند تھا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اسلاف معماری کا پیشہ کرتے تھے لیکن خود ان کو بقول آزاد" اللہ تعالیٰ نے دلوں کی معماری کے لیے مخصوص کیا تھا" خود ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔"

"ماد شما کا فراہم آوردن تنکہ و نقد و جنس نیست' فراہم آوردن دلہا مطلوب است۔"[2]

ہمارا اور تمہارا کام تنکہ و نقد و جنس جمع کرنا نہیں ہے بلکہ دلوں کا اکٹھا کرنا مقصود ہے۔

یہی وہ کلام ہے جو تصوف کی روح اور اخلاق کی جان ہے اور جس کی اہمیت حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مولانا فخر الدین مزوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک مکتوب میں سمجھائی تھی۔[3]

شاہ کلیم اللہ رح کا خاندان:

مناقب المحبوبین میں لکھا ہے:

"نام پدر ایشاں حاجی نور اللہ بن شیخ احمد بن شیخ حامد صدیقی از اولاد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اند' ابا و اجداد ایشاں ساکنان شہر خجند بودند' پدر ایشاں درزمان سلطنت سلطان شہاب الدین شاجہاں بادشاہ دہلی۔ در شاہجہاں آباد یعنی دہلی نو آمدہ بوذو پدر ایشاں درعلم نجوم و ہیئت کمالیت تمام داشت' بنابراں بادشاہ مذکور وقت تعمیر لال قلعہ ایشاں را از شہر خجند طلبیندہ بود"[4]

---

1. ماثر الکرام ص ۴۲
2. مکتوبات کلیمی م ۳۴ ص ۳۶
3. ملاحظہ ہو سیر الاولیاء
4. مناقب المحبوبین۔ ص ۴۵

Marfat.com

ان کے والد کا نام حاجی نور اللہ بن شیخ احمد بن شیخ حامد صدیقی تھا وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے تھے۔ اُن کے ابا و اجداد خجند کے رہنے والے تھے...... اُن کے باپ شاہجہاں کے زمانے میں شاہجہاں آباد میں آئے' وہ علم نجوم اور ہیئت میں انتہائی کمال رکھتے تھے۔ اسی بنا پر شاہجہاں نے لال قلعہ کی تعمیر کے وقت اُن کو شہر خجند سے طلب کیا تھا۔

شاہ کلیم اللہ کے دادا احمد معمار [1] عہد شاہ جہانی کے مشہور ماہرین فن میں تھے شاہان مغلیہ کی طرف سے نادر العصر کا خطاب ملا تھا۔ اقلیدس' ہیئت' نجوم' ریاضی وغیرہ پر کامل عبور رکھتے تھے' یونانی ریاضیات کی سب سے اونچی کتاب مجسطی اور خواجہ نصیر طوسیؒ کی تحریر اقلیدس کے عالم تھے۔ ان کے بیٹے لطف اللہ مہندس نے (جو شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے تایا تھے) ایک مثنوی میں اُن کا ذکر اس طرح کیا ہے:

شاہجہاں داورِ گیتی ستان | روشنی دودهٔ صاحب قرآں
عرش بریں قبہ خرگاہ اوست | رشک فلک سدهٔ درگاہِ اوست
احمد معمار کہ درفن خویش | صد قدم از اہل ہنر بود بشیں
واقفِ تحریر و مقاماتِ آں | آگہ آشکال و حوالاتِ آں
از طرفِ داور گردوں جناب | "نادر عصر آمده اور اخطاب

---

[1] احمد معمار اور ان کی اولاد کے متعلق مولانا سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے چند مضامین میں کافی مفید معلومات جمع کر دی ہے (معارف فروری' مارچ ۱۹۳۶ء نیز مئی ۱۹۳۷ء اسلامک کلچر اپریل ۱۹۳۷ء) ان مضامین سے یہاں استفادہ کیا گیا ہے لیکن ان دونوں مضمون نگاروں میں سے کسی کو بھی یہ علم نہیں تھا کہ احمد معمار کے خاندان کی سب سے بڑی شخصیت شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دہلوی تھے۔

[2] لکھا ہے۔ درز مانِ سعید شاہجہاں | شاہ علم پناہ جم مقدار
نادر العصر رفت وگفت خرد | شد بفردوس احمدِ معمار ۱۰۵۹ھ

Marfat.com

بود عمارت گرِ آں بادشاہ داشت دراں حضرت فرخندہ راہ

تاج محل اور لال قلعہ کوانھی نے تعمیر کیا تھا اسی مثنوی میں لکھتے ہیں۔

کرد بحکم شہِ کشور کشا · روضہ ممتاز محل رابنا

باز بحکم شہِ انجم سپاہ شاہجہاں داورِ گیتی پناہ

قلعہ دہلی کہ ندارد نظیر کرد بنا احمدِ روشن ضمیر

احمد معمار نے 1059ھ میں انتقال کیا۔[1] ان کے تین بیٹے۔

(1) عطااللہ (2) لطف اللہ (3) نوراللہ

تینوں اپنی اپنی جگہ اُستاد تھے۔[1] عطااللہ کے متعلق مثنوی میں لکھا ہے۔

نادرِ عصر خود و مشہور شہر عالم و علامہ و دانائے دہر

مرد ہنر پرور و اُستادِ فن فاضل و دانشور وحبرِ زمن

مخزنِ علم آمدہ تالیف او گنج ہنر ہاست تصا نیفِ او

نژدِ از آب رواں پاک تر نظم خوشش غیرتِ سلک گہر

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظم اور نثر دونوں میں عطاءاللہ کو کمال حاصل تھا لطف اللہ نے اپنے بڑے بھائی سے تعلیم حاصل کی تھی اس لیے کہتے ہیں۔

منکہ سخن پرور دانش درم بندۂ آں جر سخن ورم

منکہ ربودم زجہاں گوئے علم ازچمنش یافتہ ام بوئے علم

لطف اللہ علم ہندسہ کے ماہر تھے۔ مہندس خطاب شاہی تھا۔ شعروشاعری کا بڑا ذوق تھا۔ اس مثنوی میں جس کے اقتباسات اوپر پیش کیے گئے ہیں۔ انھوں نے اپنے شاعرانہ کمالات کے جوہر دکھائے ہیں۔

احمد معمار کے سب سے چھوٹے بیٹے نوراللہ تھے جو شاہ کلیم اللہ کے والد بزرگوار تھے۔ عمر میں لطف اللہ سے چھوٹے تھے لیکن کمالات میں اُن سے بڑھ کر تھے۔ چنانچہ خود

---

[1] باہمہ معمار وعمارت گریم ماہمہ استادسخن پروریم

Marfat.com

لطف اللہ لکھتے ہیں ۔

لیک بودقصرِ کلامش عجب زاں شدہ معمار مر اور القب
اگر چہ کم است سالِ وے از سالِ من بیش بود حالِ وے از حال من
نژوے از نظم گہر بار تر نظم زنثر آمدہ ہموار تر
دیدہ زنورِ سخنش پُرضیا طبع زلفِ سخنش پُر صفا
گنج ہنر آمدہ درمشتِ او ہفت قلم راندہ سہ انگشتِ او
گرچہ منم بے سخن استادِ فن آں یک و ایں یک بود استادِ من

دہلی کی جامع مسجد کی پیشانی پر جو کتبے ہیں وہ نور اللہ ہی کی باکمال انگلیوں کا کرشمہ ہیں۔کتبہ کے آخر میں بسمت شمال لکھا ہے۔

کتبہ نور اللّٰہ احمد

خاندانِ کلیمی کے تعمیری کارنامے:

خاندان کلیمی کے تعمیری کارنامے مندرجہ ذیل ہیں

(1) تاج محل۔ آگرہ
(2) لال قلعہ۔ دہلی
(3) جامع مسجد' دہلی
(4) محل نواب آصف خاں' لاہور
(5) قلعہ جات شمشیر گڈھ اور حسن ابدال
(6) مقبرہ دلراس بانو بیگم' اورنگ آباد

خاندان کلیمی کے علمی کارنامے:

اس خاندان نے صرف سنگ ستون ہی پر اپنا نقش دوام نہیں چھوڑا۔اس کی یادگار چند کتابیں بھی ہیں جو اپنی جگہ اہم ہیں اور جن سے اس خاندان کی علمی دلچسپیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

عطا اللہ' رشیدی تخلص کرتے تھے اور نظم و نثر میں متعدد کتابیں تصنیف کی تھیں۔
ریاضی پران کی جن تین کتابوں کا علم ہو سکا ہے وہ یہ ہیں:

(1) بیج گنت

(2) خلاصہ راز

(3) خزینۃ الاعداد

بیج گنت[1] بھاسکرا چاریا کی سنسکرت تصنیف و یجا گنتیا کا فارسی ترجمہ ہے۔ ویجا گنلتیا کے معنی علم جبر و مقابلہ کے ہیں۔ عطاء اللہ نے یہ ترجمہ شاہجہاں کے آٹھویں سنہ جلوس یعنی 1044ھ میں مکمل کر لیا تھا۔

خلاصہ راز [2] میں حساب' مساحت اور جبر و مقابلہ سے متعلق مضامین ہیں۔ رسالہ شاہزادہ وہ داراشکوہ کے نام معنون کیا گیا ہے۔

خزینۃ الاعداد[3] علم حساب' الجبرا اور اقلیدس میں ہے۔ یہ کتاب مبتدیوں' تاجروں اور سرکاری ملازموں کے لیے لکھی گئی تھی۔

لطف اللہ کی مندرجہ ذیل تصانیف ہم تک پہنچی ہیں۔

(1) صور صوفی
(2) رسالہ خواص اعداد
(3) شرح خلاصۃ الحساب
(4) منتخب الحساب
(5) تذکرہ آسمان سخن
(6) دیوان مہندس
(7) سحر حلال

صور صوفی' عبدالرحمٰن صوفی (المتوفی 376ھ) کی مشہور کتاب صور الکواکب کا

---

1. قلمی نسخے برٹش میوزیم اور میونخ یونیورسٹی کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔
2. قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔
3. اس کا قلمی نسخہ بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے (۱۰۷)

ملاحظہ ہو: فہرست کتب عربی و فارسی و اردو کتب خانہ۔ جامعہ بمبئی مترجمہ شیخ عبدالقادر

Marfat.com

فارسی ترجمہ ہے۔ لطف اللہ نے 1050ھ) میں اپنے باپ کے حکم سے اس کام کو انجام دیا' اوران ہی کے نام سے اس کو معنون کیا۔ اس کا اصل نسخہ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

رسالہ خواص اعداد' سات صفحات پر مشتمل ہے۔ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ایک مجموعہ کے اندر شامل ہے۔

شرح خلاصۃ الحساب' بہاء الدین محمد بن حسین آملی کی عربی تصنیف خلاصۃ الحساب کا فارسی ترجمہ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانے میں ہے۔ اور دوسرا رامپور کے کتب خانے میں۔

منتخب الحساب' بہاء الدین آملی کی کتاب کا فارسی خلاصہ ہے۔ اس کے دو نسخے انڈیا آفس کے کتب خانے میں' ایک برٹش میوزیم۔ ایک کتب خانہ آصفیہ اور ایک مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

آسمان سخن' دولت شاہ سمرقندی کے فارسی تذکرے کو اکبر کے زمانے میں ایک شاعر فاتھی کرمانی نے دس طبقوں میں مکمل کیا تھا۔ لطف اللہ نے دو طبقات کا اس میں اضافہ کر کر اس کا نام آسمان سخن رکھ دیا۔ اس کا ذکر ڈاکٹر اسپرنگر نے شاہان اودھ کے کتب خانے کی فہرست میں کیا ہے۔

دیوان مہندس' 96 صفحات پر مشتمل ہے' ایک قصیدہ میں داراشکوہ کی تعریف کی ہے۔

سحر حلال' علم اخلاق میں غیر منقوط رسالہ ہے۔ زبان فارسی ہے۔ عالم گیر کی تعریف کی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لطف اللہ کے داراشکوہ سے تعلقات کے پیش نظر عالم گیر کو اس سے مخالفت پیدا ہو گئی تھی' ایک جگہ لکھا ہے۔

شہا گوش برداد خواہی نداری بحال گدایاں نگاہے نداری
رقیباں بقتلم نوشتند فتوئی وگرنہ تو ہرگز گناہے نداری

Marfat.com

غالباً تعلقات کو درست کرنے کے لیے لطف اللہ نے سحر حلال کی تصنیف کی تھی، اس کا قلمی نسخہ بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

لطف اللہ کے دو بیٹے تھے۔

(1) امام الدین الریاضی

(2) خیر اللہ

امام الدین کا ذکر شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مکتوبات میں کیا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چاہتے تھے کہ امام الدین کی ایک لڑکی کا نکاح اپنے عزیز مرید شیخ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے کرادیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

سخن صریح تر آنکہ میاں امام الدین کہ برادر عموزادہ فقیر اند' دختر ے درسن چہاردہ سالہ فی الحال بصلاح نماز وروزہ وتلاوت قرآن آراستہ دارند..........[1] "

صاف بات یہ ہے کہ میاں امام الدین کی جو فقیر کے عموزادہ ہیں۔ ایک لڑکی ہے جو 14 سال کی ہے' نماز روزہ تلاوت قرآن سے آراستہ ہے۔

امام الدین کے متعلق مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے: ریاضیات کے اس ریاض علم کا یہی وہ نونہال ہے جس کے تذکرے کی خوشبو بارہویں صدی کے اہل تذکرہ کی محفل تک پھیلی ہے۔" [2] ان کے حالات خوش گو' حسین قلی خاں عظیم آبادی' کشن چند اخلاص اور احمد علی خاں سندیلوی نے لکھے ہیں۔ خوش گو کا بیان ہے:

"در جمیع علوم رسمی یگانہ ومنفرد بود"

پھر آگے لکھا ہے:

"دریں جزوزماں از مغتنمات بودہ"

امام الدین نے 1145ھ کو انتقال کیا۔ ان کی مندرجہ ذیل تصانیف اب تک

---

[1] مکتوبات کلیمی۔ م ۷ ص ۱۵

[2] معارف۔ اپریل ۱۹۳۶ء ص ۲۴۵

Marfat.com

دریافت ہوسکی ہیں:

(1) تشریح الافلاک

(2) حاشیہ شرح چغمنی

(3) حاشیہ شرح خلاصۃ الحساب

(4) بیانیہ

تشریح الافلاک، بہاء الدین آملی کی تصنیف کی شرح ہے۔ رامپور میں اس کے دو نسخے موجود ہیں۔ بیانیہ۔ معانی و بیان سے متعلق ہے۔ رسالہ کی زبان فارسی ہے، دیباچہ میں مصنف نے لکھا ہے کہ یہ رسالہ شہزادی زینب النساء بیگم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔

ابوالخیر معروف بہ خیر اللہ، محمد شاہ کے زمانے میں مشہور ہوئے، راجہ جے سنگھ نے بادشاہ کے حکم سے دہلی، جے پور، بنارس، اجین میں جو رصد خانے قائم کیے تھے۔ اُن کی نگرانی خیر اللہ ہی نے کی تھی۔ وہ دہلی میں درس بھی دیتے تھے۔ محمد علی ان کے بیٹے اور شاگرد تھے۔ وہ بھی اپنے فن میں بڑے مشہور تھے۔ اُن کے بعد کسی شخص کو اتنی شہرت اس خاندان میں حاصل نہیں ہوئی۔ خیر اللہ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(1) تقریر التحریر [1]

(2) تقریب التحریر [2]

(3) حاشیہ بر شرح سیت باب در معرفت اسطرلاب [3]

(4) شرح زیچ جدید محمد شاہی [4]

---

[1] قلمی نسخہ۔ کتب خانہ نواب سالار جنگ (حیدر آباد) اور انڈیا آفس (نمبر ۲۳۶۰)

[2] قلمی نسخہ بانکی پور (۱۰۵۸) اور علی گڑھ

فہرست میں اس کا نام ترجمہ مجسطی لکھا ہے (نمبر ۶ علوم فارسی)

[3] یہ حواشی بانکی پور لائبریری کی شرح بست باب کے نسخے نمبر ۱۰۴۵ کے کناروں پر درج ہیں۔

[4] اس شرح کا حوالہ علامہ حسین جون پوری نے اپنی مشہور تصنیف جامع بہادر خانی میں دیا ہے۔

Marfat.com

(5) شرح زلالی [1]

(6) شرح حافظ [2]

(7) شرح سکندرنامہ [3]

شاہ کلیم اللہؒ کی ولادت:

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت باسعادت 24 جمادی الثانی 1060ھ 1650ء کو ہوئی تھی۔ خود ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"بست و چہارم جمادی الثانی مولد فقیر است و تاریخ تولد فقیر غنی است" [4]

(1060 = 10 + 50 + 100)

تعلیم و تربیت:

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیم و تربیت بہت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی تھی۔ خود انھوں نے ابتدائی زمانے میں بڑی محنت اور جانفشانی سے اکتسابِ علوم کیا تھا تکملہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے:

"در ایام جوانی بہ تحصیل علوم مشغول بودند و کمال علم کردہ بودند۔" [5]

ان کے اساتذہ میں شیخ برہان الدین المعروف بہ شیخ بہلول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ ابوالرضا الہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اسماء گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ شیخ بہلول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سید محمو غوث گوالیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [6] کی اولاد سے تھے۔ اُن کے علمی تبحر کی دور دور شہرت تھی۔ شیخ ابوالرضا الہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شاہ ولی اللہ دہلوی

---

[1] تا [2] ان شرحوں کا ذکر تقریب التحریر کے دیباچہ میں ان کے بیٹے نے کیا ہے۔

[3] مطبع شرف المطابع دہلی سے ۱۲۶۸ھ میں طبع ہوئی۔

[4] مکتوبات کلیمی۔ ص ۹۳ مکتوب ۱۲۵

[5] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۷۹

[6] حالات کے لیے ملاحظہ ہو گلزار ابرار قلمی

Marfat.com

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تایا تھے۔ انھوں نے اپنے شاگرد کے ذہن وقلب پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ اُن ہی کے ذریعے سے شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رشتہ خاندان ولی اللّٰہی سے قائم ہو جاتا ہے۔

شیخ ابوالرضا الہندی:

شیخ وجیہہ الدین شہید کے فرزند رشید اور شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بڑے بھائی تھے۔ علوم ظاہری کی تکمیل حافظ بصیر کی نگرانی میں کی۔ حافظ بصیر اُس زمانے میں اپنے علمی تبحر کی بنا پر بڑی عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے [1] ان کے فیض صحبت سے شیخ ابوالرضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بہت جلد علوم ظاہری میں دستگاہ حاصل کر لی۔ پھر خواجہ خرد خلف الصدق حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں سلوک و معرفت کی دشوار گزار راہیں طے کیں۔ ابتدائی زمانہ میں امراء سے میل جول رکھتے تھے اور شاہی دربار میں ایک ممتاز عہدہ بھی قبول کر لیا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد اس زندگی سے طبیعت گھبرا گئی اور انھوں نے مسجد فیروز آباد کے قریب ایک حجرے میں رہنا شروع کر دیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس زمانے کا حال لکھتے ہیں:

"درآں زماں بسیاری بود کہ دو سہ فاقہ متواتر می گزشتند و اگر سدر مقے میسری آمد چند تائے نان جویں و دوغ می بود کہ محمد جان طحان و امثال دے از نیاز مندان می آوردند و آنہا در فقراء قسمت علی السویہ می کردند و بقلیلے اکتفا می نمودند۔" [2]

اس کے بعد فتوحات کی ایسی کثرت ہوئی کہ ہر طرح کی سہولت حاصل ہو گئی۔

شیخ ابوالرضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے زمانے کے جید عالم تھے۔ علوم عقلی و نقلی کے ہر گوشہ پر کامل عبور تھا۔ طبیعت کا زیادہ رجحان تصوف کی طرف تھا اکثر اوقات اشغال و افکار

---

1. شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:
حافظ بصیر کہ عمدۂ زمان شاہجہاں بود انفاس العارفین ص ۸۸

2. انفاس العارفین ص ۸۸

Marfat.com

میں انہماک رہتا تھا۔ ساتھ درس و تدریس کا بھی شوق تھا' اور جو شائقین علم حاضر ہوتے تھے' ان کی تشنگی کو دور کرنے کے لیے اس طرح متوجہ ہو جاتے تھے۔ آخری زمانے میں تفسیر بیضاوی اور مشکوۃ شریف کے علاوہ کسی کتاب کا درس دینا پسند نہ کرتے تھے۔[1] وعظ میں بڑی تاثیر تھی۔ نماز جمعہ کے بعد ہمیشہ وعظ کہتے تھے۔ جن میں ہزاروں کی تعداد میں سامعین موجود ہوتے تھے۔ احادیث پڑھ کر ان کا فارسی' اور 'ہندی' میں ترجمہ کرتے جاتے تھے۔[2] اور ایسے پُر درد لہجے میں خطاب کرتے تھے کہ سننے والوں کے دل ہل جاتے تھے۔

شیخ ابوالرضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وحدتِ وجود کے قائل تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے۔

> ''اکثر حال در توجہ الی اللہ یا بیان معارف با خواص اصحاب می گذشت' بوحدتِ وجود قائل بودند و دراں باب تحقیقے عظیم داشتند' و در مجالس صحبت مغلقات کلام صوفیہ را بسیار حل می فرمودند[3]

استغنا کا یہ عالم تھا کہ اورنگ زیب نے متعدد باران سے ملنے کی خواہش ظاہر کی' لیکن قبول نہ ہوئی۔ شیخ ابوالرضاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تفصیلی حالات' شوارق المعرفت اور انفاس العارفین میں مطالعہ کرنے چاہئیں۔

مدینہ منورہ کو روانگی:

تکمیل علوم کے بعد' شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا اور وہ یک لخت مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔ حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ اوائل عمر میں ان کو ایک کھتری لڑکے سے گرویدگی پیدا ہو گئی تھی۔ اور عشق اس درجے تک پہنچ گیا تھا کہ ایک لمحہ بھی اس کے بغیر چین نہ پڑتا تھا۔ دلی میں ایک مجذوب

---

[1] ''در آخر بجز دو سبق یکے از تفسیر بیضاوی و دیگر از مشکوۃ درس ایشاں نبود۔'' انفاس العارفین۔ ص ۹۰

[2] انفاس العارفین۔ ص ۹۰

[3] انفاس العارفین۔ ص ۹۰

Marfat.com

تھے۔ جن کے متعلق عام عقیدہ یہ تھا کہ وہ صرف اسی شخص کی نذر قبول کرتے ہیں۔ جس کا کام ہونا ہوتا ہے۔ شاہ صاحب کچھ شیرینی لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے یہ نذر قبول کر لی۔ دوسرے دن شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس لڑکے کے پاس گئے۔ اس نے نہایت ہی لطف اور توجہ سے اُن کو اپنے پاس بٹھایا اور بڑی محبت سے پیش آیا۔ لڑکے کی اس ملاطفت سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طبیعت بھر گئی، اور ان کے مذہبی احساس نے پکار کر کہا۔

ہمتِ عشق نہ ہو حسنِ خط و خال میں بند
صید ہر مور دگس ہوتے ہیں شہباز کہیں

(قائم چاندپوری)

اب شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طبیعت اس مجذوب کی طرف راغب ہوگئی۔ مجذوب کی صحبت سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں ایک جذب کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ احترام شرع کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنی حالت کو چھپانے کی حد سے زیادہ کوشش کرتے تھے۔ لیکن جب ضبط نہ ہو سکا اور بالکل مجبور ہوگئے تو مجذوب سے اپنی حالت بیان کی اور امداد کے مطالب ہوئے۔ اُنھوں نے جواب دیا:

اگر آتش ازیں قسم خواہند نزد من بسیار است و آب نزد حضرت شیخ یحییٰ مدنی است آنجا روید۔"

اگر اس قسم کی آگ چاہتے ہو تو میرے پاس بہت ہے (لیکن) پانی حضرت شیخ یحییٰ مدنی کے پاس ہے۔ وہاں جاؤ۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کا قلب و جگر اس آگ سے پہلے ہی جل چکا تھا اور جن کی تشنگی کسی ابرِ کرم کی منتظر تھی۔ شیخ یحییٰ مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام سُن کر بے اختیار مدینہ منورہ کی طرف دوڑ پڑے۔ اُن کی والدہ ماجدہ حیات تھیں، لیکن جذبہ شوق نے اتنی بھی مہلت نہ دی کہ اُن سے جا کر اجازت لے

Marfat.com

لیں۔[1] اس طویل مسافت کو نہ معلوم کن کن مشکلوں سے طے کیا اور بالآخر شیخ یحییٰ مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قدموں میں جا پہنچے۔

حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ:

حضرت شیخ محی الدین ابو یوسف یحییٰ الچشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ کمال الدین علامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد سے تھے۔ اپنے زمانے کے مشاہیر صوفیہ میں ان کا شمار تھا۔ صاحب مراۃ احمدی نے لکھا ہے:

''ذاتِ مبارک ایشاں حجت بوُد بر مشائخ سلف بلکہ در متقدمین ہم مثل ایشاں کم بودہ باشند[2]

20 رمضان 1010ھ کو احمد آباد (گجرات) میں پیدا ہوئے تھے۔ بیس سال کی عمر میں علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کرلیا۔ پھر سجادۂ مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور تزکیہ باطن میں مصروف رہنے لگے۔ شاہ وگدا سب ہی ان سے عقیدت رکھتے تھے اورنگ زیب جب گجرات کی صوبہ داری پر معمور تھا تو شیخ نظام رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی خدمت میں بھیج کر ملاقات کی استدعا کی تھی۔ شیخ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے معذرت چاہی' لیکن پھر بھی اورنگ زیب اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے پیش گوئی کی کہ تم تخت پر متمکن ہوگئے اور تم سے ''دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ وسلم'' کو تقویت پہنچے گی۔[3] لکھا ہے کہ شاہزادگی کے زمانے میں اورنگ زیب دو سو روپے سال اُن کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد ہر سال ایک ہزار روپیہ بھیجنے لگا۔ سماع پر جب مرزا باقر محتسب نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مچلکے لیے تو اورنگ زیب نے معذرت کا خط لکھا اور محتسب کو تنبیہہ کی کہ پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرے۔[4] مکتوبات کلیمی میں ان کا ایک خط نقل کیا گیا ہے جو انھوں نے اورنگ زیب کے نام لکھا تھا:

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۷۹
[2] خاتمہ مرات احمدی۔ ص ۷۹
[3] خاتمہ مرات احمدی ص ۸۰
[4] مرات احمدی۔ ص ۸۱

Marfat.com

از جانب شیخ یحییٰ سلام برسد از آنجا کہ سماع قوت صالحانست منع کردن راہم وجہے ندارد والسلام۔"[1]

حضرت شیخ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے سلام پہنچے سماع نیک لوگوں کی غذا ہے۔ اس سے روکنے کی کوئی معقول وجہ نہیں والسلام۔

حضرت یحییٰ مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک روحانی اشارے پر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے وہیں 28 صفر 1101ھ کو وصال فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقبرے کے متصل سپرد خاک کیے گئے۔ اُن کے تفصیلی حالات کے لیے معارج الولایت فی مدارج الہدایت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ان کے ملفوظات مفتاح الکرامات کے نام سے محمد فاضل بن شیخ فیروز نے ترتیب دیے تھے۔

شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادیؒ حضرت مدنیؒ کے قدموں پر:

مدینہ منورہ پہنچ کر شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنا زیادہ وقت شیخ مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں گزارنے لگے۔ ایک دن شیخ مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے کسی شاگرد کو شرح وقایہ پڑھا رہے تھے۔ شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ شیخ تو علوم ظاہری ہی کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔ شیخ مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس خطرہ کو محسوس کر لیا اور وہ کتاب شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاتھ میں دے دی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ حال ہو گیا کہ کتاب کی عبارت تک سمجھ میں نہ آئی۔ اپنے خیال سے توبہ کی۔ پھر شیخ کے تقدس اور علم و فضل سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے دستِ پرست پر بیعت کر لی اور اپنے حسب حال یہ قطعہ پڑھا۔

آئی تو کہ از نام تو می بارد عشق
و ز نامہ و پیغام تو می بارد عشق
عاشق شود آنکس کہ بکویت گزرد
گویا ز در و بام تو می بارد عشق[2]

[1] مکتوبات کلیمی۔ ص ۸۲ مکتوب ۱۰۳ [2] شجرۃ الانوار (قلمی)

Marfat.com

کچھ عرصہ شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حجاز میں مقیم رہے۔[1] شیخ مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کو خرقہ خلافت سے نوازا اور ظاہری و باطنی نعمت سے سرفراز کیا۔[2] شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب وطن کو واپس ہونے لگے تو انھوں نے ایک کلاہ اور شجرہ دیا کہ دہلی میں شیخ اچھا کو دے دینا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دہلی پہنچے تو سب سے پہلے اُن ہی سے ملاقات ہوئی اور آپس کی محبت اس قدر بڑھ گئی کہ ایک جان اور دو قالب ہو گئے' لکھا ہے:

حضرت شیخ کلیم اللہ تصدق شیخ اچھا شدند' فیما بین ذوقہا د شوقہا جدانہ بہم رسانیدند تاحین حیات رابطہ یگانگت درمیاں داشتند۔''[3]

درس و تدریس:

شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دہلی واپس آ کر بازار خانم میں اپنا مسکن بنایا اور سلسلہ درس و تدریس شروع کر دیا۔ بازار خانم اس وقت دلی کا سب سے زیادہ بارونق بازار تھا۔ ایک طرف قلعہ کی دلکش عمارت تھی' دوسری طرف جامع مسجد کے فلک بوس مینار' درمیان میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مدرسہ تھا۔ غالباً یہ جگہ ان کے خاندانوں کو شاہ جہاں کی طرف سے عطا کی گئی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ قلعہ اور جامع مسجد کے معماروں کے لیے اس سے زیادہ موزوں جگہ ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ شجرۃ الانوار کے مصنف نے لکھا ہے:

''غرضکہ فانی فی اللہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی در شہر شاہجہاں آباد آمدہ رونق افزا شدند' درآں زماں رونق و تیاری قلعہ تازگی داشت[4] و جامع مسجد

---

1. ماثر الکرام میں لکھا ہے ''مدتہا دآں دیار فیض آثار بسر بُرد۔'' ص ۴۲

2. تکملہ سیر الاولیاء ص ۸۵

3. شجرۃ الانوار۔ شیخ اچھا کے مزار کے متعلق لکھا ہے:

مزار حضرت شیخ اچھا در آن مجرا است کہ زیر روضہ امیر خسرو واقع است' مولوی غلام فرید برادر دینی احقر العباد و خلیفہ خاص حضرت مرشد من در آنجا مدفون اند۔''

4. 1048ھ 1638ء میں قلعہ کی بنیاد رکھی گئی (فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

Marfat.com

مسکن خود نمودو از اکثر اوقات بعد از صلوٰۃ عصر زیر قلعہ برائے سیر دریا بنا بر تفرج طبع می رفت۔"

شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی علمی شہرت بہت جلد اکناف ملک میں پھیل گئی اور دور دور سے طلباء تحصیل علم کے لیے اُن کی خدمت میں حاضر ہونے لگے' شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مدرسہ کے متعلق تفصیلی معلومات دستیاب نہیں ہوتیں۔لیکن شجرۃ الانوار کے ایک بیان سے اس کی نوعیت پر کافی روشنی پڑتی ہے لکھا ہے:

"بسیارے طلبائے علم آمدہ سکونت می نمودند و سبق کتب ہامی خواندند و نان و پارچہ نیز از سرکاری یافتند۔"

بہت سے طلباء ان کی خدمت میں آ کر رہتے اور علم حاصل کرتے تھے۔ان کو کھانا اور کپڑا بھی سرکار سے ملتا تھا۔

خود شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حدیث کے درس میں خاص دلچسپی تھی۔ تذکروں میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک واقعہ درج ہے کہ وہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملنے کے لیے ایک مرتبہ اُن کے مدرسہ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صحیح بخاری کے درس میں مشغول ہیں۔[1]

توکل کی زندگی:

حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو توکل اور قناعت کی بے پناہ دولت ملی تھی۔وہ عسرت اور تنگی میں دن گذارتے تھے لیکن کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا تو کیا معنی' امراء و سلاطین کی نذریں اور جاگیر نامے تک قبول نہ کرتے تھے تکملہ سیر

(فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ)

1058ھ 1648ء میں تیار ہوا۔

تاریخ ہوئی ۔ شد شاہجہاں آباد از شاہجہاں آباد

[1] انوار العارفین۔ ص ۴۳۰

Marfat.com

الاولیاء کا بیان ہے۔

شیخ کی ملکیت میں لے دے کے کل حویلی تھی جس کا ماہوار کرایہ آتا تھا۔ شیخ اس سے گذر اوقات کرتے تھے۔ 8 ماہوار پر ایک مکان کرایے پر لے رکھا تھا اور باقی دو روپے میں پورے گھر کا خرچ چلاتے تھے۔"[1]

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ قحط یا دیگر غیر معمولی حالات کے باعث اس مختصر سی آمدنی میں گذر اوقات نہ ہو سکی اور وہ قرض دار ہو گئے۔ ایک مکتوب میں شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لکھتے ہیں:

"دریں سالہا کہ از تنگی باراں صورت قحط دریں ملک شدہ بود۔ و بانہ دہ نفر سواء مہمان گذراں می شد' گاہے بیگاہے قرض داری می شدم۔"[2]

اس زمانے میں جب کہ بارش کی کمی کے باعث ملک میں قحط کی صورت پیدا ہو گئی تھی اور نو دس آدمی علاوہ مہمانوں کے کھانے والے تھے اکثر اوقات میں قرض دار ہو گیا۔

لیکن اس کے باوجود شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کسی بادشاہ سے کچھ قبول نہیں کیا' اُن کی خودداری کسی کے آگے دست سوال دراز کرنے کی اجازت نہ دیتی تھی فرخ سیر نے بہت کوشش کی کہ شاہ صاحب کو خزانے سے کچھ دے دیا جائے لیکن انھوں نے ہر بار انکار ہی کر دیا' تکملہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے:

بادشاہ فرخ سیر بارہا الحاح نمود کہ حضرت از بیت المال چیزے قبول فرمایند' ایشاں جواب دادند کہ حاجت نیست' باز عرض کرد کہ حویلی از بہر نزول و معرض افتد' فرمودند بہ

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۸۵

[2] مکتوب ۱۷ ص ۲۱

[3] بعد کو شاید شاہ صاحبؒ نے ایک حویلی قبول فرمالی تھی۔ ایک مکتوب میں شاہ نظام الدین صاحب کو لکھتے ہیں۔

(فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

Marfat.com

این نیز حاجت نیست[1] باز عرض نمود اگر اجازت باشد بندہ در خدمت آمد سعادتِ دارین بہ قدم بوسی حاصل نمودہ باشد۔ فرمودند کہ توکل الٰہی ہستی در سایہ آں ذات ہمیشہ بہ دعا گوئی مشغول ام۔ بہ آں نیز حاجت نیست بلکہ بندہ ہا تصدیع خواہد رسید۔"[1]

جمعہ کی نماز آپ جامع مسجد میں پڑھتے تھے' وہاں بادشاہ بھی ہوتا تھا۔ لیکن آپ کا اتنا رعب تھا کہ اُسے بغیر اجازت بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔[2]

شاہ صاحب کا اخلاق:

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہایت حلیم الطبع اور خوش مزاج انسان تھے۔ جب کوئی شخص جس کو ان کی ناراضگی کا خیال ہوتا' معذرت کا خط لکھتا تو اس انداز میں جواب دیتے کہ مومن کے اس شعر کی جیتی جاگتی تصویر بن جاتے۔

نارسائی سے دم رُکے تو رُکے
میں کسی سے خفا نہیں ہوتا

وہ دشمنوں اور مخالفوں سے بھی کبھی ناراض نہ ہوتے تھے۔ جب کسی سے تکلیف پہنچتی تو زبان پر یہ اشعار جاری ہو جاتے۔

ہر کہ مارا رنجہ دا رد راحتش بسیار باد

(فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ)

"شاہ ضیاء الدین برائے فقیر از بادشاہ حویلی یک ہزار و دو درعہ بازار خانم کہ مشتمل است۔ بر یک ایوان و دو حجرہ و یک چاہ و یک چماچہ گرفتند۔ م ۸۱ ص ۶۴

فخر الطالبین میں لکھا ہے کہ آخر زمانے میں شاہ صاحب کی مالی حالت اچھی ہو گئی تھی اور فتوحات کا سلسلہ ایسا شروع ہوا تھا کہ انھوں نے قریب ایک لاکھ روپیہ' املاک وغیرہ ورثہ چھوڑا تھا (ص ۱۴۶) لیکن ان کے مکتوبات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ آخر زمانہ کے مکتوبات سے بھی عسرت اور تنگی کی حالت ظاہر ہوتی ہے۔

۱ تا ۲ تکملہ سیر الاولیاء ص ۸۵

Marfat.com

ہرکہ مارا یار نبود ایزد اور ایار باد
ہرکہ خارے بر نہد در راہِ ما از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد[1]

اپنے مریدوں کو بھی یہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کی جفا وقفا برداشت کریں[2] اور لب نہ ہلائیں' کہتے تھے کہ ہمارا کام دلوں کو ایک جگہ کرنا ہے۔ اس میں جتنی بھی مشکلات پیش آئیں' ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے۔[3]

دکن میں ایک بار کچھ لوگوں نے ان کو بُرا بھلا کہا۔ شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی اطلاع ان کو دی تو جواب میں ارشاد فرمایا:

"ہرکہ مارا بدیا می کند مستحق زیادہ از انیم کہ او لطف کردہ کم وشنام می دہد' ما عفو کردیم شاہم عفو کنید۔"[4]

کوئی شخص ہمیں برائی سے یاد کرتا ہے (تو ہمیں اس سے کوئی شکایت نہیں اس لیے کہ) ہم اس سے زیادہ برائی کے مستحق ہیں۔ اس نے لطف کیا اور ہمیں کم گالیاں دیں' ہم نے اُسے معاف کردیا' تم بھی اُسے معاف کردو۔

تصانیف:

شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصانیف کا ایک بے بہا ذخیرہ چھوڑا ہے' جس سے اُن کے تجرِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مناقب فریدی میں اُن کی تصانیف کی تعداد 32 بتائی گئی ہے۔[5] ان کی مندرجہ ذیل تصانیف ہم تک پہنچی ہیں:

(1) قرآن القرآن

(2) عشرہ کاملہ

---

[1] مکتوبات کلیمی' م۲۳ ص۲۸' م۹۸ ص۷۷

[2] مکتوبات م۵ ص۹ [3] مکتوبات م۲۳ ص۲۷

[4] مکتوبات ص۳۶ [5] مناقب فریدی۔ ص۳۴

Marfat.com

(3) سوالسبیل

(4) کشکول

(5) مرقع

(6) تسنیم

(7) الہامات کلیمی

(8) رسالہ تشریح الافلاک عاملی محشی بالفارسیۃ

(9) شرح القانون

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تصنیف رسالہ رد روافض کا بھی بعض کتابوں میں ذکر ہے لیکن وہ دستیاب نہیں ہوسکی۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ علم منطق پر بھی ان کا ایک رسالہ تھا[1] وہ بھی اب نایاب ہے۔ غالب کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شعر بھی کہتے تھے اور ان کا کلام غدر کی تباہیوں کی نذر ہوگیا تھا۔[2]

قران لقرآن' عربی زبان میں قرآن پاک کی نہایت اعلیٰ تفسیر ہے۔ مناقب المحبوبین کے فاضل مصنف نے اس کو جلالین کے ہم پایہ بتایا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ شافعی مذہب کی ہے۔ یہ حنفی کی۔[3] مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس کے اصلی نسخے کی تلاش تھی۔ ایک مرتبہ بازار تشریف لے جارہے تھے کہ ایک شخص کے پاس اس کا نسخہ دیکھا۔ اور بڑی قیمت دے کر خرید لیا۔[4]

1920ء میں میرٹھ کے مطبع احباب سے منشی عرفان الحق نے اس کو اس طرح شائع کیا تھا کہ کلام پاک کے متن کے نیچے شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ترجمہ تھا اور

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۴۶ نیز مناقب فریدی ص ۳۴

[2] غالب کا خط حکیم سید احمد حسن مودودی کے نام
اردوئے معلی حصہ اول ص ۱۸۴۔ ۱۸۳

[3] مناقب المحبوبین۔ ص ۴۶ [4] مناقب فخریہ۔ ص ۶۹ قلمی

Marfat.com

حاشیہ پر یہ تفسیر' مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی تاریخ کہی تھی ؎

کار فرمائے مطبع احباب شیخ عرفان حق جوان دبیر
اور مختار ہاشمی مطبع کون ہاشم علی با تدبیر
چھاپا ہو کرکے جمع دونوں نے ایسا مصحف نہیں ہے جس کی نظیر
بیچ میں ترجمہ ہے اور اوپر ایک تفسیر کی نئی تحریر
وہ تو فیض شہ رفیع الدین بحر مواجِ فیضِ خیر کثیر
اور یہ فیضِ شہ کلیم اللہ تھے طریقت میں جو کہ بدر منیر
چھپ چکا جبکہ سب یہ حرزِ جان ہاتفِ غیب نے پے تشہیر
کرکے آواز کو بلند کہا چھپا قرآن بمعنی و تفسیر ۱۲۹۰ھ [1]

عشرہ کاملہ' سوا السبیل' کشکول' مرقع' تسنیم اور الہامات کلیمی تصوف سے متعلق ہیں۔ ان میں تصوف کے مختلف علمی اور عملی پہلوؤں پر نہایت عالمانہ اور دلچسپ گفتگو کی گئی ہے۔ عشرہ کاملہ' کشکول اور مرقع شائع ہو چکے ہیں۔ سواء السبیل کا ایک عمدہ نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ [2]

ان کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی رہبر کی حیثیت سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑی ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ اُنھوں نے جس موضوع پر قلم

---

[1] مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی نے یہ تاریخ بھی نکالی تھی ؎

کیا خوب واہ کیا خوب

۱۲۹۰

ختم المصاحف

۱۲۹۰

کیا خوب چھاپا کیا خوب

۱۲۹۰

[2] ۳۴۵

Marfat.com

اُٹھایا ہے اس کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ مشائخ متقدمین کی کتابوں اور اپنے ذاتی تجربات سے انھوں نے جو کچھ حاصل کیا تھا وہ ان اوراق میں موجود ہے' اُن کی تصانیف میں کشکول کلیمی کو سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب 1101ھ میں بعض احباب کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔ خود فرماتے ہیں:

امروز کہ غرہ ذی قعدہ 1101ھ ہزار و یک صد و یک است' بالتماس بعضے محبان صمیمی لقمات در بوزہ دریں کشکول فراہم آوردہ۔[1]

آج کہ غرہ ذی قعدہ 1101ھ ہے۔ بعض خالص دوستوں کی درخواست سے کچھ لقمے مانگ کر اس کشکول میں جمع کیے ہیں۔

اس وقت ان کی عمر 49 سال تھی۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی نظر میں بڑی پختگی اور تجربہ میں بڑی وسعت پیدا ہو چکی تھی۔ صوفیہ متاخرین نے بجا طور پر اس کو اپنا ''دستور العمل''[2] بنایا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی مخصوص افادیت کے متعلق لکھا ہے:

''کشکولے کہ لقماتش لطیفہ ربانیہ را طاقت بخشد .... و در پیکر اسلام مجازی روح ایمان حقیقی در دہد۔ و مردگان طبیعت را حیات جاودانی ارزانی دارد۔''[3]

یہ ایک کشکول ہے جس کے لقمے لطیفہ ربانی کو طاقت بخشتے ہیں .... اور مجازی اسلام کے قالب میں حقیقی ایمان کی روح پھونک دیتے ہیں اور مردہ طبیعت کو جاودانی زندگی عطا کرتے ہیں۔

بعد کے مشائخ کا یہ دستور تھا کہ وہ خرقہ خلافت کے ساتھ مرقع اور کشکول بھی دیتے تھے۔[4] خود شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاص مریدین کو اصلاح نفس اور روحانی ترقی کے لیے کشکول کے مطالعہ کی ہدایت

1۔ کشکول کلیمی۔ ص ۳ — 2۔ تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۸۱

3۔ کشکول کلیمی۔ ص ۲ — 4۔ تکملہ سیر الاولیاء ص ۸۱

Marfat.com

فرمایا کرتے تھے‘ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”شما صحبت ہا در یافتہ اند دو کشکو لے و مرقع آنجا موجود اند۔ ہر طالب را موافق حوصلہ آن بہ نیابت ذکرے و شغلے بفرمایند۔“ [1]

حافظ محمد علی صاحب خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ‘ کشکول کو ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے‘ ایک مرتبہ میاں اسلم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کسی کو پڑھنے کے لیے دے دی‘ تو حافظ صاحب بہت ناراض ہوئے اور فرمایا ”یہ کتابیں ایسی نہیں ہیں کہ نقل مجلس بنائی جائیں۔“ [2]

مرقع کی حیثیت کشکول کے ضمیمہ کی سی ہے۔ کشکول میں روحانی ترقی کے اعلیٰ مدارج اور دشوار گزار راہوں کا ذکر ہے‘ تو مرقع میں اس سفر کی تیاری کے لیے جس ساز و سامان کی ضرورت ہے‘ اس کی تفصیل بتائی گئی ہے۔ چنانچہ ان دونوں کتابوں نے مل کر ایک مکمل ضابطہ روحانی کی شکل اختیار کر لی۔ اور صوفیہ متاخرین نے اس کو وہی مرتبہ دیا جو صوفیہ متقدمین نے فوائد الفواد اور کشف المحجوب کو دیا تھا۔ خواجہ گل محمد احمد پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ہر آن کو لقمہ زیں کشکول ماخورد
قلندر گشت‘ گو از دو جہاں برد
ہر آن کو این مرقع کرد بر دوش
بجاناں بیگماں گردد ہم آغوش [3]

تسنیم کو بھی صوفیہ نے بہت پسند کیا۔ خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہایت ہی والہانہ انداز میں اس کا درس دیا کرتے تھے۔ ان کے ایک مرید مولانا عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو بڑے عالم و فاضل تھے۔ اس کی شرح تنسیم کے نام سے لکھی تھی۔

---

[1] مکتوبات کلیمی۔ م ۱۱۶ ص ۹۴
[2] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۵۷
[3] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۸۱
تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۵۶

Marfat.com

''رسالہ شرح تشریح الافلاک عاملی محشی بالفارسیۃ'' علم ہیئت سے متعلق ہے۔ اس کا ایک نادر نسخہ نذیریہ پبلک لائبریری دہلی میں موجود ہے۔[1] شرح قانون کا واحد نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں ہے۔[2]

مکتوبات:

ان تصانیف کے علاوہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مکتوبات بھی چھوڑے ہیں، جن کا مجموعہ مکتوبات کلیمی کے نام سے شائع ہوا ہے۔ شاہ صاحب کی دوسری تصانیف سے اگر ان کی علمیت، تبحر اور روحانی افکار و خیالات کا پتہ چلتا ہے، تو ان مکتوبات سے اُن کی تبلیغی سرگرمیوں کا پورا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔ اعلاء کلمۃ الحق کے لیے اُن کی پُرخلوص جدوجہد چشتیہ سلسلہ کی ترقی کے لیے مسلسل کوشش اور لشکریوں اور عوام میں روحانی تعلیم و تربیت کے لیے ان کی سعی بلیغ کا علم ان ہی مکتوبات سے ہوتا ہے۔ اُن کی دیگر تصانیف اگر ان کی ''علمیت'' کی شاہد ہیں تو یہ مکتوبات ان کی ''عملی سرگرمیوں کے آئینہ دار ہیں ان دونوں کے مطالعہ سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی کی علمی اور عملی دونوں پہلو روشن ہو جاتے ہیں اور اُن کی شخصیت پوری طرح سے ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

تعداد میں یہ مکتوبات ۱۳۲ ہیں۔ ان میں سے سو سے زیادہ خطوط شیخ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دکن بھیجے گئے ہیں۔ باقی خطوط مولانا محمد، دیا رام، عبدالرشید، وغیرہ کے نام ہیں۔ شیخ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام جو مکتوبات ہیں وہ نسبتاً زیادہ صاف اور مفصل ہیں اور حقیقت میں سارے مجموعے کی جان ہیں۔

شاہ صاحب کی تبلیغی جدوجہد:

شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی ہند کی تاریخ کے ایک نہایت ہی نازک اور

[1] فہرست کتب قلمی نذیریہ پبلک لائبریری دہلی۔ مرتبہ محمد مہدی جعفر ۴۳۔ ۵۷۔ ۴۸

[2] فہرست کتب خانہ رامپور۔ ۴۸۶ (طب)

Marfat.com

اہم دور میں احیاءِ ملت کے لیے جدوجہد کی تھی۔ یہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہدِ حکومت کا آخری زمانہ تھا۔ ہندوستان کی سیاست کا مرکزِ ثقل شمال سے جنوب کی طرف منتقل ہو چکا تھا' بادشاہ' شاہی خاندان فوج کا بیشتر حصہ' سب دکن میں پہنچ چکا تھا۔ شمالی ہندوستان کی اہمیت نسبتاً کم ہو گئی تھی۔ دہلی' آگرہ' لاہور سب اپنی عظمتِ دیرینہ کو خیر باد کہہ چکے تھے۔ محلات میں حسرت ناک خاموشی طاری تھی۔ سارا ساز و سامان تالوں میں بند پڑا تھا۔ اسلامی ہند کی تاریخ کا یہ عبوری دور تھا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وقت کی آواز کو پہچانا اور اپنے عزیز ترین مرید شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تبلیغ و اصلاح کے کام کے لیے دکن روانہ فرما دیا۔ خود ایک مکتوب میں شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لکھتے تھے۔

"شمارا اللہ تعالیٰ صاحبِ ولایت دکن ساختہ است' ایں کار را تمام نمائید' قبل از یں می نوشتم کہ بہ لشکر بروید' اکنوں ایں امر است ہر جا کہ باشید در اعلائے کلمۃ الحق بشاید و جان و مال خود صرفِ ایں کار کنید۔"[1]

تم کو اللہ تعالیٰ نے دکن کی ولایت عطا فرمائی ہے۔ تم یہ کام پورے طور پر انجام دو' میں نے اس سے پہلے تم کو لکھا تھا کہ لشکر میں جاؤ لیکن اب یہ حکم ہے کہ جہاں کہیں ہو اعلائے کلمۃ الحق میں مصروف رہو اور اپنے جان و مال کو اسی میں ہی صرف کر دو۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں ایک بے قرار اور بے چین قلب کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔ ہر خط میں وہ اپنے مرید کو اعلائے کلمۃ الحق کی ہدایت کرتے ہیں اور پکار پکار کر کہتے ہیں:

(1) "جان و مال خود را صرفِ ایں کار کنید"[2]

اپنے جان و مال کو اسی کام میں صرف کر دو۔

(2) فیض دینی و دنیوی بہ عالم رسانند و ہمہ حلاوت و عیش خود فدائے آں بندگاں باید کرد[3]

---

[1] مکتوباتِ کلیمی۔ م ۲۱ ص ۲۶ [2] مکتوبات: م ۲۱ ص ۲۶

[3] مکتوبات م ۵۷ ص ۶۰

Marfat.com

دینی اور دنیوی فیض دنیا کو پہنچاؤ۔ اپنا عیش و آرام اور راحت انسانوں پر فدا کردو

وہ اسلام کو ہندوستان میں انتہائی ترقی پذیر دیکھنا چاہتے تھے اور ان کا احساس ملی اسلام کا پیغام ہر کان تک پہنچانے کے لیے مضطرب تھا۔ چنانچہ بار بار مریدوں سے کہتے ہیں۔

''درآں کوشید کہ صورتِ اسلام وسیع گردد و ذاکراں کثیر [1]

وہ خطوط میں اور باتیں بھی لکھتے ہیں لیکن جس کو بار بار دہراتے ہیں، وہ یہ ہی ہے

(1) ''بہرحال دراعلائے کلمۃ الحق کوشید و از مشرق تا مغرب ہمہ حقیقی برکید۔'' [2]

(2) متوجہ اعلائے کلمۃ الحق باشند واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون۔'' [3]

اُن کے قلبِ مضطر کی آواز صرف ایک جملہ میں پوشیدہ تھی ''از مشرق تا مغرب ہمہ اسلام حقیقی برکید۔'' اسی دُھن میں اُن کے شب و روز گزرتے تھے وہ دہلی میں تھے لیکن دکن کا نظام تبلیغ و اصلاح اُن کی ہدایتوں کے ماتحت کارم کر رہا تھا۔ وہ ناسازگار حالات کو دیکھتے تھے، لیکن اللہ پر ان کا بھروسہ تھا اور لَا تَقْنَطُوْا پر اُن کا ایمان۔

لوگوں کو مادیت پسند دیکھ کر ان کا قلب پریشان ہونے لگتا تھا۔ اور وہ گھبرا گھبرا کر کہتے تھے:

بر دل بندگان خدا محبتِ دُنیا سرد گرادنند۔ [4]

بندگان خدا کے دل سے دنیا کی محبت ختم کردینا چاہیے۔

جب عیش پرستی اور نفس پروری میں لوگوں کو گرفتار دیکھتے ہیں تو سمجھاتے ہیں:

اے دوست دنیا جائے نفس پروری و تن آسانی نیست [5]

اے دوست! دنیا نفس پروری اور تن آسانی کی جگہ نہیں۔

---

[1] مکتوبات م ۷۶ ص ۶۰ [2] مکتوبات م ۸۰ ص ۶۲

[3] مکتوبات۔ م ۸۰ ص ۶۲ [4] م ۱۳ ص ۱۹

[5] م ۷۴ ص ۵۹

Marfat.com

تبلیغ دین و دعوتِ حق کے ثواب اور فضیلت کو اُن پر زور الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

"واقرب عند اللہ و رسولہ آں کسے روز رستخیر است کہ در افشائے نور باطن ایمان ساعی است۔"[1]

جذبہ اعلائے کلمۃ الحق کا اتنا غلبہ ہے کہ شیخ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے ایک مُرید کے منصبِ شاہی ملنے کی اطلاع دیتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ اپنے اصلی نصب العین کی طرف اس طرح متوجہ کرتے ہیں:

"اے برادر منصب ما و شما فقر است' کوشش کنید در اعلائے کلمۃ اللہ"[2]

ان کی تمنا تھی کہ ان کے تمام مرید اشاعتِ اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔ اور وہ خلافت اسی مقصد کے پیش نظر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شخص کے لیے خلافت کی سفارش کی تو جواب میں ارشاد ہوا:

"جب تک اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کمر ہمت نہ باندھی جائے خلافت سے کیا فائدہ"[3]

بار بار اُن کی زبان سے یہ ہی نکلتا ہے کہ تبلیغ اسلام اور احیائے دین کی کوشش کرو۔ یہ ہی مسلک ہمارے بزرگوں کا رہا ہے۔ اس میں کوتاہی اچھی نہیں۔ اپنے مرید محمد علی کو لکھتے ہیں:

"ہمیشہ در اعلائے کلمۃ اللہ کہ پیران من و عن رسیدہ کوشش نمایند۔"[4]

احیائے دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی فضیلت کو وہ یہ کہہ کر ذہن نشین کراتے ہیں کہ یہ موجب رضائے الٰہی ہے اور انبیا کا خصوصی کام ہے:

---

1. مکتوبات کلیمی۔ م ۷۴ ص ۵۹ 2. مکتوبات م ۵۴ ص ۴۹
3. مکتوبات م ۳۹ ص ۳۹ 4. م ۱۱۵ ص ۸۸

Marfat.com

دریں باب جہاد نمایند و ایں کار سہل نہ انگارند و منتشر اُدر معمورہ عالم سازند کہ رضائے الٰہی درین است و اصلاح مفاسد فرزندان آدم نمایند کہ انبیاء مبعوث برائے ہمیں کار بودہ اند۔"

ایک مکتوب میں اس کو "کار بزرگ" کہتے ہیں:

"شمارا کارِ بزرگ ایصاف فیض و اعلائے کلمۃ اللہ فرمودہ ام ہم دریں کار گرم آمدید۔"[1]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس اصرار پیہم اور کوشش مسلسل نے مریدوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ شیخ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے پیرو مرشد کی ہدایات پر عمل کیا اور بہت جلد کامیابی حاصل کی۔ جب شیخ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک مرید نور محمد ان کا خط لے کر دہلی آیا تو شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سب کیفیت دریافت فرمائی۔ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تبلیغی مساعی کو بنظرِ استحسان دیکھا اور اس مضمون کا ایک خط بھیجا:

"مطالعہ فرمایند امروز کہ 6 محرم الحرام 1113ھ مرقوم می گردد کہ میاں نور محمد خادم شما کہ از اولاد حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا .... کتابت شما آوردہ اند .... الحمد للہ والمنۃ دراعلائے کلمۃ اللہ سعی موفور مبذول است۔ مرقوم بود کہ ورحین وضع اعلاء بیشتر است۔ بہ نسبت آں وضع اے برادر۔ بہر حال مقصود ایصال فیض فقر محمدی است بعالمیاں بہر وضع کہ بیشتر ایں کار سرانجام باید کرد۔"[2]

شیخ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ہندو گرویدۂ اسلام ہو گئے۔ بعض اپنے رشتہ داروں کے ڈر سے مسلمان ہونے کا اظہار نہیں کرتے تھے لیکن دل سے مسلمان ہو چکے تھے۔ شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

---

1. م ۲۸ ص ۳۱ 2. مکتوبات کلیمی۔ م ۴۸۔ ص ۴۶

Marfat.com

''و دیگر مرقوم بود بہیہ دیارام و ہندو ہائے دیگر بسیار ور ربقہ اسلام در آمدہ اند' اما با مردم قبیلہ پوشیدہ کی مانند۔'' [1]

ساتھ ہی ساتھ اس چیز کو بھی پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد اپنے مسلمان ہونے کو مخفی رکھے۔ مبادا بعد موت اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو غیر مسلموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

''برادر من اہتمام نمایند کہ آہستہ آہستہ ایں امر جلیل از بطون بظہور انجامد کہ موت در عقب است مبادا احکام اسلام بعد از رحلت بجا نیارند و مسلمانان حقیقت را بسوزانند' دیارام اگر خطے می نوسید خطے نوشتہ خواہد شد۔'' [2]

اس مکتوب سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تبلیغی مساعی کس حد تک دکن میں کامیاب ہوئی تھیں۔ اس خط میں دیارام کا ذکر ہے۔ یہ شخص بھی اُن لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن قبیلہ کے ڈر سے اُس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ ایک دوسرے خط سے پتہ چلتا ہے کہ دیارام کا اسلامی نام شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فیض اللہ رکھا تھا۔

''بہ دیارام یعنی شیخ فیض اللہ اگر کتابت می نوسید جواب می نویسم۔'' [3]

معلوم ہوتا ہے کہ دیارام نے اس خوف سے کہ کہیں اس کے مسلمان ہونے کا اظہار نہ ہو جائے۔ خطوط بہت کم لکھے۔ شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک خط کے جواب میں انھیں لکھتے ہیں:

> ''محبت اطوار خواجہ دیارام از یادِ حق بہ آرام تمام باشند' قبل ازیں نمیقہ ارسال این طرف نمودہ بودند۔ یکے از دوستان شاہ نظام الحق والدین رسانید واز یں طرف مکرر جواب رفتہ۔ قاصدان نامہ برراچہ تواں کرد۔'' [4]

---

[1] مکتوبات م ۲۱۔ ص ۲۵ — [2] مکتوبات م ۲۱۔ ۱۴

[3] مکتوبات۔ م ۴۲ ص ۴۱ — [4] مکتوبات۔ م ۱۰۸ ص ۸۴

Marfat.com

دیارام کو درود کی مواظبت اور چند کتبِ سلوک کے مطالعہ کی تاکید شیخ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعے اس طرح فرماتے ہیں۔

''در جواب دیارام نوشتہ آمد کہ مواظبت بہ درود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسیار نمایند کہ سرمایہ ہر سعادت این است دیگر مطالعہ کتب سلوک وتوارخ چوں نفحات وتذکرۃ الاولیاء ورسائل حقائق چوں لمعات وشرح لمعات ولوائح وشرح آں در مطالعہ داشتہ باشند اما احدے از بیگانگاں مطلع نہ شود۔''[1]

شاہ صاحبؒ کا نظام تعلیم وتربیت:

شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مریدوں کی اصلاح وتربیت کے لیے نہایت مکمل نظام قائم کیا تھا۔ اُنھوں نے اپنے اُن تمام مریدوں کو جن کو تبلیغی واصلاحی کام پر مامور کیا تھا، نہایت سختی سے نگرانی کی؛ وہ ان سے بار بار معلوم کرتے رہتے تھے۔

''کجا تا بہ کجا ترقی کردہ اند۔''[2]

وہ خود دہلی میں رہتے تھے لیکن دکن کا نظام تعلیم وتربیت ان کی زیر ہدایت کام کر رہا تھا، معمولی معمولی معاملات پر وہ مرکز سے ہدایات روانہ کرتے تھے۔ مریدوں کا یہ حال تھا کہ بغیر ان کی اجازت کوئی قدم نہ اُٹھاتے۔ ایک خط میں خود نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لکھتے ہیں:

رحمت خدائے تعالیٰ بر شما باد کہ بے اجازت قدم بر ندارند کسیکہ بدولتے رسید ہمیں اب رسید'' [3]

اللہ کی تم پر رحمت ہو کہ بے اجازت قدم تک نہیں اُٹھاتے جس نے بھی (عزت و عظمت اور روحانی سعادت حاصل کی؛ اسی ادب سے حاصل کی۔

خطوط کے معاملہ میں وہ نہایت باقاعدگی برتتے تھے۔ خط میں دیر ہو جاتی تو شاق

---

1. مکتوبات۔ م ۶ ۔ ص ۱۲۔ ۱۱
2. مکتوبات م ۳۳ ص ۳۵ 3. مکتوبات م ۵ ص ۹

Marfat.com

گذرتا۔ انتظار میں رہتے اور لکھتے۔

(1) ''درایصال نامجات تسامح نورزند۔ المکتوب نصف الملاقات است۔''[1]

خطوں کے بھیجنے میں دیر نہ کریں خط نصف ملاقات ہے۔

(2) عذر نوشتن کتابت از طرفِ ما اگر باشد مقبول است و مسموع داز طرف شما نامقبول ونامسموع''[2]

خط (میں تاخیر) کا عذر اگر ہماری طرف سے ہو تو قبول کیا جاسکتا ہے اور سنا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر تمہاری طرف سے ہو تو نامقبول ونامسموع ہے۔

(3) مکتوبِ محبت اسلوب مدتہا است کہ نرسید' چشم نگراں است[3]

مکتوب محبت اسلوب مدت سے نہیں آیا' آنکھیں منتظر ہیں۔

وہ چاہتے تھے کہ مرید جو خط بھیجیں وہ محض رسمی نہ ہوں۔ بلکہ اس میں اپنے پورے حالات دواردات اور تقسیم اوقات کی بابت لکھیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کن کن مشاغل میں اُن کا وقت صرف ہوتا ہے اور اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں وہ کس حد تک سرگرم ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اُن کے اصلاحی نظام کی کامیابی کا انحصار اس پر تھا کہ مریدوں کی پوری نگرانی کی جائے۔ اور ان کی خلوت وجلوت کا پورا پروگرام مرتب کیا جائے۔ وہ ضبطِ اوقات اور پابندی اصول کا درس دیتے رہتے تھے۔ اکثر مکتوبات میں اپنے مریدوں سے نظام اوقات دریافت فرماتے ہیں' اور معلوم ہونے پر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔

''تقسیم اوقات وتوزیع مراتب خلوت وجلوت ہمہ معلوم شد''[4]

اگر کوئی خلیفہ اپنے پروگرام سے مطلع نہ کرتا تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود دریافت فرماتے۔

''اما خوب معلوم نشد کہ اوقاتِ گرامی بکدام توزیع مصروف است آیا برنگ

---

[1] مکتوبات۔ م۲۲۔ ص۲۸ [2] مکتوبات م ۳۳ ص ۳۵

[3] مکتوبات م ۶۴ ص ۵۴ [5] مکتوبات۔ م۹۳ص۱۷ نیز م۶ ص۱۱

Marfat.com

طالب علماں یا درویشاں یا نہ ایشاں دنہ ایشاں۔'' م ۱۵ ص ۲۰

پابندی اوقات نہ کرنے والے کے متعلق صاف صاف لکھ دیتے ہیں۔

''ضبطِ اوقات آنکہ ندارد خسر الدنیا والاخرہ است۔'' م ۲۲ ص ۲۶

سرگرمی مشغولیت کی برابر تاکید رہتی ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''شمار در کار خود سرگرم تر باشید کہ ہیچ کس بر شما شائق نتواند بود مگر آنکہ کار شما بکمند۔''

تم اپنے کام میں اور زیادہ سرگرم ہو جاؤ یہاں تک کہ جو تمہارے پاس پہنچے تمہارا کام کرنے لگے۔

م ۶۴ ص ۵۴

بعض اوقات خود بھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مریدوں کے لیے نظام اوقات متعین فرماتے تھے۔ ایک خط میں فجر کی نماز کے بعد سے لے کر رات تک کا انفرادی اور نفلی پروگرام بتانے کے بعد اجتماعی پروگرام کی طرف اس طرح متوجہ کرتے ہیں۔

''..........شریعت را احکام باید نمود..........یاران اہل علم را درس تفسیر و حدیث و عبادات و فقہ درمیان ظہر و عصر و بعد از صبح بگوئید و اہل شوق کہ اند کے بعلم آشنا باشد درس لمعات ولوائح و امثال آں بہر حال مراتب تمکیں بہ از مراتبِ تلوین است۔''

م ۹۹ ص ۷۹۔ ۷۸

ذاتی مطالعہ کے لیے حدیث و فقہ، اخلاق و تصوف، سیر و تاریخ کی کتابوں کی ہدایت فرماتے ہیں۔

''بمطالعہ کتب..........حدیث و فقہ و سلوک چوں احیا و کیمیا و امثال ذلک چوں تواریخ مشائخ پیشیں بہتر است۔''[1]

حدیث و فقہ کی کتابیں اور سلوک کی کتابیں مثلاً احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت اور

---

[1] مکتوبات کلیمی۔ ص ۱۴

Marfat.com

مشائخ متقدمین کے تذکرے مطالعہ کرنے بہتر ہیں۔

ایک اور خط میں تذکرۃ الاولیاء شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' نفحات الانس مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ منازل السائرین اور رشحات کے مطالعہ کی خاص طور سے تلقین کی ہے۔[1] شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کے تعلقات کی نگرانی بھی فرماتے تھے۔ اگر بر بنائے بشریت کوجھگڑا یا بدمزگی آپس میں پیدا ہو جاتی تو اس کو جلد سے جلد رفع کرنے کی کوشش کرتے اور عفو و درگذر کی ہدایت فرماتے تھے تاکہ نظام میں خلل واقع نہ ہونے پائے' ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"حقائق میاں" اسد اللہ و میاں۔ضیاء اللہ بہ تفصیل معلوم شد' شما ہر گز مخالفت باہر دو عزیز نخواہید کرد و شما متوجہ کار خود باشید۔" م ۲۰ ص ۲۴۔ ۲۳

میاں اسد اللہ اور میاں ضیاء اللہ کے حالات تفصیل سے معلوم ہوئے تم کو ہر گز ان دونوں سے مخالفت نہ کرنی چاہیے' بلکہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

پھر ایک خط میں نصیحت کرتے ہیں: م ۲۱ ص ۲۶۔ ۲۵

"میاں اسد اللہ و میاں ضیاء الدین برادران شما اند باید کہ با یک دیگر فانی باشند و اگر از یکے خلاف مرضی امرے شد دیگرے از کرم عفو نماید و بہ محبت زندگانی کنند"

میاں اسد اللہ اور میاں ضیاء الدین تمہارے بھائی ہیں۔ چاہیے کہ شیر و شکر ہو کر رہو۔ اگر کسی سے دوسرے کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہو جائے تو دوسرا معاف کردے اور محبت سے زندگی بسر کی جائے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مکتوب میں جس کو خود وہ "دستور العمل" قرار دیتے ہیں' اپنے تعلیمی اصول و ضوابط کا پورا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"اے برادر! ایں نامہ مراد ستور العمل خود شناسید و در حکم آں احتیاط نمائید کہ فروگذاشت را در آں مدخل نباشد و حد اوسط از دل بروں نہ رود م ۹۶ صفحہ ۷۳

---

[1] مکتوبات کلیمی۔ص ۷۹

Marfat.com

اس کے بعد حسب ذیل اصول بیان فرماتے ہیں:

(1) ایصال[1] خیر کو مقصود قرار دیا جائے۔

(2) ایصال خیر میں اخلاص اور تصحیح نیت سے کام لیا جائے (ص ۷۳)

(3) ہجوم خلائق مستوجب شکر الٰہی ہے (اس سے گریز نہ کیا جائے۔) (ص ۷۴)

(4) اگر فتوحات ملیں تو آپس میں تقسیم کر دیا جائے ورنہ اس دن کو غنیمت سمجھا جائے جس دن فتوحات میسر نہ آئیں کہ

"درفقر و فاقہ تاثیرے عظیم است" (ص ۷۴)

(5) مسئلہ وحدت الوجود کو ہر کس و ناکس کے سامنے نہ چھیڑا جائے بلکہ استعداد و اہلیت دیکھنے کے بعد حسب موقع اس پر بحث کی جائے" مسئلہ وحدت الوجود راشائع پیش ہر آشنا و بیگانہ نخواہید برزبان آورد۔" (ص ۷۴)

(6) ہندو اور مسلمان دونوں سے تعلقات رکھے جائیں تاکہ غیر مسلم تعلیماتِ اسلام سے متاثر ہوں اور

"ذکر بخاصیت خود اور بربقہ اسلام خواہد کشید۔" (ص ۷۴)

(7) مریدوں میں ادب اور احترام کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ چونکہ

"صحبتِ انبیاء باصحاب چناں بود" (ص ۷۴)

(8) اپنے مریدین سے "احیائے سنت" اور اماتتِ بدعت کے لیے پوری پوری کوششیں کرائی جائیں

"ہر کہ از یاراں خود اذن دہند مبالغہ در احیائے سنت و اماتت بدعت خواہد بود۔" (ص ۷۵)

---

[1] "خیر عبارت از فناء ماسویت از جمیع السالک الی بقا بحق تعالیٰ و قیام السالک فی جمع جمۃ اللہ ایں معنی باید کہ ہمیشہ در نظر باشد و شرح ایں را دریں نامہ نتوانم۔" م ۹۶ ص ۷۳

Marfat.com

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے نظام تعلیم و تربیت کے کچھ اہم اصول پانی کتابوں میں بھی بیان کئے ہیں۔ مثلاً ذکار کی تعلیم کے متعلق ہدایت کرتے ہیں

''اگر مرید عجمی باشد بہر زبان کہ داشتہ باشد تلقین فرمایند۔'' [1]

اگر مرید عجمی ہو تو اسی کی زبان میں (ان کے پڑھنے کی) تلقین فرمائیں۔

اشاعت سلسلہ کے لیے ہدایات:

حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے سلسلہ کی اشاعت کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ جگہ جگہ مریدوں کو حکم ہوتا ہے

(1) ''سعی در شیوع سلسلہ نمایند۔''

(م ۱۳ ص ۱۹)

(2) ''جہد بلیغ نمائید کہ مردم در سلک شما داخل شوند و بر مرتبہ فقر رسند۔''

(م ۴۷ ص ۶۶)

ایک مکتوب میں ارشاد ہوتا ہے:

''شما در اصلاح دل محجوبان بکوشید کہ بعز وصال و قرب رسند و بریاضت و مجاہدہ عشق و دبے خودی مریدان و طالباں را تربیت کنید کہ تا قیام قیامت برائے ماؤ شما فواتح پیہم و متصل برسد

م ۱۱ ص ۱۷

نیز م ۴ ص ۹

ایک مرتبہ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر مرشد سے فتوحات قبول کرنے کے متعلق دریافت کیا۔ شیخ نے اشاعت سلسلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دیا کہ اگر فتوحات سے کام میں رکاوٹ واقع ہوتی ہو تو قبول نہ کرنا بہتر ہے' ورنہ قبول کر لینی چاہیے۔

''اے درویش خدائے تعالیٰ اشمار عقل معاش و عقل معاد ہر دو داوہ است۔ آں کنید کہ دراں اجرائے سلسلہ باشد ما گرفتن و ناگرفتن نمی دانیم۔ اگر رونق سلسلہ از

[1] کشکول کلیمی

Marfat.com

عدم قبول است عدم قبول بہتر ز قبول۔ (م ۱۳ ص ۱۹)

ساتھ ہی ساتھ صوفیہ متقدمین کے فتوحات قبول کرنے کو نیک نیتی پر محمول کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''درویشانِ ماضی کہ قبول بعضے فتوحات کردہ اند اغلب کہ برائے استمالتِ خاطر معتقدان کردہ اند والا بضرورت خود کم کسے قبول کردہ باشد۔'' م ۱۳ ص ۱۹

مرید کی اشاعتِ سلسلہ کی کوششوں کا جب علم ہوتا ہے تو اظہارِ مسرت کرتے ہیں۔ دعائیں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارواحِ مشائخ اس کام سے خوش ہوتی ہیں۔ اگر شیخ کی اولاد کو خزانہ بھی دے دیا جائے تو شیخ کی روح اس قدر خوش نہیں ہوتی جتنی احیاء سلسلہ کی کوششوں سے ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:

''پس رحمت خدائے تعالیٰ بر شما باد کہ ایں سلسلہ را جاری کردید۔ شکر اللہ سعیکم۔ وایں ہمہ افتادگان حضیض غفلت را بادج حضور سانید وارواحِ مشائخ باخود خوشنود کردید۔ بالفرض اگر کسے کنجے باولادِ شیخ بخشد آں قدر رضامندی جناب ایشاں در آں نباشد کہ در احیاء سلسلہ ایشاں باشد'' م ۴۴ ص ۵۴

نظامِ خلافت:

مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خلافت کا نہایت مکمل اور مضبوط نظام قائم کیا تھا۔ ہر کس و ناکس کو خلافت نہیں دی جاتی تھی' نااہل لوگوں کے ہاتھ میں یہ کام پہنچنے کی صورت میں گمراہی اور ضلالت پھیل جانے کا اندیشہ تھا۔ جس کو وہ جابجا ظاہر بھی کرتے ہیں۔ خلافت سے متعلق ان کے اصول یہ تھے:

(1) خلافت دینے کا مقصد اشاعت اسلام کے لیے جدوجہد ہے: م ۳۹ ص ۳۹

(2) خلافت جس کو دی جائے اس کے تفصیلی حالات کو مرکز لکھے جائیں تاکہ اس کی صلاحیت اور اہلیت کا اندازہ ہو سکے۔[1] م ۱۸ ص ۲۲

---

[1] شیخ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (فٹ نوٹ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

Marfat.com

(3) صرف اہل علم کو خلافت دی جائے [1] اس لیے کہ

''درصحبتِ او ضلالت رواج نخواہد گرفت۔'' م ۴۷ ص ۴۵

(4) خلافت کی دو قسمیں کی جائیں۔ خلافت ربانی اور خلافت سلوک

''اول ہر کہ حیثیت فقر اداشتہ باشد باید فرمود من غیر امتیاز میں ان یکون عالماً او جاہلاً اما قسم ثانی کہ مثال بنویسند و بر دبکنند این قسم مخصوصاً بہ اہل علم دارند۔'' م ۹۶ ص ۷۴

(5) بیعت کرنے کے بعد فوراً اجازت بیعت نہ دی جائے م ۹۶ ص ۷۴

عورتوں کی بیعت کے متعلق شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات:

شیخ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دکن میں جو صورتِ حال پیش آتی تھی اس کے متعلق وہ اپنے پیرو مرشد سے ہدایت و مشورہ طلب کرتے تھے' چنانچہ جب عورتوں کو سلسلہ میں داخل کرنے کا مسئلہ درپیش ہوا تو شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے شیخ کو لکھا۔ جواب میں حکم ہوا کہ بیعت کیا جا سکتا ہے لیکن اُن کی خلوت سے بچا جائے اور براہِ راست ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت نہ کیا جائے۔ چونکہ مس اجنبیہ حرام ہے:

''برادر من زناں را بیعت کنید امابا زناں جواناں خلوتہائے طویلہ کہ موجب فتنہ مردم بشود نکنند او در صحبت اولیٰ وقت بیعت دامنے بر دست پیچیدہ دست بر دست اور دارند

(فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ)

نے ایک شخص محمد مرزا یار بیگ کو خلافت دی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خط لکھا۔

''محمد مرزا یار بیگ را خلافت دادید۔ خوب کردید۔ بیت

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس

کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس'' م ۶ ص ۱۲

ان کی اہلیت کے متعلق اس طرح رائے قائم کی تھی۔

از رقعہ ایشاں کہ بفقیر نوشتہ بودند' معنی عشق می ریخت'' م ۲ ص ۱۲

[1] مکتوبات میں جگہ جگہ اس کا اصرار ہے۔ م ۴۴ ص ۴۳' م ۶۵ ص ۵۶ م ۵۲ ص ۵۸ م ۹۴ ص ۷۴

Marfat.com

کہ مس اجنبیہ حرام است۔'' م۲۱ ص ۲۵

اس مشروط اجازت نامہ کی رو سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عورتوں کو بھی اصلاح باطن سے محروم نہ رکھا۔ لیکن شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد بھی عورتوں کو داخل سلسلہ کرنے میں تامل کیا اس پر آپ نے لکھا:

''شما در بیعت کردن با عورات چرا اہماں می ورزید' اگر جوان اند و اگر پیر' اگر حسین اند اگر قبیح' ہمارا بجائے محرمات پنداشتہ کلمہ حق بگوش ایشاں باید رسانید۔'' م ۳۵ ص ۳۷

تم نے عورتوں کو بیعت کرنے میں کیوں تامل کیا۔ چاہے جوان ہوں یا بوڑھی' خوبصورت ہوں یا بدشکل سب کو محرمات سمجھ کر ان کے کانوں میں کلمہ حق پہچانا چاہیے۔

اتباع شریعت کی تلقین:

حضرت شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روحانی ترقی کے لیے اتباع شریعت کو از بس ضروری تصور کرتے تھے۔ اُن کا عقیدہ راسخ یہ تھا کہ شریعت سے ہٹ کر روحانی ترقی کے لیے جو کوشش کی جائے گی وہ نقش بر آب ثابت ہوگی

چنانچہ جگہ جگہ ارشاد ہوتا ہے:

(1) بر نہج شریعت باید رفت۔'' م۹۵ ص ۷۲

راہِ شریعت پر چلنا چاہیے۔

(2) ''ہمہ داخلان طریقت را تاکید نمایند کہ ظاہر شریعت آراستہ دارند و باطن بعشق مولےٰ پیراستہ سازند۔'' م۱۲۹ ص ۹۵

سب داخلان طریقت کو تاکید کرنی چاہیے کہ ظاہر کو شریعت سے آراستہ رکھیں اور اپنا باطن عشق مولےٰ سے پیراستہ۔

اُن کا عقیدہ تھا کہ جو شریعت پر نہیں چلتا وہ گمراہ ہے اور طریقت و حقیقت کے منازل کبھی طے نہ کر سکے گا۔ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''انچہ در شریعت راسخ نیست' ناقص است بلکہ طریقت وحقیقت اور معلوم کہ حقیقتے ندارد۔ مرد آن ست کہ جامع باشد میاں شریعت وطریقت وحقیقت

م ۹۵ ص ۷۲

وہ شریعت کو معیار سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس سے کسی شخص کی روحانی بلندی اور ازہ کیا جا سکتا ہے' ارشاد ہوتا ہے:

''اے برادر در تفاوتِ فقراء اگر امروز خواہی کہ دریابی' بجانب شریعت او نگاہ کن کہ شریعت معیار است' عیار فقر بر شریعت روشن می گردد''

م ۹۵ ص ۷۲

فرماتے ہیں کہ اگر کسی شیخ کے دس صاحبِ کمال مرید ہوں اور ہر ایک اپنی علیحدہ وضع رکھتا ہو اور شیخ کو ہر ایک کے متعلق حسن ظن ہو اور عوام بھی اچھا سمجھتے ہوں اور تم یہ معلوم کرنا چاہو کہ کون شخص قیامت کے دن سب سے افضل ہو گا تو یہ دیکھو کہ ان دس آدمیوں میں سے کون شریعت کے ساتھ آراستہ ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو قیامت کے یہی شخص سب سے بلند مرتبہ ہو گا۔

شریعت' طریقت اور حقیقت کا باہمی تعلق اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''مینار حقیقت طریقت است' و مینار طریقت شریعت' آنکہ در چشم او جمال شریعت بیش بود طریقت وحقیقت اتم واکمل بود' علامت وصول بدرجہ حقیقت این است کو روز بروز آنافانا سالک را در شریعت قدم راسخ گردد۔''

م ۱۱۰ ص ۸۵

آگے چل کر وہ ان صوفیہ خام کی مذمت کرتے ہیں جنہوں نے شریعت کو ترک کر دیا تھا۔ اور فرماتے ہیں:

ایں ملحدان کہ شریعت را از دست دادہ کلام طائل ملحدانہ بسبب گدائی ولقمہ چرب نمودہ بہ متشرعان طعنہ بے حقیقی میزنند' تعزیز کردنی اند کہ ہمہ توحید ایشاں بے معنی است و

Marfat.com

بے لطفی، قالی است بے حال زنہار در صحبت ہم چنیں حمقا نخواہند نشست۔"[1]

م ۱۱۰ ص ۸۵

یہ ملحد جنہوں نے شریعت کو ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے اور ملحدانہ باتیں لقمہ چرب حاصل کرنے کے لیے بکتے ہیں اور متشرع لوگوں کو بے حقیقی کا طعنہ دیتے ہیں۔ سزا کے قابل ہیں۔ اُن کی توحید سب بے معنی ہے۔ وہ حال سے خالی ہیں۔ ایسے احمقوں کی صحبت میں نہیں بیٹھنا چاہیے۔

امیروں کی اصلاح:

شیخ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں جب دولت مندوں کا ہجوم بڑھا تو ان کو اس سے تکلیف ہوئی اور اس ماحول سے دل برداشتگی اور تنگی کا اظہار کیا' شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو معلوم ہوا تو لکھا کہ ان لوگوں کو بھی نظر انداز نہ کرو' احیاءِ ملت اور ترویج سلسلہ کے لیے جب کوششیں کی جائیں تو سوسائٹی کے کسی حصے کو نظر انداز نہ کیا جائے دولت مندوں کو متاثر کرنا بعض دیگر مصلحتوں کی بنا پر بھی ضروری ہے' لکھتے ہیں:

"مقصود از دخول اہل دول نہ آں است کہ ایشاں طے مراتب درویشی کنند............ مقصود آں است کہ بہ سبب دخول ایں مردم اکثر مردم دیگر داخل می شوند"[2]

---

[1] شاہ کلیم اللہ صاحب کے بعد اس ہی قسم کے گمراہ کن صوفیوں کی تعداد بڑھ گئی تھی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

وصیت دیگر آں است کہ دست در دست مشائخ ایں زماں ہرگز نباید داد و بیعت ایشاں نباید کرد۔"

وصیت نامہ ص ۳

[2] ایک دوسرے مکتوب میں دولت مندوں کے متعلق لکھتے ہیں:

"ایشاں آلہ رجوع خواص وعوام اند"

م ۱۸ ص ۲۲

Marfat.com

ودر نظر عوام دخول ایں مردم اعتبار تمام وارد۔" م ۶ ص ۱۲

اہل دول کے سلسلہ میں داخل ہونے سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ درویشی کے مراتب ودرجات طے کرلیں......... بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے شامل ہونے سے بہت سے اور لوگ سلسلہ میں داخل ہو جائیں گے چونکہ عوام کی نظر ان لوگوں کا سلسلہ میں شامل ہونا بہت اہمیت رکھتا ہے۔

پیرومرشد کی اس ہدایت کے بعد شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دولت مندوں سے زیادہ پرہیز نہ کیا بلکہ ان کی اصلاح کی طرف بھی متوجہ ہو گئے۔ جب نتیجہ کوششوں کے برابر نہ پایا تو آزدہ خاطر ہوئے اور مایوس ہو کر شیخ کو لکھا کہ میں دولت مندوں کی صحبت سے تنگ آ گیا ہوں۔ میری کوششیں بار آور نہیں ہوتیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سمجھایا کہ ان دولت مندوں سے زیادہ اُمیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہئیں اُن کو فقیر یا درویش نہیں بنایا جاسکتا۔ ایک مکتوب میں ارشاد ہوتا ہے۔

بہ یقین شناسید کہ دولت منداں ہرگز در ہیچ عصرے مرید ہیچ شیخ نشدہ اند اگر شدہ دولت مند نہ ماندہ ہمہ را گذاشتہ لنگ بستہ اند

م ۲۷ ص ۳۰

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ دولت مند کسی زمانے میں بھی کسی شیخ کے مُرید نہیں ہوئے ہیں اگر ہوئے ہیں تو دولت مند نہیں رہے بلکہ سب کچھ چھوڑ کر لنگوٹہ باندھ لیا ہے۔

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کو ذکر و اشغال سے کیا تعلق یہ تو صرف منصب و وجاہت کے لیے تعویذ گنڈے کے فکر میں رہتے ہیں

(م ۴۵ ص ۴۴)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مریدوں کو بادشاہوں' امراء اور رؤسا سے ارتباط کو نوعیت سے بھی خبردار کرنا مناسب سمجھا' لکھا کہ مقصد یہ نہیں کہ تم اُن سے بے حد

Marfat.com

تعلقات پیدا کرلو' ایسا کرنے سے کام میں خلل واقع ہوتا ہے اور روحانی ترقی میں رُکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ شناسائی کا انداز یہ ہونا چاہیے کہ اگر خط لکھنا ہو تو حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرح کہ بلبن کو ایک شخص کی سفارش لکھتے ہیں:

''میں نے اس شخص کا احوال اول خدا کی طرف پیش کیا ہے' پھر تیری طرف' اگر تو اُسے کچھ عنایت کرے گا تو حقیقت میں دینے والا خدا ہے اور تو مشکور اور۔ اگر کچھ نہ دے گا تو حقیقت میں باز رکھنے والا خدا ہے اور تو معذور۔''

تملق' خوشامد اور درباداری فطرتِ درویش کے خلاف ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(1) ''ملاقاتِ سلاطین کہ بر درِ درویش آیند روا باشد اما بر در آنہا نباید رفت

م ۴۴ ص ۴۳

(2) ''بر درِ ملوک نباید رفت و آیندہ ہر قسم کہ باشد او را منع از آمدن نباید کرد۔''

م ۷۵ ص ۶۰

(3) درویش را باید کہ اختلاطِ با دشاہاں نماید و نجانۂ اہل دول طواف نماید کہ اختلاط ملوک رونق ایمان می برد۔''[1]

م ۶۵ ص ۵۵

سماع:

شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے زمانے کی جن گمراہیوں کے خلاف آواز اُٹھانی پڑی تھی ان میں ایک سماع بھی تھا۔ مشائخ سلسلہ چشت نے اس کو روحانی غذا سے تعبیر کیا تھا' لیکن ساتھ ساتھ اس کے سخت اصول بھی مقرر کر دئے تھے۔ جن کے بغیر وہ سماع کو قطعی ناجائز سمجھتے تھے۔ اٹھارویں صدی میں ان اصولوں سے بے اعتنائی عام تھی' اور

---

[1] انفاس العارفین' شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

''در بعض ملفوظات بزرگان چشتیہ مذکور است کہ ہر کہ نام او در دیوان بادشاہ نوشتہ شد نام او در راز دیوان حق سبحانہ' بر می آرند۔'' ص ۶۹

Marfat.com

شاید ہی کوئی شیخ ایسا ہو جو اُن کی پوری طرح پابندی کرتا ہو' تو چنانچہ شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امروز قدر راگ مشائخ نمی شناسند و آداب را رعیات نمی کنند م ۱۰۵ ص ۸۳

آج کل مشائخ سماع کی اہمیت نہیں سمجھتے ہیں' اور اس کے قواعد کی پابندی نہیں کرتے ہیں۔

چنانچہ وہ اس کو "ہائے ہوئے سماع" کہتے ہیں اور جگہ جگہ اس کو کم کرنے کی تلقین فرماتے ہیں:

"اے برادر! کثرتِ سماع ہم خوب ندارم بلکہ تعین ہر روز ہم نیامدہ"

م ۷ ص ۱۴

اے بھائی! سماع کی کثرت کو میں اچھا نہیں سمجھتا بلکہ ہر روز بھی اس کا تعین (مشائخ متقدمین کی) روایت نہیں ہے

وہ ہدایت کرتے تھے کہ سماع کی بجائے مراقبہ میں وقت صرف کیا جائے۔

"حلقہ مراقبہ وسیع از حلقہ سماع باید کرد۔" م ۹۹ ص ۷۸

مراقبہ کا حلقہ سماع کے حلقہ سے زیادہ وسیع کرنا چاہیے۔

اکثر مکتوبات میں (م ۱۳' م ۹۷' م ۱۰۳' م ۱۲) مراقبہ ہی کی ہدایت ہے وہ زمانے کی حالت کو دیکھ رہے تھے اس لیے ڈرتے تھے کہ کہیں سماع کی شکل مسخ ہو کر نہ رہ جائے۔ فی نفسہ وہ اس کے مخالف نہیں تھے۔ لیکن حالات نے ان کو اس معاملے میں سخت گیر بنا دیا تھا۔ وہ خود سب اصولوں کی پابندی کرتے تھے۔ لہٰذا مریدوں کو بھی ہدایت تھی کہ:

"مجلس سرود بطور ما کنند۔"

م ۹۴ ص ۷۴

محفل سماع ہماری طرح سے کریں۔

یہ زمانہ تھا کہ جب مشائخ سرہند کے اثرات بہت زیادہ پھیل گئے تھے۔

Marfat.com

غبار خاطر عشاق مدعا طلبی است
بخلوتے کہ منم یا دوست بے او بسبت[1]

اپنی مسکونہ حویلی میں جو قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان واقع تھی، سپردِ خاک کیے گئے[2] اُن کے ایک مرید نے تاریخ وفات کہی ہے ۔

کلیم اللہ عارف صاف بودہ
باقلیم بقاشوقش ربودہ
پے سیدم چو تاریخ وفاتش
خرد گفتا کہ ذاتِ پاک بودہ[3]

۱۱۴۲ھ

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار کے گرد ان کے خاندان کے افراد آباد تھے 1857ء تک یہ علاقہ بہت آباد اور بارونق تھا۔ غدر میں یہ آبادی تباہ و برباد ہوئی۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے:

در سال غدر چوں نصاریٰ بر اہل اسلام دہلی فتح یافتند مکانہائے کہ قریب لعل قلعہ بودند ہمہ را منہدم کردند۔''[4]

غدر میں جب نصاریٰ نے مسلمانوں پر فتح پائی تو لال قلعہ کے قریب کے مکانات منہدم کر دیے۔

غالب ایک خط میں سید احمد احسن مودودی کو لکھتے ہیں:

''شیخ کلیم اللہ جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ اُجڑ گیا' ایک اچھے گاؤں کی آبادی

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۴۵
[2] آزاد بلگرامی نے لکھا ہے: ''در حویلی سکونت خود مدفون گردید'' ص ۴۳
[3] شجرۃ الانوار (قلمی)
[4] مناقب المحبوبین۔ ص ۴۵

Marfat.com

تھی، اُن کی اولاد کے لوگ تمام اس موضع میں سکونت پذیر تھے، اب ایک جنگل ہے اور میدان میں قبر۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ وہاں کے رہنے والے اگر گولی سے بچے ہوں گے تو خدا ہی جانتا ہو گا کہ کہاں ہیں۔" [1]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ بھی اس ہنگامہ میں منہدم کر دی گئی۔ میاں نظام الدین نبیرۂ حضرت شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے غدر کے بعد مولانا نجم الدین کو بتایا تھا کہ

"من اجازت از انگریز گرفتہ ام احاطہ بر گرد مزار شریف ایشاں تیار خواہم کرد۔" [2]

میں نے انگریز سے اجازت لے لی ہے۔ ان کے مزار شریف کے گرد احاطہ بنوا دوں گا۔

اولاد:

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چار لڑکے اور تین لڑکیاں [3] تھیں۔ لڑکوں کے نام خواجہ محمد حامد سعید، محمد فضل اللہ، محمد احسان اللہ تھے۔ لڑکیوں کے نام تھے۔ بی بی رابعہ، بی بی فخر النساء، زینب بی بی۔ خواجہ محمد کا انتقال، شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا، ان کی وفات پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نہایت پُر درد خط لکھا تھا۔ [4] باقی اولاد کے متعلق ایک خط میں خود لکھتے ہیں: [5]

---

[1] اُردوئے معلیٰ۔ حصہ اول ص ۱۸۴۔ ۱۸۳

[2] مناقب المحبوبین ص ۴۵

[3] مناقب المحبوبین میں پانچ لڑکیاں بتائی ہیں، چوتھی اور پانچویں کا نام نہیں لکھا۔ ایک کے متعلق لکھا ہے کہ بی بی رابعہ کے انتقال کے بعد محمد ہاشم صاحب سے ان کا نکاح ہو گیا تھا۔

[4] تا [5] یہ خط شاہ صاحبؒ نے تقریباً 80 سال کی عمر میں لکھا ہو گا۔ ایک مکتوب میں (م ۱۲۴ میں لکھا ہے کہ احسان اللہ ۷۵ سال کی عمر میں عطا ہوئے تھے۔ اس خط میں اُن کی عمر 5 سال بتائی گئی ہے)

Marfat.com

''سہ فرزند و سہ دختر موجود اند' حامد بہ کتبِ سلوک مشغول است محمد فضل اللہ دہ سالہ دوازدہ سیپارہ قرآن حفظ کردہ' محمد احسان اللہ پنج سالہ بمکتب شدہ بخواندان ابجد مشغول است اما سہ دختر' یکے بخانہ محمد ہاشم دادیم' بی بی رابعہ [1] نام دارد' و دیگر بی بی فخر النسا برادرزادہ [2] خود دادیم۔ سیوم زینب بی بی مشہور بہ بی بی مصری چہار دو سالہ است تا حال جائے منسوب نشدہ۔''

م ۱۲۵ ص ۹۳

تین بیٹے اور تین بیٹیاں موجود ہیں حامد کتب سلوک کے مطالعہ میں مشغول ہے۔ محمد فضل اللہ دس سال کا ہے۔۱۲ پارے کلام پاک کے حفظ کر لئے ہیں۔محمد احسان اللہ پانچ سال کا ہے۔مکتب میں ابجد پڑھتا ہے۔لڑکیوں کا یہ ہے کہ ایک محمد ہاشم کے نکاح میں ہے۔بی بی رابعہ اس کا نام ہے دوسری بی بی فخر النساء برادرزادہ کے نکاح میں دیدی ہے۔تیسری لڑکی زینب بی بی جو بی بی مصری کے نام سے مشہور ہے۔14 سال کی ہے' ابھی کہیں اس کی نسبت نہیں ہوئی ہے۔

شیخ محمد ہاشم ایک مذہبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ان کا حال شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خود ایک مکتوب میں لکھا ہے۔[3] اُن کے والد شاہ حسن دکن میں رہتے تھے۔شیخ عبداللطیف دولت مندانی (کہ بادشاہ بایشاں اخلاص داشت'' م ۵۷) کے وہ مرید تھے' اور اُن ہی کے حکم کے مطابق الہ آباد آ کر آباد ہو گئے تھے' محمد ہاشم الہ آباد سے دہلی تحصیل علم کے لیے آ گئے تھے۔شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی بڑی لڑکی اُن کے نکاح میں دے دی تھی۔

''چوں بسیار صالح و فقیر و فقیر زادہ بود ایں عقد منعقد شد۔'' م ۵۷ ص ۵۱۔۵۰

---

[1] ایک مکتوب میں اُن کا نام بی بی شرف النساء لکھتے ہیں (م ۵۷ ص ۵۰)

[2] مناقب المحبوبین میں ان کا نام شیخ عبدالرحیم لکھا ہے۔(ص ۴۶)

[3] مکتوبات کلیمی۔م ۵۷ ص ۵۱۔ ۵۰

Marfat.com

چونکہ بے حد صالح، فقیر اور فقیر زادہ تھے۔ اس لیے یہ رشتہ کرلیا گیا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی چھوٹی صاحبزادی بی بی مصری کے متعلق جامع مکتوبات نے لکھا ہے:

''حضرت ایشاں بایشاں بسیار نظر التفات می داشتند' وتا حال فیضے کہ باولاد ایں معصومہ وعفیفہ روزگار است بدیگراں دیدہ نمی شود۔''[1]

بی بی مصری کی شادی شاہ میر سے ہوئی تھی [2]

خلفاء:

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء کی تعداد کثیر تھی۔ لیکن اُن کے خلفاء کی مکمل فہرست اور حالات دستیاب نہیں ہوتے' مختلف تذکروں میں جن خلفاء کے اسماء گرامی ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(1) شاہ محمد ہاشم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(2) مولانا شاہ ضیاء الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(3) مولانا شاہ جمال الدین جے پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(4) مولانا شاہ جلال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(5) مولانا شاہ محمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(6) مولانا شاہ عبد الطیف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(7) مولانا حافظ محمد عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(8) مولانا عبد الصمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(9) مخدوم شیخ تھارو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(10) شیخ بدیع الدین عرف شیخ مداری ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (قبر سنگھانہ)

(11) خواجہ مصطفےٰ مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

[1] مکتوبات کلیمی۔ ص ۳   [2] مناقب المحبوبین ص ۴۶

Marfat.com

(12) سید محمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(13) شیخ بدہن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(14) حافظ محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(15) حافظ سعید پسر شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(16) شاہ اسد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(17) قاضی عبد الوائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سکنہ بلدہ سنگہانہ

(18) شاہ جلیل قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

خواجہ مصطفیٰ مراد آبادی:

خواجہ صاحب' حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ ملتانی کی اولاد سے تھے۔ لاہور کے ایک دولت مند گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ جوانی ہی میں دنیا سے دل سرد ہو گیا تھا اور شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے تھے۔ 1150ء کو بمقام مراد آباد وصال فرمایا اور اپنی بنائی ہوئی مسجد (مغل پورے) کے صحن میں سپردِ خاک کیے گئے۔ ان کے بعد شیخ عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ اُن کے سجادہ پر بیٹھے۔ انھوں نے ''زہد' قناعت رضا اور تسلیم'' میں اپنی زندگی گزار دی۔ کبھی کسی سے وظیفہ قبول نہ کیا۔ مثنوی مولانا روم سے خاص دلچسپی تھی۔ ان کا مزار بھی خواجہ صاحب کے مزار کے برابر ہے۔ [1]

---

[1] انوار العارفین ص ۴۳۰۔ ۵۵۱

Marfat.com

باب دوم

حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ تھے اور ان ہی کی ہدایت کے ماتحت دکن چلے گئے تھے جہاں انھوں نے نظامیہ سلسلہ کی شاندار خانقاہ قائم کی تھی۔ امیر وغریب، جاہل و عالم سب ہی پروانوں کی طرح اُن کے گرد جمع ہوتے تھے۔ حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد سرزمین دکن پر چشتیہ نظامیہ سلسلہ کے کسی اتنے جلیل القدر بزرگ نے قدم نہیں رکھا تھا، احسن الشمائل کے مصنف کا خیال ہے کہ

''چنیں فیضے کہ از ذات بابرکات حضرت صاحب مدظلہ بعالمے رسید ومی رسد شاید از بزرگاں سلف بوقوع آمدہ باشد وبالفعل ایں امر دریں عصر منحصر بذات فایض البرکات است۔''

وہ تاریخ ہند کے ایک نہایت ہی بحرانی دور میں دکن گئے تھے۔ اورنگ زیب مرہٹوں سے آخری اور فیصلہ کن معرکوں میں مصروف تھا۔ مغلیہ سلطنت اپنی شان و شوکت، اقبال واقتدار کا دور ختم کر رہی تھی۔ باغیانہ قوتیں اُبھر رہی تھیں اور ایوان شاہی میں زلزلے محسوس ہو رہے تھے۔ ہر اطراف ہراس و پریشانی کا عالم تھا۔ ایسے ہوش رُبا دور میں سرمایہ ملت کی نگہبانی کرنا آسان کام نہ تھا چنانچہ قدرت نے جس شخص کو اس کام کے لیے منتخب کیا وہ بے پناہ صلاحیتوں کا مالک تھا۔

شاہ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دکن میں پہنچ کر ارشاد وتلقین کا ایسا ہنگامہ برپا کیا کہ سارا ملک اُن کی شعلہ نفسی سے گرم ہوگیا۔ ہزاروں انسانوں نے ان

Marfat.com

سے ہدایت پائی۔ معاصر تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ ان کے ایک لاکھ مرید تھے اور یہ سب ایسے تھے کہ ان کی اصلاح و تربیت میں کافی دماغ سوزی کی گئی ہے۔

ولادت و نسب:

شاہ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سنہ ولادت کسی معاصر تذکرے یا ملفوظ میں درج نہیں ہے۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ اُنھوں نے 82 سال کی عمر میں وصال فرمایا تھا۔[1] اس بنیاد پر اگر اُن کی تاریخ پیدائش کا حساب لگایا جائے تو وہ 1060ھ ہوتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم عمر تھے اور اُن ہی کے ساتھ وصال فرمایا۔ لیکن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کے طرز سے ایسا انداز ہوتا ہے کہ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن سے عمر میں کافی چھوٹے تھے۔ خاتم سلیمانی کے مصنف نے ان کا سنہ ولادت ۱۰۷۵ھ بتایا ہے[2] لیکن خاتم سلیمانی معاصر تذکرہ نہیں ہے۔ اس لیے اس کے بیان پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے واسطہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔[3] خواجہ محمد عاقل صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سندِ حدیث میں جو سلسلہ درج ہے اس میں اُس کے صاحبزادے شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو صدیقی بتایا گیا ہے۔[4]

وطن:

شاہ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وطن کے متعلق کسی معاصر مصنف نے صراحتاً نہیں لکھا۔ مناقب فخریہ، شجرۃ الانوار، تکملہ سیر الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء وغیرہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ ان کا وطن پورب میں تھا اور وہاں سے تکمیل علوم کے لئے

---

1. مناقب المحبوبین۔ ص ۴۷ 2. خاتم سلیمانی۔ ص
3. شجرۃ الانوار۔ (قلمی) مناقب فخریہ۔ ص ۵
4. تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۹۴

Marfat.com

دہلی چلے آئے تھے۔ سرسید نے آثار الصنادید میں ان کا وطن ''مکراؤں کہ مضامات لکھنؤ سے ہے۔[1] بتایا ہے کہ بعض شجروں میں اُن کا مقام ولادت ''نگراؤں''[2] درج ہے برکات الاولیاء میں ان کا وطن کاکوری لکھا ہے۔[3] مناقب المحبوبین' انوار العارفین اور سلسلۃ الذہب میں کاکوری اور نگراؤں دونوں درج ہیں اور کسی ایک مقام کے متعلق فیصلہ نہیں کیا گیا۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے:

''وطن اصلی ایشاں در ضلع پورب در قصبہ کاکوری ونگراؤں متصل بلدہ لکھنؤ است[4]

خواجہ حسن نظامی صاحب اور نواب مصلح الدین خاں کا خیال ہے کہ اُن کا وطن کاکوری تھا۔[5]

خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سلسلہ میں حدیث میں شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولدیت اس طرح درج ہے:

''ابن الشیخ نظام الدین الغوری ثم الاورنگ آبادی قدس اللہ سرہ''[6]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اصلی وطن غور اور وہاں سے وہ یا اُن کے اجداد ہندوستان تشریف لائے تھے۔

دہلی میں:

حضرت شاہ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن

---

[1] آثار الصنادید (باب چہارم) ص ۳۰

[2] شجرۂ چشتیہ سلیمانیہ فخریہ۔ مولانا۔ غلام فرید خاں چشتی ص ۳۰

[3] برکات الاولیاص ۱۴۴ [4] مناقب المحبوبین ص ۴۷

[5] منادی مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۳۶ء میں نواب مصلح الدین صاحب کا بیان درج ہے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے ایک مکتوب (بنام مصنف) میں اسی خیال کی تائید کی ہے نواب صاحب کے متعلق خواجہ صاحب نے لکھا ہے۔'' ان کی معلومات احوال قدیم کی نسبت ایسی ہے کہ دہلی میں کوئی شخص ان کی برابر پرانی باتوں کو نہیں جانتا۔'' [6] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۸۰

Marfat.com

میں حاصل کی۔ پھر تکمیل کے لیے دہلی آ گئے۔ کہ دہلی اس وقت ہندوستان کا علمی و روحانی مرکز تھا۔ یہاں اُنھوں نے شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شہرہ سُنا۔ چنانچہ ایک دن اُن کی حویلی میں پہنچے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس وقت محفل سماع منعقد ہو رہی تھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا دستور تھا کہ سماع کے وقت مکان کے دروازے بند کرا دیتے تھے اور پھر کسی نا آشنا شخص کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دروازے پر دستک دی۔ شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آواز سُن کر ایک مُرید کو اشارہ کیا کہ باہر جا کر دیکھے۔ مرید نے ایک غیر متعارف شخص کو دروازہ پر کھڑا دیکھا تو نام دریافت کیا۔ اور آ کر شیخ سے عرض کی کہ ایک بیگانہ شخص، گدا صورت نظام الدین نامی طالبِ ملاقات ہے۔ شیخ نے نام سے سنتے ہی فوراً حکم دیا کہ جلدی سے اس کو اندر لے آؤ۔ مریدوں کو یہ سُن کر حیرت ہوئی کہ شیخ نے کیوں خلافت معمول ایک نا آشنا اور بیگانہ شخص کو سماع کے وقت اندر آنے کی اجازت دے دی۔ لیکن شیخ نے فوراً یہ کہہ کر اُن کی تسلی کر دی۔

"از یں شخص و نام نامی و بوئے آشنائی می آید غیر منسبت

اس شخص سے اور اس کے نام نامی سے آشنائی کی بو آتی ہے یہ غیر نہیں ہے۔

اور شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نہایت خلوص اور محبت سے ملے۔ اور ان کی ظاہری تعلیم و تربیت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ عرصہ تک شیخ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت بابرکت میں رہ کر علوم ظاہری حاصل کرتے رہے۔[1]

بیعت:

اس زمانے میں دو واقعات ایسے پیش آئے کہ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

[1] مناقب فخریہ۔ ص ۶۔ ۵

خزینۃ الاصفیاء۔ جلد اول ص ۴۹۶

تکملہ سیر الاولیاء ص ۹۴

شجرۃ الانوار۔ (قلمی)

Marfat.com

کی توجہ علومِ ظاہری سے ہٹ کر علوم باطنی کی جانب ہوگئی وہ دراصل علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل کے لیے حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے لیکن شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علوم ظاہری کے علاوہ علوم باطنی میں بھی یگانہ عصر تھے اور اس کی تعلیم و تربیت بھی بڑی محنت اور توجہ سے کرتے تھے اس نووارد طالب علم کی طبیعت بھی اس طرف راغب ہوگئی۔

ایک دن حضرت شیخ یحییٰ مدنی کا ایک مرید شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کسی کتاب کا سبق لے رہے تھے۔ اس مرید نے جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تو مستی کی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ

"از جوش دِل مست و بے ہوش افتاد۔"

شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اُن کی عقیدت اور ارادت میں اضافہ ہوگیا[1] ایک دن شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجلس سے اُٹھے اور فرش کے کنارے تک پہنچے۔ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بڑھ کر فوراً جوتے اُٹھائے اور صاف کر کر رکھ دئے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ ادا بہت پسند آئی اور انتہائی محبت سے اُن کی طرف دیکھ کر پوچھا:

"نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ تو ہمارے پاس علوم ظاہری حاصل کرنے آیا ہے یا فوائدِ باطنی کے لیے جو زیادہ بہتر اور اچھے ہیں۔"

شیخ نظام الدین نے فوراً جواب دیا ؎

سپردم بتو مایہ خویش را
تو دانی حسابِ کم و بیش را

---

[1] شجرۃ الانوار میں لکھا ہے کہ اسی واقعہ کے بعد شاہ کلیم اللہ صاحبؒ سے اُنھوں نے وہ شعر کہہ دیا تھا اور بیعت ہوگئے تھے۔ لیکن مناقب فخریہ تکملہ سیر الاولیاء اور خزینۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ دوسرے واقعہ کے بعد وہ مرید ہوئے۔

Marfat.com

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ شعر سن کر اپنے پیر شیخ یحییٰ مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وہ پیشین گوئی یاد آ گئی جس میں اُنھوں نے فرمایا تھا کہ ایک شخص ایسے موقع پر یہ شعر پڑھے گا اور وہ ہماری نسبت کا مالک ہوگا۔ اس سے چشتیہ سلسلہ کو بے حد ترقی ہوگی [1] شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ ع

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

اور اسی وقت اُن کو بیعت کر لیا

دکن کو روانگی:

شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کی روحانی تعلیم و تربیت خاص توجہ سے کی جب اس سے فارغ ہوئے تو اُن کو دکن جانے کا حکم دیا۔ اس زمانے میں دکن جہنم زار بنا ہوا تھا۔ مرہٹوں کی لوٹ مار' قتل و غارت گری' پھر مسلسل جنگ و جدل نے مدنی زندگی کی سب نعمتوں کو ختم کر دیا تھا۔ خوف و ہراس' افسردگی اور پریشانی ہر طرف چھائی ہوئی تھی' سپہ سالار سے لے کر معمولی سپاہی تک ہندوستان کو واپس آنے کے لیے بے چین تھے۔ حد یہ ہے کہ ایک امیر نے شہنشاہ کو ایک لاکھ روپیہ صرف اس لیے پیش کیے کہ اس کو ایک سال تک دہلی رہنے کی اجازت دیدی جائے [1] ایسے سخت اور نازک زمانے میں جبکہ جنوبی ہندوستان کے مسلمان خود شمال کی طرف رجوع ہو رہے تھے۔ شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے عزیز ترین مرید اور خلیفہ کو دکن جانے کا حکم دیا۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''تم کو اللہ تعالیٰ نے دکن کی ولایت عطا فرمائی ہے تم یہ کام پورے طور پر انجام دو میں نے اس سے پہلے تم کو لکھا تھا کہ لشکر میں جاؤ۔ لیکن اب یہ حکم کہ جہاں کہیں ہوا

---

[1] مناقب فخریہ۔ ص ۶۷

تکملہ سیر الاولیا۔ ص ۹۵

خزینۃ الاصفیاء ص ۴۹۷۔ ۴۹۶

[2] ماثر الامراء۔ جلد اول ص ۴۵۷

Marfat.com

علائے کلمۃ اللہ میں مصروف رہو اور اپنے جان و مال کو اسی میں صرف کر دو۔"[1]

دکن نظامیہ سلسلہ کے لیے کوئی نئی یا غیر متعارف جگہ نہیں تھی وہاں امیر حسن علاء سنجری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جامع فوائد الفواد' شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے بزرگ آسودہ تھے۔ اور تاریخ کے ایک نازک دور ہی میں وہ بسلسلہ نظامیہ کو دکن میں پھیلا چکے تھے۔ اِن بزرگوں نے دکن میں اس وقت کام کیا تھا۔ جب سلطنت دہلی کا زوال شروع ہو گیا تھا حضرت نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دکن کو اپنی کوششوں کا مرکز اس وقت بنایا جب سلطنتِ مغلیہ پر نزع کا عالم طاری تھا۔

شاہ نظام الدین ؒ لشکر شاہی میں:

مکتوباتِ کلیمی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لشکر شاہی کے ہمراہ دکن گئے تھے۔ اور کچھ عرصہ دکن میں اُن کی نقل و حرکت لشکر ہی کے ساتھ ہوتی رہی تھی۔ اُن کے خطوط لشکریوں کے ذریعے آتے جاتے تھے' اور شاید اسی وجہ سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مکتوب میں تاکید کی تھی کہ وہ دکن کے حالات بڑی احتیاط سے لکھا کریں۔[1]

مکتوبات میں جگہ جگہ لشکر کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً

(1) "از ابتدائے آمدن شما در لشکر بادشاہی کہ تاریخ حال ہفت ہشت ماہ گذشتہ باشد دو کتابت رسیدہ۔"

م۱ ص ۶

(2) "در لشکر ے کہ شما ہستید اکثر شنیدہ می شود کہ معتقداتِ رفض بغایت رائج است۔" م۷ ص ۱۳

---

[1] مکتوبات کلیمی۔ م۲۱ ص ۲۶

Marfat.com

(3) ''قبل ازیں می نوشتم کہ بر لشکر بر دید' اکنوں ایں امر است ہر جا کہ باشید در اعلائے کلمۃ الحق باشید۔''

م ۲۱' ص ۲۶

(4) مکتوب شما از لشکر رسید۔''

م ۳۲ ص ۳۴

(5) ''بہر طریق بودن شما در لشکر موجب رحمت علیٰ عباد اللہ است۔''

م ۳۳ ص ۳۵

(6) ''حکم آن است کہ در لشکر خدمت گاری طالب علمان حق نمائید و ایں سعادتِ خود شمارید و جہد کنید تا مردم بسیار از حضیض غفلت بزوایہ معرفت بہ طفیل شما رسند۔''

م ۶۰' ص ۵۲

چنانچہ شیخ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے پیر و مرشد کی ہدایت کے ماتحت عرصہ تک دکن کے لشکریوں میں تبلیغ و اصلاح کا کام کیا۔ اُن کی کوششیں بہت حد تک کامیاب ہوئیں۔ لشکر کے لوگ اُن کے گرویدہ ہو گئے۔ خود شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''دیگر معلوم شد کہ از لشکر دو جوان بسیار از وضع شما محفوظ بودند و تعظیمے از مذاق شما می کردند' معلوم شد کہ کمال رُشد شناختہ اند۔''[1]

مختلف مقامات پر قیام:

دکن میں شاہ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مختلف مقامات پر قیام رہا۔ ایک مکتوب میں شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ۔

''خطے کہ بعد از سیر بیجاپور

۲ شوال مرقوم بود رسید''[2]

---

[1] مکتوبات کلیمی۔ ص ۲۲ [2] مکتوبات کلیمی م ۴۵ ص ۴۴

Marfat.com

ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

اللہ اللہ دریں روز ہا در بُر ہان پور خوبیہا است' وطن اختیار بکنید برلب آب اگر چہ صحرا باشد انشاء اللہ آبادی ہم آں جا خواہد۔ رفت'' م ۲۵ ص ۲۹

اللہ اللہ اس زمانے میں بُر ہان پور میں بڑی خوبیاں ہیں' اسی کو وطن بنالو' کسی دریا کے کنارے اگر صحرا بھی ہوگا تو انشاء اللہ وہاں آبادی آبادی چلی جائے گی۔

بُر ہان پور کی تاریخی اور جغرافیائی اہمیت کے پیش نظر شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا خیال تھا کہ اُسی کو وطن بنایا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''برائے توطن شہر بُر ہان پور در جمیع خوبیہا است' خوب است ہم گذر مردم ہندوستان وہم گذر مردم دکھن و ہم گذر حجاج بیت الحرام و اکثر درویشاں دریں شہر بودند اما تکیہ برلب آب اختیار کنند واز نظام پورہ نام نہند۔''

توطن کے لیے بُر ہان پور میں بڑی خوبیاں ہیں۔ وہاں سے شمالی ہندوستان کے لوگ گذرتے ہیں اور دکن کے لوگ بھی' حاجی بھی اسی راہ سے جاتے ہیں بہت سے درویش اس شہر میں رہتے تھے۔ لیکن تکیہ پانی کے قریب بنانا چاہیے اور اس کا نام نظام پورہ رکھنا چاہیے۔

لیکن بقضائے الٰہی برہان پور مستقر نہ بن سکا۔ شجرۃ الانوار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قیام کچھ عرصہ شولا پور بھی رہا تھا۔ سب سے آخر میں اورنگ آباد پہنچے۔ پیرومرشد نے خط لکھا:

''خواجہ عبداللطیف نے لکھا تھا کہ شاہ نظام الدین جیو اورنگ آباد چلے گئے ہیں۔ لیکن تمہارے خط نہ آنے سے تشویش ہے۔ معلوم ہوا کہ ابھی جگہ مقرر نہیں ہوئی ہے۔''[1]

آخرکار اورنگ آباد ہی میں قیام فرمالیا اور سلسلہ کی نشر و اشاعت میں مشغول

---

[1] مکتوبات کلیمی۔ م ۵۲ ص ۴۸

Marfat.com

ہو گئے

قیام خانقاہ:

جب اورنگ آباد میں شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے قیام کا مستقل ارادہ کر لیا تو وہاں اپنے لیے ایک خانقاہ کی بنیاد ڈالی جو بہت جلد مرجع عوام و خواص بن گئی۔ ابتدائی زمانہ میں خلقت کا یہ ہجوم دیکھ کر اُن کو تکلیف ہوئی۔ لیکن بعد کو مرشد کی ہدایت کے بموجب وہ لوگوں سے نہایت خوشی سے ملنے لگے۔ شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہدایت تھی کہ ہر کس و ناکس کی طرف التفات کیا جائے لیکن

"از رجوع خلائق و کثرت مریداں خود را گم نہ خواہی کرد۔"

م ۱۰۰ ص ۷۹

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ حضرت اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ کے دس دروازے تھے ہر در پر ایک کاتب بیٹھا رہتا تھا' جو حاجت مند آتا اس کی حاجت کو لکھ کر دے دیتا[1] اس پر حضرت کی مہر لگا دی جاتی تھی جس کا سجع تھا

"ذکر مولےٰ از ہمہ اولےٰ"

اور ۔ در رعایت دلہا بکوش
نظام دین بدنیا مفروش [2]

حاجت مند یہ پرچہ جس امیر کے پاس لے جاتا وہ اس کی حاجت براری کو اپنے لیے سعادت دارین سمجھتا تھا۔ خانقاہ کے دروازے ہر شخص کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ خواجہ کامگار خاں نے لکھا ہے کہ اُن کی خانقاہ کو دیکھ کر خواجہ حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ شعر یاد آتا

---

1. نافع السالکین ص ۱۰۷
2. فخر الطالبین۔ ص ۸۸ و تکملہ الاولیاء۔ ص ۹۶

Marfat.com

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو

گیر دار د حاجتِ دربان ایں درگاہ نیست [1]

گفتگو کا انداز بڑا دل کش اور پُر تاثیر تھا' اشعار برمحل اور اس انداز میں پڑھتے تھے کہ سننے والا تڑپ اُٹھتا تھا۔ ایک مرتبہ عبادت کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے یہ شعر ؎

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی

کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملکِ سلیمانی

اس انداز میں پڑھا کہ خواجہ کامگار خاں بے اختیار رونے لگے [2]

صحبت کی کشش:

شیخ اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کا کہنا ہے ؎

آتش بدلم جمالِ رویت افروخت

و ز شعلہ آں خرمن ہستی ہمہ سوخت.

زلفِ تو مرا بہ بست مژگانِ تو کشت

حسنِ تو مرا خرید و عشقِ تو فروخت [3]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کہربائی اثر رکھتی تھی' جس کی طرف دیکھ لیتے تھے وہ ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ خواجہ کامگار خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احسن الشمائل میں ان کی صحبت کی کشش کے متعدد واقعات لکھے ہیں اور جگہ جگہ ایسے اشعار درج کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اُن کے دل و دماغ پر حضرت اورنگ آبادی کا بہت گہرا اثر تھا۔ پہلی ملاقات کے بعد جب وہ اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے رخصت ہونے لگے تو اُن کی زبان پر بے اختیار یہ رُباعی آ گئی ؎

---

[1] احسن الشمائل (قلمی) [2] احسن الشمائل (قلمی)

[3] احسن الشمائل (قلمی)

Marfat.com

گشتم ز مئے شاہ نظام الدین مست
مستی من است عالی از روز الست
عکسِ رُخ یار چوں بساغر دیدم
از بادہ پرستی شدہ ام جام پرست [1]

تبلیغی جدوجہد:

شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ہدایت کی تھی کہ وہ دکن میں جا کر تبلیغ واحیاء کے کام کو اپنا مقصدِ حیات بنالیں چنانچہ انھوں نے وہاں پہنچ کر مرشد کے حکم کے مطابق اپنا ''جان و مال'' اسی کام میں صرف کر دیا۔ شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دہلی میں بیٹھ کر ان کو ہدایات دیتے تھے اور وہ نہایت سعادت مندی سے ان پر عمل کرتے تھے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرید کی اس فرمانبرداری سے باغ باغ ہو جاتے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''تم پر اللہ کی رحمت ہو کہ تم بے اجازت قدم تک نہیں اٹھاتے ہو جس کو بھی دولت حاصل ہوئی اسی ادب سے ہوئی۔

م ۵ ص ۹

اتباع سنت:

شاہ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اتباع سنت کا بڑا خیال رہتا تھا۔ احسن الشمائل میں لکھا ہے۔

درجمیع احوال وافعال واقوال موجب سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجامی آورد اصلا تجاوز وتفادت از سنت نہ شنیدہ [2]

---

[1] احسن الشمائل

[2] احسن الشمائل (قلمی) وتکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۲

Marfat.com

ہر کام اور ہر بات سنتِ نبوی ؐ کے مطابق کرتے تھے۔ کبھی کسی سنت سے ہٹ کر کوئی کام کرنا اُن کے متعلق نہیں سُنا گیا۔

نظام اوقات:

فخر الطالبین میں ہے کہ حضرت نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ابتدائی زمانہ میں کتابوں سے بے حد دلچسپی تھی۔ اور اسی میں ان کا بیشتر وقت گزرتا تھا' لیکن اورنگ آباد پہنچنے کے بعد غیر از اشغل'' کسی چیز سے تعلق نہ رہا [1] اور عبادت اور ریاضت ہی میں اُن کا سارا وقت صرف ہونے لگا۔ ذکر میں مشغولیت زیادہ رہتی تھی۔ انھوں نے اپنے لیے ایک ایسا حجرہ بنوایا تھا جو زنانہ اور مردانہ مکان کے درمیان میں تھا' جب چاہتے اس کو زنانہ بنا لیتے۔ جب ضرورت ہوتی مردانہ کر دیتے۔

شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صبح کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد حجرے میں تشریف لے جاتے تھے اور دن نکلنے کے ۵' ٦ گھنٹے بعد تک یادِ حق میں مصروف رہتے تھے۔ اس وقت کوئی شخص ان کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا تھا۔ اشغال سے فراغت کے بعد حجرہ کا دروازہ کھول دیا جاتا تھا' اور ہر شخص جو زیارت سے مشرف ہونا چاہتا تھا اندر جا سکتا تھا۔ دوپہر کے بعد پھر خلوت ہو جاتی تھی۔ نماز ظہر سے فراغت کے بعد حجرہ کا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا۔ پھر عصر کی نماز کے قریب حجرہ کا دروازہ کھلتا تھا' اور ''یاران و عزیزان'' سعادتِ قدمبوسی حاصل کرتے تھے۔ اسی وقت خواجہ نور الدین رحمۃ اللہ علیہ' مشکوٰۃ شریف یا کسی اور کتاب کی قرأت کرتے تھے۔ عصر کی نماز کے بعد احوال مشائخ سے متعلق کتابیں پڑھوا کر سنتے تھے' اکثر یہ کام خواجہ کامگار خاں کے سپرد ہوتا تھا۔ ساری مجلس خاموشی سے سنتی رہتی تھی۔ مغرب کے قریب خاموشی ہو جاتی تھی۔ حضرت شیخ نماز مغرب سے فارغ ہو کر حجرہ میں چلے جاتے تھے' اور اس وقت مخصوص لوگ حاضر ہو سکتے تھے۔ [2]

بحث و مباحثہ سے آپ کو نفرت تھی' اگر کوئی شخص کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو خود

---

[1] احسن الشمائل [2] احسن الشمائل

Marfat.com

جواب دینے کے بجائے کسی کتاب کا حوالہ دے کر اسی کے مطالعہ کی ہدایت فرما دیتے تھے۔[1]

کھانا کبھی تنہا نہیں کھاتے تھے۔ اگر کبھی ایسا اتفاق ہوتا تو مخلصوں کے گھروں پر کھانا بھجوانے کے بعد خود تناول فرماتے تھے۔[2]

لباس:

شیخ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لباس میں تکلف کو پسند نہیں فرماتے تھے، جو میسر آ جاتا پہن لیتے تھے۔ لکھا ہے:

"ہر چہ میسر می شد از جامہ و پیراہن و سراویل می پوشیدند۔"[3]

کپڑے مٹی کے رنگ میں رنگوا لیتے تھے۔ پیراہن میں اکثر پیوند ہوتے تھے۔ پیراہن دو روپے آٹھ آنے، تین روپے میں تیار ہوتا تھا۔ بیش قیمت کپڑا کبھی زیب تن نہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ جاڑوں کے موسم میں خواجہ کامگار خاں نے کچھ شال وغیرہ خدمت میں پیش کیے تو یہ کہہ کر واپس کر دیے کہ ہمیں ایسے لباس سے رغبت نہیں ہے۔[4]

جب جمعہ کی نماز کو یا کہیں اور تشریف لے جاتے تھے تو جامہ اور دستار پہنتے تھے۔ گھر میں کلاہ اور اس پر دستار باندھتے تھے۔[5] نماز جمعہ کے لیے اکثر پیدل جاتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کسی سے گھوڑا منگا لیتے۔ لیکن خود اپنے پاس گھوڑا یا پالکی کبھی نہیں رکھی۔ اکثر ایسا ہوا کہ مریدین نے غلام بچے خدمت کے لیے پیش کیے۔ لیکن آپ نے مریدوں کو عنایت فرما دیے۔[6]

مرشد کی نظر میں:

حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے خلیفہ کی سعادت مندی اور

---

[1] احسن الشمائل (قلمی) [2] احسن الشمائل (قلمی)

[3] احسن الشمائل۔ نیز شجرۃ الانوار و تکملہ سیر الاولیاء ص ۹۹۔

[4] احسن الشمائل۔ تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۹۹

[5] فخر الطالبین۔ ص ۹۷ [6] احسن الشمائل

Marfat.com

تبلیغی جدو جہد سے بے حد متاثر اور خوش تھے۔ ایک مرتبہ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو شبہ ہوا کہ شاید کسی نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اُن کی بُرائی لکھ کر بھیجی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا:

"باللہ واللہ کہ در حق شما کسے چیزے اکنوں نمی نوسید و بر تقدیرے اگر نویس باللہ واللہ کہ اثر ندارد و نخواہد داشت۔" م ۴۶ ص ۴۴

خدا کی قسم کسی نے تمہارے متعلق کوئی بات نہیں لکھی اور اگر کوئی لکھے گا بھی تو واللہ اس کا اثر نہ ہوگا۔

ایک مرتبہ شیخ اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پیر کو ایک کتاب بھیجی۔ جواب میں ارشاد ہوا۔

"کتاب شما رسید انچہ در باب ارسال ہدیہ مرقوم بود آں را سعادت خود دانستہ در روز قیامت ہمیں قدر شفیع من بس است کہ ایں ہمہ لطف بر فقیر فرمودہ م ۱۸ ص ۲۲

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس طرح مکتوبات میں اُن کو مخاطب کیا ہے اس سے اُن کے جذبات کا پتہ چلتا ہے۔ ایک جگہ بے اختیار اس طرح خطاب کرتے ہیں۔

"اے برادر! اے جان جہاں! اے تمام ایمان و جان من۔" م ۵۸ ص ۵۱

ایک مکتوب میں نہایت حسرت بھرے انداز میں لکھتے ہیں:

"فقیر را با شما بسیار خصوصیت است۔ شما چرا نامہرباں می دانید اگر من بر شما مہربان نباشم در دنیا کدام نور دیدہ دارم کہ بر و مہربان خواہم بود م ۹۵ ص ۷۲

فقیر کو تم سے بڑی خصوصیت ہے تم نے کس طرح مجھے نامہرباں سمجھا۔ اگر میں تم پر مہربان نہ ہوں گا تو دنیا میں میرا کون سا ایسا نور دیدہ ہے کہ اس پر مہربان ہوں گا۔

مریدوں کی روحانی تربیت:

مریدوں کی اصلاح و تربیت کے سلسلے میں اُن کے بنیادی اصول شاہ کلیم اللہ

Marfat.com

صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیمات وہدایات پر مبنی تھے' ان ہی کی روشنی میں انھوں نے اپنے مریدوں کی اصلاح وتربیت کا سارا پروگرام مرتب کیا تھا' کہا کرتے تھے کہ تخلیق انسانی کا مقصد عبادت ہے۔ اوراس کے سوا کچھ نہیں' کہتے ہیں۔

''درکلام اللہ وارداست مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ پس برہمہ لازم کہ دریں کار سعی بلیغ نمایند۔''[1]

قرآن پاک میں ہے کہ ہم نے جن اور انسان کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے پس سب پر لازم ہے کہ اس کام میں پوری پوری کوشش کریں۔

عبادات' اشغال واوراد کے بارے میں نہایت سختی سے کام لیتے تھے۔ رات میں اور دن میں ہر وقت مریدوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ آدھی رات کو مریدوں کو دیکھنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ جس کو سوتا ہوا پاتے تھے اس پر پانی ڈال کر جگا دیتے تھے۔ لکھا ہے:

''ہر شخصے کہ بخواب رفت خود ملاحظہ فرمودہ کوزہ آبِ سرد ہمراہی میں داشتند و براں می پاشیدند تا ایں مرتبہ تقید در تربیت داشتند۔''[2]

شیخ اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی روحانی تعلیم میں پاس انفاس اور ذکر جہر کو خاص اہمیت دی تھی' فرمایا کرتے تھے اُنھیں کے ذریعے سے باطنی اصلاح وتربیت ممکن ہے۔[3] مغرب کے وقت ایک شخص بیعت ہوا' فوراً خواجہ محمد نورالدین رحمۃ اللہ علیہ[4] کو حکم ہوا کہ اس شخص کو ذکر جہر سکھا دو۔[5] مکتوباتِ کلیمی سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جامع مسجد میں وہ دو دو سو' تین تین سو مریدوں کے ساتھ ذکر جہر میں مصروف رہتے تھے۔ اور

---

[1]' [2]' [3] احسن الشمائل۔

[4] خواجہ نورالدین' شاہ نظام الدین صاحب'' کے عزیز ترین مرید تھے۔ شاہ کلیم اللہ صاحب'' بھی ان کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ شاہ نظام الدین صاحب'' کے نام ایک خط میں ان کا ذکر اس

(فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

Marfat.com

اعظم شاہ نے ان کو اس سے منع بھی کیا تھا۔[1] ایک مرتبہ انھوں نے اپنی نابالغ لڑکیوں کو ذکر جہر بتادیا شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اطلاع ہوئی تو لکھا کہ بچوں کو ذکر جہر بتانے سے گریز کیا جائے کہ اس میں جان کا خطرہ ہے۔[2]

شیخ اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مریدوں کو اتباع شیخ اور ادب کی تعلیم خاص طور پر دیتے تھے' کہا کرتے تھے کہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رفقاء کو زدوکوب تک کیا' لیکن انھوں نے مرشد کو نہیں چھوڑا اب ایسا زمانہ آگیا ہے کہ:

''اگر شیخ حرفے بمرید گوید از صورت شیخ بیزار شود۔''

اگر شیخ مرید سے ایک حرف بھی کہہ دیتا ہے تو وہ شیخ کی صورت سے بیزار ہو جاتا ہے

اظہار مشیخت سے وہ ناخوش ہوتے تھے۔ ایک دن ایک مرید نے جو حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد سے تھا' ایک تسبیح پیش کی اور کہا کہ اس میں چند دانے بابا

(فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ)

طرح کرتے ہیں۔ ''قدوۃ الاصفیا' والاصحاب زبدۃ الاحباب خواجہ محمد نور الدین پھر فرماتے ہیں۔ ''عجب صاحب توفیق اس کہ اللہ تعالیٰ' طفیل شما' عمر وحیات ومنصب ومحبت الٰہی این مرد بفزاید۔'' م ۳۱ ص ۳۴۔ خواجہ نور الدین نے شاہ صاحب سے درخواست کی تھی کہ اللہ سے دعا فرمایئے کہ شیخ کی محبت بڑھ جائے۔ م ۳ ص ۳۴ نیز م ۳۶ ص ۳۷

[1] شاہ کلیم اللہ صاحب ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''............درویشاد فیما بین وحقیقت فرستادن اعظم شاہ قاب طعام ورد آں............ومنع اوازذکر جہر در مسجد جامع باد وصد سہ صد کس وقت مغرب ہمہ معلوم شد' برادر من آنچہ شما کردید خوب کردید۔''

م ۶ ص ۱۰

م ۹۹ ص ۷۸ میں شاہ کلیم اللہ صاحب نے اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو فرمائی اور آخر کو مسجد میں ذکر جہر سے منع کیا۔

[2] مکتوبات کلیمی م ۲۱ ص ۲۵ [3] احسن الشمائل

Marfat.com

فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تسبیح کے شامل ہیں، فرمایا ''اگر تبرک کے طور پر یہ تمہارے پاس رہے تو اچھا میں تو کبھی تسبیح ہاتھ میں لیتا ہی نہیں۔ میرے اندر جو تسبیح ہے اس میں مشغول رہتا ہوں۔'' پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

''تسبیح در دست گرفتن بدعت است کسے را کہ تسبیح باطن در دست آمدہ باشد، تسبیح ظاہر را چرا بدست گیرد۔'' [1]

''تسبیح ہاتھ میں لینا بدعت ہے جس کے ہاتھ میں باطن کی تسبیح ہو وہ کیوں ظاہری تسبیح ہاتھ میں پکڑے گا۔''

فتوح وخیرات:

ابتدائی زمانے میں شاہ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی شخص کی نذر قبول نہ کرتے تھے۔ جب شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ دل شکنی اچھی نہیں ہے۔ جو شخص بھی خلوص کے ساتھ کوئی چیز پیش کرے اسے قبول کر لو اور محتاجوں کو دے دو۔

زر کہ ستانی و بیفشانیش
بہتر از آنست کہ نستانیش [2]

اس کے بعد وہ فتوحات قبول کرنے لگے۔ جمعہ کے دن جو نذر آتی تھی وہ قوالوں کو یا مجلس میں جو مستحق لوگ موجود ہوتے ان کو دی دی جاتی تھی۔ باقی دنوں میں جو آتا تھا وہ محتاجوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ [3]

فخر الطالبین میں لکھا ہے کہ اُن کے پاس اشرفی، روپیہ، پیسے علیحدہ علیحدہ کاغذ میں بندھے ہوئے رکھے رہتے تھے، جو محتاج آتا اُس میں سے دیدیتے تھے۔ فقیر کو ایک پیسہ سے زیادہ نہ دیتے تھے، اور لوگوں کو اشرفیاں تک دیتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ شریف کے لیے

---

[1] احسن الشمائل
[2] شجرۃ الانوار (قلمی)
[3] احسن الشمائل (قلمی)
[4] فخر الطالبین ص ۹۵ (قلمی)

Marfat.com

بڑی مشکل ہے۔ وہ شرم کے مارے بھیک بھی نہیں مانگ سکتا اور فاقہ کرتا ہے۔[1] ان لوگوں کا کیا ہے یہ تو در در پھر کر خوب جمع کر لیتے تھے۔

سماع:

سماع کے معاملے میں شاہ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرومرشد کے اصولوں پر عمل کرتے تھے۔[1] زمان، مکان اور اخوان کی سب پابندیوں پر اُن کی نظر رہتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے

سماع بسیار دل رابمیر اند[2]

سماع کی زیادتی دل کو ماردیتی ہے

خواجہ کامگار خان نے اُن کی سماع کی سات مجلسوں کا تفصیلی حال لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشائخ متقدمین کے اصولوں سے انحراف نہ کرتے تھے۔

اخلاق:

شیخ اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ لوگوں کی دل گیری کو اپنا فرض اولین تصور کرتے تھے۔ ہر شخص سے خواہ وہ آشنا ہو یا بیگانہ ایک ہی طریقے سے ملتے تھے۔[3] ہر شخص کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوجاتے تھے، لکھا ہے:

"برائے ہمہ کس تمام قد استادہ می شدند و تعظیم بجامی آورند، باطفل چہار سالہ ہموں وضع مبارک می داشتند کہ با پیر ہفتاد سالہ و با کابر و فضلائے خود[4]

ہر شخص کے لیے وہ کھڑے ہوجاتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے (حد یہ ہے کہ)

---

1. لکھا ہے: "احتیاط کہ روز سماع در محفل مبارک ایشاں بوقوع می آمد در ہیچ از مشائخ زماں دیدہ و شنیدہ نشد۔"
احسن الشمائل (قلمی) و تکملہ سیر الاولیا ص ۱۰۱

2. احسن الشمائل۔ شجرۃ الانوار۔ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۱

3. احسن الشمائل   4. احسن الشمائل   تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۰۱

Marfat.com

چار سال کے بچے کے لیے بھی وہی مبارک وضع رکھتے تھے جو 70 سالہ بوڑھے یا اکابر و فضلا کے لیے۔

ہر آنے والے کو کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے۔ اگر کچھ نہ ہوتا تو عطر ہی عنایت فرما دیتے تھے۔ لکھا ہے۔

"ہرگز ایں بنظر نیامدہ کہ ہیچ واردے وزائرے از فائدہ خالی باز گردیدہ باشد۔"[1]

کبھی یہ چیز نہیں دیکھی گئی کہ کوئی آنے والا یا زائر خالی ہاتھ واپس چلا گیا ہو۔

جب تک لوگ اُن کے پاس رہتے، وہ دو زانو بیٹھے رہتے۔ چار زانو بیٹھے ہوئے اُن کو کسی شخص نے نہیں دیکھا، جب کوئی کتاب مجلس میں پڑھی جاتی تو لوگوں کو حکم ہوتا تھا کہ بالکل خاموش بیٹھیں۔[2]

دل گیری کو انھوں نے مقصد حیات بنایا تھا، کسی شخص کو رنجیدہ کرنا یا اس کے جذبات کو ٹھیس لگانا اُن سے نہیں آتا تھا، ایک مرتبہ ایک درویش ان کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا "میں توجہ دینا خوب جانتا ہوں اور میری توجہ میں بہت تاثیر ہے۔ اگر تمہیں ذوق ہو تو مجھ سے تربیت حاصل کر لو، میں تم کو بتانے میں دریغ نہ کروں گا شیخ اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے آگے زانوے ادب طے کرنا منظور فرما لیا۔ فخر الطالبین میں لکھا ہے:

چوں شیوۂ حضرت دوستی انسان و حیوان بود، از راہ کریمی اخلاق خود بزانوے ادب پیشیں آں بر خود غلط نشستند۔"[3]

چونکہ حضرت کا طریقہ انسان اور حیوان سے دوستی کا تھا، اس لیے از راہِ خلق اس بر خود غلط شخص کے سامنے ادب سے بیٹھ گئے۔

وہ شخص ہر روز آتا اور توجہ دیتا۔ دو سال اسی طرح گذر گئے۔ اور اس شخص نے

---

1. احسن الشمائل۔ (قلمی) تکملہ سیر الاولیاء
2. احسن الشمائل
3. فخر الطالبین۔ ص ۹۳

Marfat.com

سارے شہر میں یہ مشہور کر دیا کہ شیخ مجھ سے توجہ حاصل کرتے ہیں۔ ایک دن میاں عبدالقادر (جو شیخ صاحب کے مرید تھے) خانقاہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور جوں ہی وہ شخص آیا اس پر ایسی نظر ڈالی کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو معلوم ہوا تو باہر گئے۔ میاں عبدالقادر کو ڈانٹا اور فرمایا:

"چرا خاطر کسے راشکستہ باید کرد۔ اگر دریں فرصت کہ پیشیں او یک ساعت نشتم و اودل شاد شد از ینچہ بہتر است۔"[1]

کیوں کسی کے دل کو دکھایا جائے اگر فرصت میں ایک ساعت اس کے پاس بیٹھ جاتا ہوں اور اس کا دل اس سے خوش ہو جاتا ہے تو اس سے بہتر کیا بات ہے۔

شیخ اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور اعظم شاہ:

شیخ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امراء و سلاطین سے حتی المقدور بچنے اور علیحدہ رہنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ اُن کے تحائف کو قبول کرنا بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ اعظم شاہ[2] نے ان کی خدمت میں کچھ کھانا بھیجا تو انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے دوسری مرتبہ پھر یہ کہہ کر بھیجا کہ صوفیوں کے لیے قبول کر لیجئے۔ لیکن آپ نے پھر بھی قبول نہ کیا۔[3]

شاہ وقت اور شیخ اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے دکن میں اپنے سلسلہ کی روایات

---

[1] فخر الطالبین۔ ص ۹۳

[2] اورنگ زیب کا تیسرا لڑکا تھا۔ اورنگ زیب نے اس کو احمد آباد (گجرات) کا حاکم بنا کر بھیج دیا تھا۔ اورنگ زیب کے بعد وہ تخت پر بیٹھا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں بہادر شاہ سے مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔

[3] مکتوبات کلیمی۔ ص ۱۰ م ۶

Marfat.com

کا پورا خیال رکھا۔ لوگوں نے اُن سے بار بار اصرار کیا کہ بادشاہ سے ملاقات فرمائیں۔ لیکن انھوں نے قبول نہ کیا۔ ایک صاحب نے یہاں تک کہا کہ میں خود ملاقات کرادوں گا، لیکن آپ راضی نہ ہوئے۔ شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جب اپنے مرید کی استقامت اور راسخ الاعتقادی کی اطلاع ہوئی تو بہت خوش ہوئے۔ [1]

ایک مرتبہ بادشاہ نے خود بلایا۔ لیکن آپ نے دربار میں جانے سے انکار کردیا۔ شاہ کلیم اللہ کو معلوم ہوا تو خط لکھا۔

"خوب کردید کہ قبول ایں معنی نہ کردید کہ ہمیں طلب سلاطین دلیل رعونیت و جباری است۔ اگر در طبیعت ایشاں شکستگی و وفد دیت فقرا باشد ابرام بہ سلطانیت نکنند بلکہ خود از سر قدم ساختہ بخدمت شتابند تا ممدوح جناب حمدیت کہ نعمر الا میر علی باب الفقیر باشند۔" م ۴۷ ص ۴۵

خاندان آصفیہ پر اثرات:

جس زمانہ میں شیخ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دکن بھیجے گئے تھے اس وقت نواب غازی الدین خاں [2] (1711-1649) وہاں موجود تھے۔ چنانچہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے تقدس کا شہرہ سن کر انھوں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے یہاں مدعو کیا۔ شیخ نے اپنے بزرگوں کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے جانے سے انکار کردیا۔ پیر و مرشد کو جب یہ معلوم ہوا تو خط لکھا:

"مرقوم بود کہ غازی الدین خاں طلب ملاقات کرد۔ خوب کروید کہ نرفتید اگر او افتاد در خدمت فقرا بودے خودمی آمد و خود آرائی نمی کرد۔" [3]

---

[1] مکتوبات کلیمی۔ م ۲۴ ص ۲۸

[2] اس زمانے میں غازی الدین خاں کے دکن میں کام کے لیے ملاحظہ ہو:

Nizam - ul - Mulk Asaf Jah By Dr. Yusuf Hussain Khan P.P 16 - 40

[3] مکتوبات کلیمی۔ م ۳۵ ص ۳۶

Marfat.com

تم نے لکھا تھا کہ غازی الدین خاں نے ملاقات کے لیے بلایا۔ اور تم نہیں گئے تم نے بہت اچھا کیا کہ نہ گئے۔ اگر اُسے فقراء میں دلچسپی اور اعتقاد ہوتا تو خود حاضر ہوتا' خود آرائی نہ کرتا۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس انکار کے بعد بھی غازی الدین خاں نے اصرار کیا۔ شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو معلوم ہوا تو لکھا:

می دانند کہ پیش فقراء بادشاہاں رفتہ اند و سعادت دانستہ اند غازی الدین خاں نوکر است از نوکراں بادشاہ اگر احیاناً او بہ فقیر نوشت من اجازت نامہ نخواہم نوشت [1]

تمہیں معلوم ہو کہ فقراء کی خدمت میں بادشاہ حاضر ہوئے ہیں اور اس کو اپنے لیے سعادت سمجھا ہے۔ غازی الدین خاں تو بادشاہ کے نوکروں میں سے ہے اگر وہ مجھے لکھے گا تو بھی میں اجازت نامہ نہیں لکھوں گا۔

مکتوبات سے غازی الدین خاں اور شیخ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تعلقات پر اور زیادہ روشنی نہیں پڑتی' لیکن خیال یہ ہے کہ وہ بعد کو حاضر ہوئے اور اپنے عقیدت مندانہ جذبات کو برقرار رکھا۔ مناقب فخریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غازی الدین خاں کے بعد بھی عقیدت مندی کا سلسلہ جاری رہا۔ لکھا ہے۔

''..........نواب سلطان الملک آصف جاہ نیز شرف بیعت در خدمت آں ظل الٰہی داشت۔'' [2]

نظام الملک آصف جاہ اول (1748 - 1671) بڑے مذہبی جذبات رکھتے تھے۔ آزاد بلگرامی نے اُن کے متعلق لکھا ہے:

امیرے بایں جلالتِ شان بر مسند امارات قدم نگذاشتہ' اختر طالع ایں صاحب اقبال از آغاز عمر تا انجام بر مدارج ترقی صعود نمود..........سادات و علماء و مشائخ دیار عرب و

---

[1] مکتوبات کلیمی۔ م ۸۹ ص ۸۷

[2] مناقب فخریہ۔ ص ۷ (قلمی)

Marfat.com

ماوراءالنہر خراسان وعجم وعراق دہندآوازۂ قدردانی استماع یافتہ رو بدکن آوردند۔‘‘ [1]

اس شان کا امیر کبھی مسند امارت پر نہیں بیٹھا۔ اس صاحب اقبال کا اختر طالع ابتدائی زمانے سے آخر تک ترقی کے مدارج طے کرتا رہا۔......... سادات‘ علماء اور مشائخ عرب‘ ماورالنہر‘ خراسان عراق اور ہندوستان سے اُن کی قدردانی کی شہرت سن کر دکن کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اُنھوں نے ایک کتاب ’’رشک گلستان ارم‘‘ شیخ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے احوال میں تصنیف فرمائی تھی۔

نظام القلوب:

شاہ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک کتاب ’’نظام القلوب‘‘ تصنیف فرمائی تھی۔ یہ کتاب 1309ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی تھی اس میں مندرجہ ذیل 21 فصلیں ہیں: رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(1) درفوائد ذکر جہر

(2) درارشاد و تلقین

(3) درذکر پاس انفاس وحبس دم ونفی واثبات لامعبود الا اللہ دسہ پایہ

(4) درذکر ذات کلمہ‘ وحبس دم اسم اللہ واللہ جہر اُبامد خواہ یا قصر درمحار بہ صغیر وکبیر

(5) درذکر اللہ حاضری

(6) فی طریق تعلیم الذکر

(7) درذکر نفی واثبات وذکر ناسوتی وملکوتی وجبروتی ولاہوتی۔

(8) درذکر یک ضربی تادوازدہ ضرب

(9) درذکر حدادی

(10) درذکر کشف معانی قرآن وکشف قبور

---

[1] روضۃ الاولیاء۔ آزاد بلگرامی (قلمی)

Marfat.com

(11) درذکر پنج تن پاک وذکر کشف روح رسول اللہ وکشف الارواح واسماء ملائکہ واسم شیخ۔

(12) درذکر حسب الاستعداد وصلاحیت از انتقال بعضے صفات بسوئے صفات دیگر

(13) درذکر جبرئیلی وسہروردی وبدلا وفنا وبقا وذکر جبروت ویا ہو وکشف ملکوت وحضور ویا حی یا قیوم ولا ہو الا ہو۔

(14) دراسماء اذکار یذکرون اہل اللہ۔

(15) درمعرفت اذکار عربی وفارسی وبعضے سلوک جوگیہ واذکار ایشاں وجلسہ

(16) درذکر اسم جلال وجمال مشترک

(17) درشغل آئینہ ونظر ہر دو چشم در بالائے ابرد

(18) درمراقبہ ودر بیان مراقبہ سلسلہ نقشبندیہ

(19) درذکر جانوران

(20) انوارے کہ درحالت ذکر ظاہر شوند

(21) درعلامات آواز شیطانی ورحمانی

اس کتاب میں گو مختلف اشغال واذکار کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن یہ شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتابوں کی طرح اس قدر واضح نہیں ہے کہ بغیر رہبر کے اس پر عمل کیا جا سکے۔

ملفوظات وحالات:

حضرت شاہ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات میں ایک نہایت مفصل کتاب "رشک گلستان ارم نظام الملک آصف جاہ اول نے تصنیف کی تھی۔[1] شجرۃ الانوار کا مصنف لکھتا ہے:

---

[1] غلام سرور سرور نے خزینۃ الاصفیاء (جلد اول ص ۴۹۷) میں غلطی سے نواب نظام الملک کی اس تصنیف کا نام احسن الشمائل لکھ دیا ہے احسن الشمائل خواجہ کامگار خاں کی تصنیف ہے۔

Marfat.com

''کاتب حروف کتابے رامسمی بہ رشک گلستان ارم تصنیف نظام الملک آصف جاہ کہ یکے از مریدان حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی قدس سرہ العزیز مفصلاً احوال آں حضرت دراں نوشتہ دیدہ ام۔''[1]

کاتب حروف نے ''رشک گلستان ارم'' نامی کتاب جو نظام الملک آصف جاہ مرید شیخ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اور جس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا مفصل حال درج ہے دیکھی ہے۔

یہ کتاب مولوی رحیم بخش فخری مصنف شجرۃ الانوار نے شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مشہور خلیفہ حاجی واصل کے پاس دیکھی تھی۔ جس وقت وہ کتاب شجرۃ الانوار لکھ رہے تھے اس وقت اُنھوں نے اس کتاب کو بہت تلاش کیا۔ اور اکثر ''برادران دینی'' سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ لیکن دستیاب نہ ہو سکی۔

شاہ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات اور ملفوظات میں ایک دوسری مفصل کتاب خواجہ کامگار خاں نے احسن الشمائل کے نام سے لکھی تھی، جس میں ضیاء بخشی کی ''چہل ناموس'' کے طرز پر شیخ کا حال لکھا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے۔[2] شجرۃ الانوار اور تکملہ سیر الاولیاء کے مصنفین نے خاص طور سے اس سے استفادہ کیا ہے۔

وصال:

شیخ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 12 ذی قعدہ 1142ھ کو اورنگ آباد میں وصال فرمایا۔ مزار مبارک پر ایک عالی شان گنبد اور قریب ہی ایک مسجد بنائی گئی۔[3] غلام سرور نے تاریخ لکھی ہے۔

---

1. شجرۃ الانوار۔ (قلمی)
2. نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے ذخیرۂ کتب میں احسن الشمائل کا ایک قدیم نسخہ ہے (نمبر ۵۷) غالباً یہ مصنف ہی کے قلم کا ہے۔
3. شجرۃ الانوار

Marfat.com

شد ز دنیا چو سوئے خلد بریں
راہبر رہنما نظام الدین
سال ترحیل اوست شیخ کبیر
ہم ولی ہذا نظام الدین 1142ھ [1]

مناقب المحبوبین میں ہے کہ وہ اپنے پیر کے وصال کے بعد چھ مہینے اور زندہ رہے تھے۔ [2]

شادی اور اولاد:

حضرت شیخ اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس وقت دکن گئے تھے اس وقت ان کی شادی نہیں ہوئی تھی، وہاں پہنچ کر وہ کچھ عرصہ تک مجرد رہے۔ شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حکم تھا کہ شادی نہ کی جائے کہ اس صورت میں وہ عظیم الشان اصلاحی اور تجدیدی کام جس پر وہ مامور کیے گئے تھے۔ اچھی طرح انجام نہیں پا سکتا تھا۔ لیکن اورنگ آباد میں شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کچھ تکلیف ہوئی اور اطبا نے شادی کا مشورہ دیا۔ شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

"تا ممکن باشد گرد زن نباید رفت" م۲۹ ص۳۰

جب تک ممکن ہو عورت کے پاس نہ جاؤ۔

اگر احتیاج نباشد ہرگز کدخدا نباشد م۳۰ ص۳۳

اگر ضرورت نہ ہو تو ہرگز شادی نہ کرو

مگر اطبا نے جب مجبور کیا تو شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خاندان میں ان کی شادی کرنی چاہی۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"میاں امام الدین کہ برادر عموزادہ فقیر اند دختر ے در سن چہاردہ سالہ فی الحال

---

[1] شجرۃ الانوار [2] خزینۃ الاصفیاء۔ جلد اول ص ۴۹۷

[3] مناقب المحبوبین۔ ص ۴۷

Marfat.com

بصلاحِ نماز و روزہ وتلاوتِ قرآن آراستہ دارند .... واز طرفیں نجیب .... نمی دہند چیزے ونمی خواہند چیزے .... برکاسہ آب انعقاد میسری شود۔ اگر اشارہ نمایند علی الرسم یک شان ازطرف شما دادہ آید۔[1]

میاں امام الدین کی، جو فقیر کے چچازاد بھائی ہیں، ایک چودہ سالہ لڑکی ہے۔ نماز، روزہ، تلاوت قرآن سے آراستہ ہے .... ماں باپ دونوں طرف سے اچھا خاندان ہے .... نہ کچھ چیز دیں گے نہ کچھ چیز چاہتے ہیں۔ پانی کے ایک پیالہ پر نکاح ہو جائے گا۔ اگر اشارہ کریں (یعنی مرضی کا اظہار کریں) تو تمہاری طرف سے علی الرسم کوئی نشان دے دیا جائے۔

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:

''ایں جا در قبیلہ ما دو سہ دختر بودندی خواہم کہ یکے نامزد شما بکنم۔'' م ۲۹ ص ۳۲

یہاں ہمارے خاندان میں دو تین لڑکیاں ہیں، میں چاہتا ہوں کہ ان میں سے ایک تمہارے نامزد کروں۔

مگر معلوم نہیں کہ شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کس جگہ شادی کی، ان کی ایک زوجہ حضرت سید محمد گیسودراز کے خاندان سے تھیں۔ اُن کے بطن سے دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکوں کے نام محمد اسمٰعیل اور فخر الدین تھے۔ دوسری بیوی سے تین لڑکے ہوئے جن کے نام غلام معین الدین، غلام بہاء الدین، غلام کلیم اللہ تھے محمد اسمٰعیل، خواجہ کامگار خاں کے مرید تھے۔ باقی سب بھائیوں نے شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت کی تھی[2]

خلفاء:

خلفائے ذی کرامت واہل ارشاد بے شمار در اطراف اقالیم خلائق را رہنما بودہ اند۔''

(ان کے) بے شمار ایسے خلفاء جو ذی کرامت اور صاحب ارشاد تھے مختلف علاقوں

[1] مکتوبات کلیمی۔ م ۷ ص ۱۵ — [2] مناقب فخریہ۔ ص ۹ (قلمی)

Marfat.com

میں خلقت کی رہنمائی کرتے تھے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ ذیل خلفاء خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

(1) خواجہ کامگار خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(2) محمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(3) خواجہ نور الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(4) سید شاہ شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(5) شاہ عشق اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(6) غلام قادر خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(7) محمد یار بیگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(8) محمد جعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(9) بسیر محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(10) کرم علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(11) امام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(12) شیخ محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(13) حافظ مودود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

خواجہ نور الدینؒ:

خواجہ نور الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عزیز خلیفہ تھے۔ شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کی تعریف نہایت شاندار الفاظ میں کی تھی۔ ایک خط میں شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ صاحب کو لکھتے ہیں کہ وہ فنا فی الشیخ میں تمہارے سب خلفاء سے فوقیت لئے ہوئے ہیں اگر عربی علم اور حاصل کرلیں تو

عالمے ازیں مرد روشن شود۔'' م ۷۲ ص ۵۸

ایک عالم اس شخص سے روشن ہوجائے۔

Marfat.com

شاہ کلیم اللہ صاحب نے اِن کو اپنا نیمہ آستین بھیجا تھا[1] اور ایک خط میں لکھا تھا۔
ہمچوں ایں عزیز را باید کہ امتیاز دادہ در تربیتِ باطن ایشاں کوشش بسیار نمودہ۔"[2]
ایسے مرید کے لیے چاہیے کہ مخصوص طریقے پر اس کی باطنی تربیت کی طرف توجہ کی جائے۔

شاہ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ان پر خاص التفات وکرم تھا اس سے کتابیں پڑھوا کر سنتے تھے اور اُن کی باطنی تربیت میں خاص دلچسپی لیتے تھے۔

---

1. مکتوبات کلیمی م ۴۹ ص ۴۷ م ۴۳ ص ۴۲
2. مکتوبات کلیمی ص ۵۵ م ۶۶

Marfat.com

باب سوم

حضرت شاہ فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد شاہ کی دلی ہے۔زوال وانحطاط کے آثار ہر طرف نمایاں ہیں۔قتل و غارت گری کا دور دورہ ہے۔سکھ اور مرہٹے ہر طرف لوٹ مار کرتے پھرتے رہے ہیں۔نادر شاہ کا قتل عام اسی سرزمین پر ہو چکا ہے۔مسلمانوں کا سیاسی اقتدار ہچکیاں لے رہا ہے اور دم توڑنا ہی چاہتا ہے۔جس دور کی ابتداء ایبک و ایلتمش کی رزم آرائیوں سے ہوئی تھی' وہ آج محمد شاہ کی بزم آرائیوں اور ہنگامہ ہائے ناؤ نوش میں ختم ہو رہا ہے۔فلسفہ تاریخ کے مفکر کی یہ صدا فضاؤں میں گونج رہی ہے

آتجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر وسناں اول' طاؤس و رباب آخر

محمد اقبالؒ

اس سیاسی بدامنی اور اخلاقی پستی کے زمانے میں اللہ کے کچھ بندے درس و تدریس کے کام میں مشغول ہیں۔ہوا تیز و تند ہے۔لیکن وہ اپنا چراغ جلا رہے ہیں۔طوفان اُمنڈتا چلا آ رہا ہے' لیکن وہ ہمت نہیں ہارتے اور اپنے کام میں اسی طرح مشغول ہیں۔دہلی میں جس کا عالم بقول حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ تھا کہ

بِهَا مَدَارِسُ لَوْطَافَ الْبَصِيْرُ بُهَا
لَمْ تَفْتَحْ عَلْنَةَ اِلاَّ عَلَى الصُّحُفِ

"جس طرف نکل جایئے اس میں مدارس نظر آئیں گے اور وہاں درس و تدریس کا

Marfat.com

سلسلہ جاری ہوگا۔

دو مدرسے ایسے ہیں جو اس وقت کی دلی کی جان ہیں ایک مدرسہ رحیمیہ [1] جس میں دربار ولی اللّٰہی سج رہا ہے اور ایک زبردست انقلابی تحریک کی داغ بیل ڈالی جارہی ہے اور دوسرا اجمیری دروازہ کا مدرسہ جس میں دکن کا ایک نوعمر عالم کسی روحانی اشارے پر آکر اقامت گزیں ہورہا ہے تقریباً نصف صدی قبل اس نوجوان کے والد کو دہلی کے ایک مشہور بزرگ نے دکن میں تبلیغ واصلاح کے کام کے لیے بھیجا تھا۔ آج اس کا یہ فرزند علم وعرفان کی شمع جلانے کے لیے دکن کو چھوڑ کر دہلی چلا آیا ہے۔ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کر اس کے گرد جمع ہورہے ہیں۔ اس کی جتون میں غضب کا جادو بھرا ہے کہ جس کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھ لیتا ہے وہ اسی کا ہو جاتا ہے۔ جب حدیث کا درس دینا شروع کرتا ہے تو سننے والوں پر ع

فتاد سامعہ در موجہ کوثر و تسنیم

کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ یہ شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ اُن کے والد شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ تھے اور اُن ہی کے حکم کے مطابق وہ دکن چلے گئے تھے۔

---

[1] یہ وہی مدرسہ ہے جس کی نسبت مولوی بشیر الدین احمد صاحب مرحوم لکھتے ہیں:

''اس مدرسے میں چھوٹے چھوٹے مکان بن گئے ہیں، چوہان کسان وغیرہ غریب لوگ رہتے ہیں۔ یہیں ایک چھوٹی سی مسجد آپ (شاہ ولی اللہ) کے نام سے مشہور ہے جس میں آپ نماز پڑھتے تھے۔ اب چونکہ یہ کل جائداد رائے بہار لالہ شیو پرشاد صاحب کی ہے، اس لیے اس گلی پر مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس کا تختہ لگادیا گیا ہے۔''

واقعات دار الحکومت، دہلی

ج ۲ ص ۱٦۷

Marfat.com

ولادت:

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت با سعادت 1126ھ مطابق 1717ء کو بمقام اورنگ آباد ہوئی تھی جب حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب کو اپنے عزیز مرید شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں بیٹا پیدا ہونے کی خبر پہنچی تو آپ بہت خوش ہوئے۔ فخر الدین نام تجویز کیا۔[1] اور اپنا ملبوس خاص نومولود کے لیے عنایت فرمایا۔ ساتھ ہی ساتھ اس بچہ کے شاندار مستقبل کی بشارت دی۔ ایک مجلس میں خود شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا ذکر اس طرح فرمایا:

"حضرت شیخ بعد تولد من رقعہ کہ برائے حضرت صاحب قبلہ نوشد بودند۔ چنانچہ تا حال آں رقعہ پیش ما است، برائے من بسیار بشارات والفاظ زیادہ تر از رتبہ من نوشتہ اند دبہ تصدیق تلفظ ایشاں حق تعالیٰ بر من رحمت کردہ است۔"[2]

حضرت شیخ (یعنی شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے میرے تولد کے بعد جو خط حضرت والد صاحب قبلہ کو لکھا تھا وہ اب تک میرے پاس ہے۔ اس میں میرے لیے بہت سی بشارتیں ہیں اور ایسے الفاظ ہیں جو میرے رتبہ سے بڑھ کر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی کلمات کی برکت سے مجھ پر رحمت فرمائی ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مکتوب میں یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ لڑکا شاہ جہاں آباد میں ہدایت وارشاد کی شمع روشن کرے گا۔[3]

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چار بھائی اور ایک بہن تھی۔ ایک بھائی حقیقی تھے، باقی سوتیلے بڑے بھائی خواجہ کامگار خاں کے مرید تھے۔ باقی تینوں بھائی شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت تھے۔[4]

شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بڑے بھائی بہت سادہ لوح اور نیک

---

1. مناقب فخریہ۔ ص ۸ (قلمی)
2. فخر الطالبین۔ ص ۱۰۷۔ ۱۰۶ (قلمی)
3. مناقب فخریہ ص ۸
4. مناقب فخریہ ص ۹

Marfat.com

طینت انسان تھے۔ شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

''برادر کلان من بسیار سادہ بودند' ومرا بہ لفظ ملا یاد کردند' بر ایں جہت کہ ایشاں اکثرے بے تماشا مشغول می شدند' و بہ ایں ذوق داشتند من اکثر کم حاضری شدم مرا ملامی گفتند۔''[1]

میرے بڑے بھائی بہت سادہ لوح تھے' مجھے مُلا کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے اور وہ اس وجہ سے کہ وہ اکثر تماشہ میں مشغول رہتے تھے اور اس میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے میں اس میں کم شریک ہوتا تھا۔ اس لیے مجھے مُلا کہتے تھے۔

شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے بہن بھائیوں سے بڑی محبت تھی۔ اپنی بہن کو ''اما'' کہا کرتے تھے۔[2] بڑے بھائی کا جب انتقال ہوا تو نہایت رنجیدہ اور غمگین ہوئے۔[3]

سلسلہ نسب اور لقب:

حضرت شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ باپ کی جانب سے ''صدیقی'' تھے اور ماں کی جانب سے ''سید'' ان کی والدہ جن کا نام سید بیگم تھا حضرت سید محمد گیسو دراز کے خاندان سے تھیں۔[4]

حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لقب ''محب النبی'' تھا۔[5] اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ نے خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس لقب سے مخاطب کرتے ہوئے خواب میں دیکھا تھا۔[6]

1۔ فخر الطالبین۔ ص ۱۰۷ (قلمی) 2۔ فخر الطالبین۔ ص ۱۰۷ (قلمی)
3۔ فخر الطالبین ص ۶۰ 4۔ شجرۃ الانوار۔ (قلمی)
5۔ تکملہ سیر الاولیاء ۱۱۴۔ ۱۱۳۔ مناقب فخریہ۔ ص ۴ (قلمی)
6۔ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۱۴۔ ۱۱۳ مناقب المحبوبین ص ۸۱۔ ۴۹۔ ۴۸

Marfat.com

تعلیم:

حضرت شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیم نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی تھی۔ ان کے والد ماجد حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود بڑی ذی علم بزرگ تھے انھوں نے اپنے اس بیٹے کی جس کے شاندار مستقبل کے متعلق حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بشارت دے چکے تھے۔ تعلیم وتربیت کا خاص اہتمام کیا۔ اور اس زمانے کے نہایت ہی مشہور علماء سے ان کی تعلیم کی تکمیل کرائی۔ [1]

شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فصوص الحکم، صدرا، شمس بازغہ وغیرہ کتابیں میاں محمد جان سے پڑھی تھیں۔ میاں محمد جان جید عالم تھے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف پر ان کو بڑا عبور تھا اور اُن کے فلسفہ وحدت وجود ماہر اُستاد تھے۔ [2] انھوں نے شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں بھی امام اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فلسفہ کا ادرک پیدا کر دیا۔ ایک زمانے میں شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فلسفہ وحدتِ وجود کی تشریح میں ایک رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ امام اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے باریک نکات کو عوام خاطر خواہ طریقہ پر نہ سمجھ سکیں گے اور پھر شارح کو بدنام کرنا شروع کر دیں گے، اپنے ارادے سے باز رہے۔ [3]

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہدایہ اپنے عہد کے دوسرے عظیم المرتبت بزرگ مولانا عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھی تھی۔

مولانا عبدالحکیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے زمانے کے مشہور فقیہہ تھے۔ ان کا توکل اور علمی تبحر دونوں مشہور تھے۔ تکملہ میں لکھا ہے۔

"بزرگ خوب عالم بود............ در علم فقہ تمام مہارت داشت وہم توکل بدرجہ اتم بود۔" [4]

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۶

[2] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۶

[3] فخر الطالبین ص ۷۷ (قلمی)

[4] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۷۔ ۱۰۶

Marfat.com

اُن کے زہد و توکل کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات پاجامہ تک اُن کے پاس نہ ہوتا تھا۔ اور وہ ایک "نیمہ" میں گذر اوقات کرتے تھے۔ ایسے بزرگوں کی صحبت سے ظاہر ہے کہ شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کس درجہ استغنا اور توکل کا سبق ملا ہوگا!

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث کی سند دکن کے ایک مشہور محدث حافظ اسعد الانصاری المکی ثم اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کی تھی۔[1] حافظ صاحب شیخ محمد ابراہیم کردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد تھے۔ شیخ کردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جید عالم اور محدث تھے ان کا حال شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انفاس العارفین میں لکھا ہے۔[2]

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی کچھ کتابیں مثلاً شرح وقایہ، مشارق الانوار اور فتحات الانس وغیرہ پڑھی تھیں۔ ان درسی کتابوں کے علاوہ شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دیگر علوم وفنون سے بھی واقفیت حاصل کی، طب اور تیراندازی کے متعلق کتابیں پڑھیں اور فنون سپاہ گری میں مہارت حاصل کی۔ مناقب فخریہ میں لکھا ہے۔

> "ذات پاک کہ جامع جمیع علوم وفنون اند کہ درین فن (سپاہ گری) ہم مہارتے تمام داشتند۔"[3]

بیعت:

شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد ماجد کو اُن سے بیحد محبت تھی۔ اس لیے اصلاح باطن کی جانب خاص توجہ فرماتے تھے۔ بچپن ہی میں ان کو مرید کر لیا تھا۔[4] شاہ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے انتقال کے وقت شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ

---

[1] لاحظہ ہو سند حدیث مندرجہ تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۰۸

[2] انفاس العارفین۔ ص ۲۰۰۔ ۱۹۸

[3] مناقب فخریہ (قلمی) ص ۲۱ [4] فخر الطالبین (قلمی) ص ۱۱۲

Marfat.com

تعالیٰ علیہ کی عمر 16 سال کی تھی۔ باپ نے قاضی کریم الدین کے ذریعے (کہ نسبت خویشی بہ آں جناب داشت ص 10) اپنے جگر گوشے کو پاس بلوایا اور دیر تک اپنے سینہ مبارک سے چسپاں رکھ کر اپنی تمام باطنی نعمتیں اُن کے سینے میں منتقل کر دیں۔ اس کے بعد ان کی روح پر فتوح عالم قدس کی طرف پرواز کر گئی۔ [1]

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابھی تکمیل علوم نہیں کی تھی۔ باپ کے وصال کے تین سال بعد تک تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ [2]

لشکر میں ملازمت:

تعلیم سے فراغت پانے کے بعد۔ باپ کے سجادہ پر بیٹھنے کے بجائے شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لشکر میں ملازمت کر لی۔ لیکن درویشی فطرت کا تقاضہ تھا۔ اس لیے اس کو کسی طرح نہ ٹال سکتے تھے۔ اگر دن تیغ وسنان کی جھنکاروں میں گذرتا تھا تو رات رکوع وسجود میں۔ مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تمام تمام رات خیمہ میں عبادت کرتے رہتے تھے۔ [3] آپ کو اس زمانے میں اخفائے حال کی بڑی فکر رہتی تھی۔ آپ انتہائی سخت ریاضت اور محنت کرتے تھے' لیکن کسی کو اس کی خبر تک نہ ہوتی تھی۔ جو لوگ آپ کی ظاہری حالت کو دیکھتے تھے وہ کبھی اس بات کا گمان بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہ شخص اس قدر اعلیٰ روحانی مراتب طے کر چکا ہے۔ آخری زمانے میں ایک مرتبہ اپنی سابقہ ریاضتوں کے متعلق فرمانے لگے:

"من در ایام سابقہ محنت در مشغولی ہم بسیار کردہ ام۔" [4]

مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ آپ نے آٹھ سال تک رات دن مشقیں اُٹھائی تھیں۔ [5] لشکر میں آپ نظام الدولہ ناصر جنگ اور ہمت یار خاں [6] کے ساتھ رہتے

---

[1] مناقب فخریہ (قلمی) ص ۱۰
[2] مناقب فخریہ (قلمی) ص ۱۰
[3] مناقب فخریہ۔ ص ۱۲ (قلمی)
[4] فخر الطالبین ص ۲۱ (قلمی)
[5] فخر الطالبین۔ ص ۱۱ (قلمی)

(فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

Marfat.com

تھے۔ مناقب فخریہ میں لکھا ہے:

بہ صحبت نواب نظام الدولہ ناصر جنگ عم مغفور راقم عفی اللہ عنہ و ہمت یار خاں غفر اللہ اوقات بسر بردند و فوج کشی ہا و شمشیر زنی ہا نمودند و صوم دائمی درآں حالت می داشتند۔"[1]

میرے چچا نواب نظام الدولہ ناصر جنگ اور ہمت یار خاں کے ساتھ رہتے تھے' فوج کشی اور شمشیر زنی کرتے تھے' اور اسی حالت میں ہمیشہ روزے بھی رکھتے تھے۔

لشکر میں گو آپ نے اپنے کمالات کو پوشیدہ رکھنے کی انتہائی کوشش کی لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔ جب شہرت بڑھنے لگی تو آپ لشکر کو چھوڑ کر اورنگ آباد چلے گئے۔

اورنگ آباد میں قیام:

اورنگ آباد پہنچ کر شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والد کے سجادۂ مشیخت پر جلوہ افروز ہو گئے۔ اس زمانے میں بھی آپ کا یہ اصول تھا کہ حتی المقدور اظہارِ حال سے گریز فرماتے تھے اور اپنے کمالات کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے' لیکن جس خانقاہ اور سجادہ سے آپ متعلق تھے وہاں اخفاء حال آسان نہ تھا۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو آپ کے کمالاتِ باطنی اور ریاضاتِ شاقہ کا علم ہوا' اور ساتھ ہی ساتھ عقیدت مندوں کا ہجوم بڑھنا شروع ہو گیا لکھا ہے:

"روبروز شہرت در افزائش شد۔ آں حضرت دیدند کہ تمام ملک دکن اشتہار شد۔ خواستند کہ بجائے دیگر عزم فرمایند و ستر حال را بحال دارند۔"[2]

(فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ)

ہمت یار خاں۔ آصف جاہ اوّل کے نہایت ہی معتمد سپہ سالاروں میں تھا اور متعدد اہم جنگوں میں اُن کے ساتھ رہا تھا ملاحظہ ہو۔

Nazam Ul Mulk Asaf Jah I By Dr. Yusf Hussain Khan P. 159

۱۷۴۲ء میں کرنول کے باغی سردار نے قتل کر دیا تھا (ID ID P 251)

[1] مناقب فخریہ ص ۱۱ [2] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۹

Marfat.com

روز بروز شہرت بڑھنے لگی۔ حضرت شیخ نے جب دیکھا کہ تمام ملک دکن میں مشہور ہو گئے تو چاہا کہ کسی دوسری جگہ چلے جائیں اور اپنے حال کو پوشیدہ رکھیں۔

لیکن اورنگ آباد چھوڑنا بھی ان کے لیے آسان نہ تھا۔ جب وہاں سے روانگی کا ارادہ کرتے تو دل میں خیال آتا کہ یہاں میرے والد اور مرشد کا مزار ہے۔ آخر کس طرح اس کو چھوڑ کر چلا جاؤں۔ اس کے بعد پھر ارادہ فسخ کر دیتے۔ اسی کش مکش میں تھے کہ خواب میں شاہ نظام الدین صاحب اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ شعر پڑھتے ہوئے دیکھا ؎

شہِ اقلیم فقرم بے خودی تختِ روانِ من
نہ چوں فرہاد مزدورم نہ چوں مجنوں زمیندارم [1]

پھر عارف روم کے اس مصرعے سے کچھ استقلال پیدا ہوا۔

بند بگسل باش آزاد اے پسر

مذبذب ارادے میں پختگی پیدا ہو گئی اور انھوں نے اورنگ آباد کو خیر باد کہنے کا تہیہ کر لیا۔ [2]

دہلی کو روانگی:

ایک دن آپ اپنے دو ملازم' قاسم اور حیات کے ساتھ اورنگ آباد سے پیادہ پا چل کھڑے ہوئے۔ مناقب فخریہ میں آپ کی روانگی کا سنہ 1160ھ درج ہے۔ [3] مناقب المحبوبین میں 1165ھ لکھا ہے اور نواب غازی الدین خاں کی مثنوی کے ان اشعار سے سند لی گئی ہے ؎

بود سالے کہ فرخ و میموں
شصت و پنج و ہزار صد افزوں

---

1. مناقب فخریہ ص ۱۶ - 2. تکملہ سیر الاولیاء - ص ۱۰۹ - فخر الطالبین ص ۱۲۱
3. مناقب فخریہ - ص ۲۲

Marfat.com

فخر دیں باقدوم سعد وسعید
دہلی کہنہ رانوا بخشید [1]

اس سفر کا حال نظام الملک نے فخریۃ النظام میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔[2] دہلی میں ایک بڑھیا نے آپ کو اپنے یہاں ٹھہرایا۔ یہاں مکان کے قریب ایک بت خانہ تھا۔ ہندو بھی آپ سے عقیدت مندی کا اظہار کرنے لگے۔[3] یہاں سے چلے تو حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ اور وہاں کی مسجد میں معتکف ہو گئے۔[4] پھر اپنے سلسلہ کے دیگر بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہوتے ہوئے حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر پہنچے حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند نہایت محبت سے پیش آئے۔ تین دن تک اُن کے مہمان رہے۔ اس کے بعد کڑہ پہلیل [5] میں ایک حویلی کرائے پر لے لی، اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مناقب فخریہ میں لکھا ہے۔

"آں حضرت در کڑہ پہلاں حویلی بہ کرایہ گرفتند و آں مکاں بہ قدوم ایں گلبن رعنا رشک افزائے گلزار شد۔ و دراں محل شغل تدریس در پیش کردند۔[6]

یہاں بیعت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ دور دور سے لوگ آپ کی خدمت میں آنے لگے۔ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا بیٹا اور شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سلسلے کا بزرگ دہلی میں غیر معروف اور گمنام نہیں رہ سکتا تھا۔ دہلی کے باشندے دونوں بزرگوں سے عقیدت اور ارادت رکھتے تھے۔ یہیں قیام کے زمانے میں شیخ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جنہوں نے اٹھارویں صدی میں سلسلہ چشتیہ کو پنجاب میں پروان

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۵۰

[2] مناقب فخریہ۔ ص ۱۷، تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۰۹۔ فخریۃ النظام دستیاب نہ ہو سکی۔

[3] مناقب فخریہ۔ ص ۱۸ [4] مناقب فخریہ۔ ص ۲۰ [5] شجرۃ الانوار میں اس کڑہ کا نام بہلولپیل لکھا ہے۔ [6] مناقب فخریہ۔ ص ۲۰

Marfat.com

چڑھایا۔ آپ کے حلقہ مریدین میں شامل ہوئے۔[1] ان کے علاوہ حافظ محمد قاسم جو شاہ عالم بادشاہ کے امام جماعت تھے۔ اُن کے مرید ہوئے۔[2] مرزا حسین اکبرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو فنون سپہ گری میں یگانہ روزگار تھے کھچ کر آپ کے قدموں میں آ گئے اور مرید ہو گئے۔[3]

پاک پٹن شریف کا سفر:

دہلی آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پاک پٹن شریف کا ارادہ کر دیا۔ دکن سے روانگی کے وقت انھوں نے اجمیر شریف میں قیام کیا تھا۔ دہلی میں اپنے سلسلے کے سب بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہو چکے تھے۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری نہ ہوئی تھی، اس لیے پاک پٹن شریف کا اردہ کیا پاک پٹن کا یہ سفر جس طرح پورا کیا وہ عقیدت وارادت کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ میلوں کی پیادہ پا مسافت سے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں لیکن چلے جا رہے ہیں۔ جب بالکل ہی مجبور ہو جاتے ہیں تو ٹھہر تے ہیں، اور آبلوں پر مہندی لگاتے ہیں۔ ابھی پورا آرام نہیں ہو پاتا کہ پھر چل پڑتے ہیں۔

شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔ پاک پٹن شریف سے کچھ دور ایک گاؤں میں رات کو دونوں ٹھہر گئے۔ صبح ہوئی تو شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مرشد کو نہ پایا۔ تلاش کیا تو صرف نعلین مبارک پڑی ہوئی ملیں۔ بہت تشویش ہوئی۔ آخر بڑی جستجو کے بعد پتہ چلا کہ آپ پاک پٹن شریف پہنچ چکے ہیں۔ اور بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے احترام میں اپنی نعلین اس گاؤں میں چھوڑ گئے ہیں۔[1]

---

[1] مناقب فخریہ۔ ص ۲۰۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ قبلہ عالم فرمایا کرتے تھے۔
"اول کسیکہ بیعت از مولانا در دہلی کرد من بودم۔" ص ۸۳

[2] مناقب فخریہ۔ ص ۲۱
نیز شجرۃ الانوار۔ (قلمی)

(۳) مناقب فخریہ ص ۲۱، تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۱۲۔ ۱۱۱

Marfat.com

پاک پٹن شریف میں شیخ محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ نشین تھے۔انھوں نے نہایت محبت کا برتاؤ کیا۔شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزار کے قریب ایک حجرہ میں ٹھہر گئے اور عبادت میں مشغول رہنے لگے۔یہاں ہر شب کو ایک ہزار رکعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔[2]

پاک پٹن شریف سے جب واپسی ہوئی تو راستے میں فرمانے لگے کہ دکن کی طرف سے دل میں کچھ تشویش سی پیدا ہو رہی ہے۔چند ہی دن میں معلوم ہو گیا کہ نواب نظام الدولہ ناصر جنگ جن سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو روحانی تعلق تھا شہید کردیے گئے۔[3] دہلی واپسی پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ دن کڑہ چھیلیل ہی میں گزارے۔اس کے بعد اجمیری دروازہ کے مدرسہ میں منتقل ہو گئے اور وہاں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔[4]

درس وتدریس:

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اجمیری دروازہ کے جس مدرسہ میں درس وتدریس کا کام شروع کیا۔وہ امیر غازی الدین خان فیروز جنگ کا بنوایا تھا۔[5] اس

---

1. تکملہ سیر الاولیاء ۔ ص ۱۱۲۔ ۱۱۱
2. تکملہ سیر الاولیاء ۔ ص ۱۱۲
3. مناقب فخریہ۔ص ۲۵۔ ۱۷ محرم ۱۱۶۴ھ کو وہ پانڈی چری کے معرکہ میں شہید ہوئے نظام الملک آصف جاہ اول کے صاحبزادے تھے۔خلد آباد میں حضرت برہان الدین اولیا زری زر بخش کے احاطہ میں دفن کیا گیا۔شعر و سخن کا اچھا مذاق تھا۔ناصر تخلص کرتے تھے۔آزاد بلگرامی سے مشورہ سخن کرتے تھے اُن کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں۔
4. مناقب فخریہ۔ ص ۲۵
5. ملاحظہ ہو۔ ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں از مولوی ابو الحسنات ندوی ص ۲۸۔ ۲۷ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے:

(فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

Marfat.com

مدرسہ میں بیٹھ کر آپ نے صرف چند درسی کتابوں کو پڑھانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حقائق و معارف کے وہ دریا بہائے کہ بقول مصنف مناقب فخریہ۔

.........سینہ ہائے کنوز حقائق دولہائے معاون معارف گشت خفتگاں بیدار وبے ہوشاں ہوشیار گشتند و بے خبراں باخبر و بے اثراں بااثر گردیدند' دلِ مردگاں زندہ' دل زندگاں بسمل شدند' بازار عشق ومحبت الٰہی گرم شد و دریائے شوق و ذوق موجہائے زد۔'' [1]

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا ذکر آپ کے درس کے سلسلہ میں متعدد جگہ آیا ہے۔ [2] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاص طور سے ان ہی احادیث کا درس دیتے تھے۔ اس مدرسہ کا نظام کچھ اس طرح تھا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن لوگوں کو حدیث کا درس دیتے تھے وہ دوسرے طالب علموں کو معقول و منقول کی تعلیم دیتے تھے۔ سید احمد کے ذکر میں لکھا ہے:

''خود صحیح مسلم در جناب اقدس تلمذی کنند و در خدمت حدیث مشغول اند۔ و درس

(فٹ نوٹ کا بقیہ حصہ)

''در مدرسہ خورد نواب غیاض الدین خاں مرحوم کہ بیروں اجمیری دروازہ واقع است سکونت ورزید ند وارشاد و تدریس اشتغال نمودند' مرجع خاص وعام شدند۔''

شجرۃ الانوار سے جو معاصر تذکرہ ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دو مدرسے تھے مدرسہ کلاں اور مدرسہ خورد۔

[1] مناقب فخریہ۔ ص ۲۵

[2] فخر الطالبین۔ ص ۲۲۔ ص ۲۱۔ ص ۳۲

شجرۃ الانوار سے معلوم ہوتا ہے کہ مشکوٰۃ بھی درس میں رہتی تھی۔

''روزے در خدمت سراسر برکت حاضر بودم آں روز درس مشکوٰۃ شریف بود۔''

مولوی عبدالحی صاحب مرحوم نے اس دور میں ہندوستان کا جو نصاب تعلیم متعین کیا ہے اس میں حدیث میں صرف مشکوٰۃ المصابیح کا نام ہے (الندوہ فروری ۱۹۰۹ء ص ۱۳) شاہ فخر الدین صاحبؒ کے حالات و ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم اور بخاری بھی بعض مدارس میں رائج تھیں۔

Marfat.com

کتب معقول ومنقول باشاگرداں می دہند وشب وروز مصروف بہ حکم مولانا در تعلیم و تعلم۔"[1]

وہ خود حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں صحیح مسلم کا مطالعہ کرتے ہیں اور خدمت حدیث میں مشغول ہیں۔ اور منقول ومعقول کی کتابوں کا درس دوسرے شاگردوں کو دیتے ہیں رات دن مولانا کے حکم سے پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں۔

بعض خاص شاگردوں کو حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابتدائی کتابیں بھی پڑھادیا کرتے تھے۔ میر بدیع الدین کو جو آپ کے بہت عزیز شاگرد اور مرید تھے آپ نے میزان سے لے کر صحیح بخاری تک پڑھائی تھی۔[2] ایک مرتبہ آپ سفر السعادت کا مطالعہ فرمارہے تھے۔ اس کے بعض مقامات حاضرین کو بھی سنائے جاتے تھے۔ سناتے سناتے فرمانے لگے:

"دریں ایام دل می خواہد کہ ایں کتاب را بہ شخصے از یاراں درس گویم۔" "میر بدیع الدین خود بخاری می خوانند، سید احمد صحیح مسلم، بکہ بایدگفت۔"[3]

ان دنوں جی چاہتا ہے کہ یہ کتاب کسی مرید کو پڑھاؤں میر بدیع الدین بخاری پڑھتے ہیں۔ سید احمد صحیح مسلم۔ (ب) کس کو پڑھائی جائے۔

آپ کے اس سوال پر مصنف مناقب فخریہ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔

رمضان کے مہینے میں علوم درسی کی تعلیم مدرسہ میں بند رہتی تھی لیکن حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا درس حدیث جاری رہتا تھا آخری دنوں میں یہ بھی موقوف ہوجاتا تھا۔ کیونکہ شاہ صاحب ان دنوں میں معتکف ہوجاتے تھے۔[4]

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس مدرسے میں دور دور سے طلباء آتے تھے۔ اکثر مشہور مریدین آپ کے مدرسہ کے طلباء ہی تھے۔ آپ کی تعلیم کی خصوصیت

---

[1] مناقب فخریہ۔ ص ۲۳ [2] فخر الطالبین۔ ص ۳۱
[3] فخر الطالبین۔ ص ۳۱ [4] فخر الطالبین۔ ص ۴۸۔۴۷

Marfat.com

یہ تھی کہ اس پر باطنی اصلاح کا رنگ غالب تھا۔ سلوک کی تعلیم اس نصاب اور درس کا خاص حصہ تھی۔ شاہ عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب تحصیل علم کے لیے دہلی آئے تو سب سے پہلے شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی کے مدرسے میں حاضر ہوئے۔ اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے علوم ظاہر کی تعلیم کی درخواست کی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیا۔ جمعیتِ خاطر کے ساتھ باقی کتابوں کو پڑھ لو علم حاصل ہو جائے گا۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس وقت علم ظاہر کی طرف بہت زیادہ رغبت تھی۔ یہاں سلوک اور تجلیہ باطن پر خاص زور تھا۔ اس لیے مولانا چند دن دہلی قیام کرنے کے بعد رام پور چلے گئے۔

جس زمانے شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اجمیر دروازہ کے مدرسے میں درس و تدریس میں مشغول تھے اور حقائق و معارف کے دریا بہا رہے تھے دہلی میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مدرسہ اپنے پورے عروج پر تھا۔ شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مدرسے میں تصوف کا رنگ غالب تھا اور سلوک و علم باطن کی طرف زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ فتاوے عالمگیری کے مرتب (شاہ عبدالرحیم) کے مدرسہ میں احسان و سلوک کے ساتھ علم ظاہر پر خاص زور تھا۔ اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک زبردست انقلابی تحریک کو آگے بڑھانے کی کوشش کی جارہی تھی۔

علمی ذوق:

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت اعلیٰ علمی ذوق پایا تھا' بیشتر وقت مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ کتابوں کے حاصل کرنے اور جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ حد یہ تھی کہ اگر قرض بھی ہاتھ آجاتی تھی تو خرید لیتے تھے۔ آپ کا نہایت عمدہ کتب خانہ تھا۔ فخر الطالبین میں لکھا ہے:

مگر کتب ہارا کہ حضرت صاحب بسیار دوست می دارند' و اگر قرض ہم بدست آید خرید می فرمایند' و بفضل الٰہی' اکنوں کتاب خانہ بسیار در سرکار است [1]

[1] فخر الطالبین۔ ص ۹۶

Marfat.com

لیکن کتابوں کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بہت دوست رکھتے ہیں۔ اگر قرض بھی ہاتھ آ جاتی ہیں تو خرید لیتے ہیں۔ بفضل الٰہی سرکار کے کتب خانے میں بہت سی کتابیں ہیں۔

کوئی نہ کوئی کتاب آپ کے سامنے رہتی تھی۔ کبھی حدیث بیان فرماتے، کبھی عوارف المعارف سناتے۔ [1] فوائد الفواد سے تو اتنا عشق تھا کہ ہر وقت سینے سے لگی رہتی تھی۔ [2]

تصانیف:

حضرت شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تین کتابیں تصنیف فرمائی تھیں۔

(1) نظام العقائد

(2) رسالہ مرجیہ

(3) فخر الحسن

یہ تینوں کتابیں ان کی علمیت اور محققانہ قابلیت کی آئینہ دار ہیں۔ سر سید نے لکھا ہے: ان کا دیکھنا آپ کی ممارستِ علمی پر دلیل قاطع اور برہان ساطع ہے۔ [3]

نظام العقائد، علم عقائد پر ہے۔ اس میں نہایت عمدگی اور اختصار سے اسلام کے بنیادی عقائد پر بحث کی گئی ہے سبب تالیف یہ بتایا ہے، کہ پاک پٹن شریف میں بعض اعزہ و احباب نے اصرار کیا کہ عقائد اہل سنت والجماعت کو بموجب مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاف عبارت میں بیان کر جائے۔ تعمیل میں یہ کتاب لکھی گئی۔ طرز بیان سادہ اور دل کش ہے۔ [4] رسالہ مرجیہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مشہور

---

[1] شجرۃ الانوار [2] مناقب فخریہ۔ ص ۳۳

[3] آثار الصنادید باب چہارم ص ۳۳

[4] فارسی اصل اور اردو ترجمہ دونوں علیحدہ علیحدہ شائع ہو چکے ہیں ظرف الفوائد ترجمہ نظام العقائد (مطبع رضوی، دہلی

Marfat.com

کتاب غنیۃ الطالبین کے ایک بیان کی تشریح میں لکھا گیا ہے۔ حضرت غوث الاعظم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حنفیہ کو فرقہ مرجیہ میں شمار کیا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ آنحضرت کا کلام نہیں ہے۔ بلکہ ملحقات سے ہے۔ حضرت شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ حضرت ہی کا کلام ہے۔ لیکن اس جملہ سے ان کا اصلی مقصود وہ نہیں جو عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ لکھا ہے کہ فرقہ مرجیہ نے رحمت الٰہی کے غلبہ میں بہت مبالغہ کیا ہے اور مضمون غضب کو فراموش کر دیا ہے اور حنفیہ فی الجملہ رحمت کو غلبہ دیتے ہیں۔ اس مناسبت سے انھوں نے حنفیہ کا ذکر فرقہ مرجیہ میں کیا ہے۔ لیکن حنفیہ اس قدر رحمت کو غلبہ نہیں دیتے جیسا کہ دوسرے فرقہ مرجیہ دیتے ہیں۔ اس سبب سے ''زائغ عن الحق'' (حق سے ہٹے ہوئے) نہیں ہیں۔

تیسری کتاب فخر الحسن ہے جو شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک بیان کی تردید میں لکھی تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انتباہ میں یہ اعتراض کیا تھا کہ چشتیہ سلسلہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک متصل نہیں ہوتا کیونکہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بہت کم عمر تھے اور کم عمری میں ان کو روحانی خلافت کس طرح مل سکتی تھی [1] شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فخر الحسن میں اس بیان کی تردید کی ہے اور محد ثانہ کلام کیا ہے اور بتایا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خلافت ملی تھی اور یہ اعتراض غلط ہے۔ شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ مولانا عبدالعلی بحر العلوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب اس رسالے کو دیکھا تو فرمایا کہ احسن اعتقاد کے ساتھ ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ بزرگوں نے لکھا ہے حق ہے لیکن یہ تحقیق جو

---

[1] قول الجمیل میں بھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس شبہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے حاشیہ قول الجمیل میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی ملاقات حضرت علیؓ سے باعتبار تاریخ ثابت نہیں۔

Marfat.com

مولانا نے کی ہے ہم کو معلوم نہ تھی۔[1]

فخر الحسن میں احادیث کی متداول کتب اور شروح کے علاوہ اِن کتابوں کے حوالہ موجود ہیں جن سے ان کے علمی تبحر اور وسعتِ مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔

(1) تاریخ صغیر بخاری
(2) تہذیب الکمال مزی
(3) شروط الائمہ حازمی
(4) تہذیب الاسماء واللغات نودی
(5) سنن کبریٰ بیہقی
(6) تاریخ خطیب بغدادی
(7) حلیۃ الاولیاء
(8) تقریب نودی
(9) تاریخ الاسلام ذہبی
(10) مراۃ الجنان یافعی رحمۃ اللہ علیہ
(11) سنن دار قطنی
(12) کتاب الثقات ابن حبان
(13) فتح الباری
(14) تدریب الراوی
(15) منہاج السنہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

گذشتہ صدی کے ایک مشہور عالم مولانا احسن الزماں حیدر آباد مرید و خلیفہ مولانا محمد علی خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قول المستحسن فی شرح فخر الحسن کے نام سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس تصنیف کی مبسوط شرح عربی میں لکھی تھی۔ مناقب حافظیہ میں لکھا ہے کہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب نے فخر الحسن کا جواب لکھنا چاہا لیکن نہ لکھ سکے۔[2]

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کتاب کو لکھنے کے بعد اپنی مجلس میں جستہ جستہ سنوایا تھا۔ مصنف مناقب فخریہ نے فخر الحسن نام تجویز کیا تھا۔ جو شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نہایت خوشی اور ''بشاشت'' سے پسند فرمایا تھا۔[3]

---

[1] مناقب حافظیہ۔ ص ۲۰۷

مولانا بحر العلوم (المتوفی ۱۸۱۹ء) کو مولانا سید سلیمان ندوی نے ابن خلدوں اور شاہ ولی اللہ صاحب کے طبقہ میں گنا ہے

[2] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۰۷ [3] مناقب فخریہ۔ص ۹۸۔ ۹۷

Marfat.com

ان تصانیف کے علاوہ ایک زمانے میں حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کچھ خطوط بھی دستیاب ہوتے تھے۔اب صرف ایک خط مناقب المحبوبین میں محفوظ ہے۔جس میں اتباع شریعت کی تلقین کی گئی ہےاور وحدتِ وجود کے بعض نکات کو واضح کیا گیا ہے۔

معمولات اور نظام اوقات:

حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے معمولات کے بہت پابند تھے۔ جن مزارات پر حاضری یا جس کام کی بجا آوری انھوں نے اپنے آپ پر لازم قرار دے لی تھی اس کی پابندی کرتے تھے۔اُن کے زمانے میں دہلی میں آئے دن ہنگامے ہوتے رہتے تھے لیکن وہ کبھی اپنے معمولات میں فرق نہ آنے دیتے تھے۔فخر الطالبین میں لکھا ہے:

''ہنگامہ ہا در شہر می شوند تا ہم معمول خود را ناغہ نمی کنند۔''[1]

شہر میں ہنگامے ہوتے رہتے ہیں لیکن وہ اپنے معمولات کو ناغہ نہیں کرتے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فجر کی نماز کے بعد اپنے حجرے میں تشریف لے جاتے تھے۔تین چار گھڑی دن نکلے تک وہیں رہتے تھے۔اس وقت کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔اس کے بعد وہ حجرے سے باہر مجلس میں آکر بیٹھتے تھے۔اس وقت یاران ومخلصاں سب حاضر خدمت ہوتے تھے۔اس کے بعد حدیث یا عوارف المعارف کا درس شروع ہوتا تھا۔کوئی شخص اس کی عبارت پڑھ دیتا' اور آپ اس پر تقریر فرماتے تھے۔ پھر کھانے کا وقت ہو جاتا۔قیلولہ کے وقت امیر کلو یا نتھو موجود ہوتے تھے۔اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کوئی کتاب سینہ پر رکھ کر مطالعہ میں مصروف ہو جاتے تھے۔اکثر یہ کتاب فوائد الفواد ہوتی تھی۔اس کے بعد نماز ظہر باجماعت ادا فرماتے تھے۔تمام یاران مدرسہ بھی جماعت میں شریک ہوتے تھے۔آپ ہر ایک سے نہایت ''خندہ روئی'' اور ''بشاشت'' سے گفتگو فرماتے تھے۔جمعہ اور سہ شنبہ کو مولوی عظمت اللہ صاحب سے بلا ناغ مثنوی مولانا

---

[1] فخر الطالبین ص ۱۳۰

Marfat.com

روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سنتے تھے۔ اس مجلس میں سوائے خاص مریدوں کے کسی کے آنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ تینوں طرف کے دروازے ''مقفل'' کر دیے جاتے تھے۔[1]

رمضان المبارک کے مہینے میں حفاظ وغیرہ کے لیے خاص بندوبست ہوتا تھا اور ایسی رونق رہتی تھی کہ:

''در رمضان شریف ہر روزے ارباب عبادت در ظل عاطفت مثل عید و ہر شے در افطار و تراویح ہمہ چو شب قدر۔''[2]

رمضان شریف کے زمانے میں اربابِ عبادت کے دن مثل عید اور رات 'شب قدر کی طرح ان کے ظل عاطفت میں بسر ہوتی تھی۔

آپ کا معمول تھا کہ 27 رمضان کو سرائے عرب چلے جاتے تھے' اور قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ یا نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں معتکف ہوتے تھے۔[3]

لباس اور خوراک:

جب باہر تشریف لے جاتے تو دستار' جامہ اور دوپٹہ زیب تن ہوتا۔ جب گھر میں تشریف فرما ہوتے تو جبہ و کلاہ استعمال فرماتے۔ سردی کے موسم میں فرغل اور دوشالہ بھی استعمال فرما لیتے تھے۔ شروع زمانے میں ایک تلوار اور کٹار دکھنی بھی اپنے پاس رکھتے تھے۔[4]

شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خوراک بہت کم تھی۔ اکثر پرہیزی کھانا کھاتے تھے۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے:

ایں قدر کم خور شخصے کم خواہد بود[5]

اتنا کم کھانے والا شاید ہی کوئی شخص ہو

---

1. شجرۃ الانوار ص (قلمی)
2. تکملہ سیر الاولیاء ۔ ص ۱۱۸
3. تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۱۸
4. مناقب فخریہ۔ ص ۴۳
4. مناقب المحبوبین۔ ص ۹۷
5. تکملہ سیر الاولیاء ۔ ص ۱۱۹

Marfat.com

اخلاق:

حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ ہر چھوٹے بڑے سے انتہائی خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ کسی کو مصیبت میں دیکھتے تو جب تک اس کی مدد نہ کر لیتے چین نہ پڑتا۔ ایک مرتبہ حج کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ جب جہاز میں سوار ہونے لگے ایک بڑھیا نے بڑھ کر سوال کیا اور عرض کیا مجھے لڑکی کی شادی کرنی ہے اور میرا حال یہ ہے کہ فاقے کرتی ہوں، کس طرح یہ کام انجام دوں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ سنتے ہی جہاز سے اپنا سامان اُتار لیا اور جو کچھ زادِ راہ تھا، اس بڑھیا کے حوالے کر دیا، اور خود وطن واپس آ گئے۔[1]

حضرت شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی شخص کو رنجیدہ یا ملول نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہر آنے والے کی دل جوئی کرتے تھے اور ہمیشہ یہ کوشش کرتے تھے کہ آپ کے پاس سے کوئی شخص رنجیدہ خاطر نہ جائے۔ آپ کے اخلاق سے دشمن تک متاثر ہوتے تھے۔ لوگ آپ کی جان لینے کی فکر میں جاتے، لیکن جب آپ سے ملتے تو بقول مصنف مناقب فخریہ ؎

اے برترا ز سپہر و مہہ و مہر جاہِ تو
گردن کشاں مسخرِ تیر نگاہ تو[2]

ایک افغانی آپ کی خانقاہ میں آیا اور آپ پر حملہ کیا۔ خدا نے ہاتھ پکڑ لئے آپ نے فرمایا۔ ہاتھ چھوڑ دو اور اپنا سر مبارک زمین پر ڈال کر فرمایا۔

"ما حاضریم ہر چہ بخاطر شماست بکنید۔"[3]

ہم حاضر ہیں جو کچھ تمہارے جی میں ہے کرو۔

وہ شخص اس وقت شرمندہ ہو کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دو آدمیوں کو اور اپنے ساتھ

1۔ شجرۃ الانوار　2۔ مناقب فخریہ۔ ص ۵۱
3۔ مناقب فخریہ۔ ص ۵۲

Marfat.com

لایا۔ اس کو دیکھتے ہی آپ تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ ''صاحب بخیر و عافیت؟'' ان الفاظ کا زبان سے نکلنا تھا کہ اخلاق کا وہ ہتھیار جو پہلی بار اُچٹتا ہوا لگا تھا اپنا کام کر گیا۔ اور ان لوگوں نے ''سنگ ہائے حویلی'' پر اپنے سر اور پیر کوٹ کوٹ کر معافی مانگی۔[1]

مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر چھوٹے بڑے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ علالت اور ''امراضِ شدید'' میں بھی آپ اسی طرح آنے والے کا استقبال کرتے۔[2] مصیبت میں ہر شخص کی دست گیری کے لیے تیار رہتے۔ لوگوں کی خوشی اور غم میں شرکت فرماتے۔ اگر کسی غریب کے یہاں کوئی تقریب یا غمی ہوتی تو کئی کئی بار تشریف لے جاتے' اور اپنے مریدین و معتقدین کو ہدایت فرماتے کہ وہ وہاں ضرور جائیں۔ تاکہ

''خاطر او مطمئن شود و غم از یں تفقداتِ کریمانہ برطرف گردد۔''[3]

بیمار کی عیادت کرنی ہوتی تو یہی طریقہ اختیار فرماتے۔ خود کئی کئی بار جاتے اور اپنے مریدین کو ہدایت کرتے کہ وہ بار بار مزاج پرسی کے لیے جائیں۔[4] ایک مرتبہ اکبر آباد کے ایک پُرانے دوست مرزا غلام حسین علاج کی غرض سے دلی آئے تو آپ نے اُن کی حد درجہ نگرانی اور امداد کی۔ ایک علیحدہ مکان سکونت کے لیے دیا۔ طبیب معالجہ کے لیے مقرر کیا اور کئی بار خود اُن کی مزاج پرسی کے لیے جاتے تھے۔[5]

جو لوگ روزانہ اور پابندی سے آنے والے تھے اُن کی غیر حاضری سے پریشان ہو جاتے اور اُن کی خیریت معلوم کرنے کے لیے بے چین رہتے دو روز پیرا خاکروب نہیں آیا تو بہت متفکر ہوئے۔ جب معلوم ہوا کہ وہ بہت بیمار ہے تو فوراً اُسے دیکھنے کے لیے

---

۱ مناقب فخریہ۔ ص ۳۱ ۲ مناقب فخریہ۔ ص ۳۱
۳ مناقب فخریہ۔ ص ۳۱ ۴ فخر الطالبیں۔ ص ۲۴
۵ فخر الطالبین۔ ص ۲۴

Marfat.com

تشریف لے گئے۔ بہت محبت سے اُس کا حال دریافت کیا۔ میر حسن حکیم کو علاج کے لیے مقرر کیا اور نقد انعام دینے کے بعد فرمایا۔

میاں پیر محمد! شما کہ از دو روز نیامدید واز فقیر کہ در پرسش احوال شما تاخیر واقع شد معاف خواہند فرمود۔"[1]

میاں پیر محمد! تم جو دو روز نہیں آئے اور فقیر سے اس زمانے میں پرسش احوال میں تاخیر ہوئی۔ اس کو معاف فرما دو۔

اخلاق کی ان ہی بلندیوں کو دیکھ کر مناقب فخریہ کا مصنف بے اختیار پکار اُٹھتا ہے۔

بہ دلی مظہر ماہِ حجازی
تو گوئی نائب شاہِ حجازی[2]

مشہور ہے کہ ایک مرتبہ دلی کے ایک شخص نے اپنے زمانے کے تین بڑے بزرگوں کے اخلاق کا امتحان کرنا چاہا۔ اُس نے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مدعو کیا۔ تینوں بزرگ اس کے مکان پر پہنچ گئے۔ میزبان زنانے مکان میں کھانا لینے کے لیے گیا۔ کئی گھنٹے بعد واپس آیا۔ اور بیوی کی علالت کا عذر کر کے کچھ پیسے ان تینوں بزرگوں کو دئے شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ پیسے کھڑے ہو کر لئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے بیٹھ کر مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہہ کر کہ تم نے مجھے بڑی تکلیف پہنچائی۔

مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہایت صادق القول بزرگ تھے۔[3] وعدہ بہت کم کرتے تھے، لیکن جب کر لیتے تو

"ایفائے آں بے قرار بودند۔"[4]

---

[1] مناقب فخریہ۔ ص ۳۷   [2] شجرۃ الانوار

[3] مناقب فخریہ۔ ص ۴۳   [4] مناقب فخریہ۔ ص ۴۳

Marfat.com

شیخی اور اظہار بزرگی سے آپ کو سخت تنفر تھا۔ جب کسی دعوت یا جلسہ میں تشریف لے جاتے تو لوگوں کو ساتھ چلنے کی اجازت نہ دیتے۔ اس سے نمائش ہوتی تھی اور یہ آپ کو پسند نہ تھی۔ حکم تھا کہ لوگ علیحدہ علیحدہ منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔[1]

کوئی آپ کی تعریف کرتا تو ناپسند فرماتے۔ کوئی مرید اگر ہاتھ باندھ کر یا گردن جھکا کر ادب یا تعظیم کا اظہار کرتا تو ناخوش ہوتے تھے۔[2] کوئی شخص پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو روک دیتے اور ناراض ہوتے تھے[3] دعوتوں کو پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن کسی کی استدعا کو رد بھی نہیں کرتے تھے۔ اس لیے کہ

خوشی سائل را بر خوشی خود مقدم دارند"[4]

جب کوئی شخص ملنے آتا تو نہایت بشاشت اور خندہ روئی کے ساتھ گفتگو فرماتے۔ اکثر "حضرت" یا "صاحب" سے خطاب کرتے تھے۔[5] جو شخص ملنے آتا اس سے اس کی فہم و ادراک کے مطابق گفتگو فرماتے۔

"گفتگوے با ہر کس موافق اطوارِ او، با عالم از علم و بہ سپاہی از سپاہ گری و با مہوس از کیمیا"[6]

ہر شخص سے اس کے رجحان اور دلچسپی کے مطابق گفتگو کرتے تھے۔ عالم سے علم کے متعلق، سپاہی سے سپاہ گری کی بابت اور مہوس سے کیمیائی کی نسبت۔

اسی خوبی کو بیان کرنے کے بعد مصنف مناقب فخریہ لکھتا ہے۔ ع

بارِ ما چوں آب در ہر رنگ شامل می شود[7]

ایک مرتبہ آپ نے اپنی مجلس میں فرمایا کہ میرے پاس لوگ مختلف خیال سے

---

[1] فخر الطالبین۔ ص ۲۵، ۲۳ [2] مناقب فخریہ۔ ص ۳۲
[3] شجرۃ الانوار [4] فخر الطالبین۔ ص ۲۳
[5] مناقب فخریہ۔ ص ۳۳ [6] مناقب فخریہ۔ ص ۳۳
[7] مناقب فخریہ۔

Marfat.com

آتے ہیں۔ بعض مجھ کو عالم جان کر آتے ہیں۔ بعض صوفی خیال کرتے ہیں۔ کچھ کیمیا گر سمجھتے ہیں۔ بعض میرے اخلاق کی وجہ سے ملنے آتے ہیں۔ بعض اعمال واوراد کے لیے۔

''پس میرا نیز سلوک موافق اعتقاد ایشاں بہ ایشاں است۔'' [1]

شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑے خوش طبع تھے۔ لیکن جب میں حاضر ہوتا تو خوش طبعی نہ کرتے تھے۔ لہٰذا جب میں دیکھتا تھا کہ ایسے لوگ اُن کی مجلس میں ہیں جن سے وہ خوش طبعی کرتے ہیں تو میں وہاں سے چلا آتا تھا اور وہ اس لیے کہ

''با اہل ہر طریق نگاہ داشت مناسبت او تلقین ہموں وتیرہ بود۔'' [2]

شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحکمانہ انداز میں یا قطعی طور پر کوئی بات نہ کہتے تھے ''چنیں باید کرد'' کبھی آپ کی زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ بلکہ ہمیشہ یوں ہی فرماتے ''صلاح چنیں می نماید'' [3] کسی سے کوئی کام کرنے کو کہتے تو نہایت نرمی سے۔

لکھا ہے:

''بطور حکم ہرگز خطاب نفرمایند۔ نوعے ارشاد می کنند کہ گویا شخصے محتاج در خدمت اغیار بعرض رساند۔'' [4]

اکثر ایسا ہوا کہ لوگ آپ کے کتب خانے سے کتابیں چرا کر لے گئے۔ کوئی اجنبی شخص اُن کو فروخت کرنے کے لیے بھی حضرت ہی کی خدمت میں آ گیا تو کبھی آپ نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ یہ کتاب تمہیں کہاں سے ملی۔ [5] ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے کپڑے اور چاقو وغیرہ چرا کر لے گیا۔ چور کا پتہ چل گیا۔ لیکن آپ نے اس کے منہ پر قطعاً اس کا اظہار نہیں فرمایا۔ [6] کشمیر کے صوبے دار بلند خاں نے آپ کی خدمت میں ایک ہزار روپے بطور نذر بھیجے' لانے والے نے صرف کر لئے' بلند خاں کو معلوم ہو گیا۔ اس سے

1۔ فخر الطالبین۔ ص ۱۴ 2۔ مناقب فخریہ۔ ص ۴۲

3' 4۔ فخر الطالبین۔ ص ۲۵ 5' 6۔ مناقب فخریہ۔ ص ۳۸

Marfat.com

پہلے کہ صوبہ دار اس کو سزا دے آپ نے لکھ دیا کہ اسی کی قسمت کے تھے۔ اس سے کچھ نہ کہنا
''قسمت او بود ہیچ نگوئید''۔[1]

ایک مرتبہ نواب خیر النساء بیگم ہمشیرہ شاہ عالم نے کچھ ظروفِ نقرئی اور بارہ سو روپے آپ کی خدمت میں روانہ کئے۔ ملازم نے آپ کو اطلاع بھی نہ کی اور اپنے پاس رکھ لئے۔ کچھ مدت کے بعد بیگم کو شبہ ہوا اور ملازم سے رسید طلب کی۔ ملازم سخت حیران اور پریشان ہوا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی چاہی۔ آپ نے فوراً سید احمد کو حکم دیا کہ جو کچھ سامان یہ شخص بیان کرے وہ لکھ دو۔ اس کے بعد مہر لگا کر اس کو دے دی۔[2] اخلاق کی یہ بلندیاں لوگوں کے دلوں پر اثر کرتی تھیں اور اکثر اُن کی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو جاتا تھا۔

جب آپ دہلی تشریف لائے تھے تو ایک بڑھیا آپ کی خدمت کرنے لگی تھی۔ جب وہ مرنے کے قریب ہوئی تو اُس نے اپنے بیٹے میر کلو کو آپ کے سپرد کیا۔ آپ نے اس کا بے حد خیال رکھا اور بیٹوں کی طرح اس کی پرورش کی۔ اور

''باوجود حرکت جوانانہ گاہے معاتب نشدند و الیوم بکمال اعزاز است۔''[3]

دل جوئی کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص کی خواہش اور آرزو کو پورا کرتے تھے۔ ایک مجذوب کا واقعہ اسرار الکمالیہ میں لکھا ہے کہ ایک دن کہنے لگا کہ میاں نور محمد صاحب کی دعوت کر رہا ہوں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسکرا کر پوچھا کہ اس ضیافت کے لیے کہاں سے آئے گا۔ اس نے فوراً کہا آپ دیں گے۔ یہ سنتے ہی آپ نے لانگری کو حکم دیا کہ ضیافت کے لیے کھانا تیار کرا دیا جائے۔[4]

جس زمانے میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دہلی میں جلوہ افروز تھے وہ بڑی سیاسی بدامنی اور ہنگامے کا دور تھا۔ بڑے بڑے گھرانے تباہ و برباد ہو رہے تھے۔ امیر

---

[1] مناقب فخریہ ص ۳۸ [2] شجرۃ الانوار
[3] مناقب فخریہ۔ ص ۴۰ [4] مناقب المحبوبین۔ ص ۷۱

Marfat.com

غریب ہو گئے تھے۔خاندانوں کی عزت اور ناموس خاک میں مل رہا تھا۔شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایسے گھرانوں کا خاص خیال رہتا تھا۔اور اُن کی مدد فرمایا کرتے تھے۔بھیک مانگنے والوں کو وہ زیادہ نہ دیتے تھے بلکہ یہ فرما دیتے تھے کہ اگر میں اُن کو نہ دوں گا تو کوئی دوسرا دیدے گا۔دنیا تو اُن کا ہے جو اپنی عزت اور ناموس کے وجہ سے بھیک نہیں مانگ سکتے اور فاقہ کرتے ہیں۔[1]

مریدوں کو آپ ہمیشہ یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص ہمیں بُرا کہے تو اس سے مکابرہ نہ کرو۔[2]

آپ کی صحبت کے اثرات:

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت جادو کا اثر رکھتی تھی۔جو ان کی خانقاہ میں آجاتا تھا' متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا جس پر نظر پڑ جاتی وہ شکار ہو جاتا۔جرائم پیشہ لوگ پناہ تلاش کرنے خانقاہ میں آتے اور ولی بن کر نکلتے۔[3] گردن کشاں' تکلیف پہنچانے کی نیت سے آتے اور حلقہ بگوش ہو جاتے۔اُن کا سر پھوڑنے آتے خود اپنا سر پھوڑتے ہوئے جاتے۔جس طرف نظر اُٹھ جاتی اپنا کام کر جاتی

ایں نگاہے است کہ سطح فلک در گذرد
پردۂ دل چہ بود پردۂ افلاک درد[4]

ایک شخص ایذا دینے کی نیت سے آپ کے پاس آیا۔لیکن یہاں آ کر از خود رفتہ ہو گیا۔اور نعرہ لگانے لگا۔

رہزن دل ہمیں است''[5]

ایک قاتل اپنی جان بچانے کے لیے' آپ کی خانقاہ میں آیا۔چند ہی روز میں

---

[1] فخر الطالبین۔ ص ۹۵ [2] فخر الطالبین۔ ص ۸۹
[3] فخر الطالبین۔ ص ۶۵ [4] مناقب فخریہ ص ۵۹
[5] مناقب فخریہ ص ۵۰

Marfat.com

اس کا یہ حال ہو گیا کہ

''در ہر کہ نظری کرد حالتش متغیری شد۔''[1]

ایک مرتبہ دس افغانی آپ کو شہید کرنے کی نیت سے قطب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں جمع ہوئے۔ لیکن جب نگاہیں ملیں تو عالم بدل گیا۔ مناقب فخریہ کے مصنف نے لکھا ہے ؎

نگاہت دشمناں را دوست کردہ
اثر ہا دررگ و در پوست کردہ
کہ آرے خلیلے زبت خانہ
کنی آشنائے زبیگانہ[2]

مناقب کا مصنف جب پہلی بار خود حاضر ہوا تھا تو ایسا محسوس کرنے لگا تھا۔

''گویا شرابے بود کہ در جام دل من ریختند و آتشے بود کہ در سینہ من انداختند۔''[3]

گویا ایک شراب تھی جو جام دل میں ڈال دی یا ایک آگ تھی جو میرے سینے میں بھر دی۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ صاحبؒ:

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو اس وقت علمی دنیا کے صدر نشین تھے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بڑی عزت اور قدر کرتے تھے۔ ملفوظات عزیزی میں متعدد جگہ حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا ہے۔ اور اس سے ان کی قلبی تعلق اور محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مسلم یونیورسٹی لائبریری کے ذخیرہ سرشار سلیمان میں ''تفسیر عزیزیہ'' کا ایک قلمی نسخہ (کتبہ 1249ھ) ہے شیخ مصدق الدین جو شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درسِ تفسیر میں

---

1. مناقب فخریہ ص ۱۶ 2. مناقب فخریہ ص ۵۰
3. مناقب فخریہ۔ ص ۱۶

Marfat.com

شریک ہوتے تھے اور جو کچھ سنتے تھے "لفظ بہ لفظ سلک تحریر کشیدند۔" (ص ۲) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس مجموعہ کو ملاحظہ فرمایا تو ایک مقدمہ لکھا اس میں ایک جگہ شیخ مصدق الدین کی شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نسبتِ ارادت کا ذکر کرتے ہیں تو اس طرح نام لیتے ہیں۔

"برادر دینی' جوہر .... حق گزینی' سالک راہِ خدا جوئی' ملازم طریقہ صدق گوئی مقبول جناب مولانا عالی جناب خلائق مآب و بالفضل اولانا فخر الملۃ والدین محمد قدس اللہ سرہٗ الامجد۔" [1]

شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اُن کے بھائیوں سے بڑا تعلق تھا۔ اکثر مشکلات میں اُن کی مدد فرماتے تھے۔ دلی میں جب شیعوں کا اقتدار بڑھا تو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر بھی مصیبت نازل ہوئی۔ ایسے وقت میں شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی نے اُن کی مدد فرمائی۔ اور اُن کو اپنی حویلی میں رکھا۔

لکھا ہے:

"فرزندان شاہ ولی اللہ مغفور در آنچہ متصدیان سلطان نی از حویلی علیحدہ ساختہ و حویلی را بہ ضبط آوردہ بودند۔ آں حضرت بہ حویلی مبارک جا دادند' و غم خواری فرمودند و حویلی مذکور را از جناب سلطان بہ ایشاں دہانیدند و باعزاز و اکرام در آں جا رسانیدند۔" [2]

حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دہلی میں بڑا اثر اور اقتدار تھا۔ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ Alexander Seton ریذیڈنٹ دلی سے شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جھگڑا ہو گیا۔ حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے درمیان میں پڑ کر صفائی کرائی۔ [3]

امیر شاہ خاں صاحب کا بیان کیا ہوا ایک واقعہ امیر الروایات میں درج ہے جس

---

۱ تفسیر عزیزیہ (قلمی) ص ۲ سر شاہ سلیمان گلگشن

۲ مناقب فخریہ۔ ص ۳۱ ۳ مناقب فریدی۔ ص ۳۶

Marfat.com

سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نجف خاں نے شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی قلمرو سے نکالا تھا اور یہ بزرگ معہ زنانوں کے شاہدرہ تک پیدل آئے تھے تو شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شاہدرہ سے اُن کی سواری کا بندوبست کیا تھا۔[1]

اتباع شریعت وسنت کی تلقین:

جس وقت شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسند ارشاد بچھائی تھی۔ اس وقت گو بڑے بڑے بزرگ دہلی میں موجود تھے جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے:

''در عہد محمد شاہ بادشاہ بست و دو بزرگ صاحب ارشاد از ہر خانوادہ در دہلی بودند۔''[2]

لیکن کثیر تعداد ایسے صوفیوں کی تھی جو شریعت اور سنت کو چھوڑ چکے تھے اور اپنے نفس کو دھوکہ میں ڈال کر دوسروں کو گمراہ کر رہے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے وصیت نامہ میں ایسے دھوکہ بازوں سے بچنے کی ہدایت کی تھی۔ فخر الطالبین کا مصنف سید نور الدین فخری جو شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مرید ہے لکھتا ہے۔

''بہر اہل اللہ ہر کس را کہ نصیب دست دہد قول وفعل او را قال اللہ وقال الرسول انگارد۔''[3]

یہ بات نور الدین نے اس وقت لکھی ہے کہ جب اس نے اپنے مرشد کو اس معیار پر پورا پایا ہے۔ ملفوظات میں جگہ جگہ اتباع شریعت وسنت کی تلقین ہے۔ خود شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ عالم تھا کہ معمولی معمولی باتوں میں سنت کا خیال رہتا تھا۔ مناقب فخریہ میں لکھا ہے:

---

1. ''الفرقان'' .... شاہ ولی اللہ نمبر۔ ص ۲۳۲
2. ملفوظات شاہ عبدالعزیز۔ ص ۱۰۶ 3. فخر الطالبین۔ ص ۲

Marfat.com

''در امورِ جزوی وکلی اتباع سنت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام و بہ بندگان نیز دریں امر تاکید اکید۔''[1]

چھوٹی اور بڑی ہر بات میں خود اتباع سنت نبوی کرتے اور لوگوں کو بھی اس امر کی بڑی تاکید کرتے ہیں۔

آپ کی وضع قطع، اعمال و عادات سب شریعت کے مطابق تھے۔ سید نورالدین کا بیان ہے:

''وضع و عمل ایشاں مطابق و تابع حدیث نبوی است صلی اللہ علیہ وسلم۔''[2]

ان کی وضع اور عمل حدیث نبوی کے مطابق اور تابع ہے۔

تقریر کرتے تو ہمیشہ شریعت کے مطابق۔ جامع ملفوظ کا بیان ہے:

تقریر خواجہ کہ عین شریعت واقع شد۔''[3]

مسئلہ وحدتِ وجود پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایمان تھا۔ لیکن اُس کے متعلق بحث و مباحثہ اس لیے ناپسند کرتے تھے کہ اس سے شریعت کے خلاف چند شدید غلطیاں پیدا ہو جانے کا احتمال تھا۔[4]

اگر کوئی شخص کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو بغیر سند کبھی نہ فرماتے۔[5] نماز جماعت سے ادا کرتے اور اسی کی تلقین فرماتے۔

''تقید جماعت بدرجہ اتم در خاطر مبارک است۔''[6]

معمولی معمولی باتوں میں اتباع سنت کا خیال رہتا تھا۔ برتن ''مکان ضرور'' اور وضو کے لیے علیحدہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے مریدین کو اس کی تلقین فرماتے ہوئے کہنے

---

[1] مناقب فخریہ۔ ص ۴۰ نیز شجرہ الانوار
[2] فخر الطالبین۔ ص ۱۳۲ [3] فخر الطالبین۔ ص ۴
[4] مناقب فخریہ۔ ص ۴۳ [5] فخر الطالبین۔ ص ۱۴
[6] فخر الطالبین۔ ص ۲۶ [7] فخر الطالبین۔ ص ۱۰۰۔ ۱۰۱

Marfat.com

لگے کہ حضور سرور کائنات کی یہ سنت ہے۔ وہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔[ے] ایک مرتبہ کھانے کے لیے بیٹھے تو فرمانے لگے۔ ''میں جس طرح بیٹھا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح بیٹھا کرتے تھے۔[1] پھر لوگوں کو مسواک کی ہدایت فرمائی کہ اس پر حدیث شریف میں بہت اصرار کیا گیا ہے کہ جو شخص خواب سے بیدار ہو اس کو مسواک کرنی چاہیے۔[2] ایک مرتبہ خوشبو کی تلقین فرماتے ہوئے نہایت محبت آمیز لہجہ میں فرمایا ''حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو بہت پسند تھی۔''[3]

ملفوظات و حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے مریدوں کو اتباع سنت و شریعت پر مجبور کرتے تھے۔ اور طرح طرح سے اس کے فوائد بیان فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنا قصہ بیان کرنے لگے کہ جنگ کے دوران میں بارود کے اثر سے آنکھوں کو نقصان پہنچ گیا تھا اور ڈر تھا کہ بصارت بہت کم ہو جائے گی لیکن سرمہ کے استعمال سے بصارت میں زیادہ کمی نہیں ہوئی۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ یہ متابعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔[4]

ایک جگہ مریدوں کو ہدایت ہوتی ہے۔

درودے کہ در حدیث شریف آمدہ ہموں را نجوانند بطرف چیز ہائے دیگر رجوع نکنند و بہ مذہب حنفی تعصب می کنند بطرف حدیث بسیار رجوع دارند۔[5]

حدیث شریف میں جو درود آیا ہے اسی کو پڑھیں۔ دوسری چیزوں کی طرف رجوع نہ کریں۔ مذہب حنفی پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ حدیث کی طرف کثرت سے رجوع کریں۔

وفات سے کچھ پہلے کا ذکر ہے کہ ریش مبارک بڑھ گئی تھی۔ ملول ہو کر فرمانے لگے:

---

[1] [2] فخر الطالبین۔ ص ۱۰۰۔ ۱۰۱

[3] [4] فخر الطالبین۔ ص ۱۰۱

[5] فخر الطالبین۔ ص ۱۴۴

Marfat.com

"ایں ترک سنت از ماشد۔"[1]

سکھ اور شاہ صاحب ؒ:

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں سکھوں کی چیرہ دستیاں انتہا کو پہنچ گئی تھیں۔ دہلی کا ہر خاندان ہراسان اور پریشان تھا۔ بڑے بڑے خاندانوں کی عزت خطرے میں تھی۔ شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قتل و غارت گری کے یہ سب نظارے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ خود جب وہ دہلی سے غیاث گڑھ گئے تھے تو سکھوں سے حفاظت کے لیے راستے میں بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔[2] سکھوں کی غارت گری سے ان کو سخت صدمہ تھا۔ انسانی خون کی ارزانی دیکھ کر وہ خون کے آنسو روتے تھے۔ مسلمانوں کو ہراساں اور پریشان دیکھ کر اُن کا دل تڑپنے لگتا تھا۔ اُن کو بادشاہ کی حالت پر غصہ آتا تھا کہ وہ ان فتنوں کے انسداد سے کیوں غافل ہے۔ آخر کو نہ رہا گیا اور ایک دن دربار میں بادشاہ سے کہہ اُٹھے:

"بہ تنبیہہ آنہا (فرقہ سکھاں) باید پرداخت کہ فلاح دینی و دنیوی درضمن آں است۔"[3]

بادشاہ کو ہدایت:

چاروں طرف زوال و انحطاط، کش مکش و کشیدگی، ابتری و بربادی دیکھ کر شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجبور ہو گئے کہ بادشاہ کو سمجھا دیں کہ امراء کے آپس کے لڑائی جھگڑوں سے ملک ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ اُسے نظام مملکت کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ ایک دن بادشاہ سے صاف الفاظ میں کہہ دیا۔

---

[1]، [2] شجرۃ الانوار۔

[3] مناقب فخریہ۔ ص ۳۶

وتکملہ سیر الاولیاء ۔ ص ۱۱۷

Marfat.com

"سلطان عصر تا بذات خود بہ امور ملک ستانی و ملک داری متوجہ نشوذ و اختیار محنت و مشقت نکند بندوبست بہ ہیچ وجہ صورت نمی گیرد۔"

سلطان وقت جب تک بذاتِ خود امور مملکت کی طرف متوجہ نہ ہوگا اور محنت و مشقت اختیار نہ کرے گا۔ حالات کبھی ٹھیک نہ ہو سکیں گے۔

حکومت امیروں کے سپرد کرنے کے خطرناک نتائج سے اس طرح بادشاہ کو آگاہی کرتے ہیں:

"اگر امیرے ماموروں مختار و نائب سلطنت نماید امرائے دیگر ناخوش می شوند و سر بہ طاعت او نمی نہند۔ و بے خبر بہ پے بروگی با سلطان می گردد و رعب سلطاں ہر کرہ مہ نمی ماند۔ و فوج بادشاہی کہ محتاج بہ آں امیر شد او را نمی شناسد و سر رشتہ تعلق شاں از سلطان منقطع می گردد و دماغ امیر ہوائے انا ولا غیرے می پیچید دگاہ باشد کہ بر سر بغی می آرد و در سلف اکثر ہم چنیں شدہ است۔" [1]

جس سیاسی بصیرت کے ساتھ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بادشاہ کو خطرات سے آگاہ کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سیاسی پیچیدگیوں اور زوال کے اصلی اسباب کو سمجھ چکے تھے۔ ایک جگہ پھر بادشاہ کو ہدایت فرماتے ہیں:

"پس اول مقدم ایں است کہ آں صاحب بذات خود مستعد محنت کشی و ملک گیری شوند۔" [2]

رشد و ہدایت، اصلاح و تربیت کی جو آواز شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بلند کی تھی وہ جھونپڑوں سے لے کر محلات تک گونجی۔ اس کے اثرات کیا ہوئے؟ کوئی نہیں بتا سکتا جہاں ع .... ایں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ کی صدائیں سنائی دیتی ہوں وہاں اس کے اثرات کا تلاش کرنا بے سود ہے لیکن شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بے

---

1. مناقب فخریہ۔ ص ۳۵۔ ۳۶ — وتکملہ سیر الاولیاء ص۔ ۱۱۷۔ ۱۱۶

2. مناقب فخریہ۔ ص ۳۶۔ ۳۵ — تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۱۷۔ ۱۱۶

Marfat.com

باکی اور جرات کا اعتراف ہر شخص کو کرنا پڑے گا۔ انھوں نے کلمہ حق بلند کر کے اپنا فرض ادا کر دیا۔

شیعہ اور شاہ صاحب:

اس زمانے میں شیعوں کا اقتدار ہندوستان میں بہت بڑھ گیا تھا۔ سُنی علماء پر سختی کی جا رہی تھی، اور پُرامن زندگی ناممکن بن چکی تھی۔

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان ہنگاموں سے بہت دور تھے اور شیعوں کو مرید بھی کر لیتے تھے۔ لیکن وہ بھی اُن کی سازشوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ مصنف مناقب فخریہ نے لکھا ہے کہ جس زمانے میں دشمنوں نے مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو شہید کیا تھا۔ میں ایک بڑ کے درخت کے نیچے کھڑا ہوا تھا کہ ایک ایرانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک بڑے سُنی عالم کو تو میں قتل کر چکا ہوں۔ لیکن ابھی جو سب سے بڑا سُنی عالم ہے وہ باقی ہے۔ جلد ہی میں اس کا بھی کام تمام کر دیتا۔ مگر کیاں کروں اس کے ارد گرد تو مریدوں کا ایک جھمگٹا رہتا ہے۔ میں اُسے کبھی تنہا نہیں پاتا۔[1] شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا: حق تعالیٰ حافظ و ناصر است۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس شدید مخالفت کے شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حالات سے نا اُمید نہ تھے۔ اور شیعوں میں اپنا کام کرتے تھے۔ وہ انھیں مُرید بھی کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہ "بسیار محبت و بے تکلفی بود" اس کی وجہ پوچھی۔ فرمایا کہ اس طرح سے وہ تبرے سے باز آ جاتے ہیں۔

"ازیں جہت از سب و تبرا باز می آیند۔"[2]

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس طریقے

---

1. مناقب فخریہ۔ ص ۵۵
2. ملفوظات شاہ عبدالعزیز۔ ص ۲۹۔ ص ۵۷۔

Marfat.com

سے شیعوں پر بہت اچھا اثر ڈالا۔ ملفوظات شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں بعض ایسے لوگوں کا بھی ذکر ہے جو شیعہ تھے لیکن آپ کی صحبت میں رہ کر سُنی ہو گئے تھے۔ ایک شخص کے متعلق لکھا ہے۔

پیش از ملاقاتِ حضرت مولانا مذہب شیعہ داشت بغلظتِ تمام۔ اکنوں بفضل الٰہی تابع سنت است۔"[1]

اپنے ایک خط میں اخفاء کی ہدایت کرتے ہوئے نہایت دلچسپ انداز میں لکھتے ہیں

"گونید کہ در مذہب شیعہ تقیہ روا است۔ من گوئم کہ فقیر را لازم است۔"[2]

کہتے ہیں کہ تقیہ شیعہ مذہب میں روا ہے۔ میں کہتا ہوں فقیر کے لیے تو یہ لازم ہے۔

اُمراء و سلاطین سے تعلقات:

چشتیہ سلسلہ کا ایک نہایت ہی اہم اصول یہ رہا ہے کہ امراء و سلاطین سے حتی المقدور بچا جائے۔ اور اُن کی مجلسوں سے گریز کیا جائے۔ شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اس سلسلے میں اپنے بزرگوں کی سنت پر عمل کرتے تھے۔ فخر الطالبین کا مصنف لکھتا ہے:

"از اغنیاء لاقات بکمال استغنا دارند۔"[3]

مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ بادشاہ اور امراء نے ہر چند دیہات قبول کرنے کی درخواست کی' لیکن آپ نے قبول نہ کی۔

"ہر چند حضرت ظل سبحانی و امرائے مرید و معتقد تمنائے قبول دیہات نمودند' قبول نہ فرمودند و ارشاد کردند کہ اگر خواہند کہ ما دریں شہر باشیم یا ر دیگر ایں حرف تمنا بمیاں نیاید۔"[4]

ہر چند حضرت ظل سبحانی اور اُن اُمراء نے جو آپ کے مرید معتقد تھے' دیہات قبول

---

1. فخر الطالبین۔ ص ۱۱۶۔ 2. مناقب المحبوبین۔ ص ۵۲
3. فخر الطالبین۔ ص ۸ 4. مناقب فخریہ۔ ص ۳۳

Marfat.com

کرنے کی درخواست کی' لیکن قبول نہ کی بلکہ فرمایا کہ اگر یہ چاہتے ہیں کہ ہم اسی شہر میں رہیں تو اس طرح کی بات پھر (زبان) پر نہ آئے۔

ایک دن بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قلع میں تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ آپ چلے گئے۔ وہاں مجبوراً آپ کو کھانا بھی کھانا پڑا۔ جب واپس آئے تو اس کا تدارک اس طرح کیا کہ فوراً فقراء اور درویشوں کے مکانات پر تشریف لے گئے' اور ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ [1]

سرسید نے لکھا ہے "جتنے امراء ذوالاقتدار اور سلطان عہد تھے۔ آپ کی بیعت سے مشرف ہو کر آپ ہی کی خاکِ در کو وسیلہ آبرو اور آپ ہی کے غبارِ آستاں کو تاج و عزت و اعتبار سمجھتے تھے۔ [2] شاہ عالم بادشاہ کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ [3] مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ بادشاہ آپ سے ملاقات کے لیے آیا کرتا تھا۔ [4] عقیدت و محبت کا یہ عالم تھا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چند تبرکات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے غیاث گڑھ [5] جانا چاہا تو بادشاہ نے نہ جانے دیا۔ ایک مرتبہ چلے گئے۔ جب واپسی کی خبر ملی تو شاہ عالم کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ شجرہ الاول میں لکھا ہے:

"چوں حضرت ظل سبحانی شاہ عالم بادشاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خبر فرحت اثر آمدن حضرت مولانا صاحب شنیدند کمال سرور نجاطر گذرانید۔" [6]

---

[1] مناقب فخریہ۔ ص ۳۳ [2] اثار الصنادید۔ ص ۳۲

[3] شجرۃ الانوار۔ [4] مناقب فخریہ۔ ص ۳۳

[5] ان تبرکات کے متعلق تفصیلی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو۔

السنۃ الجلیلہ فی الچشتیہ العلیہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ص ۹۵۔ ۹۸ اس کتاب میں "واقعات جلال خانی" مصنفہ محمد علی خاں سے اس جبہ کے متعلق تفصیلی معلومات درج کی گئی ہے۔

[6] شجرۃ الانوار۔

Marfat.com

بادشاہ گل وشیرینی اُن کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔[1] شاہی خاندان کو بھی آپ سے بے حد عقیدت وارادت تھی۔ شاہ عالم کی بہن خیر النسا بیگم آپ کی مرید تھیں۔[2] نواب زینت محل، والدہ شاہ عالم نے آپ کی خدمت میں ایک رتھ نذر گذرانی تھی۔[3]

اُمراء ومشاہیر کی عقیدت کا بھی یہی حال تھا۔ فوج کے سینکڑوں سردار آپ کے مرید ومعتقد تھے۔ لکھا ہے:

"سرداران مغلیہ وہندوستان کہ ہمہ مریدان ومخلصاں اند۔"[4]

کشمیر تک سے صوبہ دار آپ کی خدمت میں نذر بھیجتے تھے۔[5] لیکن آپ میں استغنا اس قدر تھا کہ کبھی اس طرف توجہ بھی نہ فرماتے تھے مجد الدولہ بہادر نے تین دن تک آپ کے لیے دعوت کا کھانا بھیجا۔ چوتھے دن حکم پہنچ گیا کہ دعوت صرف تین دن تک ہوسکتی ہے اور پھر کھانا قبول نہ کیا۔[6] نواب ضابطہ خاں مشہور سرداروں میں سے تھا۔ مناقب فخریہ میں اس کے متعلق لکھا ہے:

"اودر حسن اعتقاد مردے بود بے نظیر و در سعادت ازلی یکتائے روزگار بود۔"[7]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وہ نہایت مخلص مرید تھا اور بے حد عقیدت رکھتا تھا۔ جب آپ غیاث گڑھ تشریف لے گئے تو اس نے نہایت عقیدت وارادت سے خیر مقدم کیا۔ اور کئی دیہات نذر کرنے چاہے۔ آپ نے انکار کیا۔ اس نے اصرار کیا۔ کہ مدرسے کے درویشوں کے مصارف کے لیے قبول فرمالیجئے۔ قدموں میں گر گیا۔ آپ نے پھر بھی قبول نہ کیا بلکہ یہ فرمایا کہ اُن کی آمدنی حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سلطان المشائخ کی درگاہوں اور خادمیوں کے مصارف میں خرچ کی جائے نیز شاہجہاں

---

1. فخر الطالبین۔ ص ۱۰۹ ۔ وشجرۃ الانوار۔
2. شجرۃ الانوار
3. فخر الطالبین۔ ص ۱۰۵
4. مناقب فخریہ۔ ص ۴۰
5. مناقب فخریہ۔ ص ۳۸
6. مناقب فخریہ۔ ص ۴۱
7. مناقب فخریہ۔ ص ۳۴

Marfat.com

آباد کے بعض مشائخ کو اس میں سے دے دیا جائے۔[1] شجرۃ الانوار کا مصنف لکھتا ہے:

"سبحان اللہ زہے استغنا کہ در مزاج مبارک بود یک حبہ برائے خود دیاران خود متعین نفرمود۔"[2]

ایک مرتبہ کسی نے بادشاہ کو ضابطہ خاں کی جانب سے بدظن کر دیا۔ حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بادشاہ کی ناراضگی کو دور کرایا۔[3]

بہادر شاہ ظفر اور شاہ صاحب:

بہادر شاہ نے اپنے دیوان میں جگہ جگہ حضرت شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ایک شعر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہادر شاہ اُن سے بیعت بھی تھے۔

کیونکہ نہ تو سر بفلک کھینچے کہ فخر الدین نے
دی ہے دستار ترے سر پہ ظفر کھینچ کے باندھ

بہادر شاہ ظفر نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بچپن ہی میں دیکھا ہوگا' اس لیے کہ شاہ صاحب کا وصال 1199ھ میں ہوا تھا اور بہادر شاہ ظفر کی ولادت 1189ھ میں ہوئی تھی۔ لیکن عقیدت کا یہ عالم ہے کہ بار بار اشعار میں اس کا اظہار کرتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

اے ظفر کیا بتاؤں تجھ سے کہ جو کچھ ہوں سو ہوں
لیکن اپنے فخر دیں کے کفش برداروں میں ہوں

---

[1]، [2] مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ اس عرس خواجہ معین الدین" میں شامیانہ زرین وسبز چراغاں و دیگر سامان بھیجا کرتا تھا۔ چراغ دہلوی" قطب صاحب" کے عرسوں کے بیشتر مصارف خود کرتا تھا۔ شہر کے بڑے بڑے لوگوں مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب کے صاحبزادوں کی امداد کرتا تھا۔ ص ۴۴

[3] شجرۃ الانوار۔

Marfat.com

جو ہاتھ آئے ظفر خاک پائے فخر الدین
تو میں رکھوں اُسے آنکھوں کی توتیا کے لیے

کوچہ فخر جہاں کی اے ظفر
خاک کی چٹکی بھی بس اکسیر ہے

سچ تو ظفر یوں ہے کہ جز و فخر دیں
اور نہیں کوئی سہارا مجھے

جو سمجھے کفش پائے فخر دیں کو تاجِ سراپنا
پسند اس کو ظفر کب افسرِ شاہانہ آتا ہے

ظفر رکھتے نہیں مطلب جہاں کے نکتہ دانوں سے
ہمیں فخر جہاں کا ایک نکتہ سو برابر ہے

جس کو حضرتؐ نے کہا الفقر فخری اے ظفر
فخر دیں، فخر جہاں، پر وہ فقیری ختم ہے

ظفر دشوار ہے ہر چند اہل معرفت ہونا
مگر صدقہ سے فخر الدین کے ہوسکتا ہے تو سب کچھ

کیا خطر اس کو راہِ دیں میں ظفر
رہنما جس کا فخر دیں ہوجائے

اے فخر جہاں، فخر زماں، فخرِ دو عالم
ہے لطف ترا حق میں دلِ ریش کے مرہم

Marfat.com

ہر تارِ نفس میں ہوا گر سو گرہِ غم
وا ناخنِ تائید سے ہوں ترے بیک دم

ایک اشارے نال تساویں کھلدے عقدے سارے
ڈھیل نہ کر اے فخر پیا سلطان نظام کے پیارے

مرشد پاک رواں فخر الدین قبلہ و کعبہ جان فخر الدین
ایک جہاں فخر جہاں کہتا ہے پر ہے فخر دو جہاں فخر الدین
میں گدا ہوں ترے دروازہ کا جاؤں اِس در سے کہاں فخر الدین
موجزن ہے تیرا دریائے کرم از کراں تا بکراں فخر الدین
ہے مدد تیری توانائی بخش میں ہوں بیتاب و تواں فخر الدین
کیا کروں عرض عیاں ہے تم پر میرا سب رازِ نہاں فخر الدین
رکھ ظفر ہر نفس و ہر ساعت شغل دل وردِ زباں فخر الدین

ظفر اپنی شاعری کو حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عنایت سمجھتا تھا۔ ایک جگہ کہتا ہے:

کہتا ہے ظفر جو کچھ اب جوش محبت میں
اے فخرِ جہاں سب وہ تیری ہی عنایت ہے

اسلامی سوسائٹی کو درست کرنے کی کوششیں:

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس وقت ارشاد و تلقین کا کام شروع کیا تھا۔ اس وقت مسلمانان ہند تنزل اور انحطاط کی آخری حد پر پہنچ چکے تھے۔ مذہب کی روح ختم ہو چکی تھی۔ توہم پرستی میں ہر شخص گرفتار تھا۔ اعمال' تعویذ گنڈوں میں حد سے زیادہ اعتقاد تھا۔ اور اس نے عمل کی طاقت کو سلب کر لیا تھا۔ زندگی جمودِ مرگ میں تبدیل ہو

Marfat.com

چکی تھی۔ مذہب سے ناواقفیت عام تھی' قرآن عربی میں تھا' اس لیے اس کا سمجھنا مشکل تھا۔ کتاب اللہ محض تبرک بن کر رہ گئی۔ مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ سورہ یٰسین کا فائدہ اور مقصد صرف اتنا ہے کہ اس کے پڑھنے سے دم آسانی سی نکل جاتی ہے۔[1]

یہ مذہب کی روح مردہ ہو جانے کی آخری اور حسرت ناک حد تھی۔ ان ہی حالات کے پیش نظر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قرآن پاک کا فارسی میں ترجمہ کیا تاکہ ہر خاص و عام اس سے استفادہ کر سکے اور کتاب اللہ جو ہدایت کے لیے بھیجی گئی ہے صرف تبرک بن کر نہ رہ جائے۔

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عوام کی اس ذہنیت کو دیکھ رہے تھے۔ انھیں اس کا احساس تھا کہ مسلمان کس طرح تعلیماتِ اسلام سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ چند رسوم کی پابندی کو وہ ''اسلام'' سمجھے بیٹھے ہیں۔ صحیح تعلیم اُن تک نہیں پہنچ رہی۔ چنانچہ انھوں نے جمعہ کے خطبہ کو اردو میں پڑھنے کا مشورہ دیا:

''پس اگر خطبہ بہ لفظ ہندی دریں مملکت خواندہ شود برائے چیزے کہ موضوع است حاصل می شود الا برائے سائر الناس فائدہ ندارد کہ از زبان عربی واقف نیستند۔''[2]

> اگر ہندوستان میں خطبہ ہندی زبان میں پڑھا جائے تو اس کا اصلی مقصد حاصل ہو جائے۔ ورنہ عوام کے لیے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے کہ وہ تو عربی زبان سے واقفیت نہیں رکھتے۔

یہ سب باتیں اس لیے تھیں کہ عوام مذہب کی حقیقت و ماہیت کو سمجھ سکیں۔

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں تعویذ گنڈوں کا بہت

---

[1] اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے۔

بہ بندِ صوفی و ملا اسیری	حیات از حکمتِ قرآن نگیری
بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست	کہ از یٰسین او آساں بمیری

[2] فخر الطالبین۔ ص ۴۶

Marfat.com

زور تھا دنیا دار صوفیوں نے اس کو اپنی روزی کا ذریعہ بنالیا تھا' اور اس طرح مسلمانوں کے قوائے عمل کو شل کر رہے تھے۔ شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب اس کے بُرے اثرات دیکھے تو لوگوں کو اعمال و وظائف بتانے سے گریز کرنے لگے۔

لکھا ہے:

"آں حضرت را از خواستن اعمال نفرت کلی است۔"[1]

جس کسی کو کچھ بتانا ہوتا تو خود مناسب موقع پر بتا دیتے' لیکن عام طور پر اعمال بتانے سے پرہیز کرتے۔ اگر کسی کو عمل بتانا پڑتا تو حدیث شریف سے بتاتے۔ لکھا ہے:

"اکثر اعمال حضرت مولانا از حافظ جیو سند دارند و صحت حدیث شریف۔"

یہ حافظ جیو کون تھے' اُن کے متعلق بھی سن لیجئے۔

"حافظ جیو شاگرد شیخ محمدؒ طاہر خلف الرشید شیخ ابراہیم کردی بودند و جامع فن حدیث۔"[2]

آپ کی تلقین تھی کہ ہر شخص کو تابع رضائے خداوندی ہونا چاہیے۔[3] سید نور الدین فخری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے عمل پوچھا۔ فرمانے لگے۔ میں پہلے ہی لوگوں کو عمل کم بتاتا تھا۔ فلاں شخص کو عمل بتانے کے بعد' میں کسی کو نہیں بتاتا۔ اس نے عمل کا بے جا استعمال کیا۔ پھر فرمایا:

"عمل شخصے را باید گفت کہ اگر کسے بسیار تصدیع دہد بلکہ بے حرمت کند تا ہم از عمل در مقابلت نیاید و بر خدا بگذارد۔"[4]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سلسلے میں اور بہت سی غلط فہمیوں کو دور کیا۔ اور عوام کے خیالات کی اصلاح کی۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے

---

1. فخر الطالبین۔ ص ۱۲۶
2. حافظ جیو چند سال تک اورنگ آباد میں شاہ صاحب کے مکان پر مقیم رہے تھے۔
3، 4. فخر الطالبین۔ ص ۱۲۷

Marfat.com

مرید ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کا ہر کام اُن کی مرضی کے مطابق ہو جائے گا۔ آپ نے تنبیہ کی:

''در کارخانہ خدائے مداخلت نہ کنیم۔ حق سبحانہ تعالیٰ ہر چہ خواستہ باشد بکند۔[1]

اس زمانے میں لوگ مختلف طریقوں اور سلسلوں پر بیک وقت چلنے کی فکر کر رہے تھے۔ اس طرح سے ہر سلسلہ کے روحانی نظام کی مرکزیت اور افادیت کم ہوتی جا رہی تھی۔ آپ نے ان حالات کو دیکھ کر پھر ایک بار ''یک در گیر و محکم گیر۔'' کی آواز بلند کی۔ اور فرمایا:

''کمال مرد ہمیں است کہ در یک مذہب یا در یک طریق یا در یک روش در چیز ے کہ بباید داد او را بدہد و شے دوم را در آں مخلوط نکند۔

نماز کی آپ کو خاص فکر رہتی تھی ''الصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْن'' پر آپ کا ایمان تھا۔ مریدوں سے نماز کے متعلق پوچھتے تھے اور بچوں کو نماز سکھانے کی تاکید فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ سلطان المشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس کے موقع پر صوفی یار محمد اور دو ایک اور مرید طوائفوں کا ناچ دیکھنے لگے۔ اتفاقاً آپ کا بھی اس طرف گزر ہو گیا۔ آپ کے غصہ کی حد نہ رہی۔ اور:

''وانگشتان دست مبارک خود در او گریباں آنہا انداختہ طرف خود کشیدند و فرمودند کہ بزرگان ما یاں بسیار خوں جگر خوردہ سماع قوالان را بدرجہ اباحت رسانیدہ اند و شما رقص عورتاں می بینید و سماع ایشاں می شنوید۔''[4]

اپنے دست مبارک کی انگلیاں اُن کے گریبانوں میں ڈال کر ان کو کھینچا۔ اور فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے بڑا خون جگر پی کر قوالوں کے سماع کو درجہ اباحت تک پہنچایا ہے اور تم ہو کہ عورتوں کا رقص دیکھتے ہو اور ان کا گانا سنتے ہو!

---

1. فخر الطالبین۔ ص ۱۱۵ 2. فخر الطالبین۔ ص ۱۲
3. فخر الطالبین۔ ص ۲۷، ۲۶ 4. شجرۃ الانوار

Marfat.com

نظام سلسلہ اور تبلیغی مساعی:

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر شخص کو جو مرید ہونا چاہتا تھا' اپنے سلسلے میں داخل کر لیتے تھے۔[1] لیکن خلافت کے معاملہ میں سختی برتتے تھے۔[2] 1199ھ میں آپ نے بیعت کرنے کی عام اجازت دے دی لیکن ''بشرط اتباع سنت وعمل بر کتاب۔''[3]

تبلیغ کے سلسلے میں آپ کا وہی مسلک تھا جو حضرت شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بزرگانِ چشت کا تھا کہ ہندوؤں کو ذکر بتاؤ۔ اس انتظار میں نہ رہو کہ وہ پہلے سے مسلمان ہو جائیں پھر ذکر بتایا جائے۔ اس لیے کہ ''ذکر خود اور در بقہ اسلام خواہد کشید۔''[4]

اس زمانے میں بہت سے ہندو خاموش طریقے سے مسلمان ہوئے تھے۔ بعض کا ذکر شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں کیا گیا ہے۔ وہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان صاف طور سے مخالفت کے ڈر سے نہیں کرتے تھے۔ اور یہ ڈر ایک حد تک صحیح بھی تھا۔ شجرۃ الانوار۔ میں ایک ہندو عورت کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ کھلام کھلا مسلمان ہو گئی تھی' اور اس کے بعد دہلی میں بلوہ ہو گیا تھا۔ بدامنی یہاں تک پھیلی تھی کہ حضرت شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دہلی چھوڑنے کا ارادہ کر لیا تھا۔[5] فخر الطالبین میں ایک ہندو کا ذکر ہے کہ جب وہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس آتا تھا تو وہ دروازے بند کرا دیا کرتے تھے۔[6] شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ملفوظات میں بھی ایک ہندو اتم چند کا ذکر ہے۔ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ لیکن اس کا ذکر نہ کرتا تھا۔[7] ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت تمام اُن بزرگوں نے جو تبلیغ و اصلاح کے کام میں مصروف تھے اسی طرح سے اپنے کام کو انجام دیا۔

---

[1] فخر الطالبین۔ ص ۵۹ — [2] فخر الطالبین۔ ص ۸۲

[3] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۱ — [4] مکتوبات کلیمی

[5] شجرۃ الانوار — [6] فخر الطالبین۔ ص ۶۸

[7] ملفوظات شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ ص ۱۱

Marfat.com

نور الدین فخری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کئی ایسے ہندوؤں کا ذکر کیا ہے جو حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے تھے' ایک جگہ لکھا ہے:

''ہندوے آمد کہ از مدتے در طریقہ شامل شدہ است و نماز ہم باخفامی گذارد گویا از یاراں است۔''[1]

شاہ صاحب' ہندوؤں سے بہت اچھی طرح ملتے تھے' ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سفر میں ایک ہندو سے ملاقات ہوئی وہ عامل تھا۔ اور جس چیز کو چاہتا تھا منگا لیتا تھا۔ شاہ صاحب سے کہنے لگا۔

اگر کرم فرمودہ بخانہ من تشریف فرمائید موکلان ایں عمل بشما آشنا سازم۔''

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہر بات قرآن شریف میں موجود ہے مجھے اس کی ضرورت نہیں

''جملہ امور در قرآن شریف موجود است حاجت ندارم۔''[2]

شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس انتظار میں نہیں رہنا چاہیے کہ اول مسلمان ہو جائیں پھر ذکر بتایا جائے۔

''مارا چناں معلوم است کہ از تعلیم نام خدائے عزوجل کوتاہی نباید کرد و در بند آن نباید شد کہ اول مسلم شود من بعد چیزے شغل کند۔ نام اثر ہا است خود بطرف خدا خواہد کشید۔''[3]

یہی وہ طریقہ تھا جس کے اختیار کرنے کی تاکید شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی تھی۔ اور جس کی تاثیر اُن کے سلسلے کے ہر بزرگ نے محسوس کی تھی اور اس پر عمل کیا تھا۔

وفات:

حضرت شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 27 جمادی الثانی 1199ھ کو وصال فرمایا۔[4] اس وقت آپ کی عمر مبارک 73 سال تھی۔ وصال سے ایک

---

[1] فخر الطالبین۔ ص ۶۸ [2] مناقب المحبوبین ص ۹۳
[3] شجرۃ الانوار [4] فخر الطالبین۔ ص ۶۹

Marfat.com

دن قبل زبان پر مثنوی کا یہ شعر تھا

وقت آن آمد کہ من عریاں شوم
چشم بگذارم سراسر جاں شوم [1]

وصیت تھی کہ انتقال کے بعد جنازہ میڈھوخاں کے سپرد کر دیا جائے۔ میڈھوخاں آپ کے عزیز مرید تھے اور پہاڑ گنج میں رہتے تھے۔ حاجی محمد امین نے جو شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے آپ کو غسل دیا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پاک کے قریب سپرد خاک کیا گیا۔ [2] عقیدت مندوں کا ایک ہجوم آپ کے جنازہ کے ساتھ تھا۔ اکبر شاہ ثانی زار و قطار روتا ہوا قبرستان تک پہنچ گیا۔ [3]

آپ کے مزار کے سرہانے یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَآ اِلٰـهَ اِلاَّ اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ اَللّٰهُمَ صلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

بگذاشت فخر دیں چوں مہماں سرائے فانی سال وصال آں ماہ از غیب چوں بجستم
بر آستانہ جاوداں قطب جاودانی تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی 1199
من کلام سید الشعرا مقبول الٰہی 1218ھ [4]

حدیث و کتاب سے آپ کا بے پناہ تعلق ملحوظ رکھتے ہوئے عرس کے موقع پر کلام اللہ شریف اور صحیح بخاری کا ختم ہوتا تھا۔ [5]

شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی وفات کے بعد فرمایا۔

"ذات شریف حضرت مولانا چہ کمال بود۔ نحو یکہ در دہلی آمدند ہماں طور پاک صاف

۱؎ شجرۃ الانوار ۲؎ شجرۃ الانوار
۳؎ مناقب فریدی۔ ص ۳۷ ۴؎ آثار الصنادید ص ۱۸۷
۵؎ مناقب حافظیہ ص ۱۸۶

Marfat.com

نور الدین فخری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کئی ایسے ہندوؤں کا ذکر کیا ہے جو حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے تھے' ایک جگہ لکھا ہے:

''ہندوے آمد کہ از مدتے در طریقہ شامل شدہ است و نماز ہم باخفامی گذارد گویا از یاراں است۔''[1]

شاہ صاحب' ہندوؤں سے بہت اچھی طرح ملتے تھے' ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سفر میں ایک ہندو سے ملاقات ہوئی وہ عامل تھا۔ اور جس چیز کو چاہتا تھا منگا لیتا تھا۔ شاہ صاحب سے کہنے لگا۔

اگر کرم فرمودہ بجانہ من تشریف فرمائید موکلان ایں عمل بشما آشنا سازم۔''

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہر بات قرآن شریف میں موجود ہے مجھے اس کی ضرورت نہیں

''جملہ امور در قرآن شریف موجود است حاجت ندارم۔''[2]

شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس انتظار میں نہیں رہنا چاہیے کہ اول مسلمان ہو جائیں پھر ذکر بتایا جائے۔

''مارا چناں معلوم است کہ از تعلیم نام خدائے عز و جل کوتاہی نباید کرد و در بند آن نباید شد کہ اول مسلم شود من بعد چیزے شغل کند۔ نام اثرہا است خود بطرف خدا خواہد کشید۔''[3]

یہی وہ طریقہ تھا جس کے اختیار کرنے کی تاکید شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی تھی۔ اور جس کی تاثیر اُن کے سلسلے کے ہر بزرگ نے محسوس کی تھی اور اس پر عمل کیا تھا۔

وفات:

حضرت شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 27 جمادی الثانی 1199ھ کو وصال فرمایا۔[4] اس وقت آپ کی عمر مبارک 73 سال تھی۔ وصال سے ایک

---

[1] فخر الطالبین۔ ص ۶۸ [2] مناقب المحبوبین ص ۹۳

[3] شجرۃ الانوار [4] فخر الطالبین۔ ص ۶۹

Marfat.com

دن قبل زبان پر مثنوی کا یہ شعر تھا

وقت آن آمد کہ من عریاں شوم
چشم بگذارم سراسر جاں شوم [1]

وصیت تھی کہ انتقال کے بعد جنازہ میڈھو خاں کے سپرد کر دیا جائے۔ میڈھو خاں آپ کے عزیز مرید تھے اور پہاڑ گنج میں رہتے تھے۔ حاجی محمد امین نے جو شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے آپ کو غسل دیا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پاک کے قریب سپرد خاک کیا گیا۔ [2] عقیدت مندوں کا ایک ہجوم آپ کے جنازہ کے ساتھ تھا۔ اکبر شاہ ثانی زار و قطار روتا ہوا قبرستان تک پہنچ گیا۔ [3]

آپ کے مزار کے سرہانے یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ اَللّٰھُمَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

بگذاشت فخر دیں چوں مہماں سرائے فانی سال وصال آں ماہ از غیب چوں بجستم
برآستانہ جاوداں قطب جاودانی تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی 1199
من کلام سید الشعرا مقبول الٰہی 1218ھ [4]

حدیث و کتاب سے آپ کا بے پناہ تعلق ملحوظ رکھتے ہوئے عرس کے موقع پر کلام اللہ شریف اور صحیح بخاری کا ختم ہوتا تھا۔ [5]

شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی وفات کے بعد فرمایا۔

"ذات شریف حضرت مولانا چہ کمال بود۔ نحو یکہ در دہلی آمدند ہماں طور پاک صاف

---

[1] شجرۃ الانوار [2] شجرۃ الانوار
[3] مناقب فریدی۔ ص ۳۷ [4] آثار الصنادید ص ۱۸۷
[5] مناقب حافظیہ ص ۱۸۶

Marfat.com

از دینار نقد واز کسے یا فتنی و نا باکسے واد نی واشتند ۔ نزاع ہیچ کس از پس نگذ اشتند چنانکہ در ایام تکاہل مزاج شریف بقدری مبلغ دو ہزار روپیہ از دکن بخدمت آمدہ بود ۔ ہماں وقت دواز دہ صدروپیہ بقرض داراں کہ در لنگر فقراء خرچ شدہ بود دادند و ہشت صد باقی بہ مستحقاں تقسیم کردہ دادند و مابقا سوائے کتابہا ہیچ بنود۔'' [1]

اولاد:

حضرت شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک فرزند تھے۔ اُن کا نام غلام قطب الدین تھا۔ وہ دکن میں پیدا ہوئے تھے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب دہلی تشریف لائے تو ان کو اپنی بہن کے سپرد کر دیا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ اپنی مجلس میں فرمایا:

''مولوی فخر الدین صاحب را دیدم کہ سوائے یک پسر کہ اورا ہم بہ ہمشیرہ خود کہ در دکن بوذ دادہ آمدہ و متکفل پرورش آں بزرگ بود وایں جا بکمال بے تعلقی می گزرانید نذ لیکن در فکر احیاء چناں مصروف بودند کہ مردم در فکر اہل وعیال خویش۔'' [2]

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد غلام قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی سجادہ نشین وہ اپنے تقدس اور زہد کی وجہ سے بہت مقبول تھے۔ محمد اکبر شاہ اور بہادر شاہ ظفر [3] اُن کے مرید تھے۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے:

''حضرت ظل سبحانی محمد اکبر شاہ بادشاہ .... باعتقاد تمام مرید آں فرزند رشید

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۹ [2] ملفوظات شاہ عبدالعزیز۔ ص ۱۱۸

[3] بہادر شاہ خود بھی پیری مریدی کرتا تھا۔ خاص مریدوں کو دو دو روپیہ مہینہ بھی دیتا تھا تاریخ ہند و مولوی ذکاء اللہ۔ ج ۹ ص ۳۴۶

روز نامچہ (ص ۸۲، ص ۱۶۲) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ غالب نے سراج المعرفت کے دیباچہ میں اس کی مذہبی حیثیت کا ذکر کیا ہے (اردوئے معلٰی جلد دوم ص ۴)

نیز ملاحظہ ہو آثار الصنادید۔ ص ۸۵

Marfat.com

حضرت فخر صاحب گشتند و بعضے فرزنداں و متعلقان خود را نیز مرید کنا مید ند۔"

بہادر شاہ ظفر نے لکھا ہے

مرید قطب دیں ہوں' خا کپائے فخر دیں ہوں میں
اگرچہ شاہ ہوں' ان کا غلام کم تریں ہوں میں

اِن ہی کے فیض سے ہے نام روشن میرا عالم میں
وگرنہ یوں تو بالکل روسیہ مثل نگیں ہوں میں

نہ کعبہ سے غرض مجھ کو نہ میخانے سے کچھ مطلب
ہمیشہ گھستا اُن کے آستانے پر جبیں ہوں میں

مجھے تو خانقاہ و مے کدہ دونوں برابر ہیں
ولیکن یہ تمنا ہے کہ ان کا ہوں کہیں ہوں میں

یہی عقدہ کشا میرے' یہی ہیں رہنما میرے
سمجھتا اُن کو اپنا حامی دنیا و دیں ہوں میں

بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں
ولیکن اے ظفر اُن کا گدائے رہ نشیں ہوں میں

غلام قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 18 محرم 1233ھ کو وصال فرمایا۔[1] اور حضرت قطب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جوار میں آسودہ ہوئے۔

---

[1] "واقعاتِ دارالحکومت دہلی" میں آپ کا سنہ وصال ۱۲۰۰ھ درج ہے (ج ۲' ص ۳۹۷) "مزارات اولیائے دہلی" میں ۱۲۳۹ھ درج ہے۔ مناقب فریدی میں ۱۸ محرم ۱۲۳۲ھ تاریخ وفات بتائی گئی ہے۔ میں نے مناقب فریدی (ص ۳۹) کے بیان کو ترجیح دی ہے۔

Marfat.com

غلام قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بھی ایک ہی فرزند تھے۔ اُن کا نام میاں نصیر الدین عرف کالے صاحب تھا۔ دلی میں خواص و عوام سب اُن کا ادب و احترام کرتے تھے۔ سر سید نے لکھا ہے۔

"اس زمانے میں ایسا نامی گرامی شیخ نہیں ہے' حضور والا اور تمام سلاطین و جمیع امراء عظام آپ کے نہایت معتقد ہیں۔"[1]

دہلی کا ہر شخص امیر و غریب' چھوٹا اور بڑا ان سے ملتا تھا۔ غالب کو اُن سے خاص لگاؤ اور اُنس تھا۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میں کالے صاحب کے مکان سے اُٹھ آیا ہوں۔ بلی ماروں کے محلے میں ایک حویلی کرائے کو لے کر اس میں رہتا ہوں وہاں کا میرا رہنا تخفیف کرایہ کے واسطے نہ تھا۔ صرف کالے صاحب کی محبت سے رہتا تھا۔"[2]

بہادر شاہ ظفر کو بھی اُن سے بڑی عقیدت تھی۔ لکھتا ہے

نظام خانہ فخر جہاں تمہیں تو ہو نہ کیونکر تم سے ہوں ظاہر صفات قطب الدین تمہارے در پر جُھکا کر سر ارادتِ خلق نثار تم پہ ہیں پروانہ ساں ہزاروں دل تمہاری قوتِ باطن سے تقویت ہے مجھے بغیر آپ کے ہوں کیوں نہ جان و دل بے چین ظفر کی چاہیے تمہیں نصرت الدین

قیام سلسلہ و خانداں تمہیں تو ہو خدا رکھے تمہیں اُن کا نشاں تمہیں تو ہو کہے ہے کعبۂ امن و اماں تمہیں تو ہو کہ شمع محفل صاحب دلاں تمہیں تو ہو کہ میرے باعث تاب د تواں تمہیں تو ہو کہ راحتِ دل و آرام جاں تمہیں تو ہو کہ اس کے یار و مددگار تمہیں تو ہو

کالے صاحب خود بھی بادشاہ کے پاس اکثر جایا کرتے تھے۔ بمبئی کے احسن اخبار اور دلی کے سراج الاخبار کے اقتباسات سے جو خواجہ حسن نظامی صاحب نے بہادر شاہ کے روز نامچہ کے نام سے شائع کئے ہیں۔ بادشاہ کے ان سے گہرے تعلقات کا اندازہ

---

[1] آثار الصنادید۔ [2] اردوئے معلی حصہ دوم ص ۱۷۔

Marfat.com

ہوتا ہے۔ بادشاہ کی طرف سے اُن کا وظیفہ بھی مقرر تھا۔ تقریبات کے موقع پر بادشاہ اُن کے سارے اخراجات برداشت کرتا تھا۔ [1]

حکیم میر قطب الدین باطن کالے صاحب کے مرید تھے۔ انھوں نے گلشن بے خار کے جواب میں ''نغمہ عندلیب'' [2] تذکرہ لکھا تھا

کالے صاحب کی حویلی گلی قاسم جان میں تھی جو اب احاطہ کالے صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ کالے صاحب نے 15 صفر 1262ھ کو وصال فرمایا۔ مہرولی میں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔ [3]

کالے صاحب کے پانچ بیٹے تھے۔

(1) غلام نظام الدین

(2) غلام معین الدین

(3) وجیہہ الدین

(4) امین الدین

(5) کمال الدین

پہلے دو صاحبزادے ایک سیدزادی سے تھے۔ بقیہ ایک شہزادی سے۔ [4]

کالے صاحب کے بعد اُن کے فرزند اکبر غلام نظام الدین سجادہ مشیخت پر بیٹھے اُن کے مریدوں کی تعداد بھی کافی تھی۔ غدر میں کالے صاحب کی املاک ضبط ہو گئیں۔ نظام

---

1. کالے صاحب'' کے بہادر شاہ سے تعلقات کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کا مضمون ''۱۸۵۷ء سے پہلے کی دلی'' مطبوعہ ''برہان'' دہلی۔ جولائی ۱۹۴۷ء ص ۵ تا ۸

نیز ملاحظہ۔ ''بہادر شاہ کا روزنامچہ'' ص ۷۹، ۸۶، ۹۲ وغیرہ

2. مطبوعہ نول کشور ۱۸۷۵ء
3. مناقب فریدی۔ ص ۳۹

4. مناقب المحبوبین۔ ص ۵۱۔ ۵۰

5. غالب کا خط بنام نواب انوار الدولہ سعد الدین خاں شفق۔ اردوئے معلٰی حصہ اول ص ۲۳۱

Marfat.com

الدین صاحب حیدر آباد چلے گئے۔[5] بعد کو جب حالات درست ہوئے تو دہلی واپس آ گئے۔ 1292ھ میں وصال فرمایا اور والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔[1]

غلام نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چونکہ لاولد وصال فرمایا تھا۔ اس لیے اُن کے بعد اُن کے بھائی غلام معین الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ نشین ہوئے۔ کمال الدین صاحب اورنگ آباد چلے گئے تھے۔ جہاں اُن کے لڑکے میاں سیف الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ پیدا ہوئے[2] اب میاں سیف الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد میں کوئی صاحب اورنگ آباد کے سجادہ نشین ہیں۔

دہلی میں سجادگی کالے صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نواسوں میں ہے۔ میاں کالے صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی لڑکی میاں عبدالسلام صاحب سے منسوب ہوئی تھیں۔ اُن سے ایک لڑکے میاں عبدالصمد صاحب تھے۔ وہ ہندو اور مسلمان دونوں میں مقبول تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے مزارات نئی دہلی میں لیڈی ہارڈنگ ہسپتال کے قریب ہیں۔ جہاں بہت اچھی مسجد اور درگاہ بنی ہوئی ہے۔ آج کل میاں عبدالصمد صاحب کے فرزند حاجی میاں صاحب سجادہ نشین ہیں۔ وہ پوری طرح اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ اور دہلی کے ہزاروں ہندو مسلمان اُن کے مرید و معتقد ہیں۔"[3]

خلفاء:

حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسند ارشاد پر بیٹھے۔ اس دوران میں حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادے مولانا قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اورنگ آباد سے تشریف لے آئے اور اپنے والد کے سجادۂ مشیخت پر جلوہ فرما ہو گئے۔[4]

---

[1] مناقب فریدی۔ ص ۳۹ [2] "منادی" ۲۱ اگست ۱۹۳۶ء

[3] مکتوب خواجہ حسن نظامی بنام مصنف مطبوعہ "منادی" ۸ ۱۲ اپریل ۱۹۴۷ء

[4] مناقب المحبوبین۔ ص ۶۸

Marfat.com

شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد اُن کے مدرسے کا کام سید احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ غلام فرید چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حاجی لعل صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سنبھالا۔ اور اُن کے علمی فیض کو حتی المقدور جاری رکھا۔ [1]

حضرت شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بجا طور پر نظامیہ سلسلہ کا "مجدد" کہا جاتا ہے۔ انھوں نے نظامیہ سلسلہ کو نئی زندگی بخشی اور اپنے خلفاء کو ملک کے دور دراز حصوں میں بھیج کر نظامیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم کرائیں' حسین فخری نے لکھا ہے:

"خلفائے مرشدی و مخدومی در ہفت اقالیم دائر و سائر و محیط اند۔" [2]

اُن کے خلفاء میں خصوصیت کے ساتھ شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پنجاب میں' شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یو پی میں' حاجی لعل محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دہلی کے اطراف و جوانب میں' مولانا جمال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رام پور میں۔ میر ضیاء الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جے پور میں' میر شمس الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اجمیر میں سلسلہ کی تبلیغ و ترویج میں بڑی پُر خلوص جدوجہد کی۔

شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ملفوظات' سوانح اور دیگر معاصر کتب میں جن خلفاء کے نام ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(1) سید بدیع الدین
(2) مولوی نور اللہ
(3) مولوی مکرم
(4) مولوی فرید الدین
(5) مولوی روشن علی
(6) مولوی حسن علی
(7) محمد غوث منبسیہ شاہ کلیم اللہ

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۶۹ [2] شجرۃ الانوار

Marfat.com

(8) محمد غوث کرت پوری

(9) حاجی خدا بخش

(10) محمد قطب الدین شرقی

(11) میاں عبداللہ

(12) سید احمد

(13) مولوی عبدالوہاب بیکانیری

(14) مولوی محمد صالح

(15) مولوی علاء الدین

(16) شیخ محمد زماں

(17) شاہ مراد

(18) حافظ سعداللہ

(19) ملا گل محمد

(20) سید قمر الدین منت

(21) محمد فتح اللہ

(22) صوفی یار محمد

(23) حاجی محمد واصل

(24) سید محمد میر

(25) عظیم الدین

(26) میاں محمد امان

(27) خلیفہ محمد پناہ

(28) مولوی عظمت اللہ

(29) رفیع الدین خاں

Marfat.com

(30) شاہ محمد اعظم

(31) غلام فرید چشتی

(32) میر محمد عظیم بن عبدالرحمٰن

(33) ظہور اللہ

(34) میاں عصمت اللہ

(35) حاجی احمد

(36) شاہ قمر الدین

(37) شاہ روح اللہ (38) سید شریف

(39) مولانا حسن علی

دہلی کے بعض بڑے بڑے شاعر اور ادیب شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حلقہ مریدین میں شامل تھے۔ خواجہ احسن اللہ بیان دہلوی، مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد تھے۔ لیکن شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت تھے۔ وہ دہلی کے اعلیٰ شاعروں میں گنے جاتے تھے۔ شیفتہ اُن کے متعلق لکھتے ہیں:

"حدیثش شیریں و دل آویز، سخنش نمکیں و شور انگیز از شیوا بیانی اوست۔"[1]

عنایت اللہ جمام، سودا کے شاگرد تھے اور حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت تھے۔ شیفتہ لکھتے ہیں:

"مولانا فخر الدین را علیہ الرحمۃ دستِ ارادت بدامن زدہ فکرتش بدل می سازد۔"[2]

میر قمر الدین منت کو گورنر جنرل کی طرف سے ملک الشعراء کا خطاب تھا۔ وہ شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت پر فخر کرتے تھے۔[3]

میر غلام حسین یاد شاہ عبدالعزیز صاحب کے رشتہ دار اور شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے۔[4]

---

[1]، [2]، [3]، [4] تذکرہ گلشن بے خار ص۔ ۳۷۔ ۵۶۔ ۹۳

Marfat.com

مولوی سید بدیع الدین:

بڑے جید عالم اور بزرگ تھے۔ مناقب فریدی کے مصنف کا بیان ہے کہ وہ شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بے مثل خلیفہ تھے۔ اُن سے بڑا فیض جاری ہوا۔ درس و تدریس، ارشاد و تلقین میں ہر وقت سرگرم رہتے تھے، اُن کے بعد میر عیوض علی دہلوی خلیفہ ہوئے۔ اُن کے بعد کار خلافت مولانا ظہر الدین کیرانوی نے انجام دیا۔ مؤخر الذکر نے 1208ھ کو وصال فرمایا۔ قصبہ نبت میں آسودہ ہیں۔ [1]

میر محمدی صاحب:

شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ انھوں نے دہلی میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کام کو جاری رکھا۔ شجرۃ الانوار کے مصنف کا بیان ہے:

''............در ارشاد رہنمائی عباد دریں شہر نجو بیہا معروف اند و باوصاف حمائد موصوف، بسیارے از اہل شہر و شاہزادہا مرید میر صاحب اند

اس شہر میں بڑی خوبی کے ساتھ خلق خدا کی رہنمائی میں مصروف ہیں۔ بڑی خوبیوں کے مالک ہیں بہت سے اہل شہر اور شہزادے میر صاحب کے مرید ہیں۔

اُن کو اپنے پیر و مرشد سے بڑا عشق تھا۔ لکھا ہے:

''بر نام پیر خود و مرشد خود جان از دست می دہند۔'' [2]

مولوی بشیر الدین نے ان کا اصلی نام مولانا امام الدین بتایا ہے۔ [3] مصنف مناقب فریدی نے عماد الدین سید محمد لکھا ہے۔ [4]

شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو خلافت دے کر شاہی خاندان کی اصلاح و

---

[1] مناقب فریدی۔ ص ۳۹ [2] شجرۃ الانوار

[3] واقعات دار الحکومت، دہلی۔ ج ۲ ص ۱۳۳

[4] مناقب فریدی۔ ص ۳۸

Marfat.com

تربیت کے لیے متعین فرمادیا تھا۔ مناقب فریدی میں لکھا ہے کہ وہ ''شاہ ولایت قلعہ معلیٰ بنائے گئے تھے اور شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے شاہی خاندان کے جو افراد بیعت تھے اُن کی تعلیم و تربیت ان ہی کے سپرد تھی۔ [1] ہر وقت اُن کے یہاں شہزادوں کا جھمگٹا لگا رہتا تھا۔ بہادر شاہ کے روزنامچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا' اور نہایت دھوم دھام سے اس کی سواری ان کی خانقاہ میں پہنچتی تھی۔ مرزا سلیم خلف اکبر شاہ ثانی آپ کا مرید اور معتقد تھا۔ [2] مرزا اخجستہ بخت نے میر محمدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد ان کی جانشینی کا دعویٰ کیا۔ [3]

میر صاحب نے 1242ھ کو وصال فرمایا۔ [4] مرزا سلیم شاہزادے نے فرطِ عقیدت سے آپ کو اپنے مکان کے صحن میں ہی دفن کیا۔ جواب میر محمدی کی خانقاہ کے نام سے مشہور ہے۔ [5] اور چتلی قبر کے پاس واقع ہے۔

میر محمدی کے بعض مریدین کے نام یہ ہیں:

(1) مرزا اخجستہ بخت بن شاہ عالم

(2) شہزادہ سلیم بن اکبر شاہ

(3) میران شاہ محمد بن بہادر شاہ ظفر

(4) میر جلال الدین

(5) مولوی گل محمد

(6) مولوی نوازش علی

(7) شیخ ابراہیم ذوقؔ

(8) مرزا روش بخت [6]

1۔ بہادر شاہ کا روزنامچہ۔ ص ۱۱۳

2' 3 واقعات ج ۲ ص ۱۵۲

4۔ مناقب فریدی۔ ص ۴۸

4 مناقب فریدی ص ۳۹۔ ۳۸

5۔ واقعات۔ ج ص ۱۵۲

6۔ مناقب فریدی ص ۳۹۔ ۳۸

Marfat.com

مولانا ضیاء الدین:

مولانا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جے پور میں نظامیہ سلسلہ کی اشاعت اور مذہب اسلام کی تبلیغ و ترویج میں بے پناہ کوششیں کی تھیں۔ ابتدائی زمانے میں وہ ملازمت کرتے تھے۔ اور اخفاء حال کی کوشش کرتے تھے۔ پیر کا حکم ہوا کہ جے پور جا کر ارشاد و تلقین کا کام کرو۔ چنانچہ آپ جے پور تشریف لے گئے اور وہاں اسلامی شعار کی ترویج میں بڑی کوششیں کیں۔ حسین بخش فخری کا بیان ہے کہ اُن ہی کی کوششوں سے جے پور میں "طریقہ اسلام و صلوٰۃ و آذان" جاری ہوا۔ لکھا ہے:

"در شہر جے نگر (جے پور) کہ قریب مقام راجہ است و دراں شہر غلبہ کفر و کافراں بسیار تا حال مہیا است، و در آنجا بت خانہ و بت پرست بدرجہ کمال اند، استقامت نمو دند و مردماں خاص و عام بہ آں سید السادات میر ضیاء الدین تولا نمو دند و بہ سبب کشف و کرامات و خرق عادات و قوتِ باطنی راجہ و ہمگی سرداران راجہ و تمامی اہل شہر چہ از ہنوداں کافراں و چہ مسلماناں مطیع و فرماں بردار آں سید پاک شدند" [1]

آج تک اُن کا قائم کیا ہوا مدرسہ "مدرسہ ضیاء العلوم" کے نام سے جاری ہے۔ اس مدرسے کے مختصر سے کتب خانے میں حدیث کی کتابوں کا بڑا اچھا ذخیرہ ہے۔

مولوی جمال الدین:

شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عزیز ترین خلفاء میں تھے اور پیر کے حکم کے مطابق رامپور میں قیام فرمالیا تھا۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے:

"مریداں بسیاری دارند، صاحب کشف و کرامت اند، مردمانِ آں نواحی فیض یاب آں جناب اند" [2]

مولوی جمال الدین صاحب کا وطن لاہور تھا۔ وہاں سے علوم عقلی و نقلی کی تکمیل

---

[1]، [2] شجرۃ الانوار

Marfat.com

کے لیے دہلی تشریف لے آئے تھے اور یہاں شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حدیث کا درس لیتے تھے۔ بعد کو وہ شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس قدر متاثر ہوئے کہ اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ [1]

مولوی صاحب نہایت منسکر المزاج اور حلیم الطبع بزرگ تھے۔ ہندو اور مسلمان سب ہی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ منشی جانکی داس دیوان صدر رام پور ایک مرتبہ خدمت عالی میں حاضر ہوئے تو نصیحت فرمائی جس کو معبود حقیقی جانتے ہو اس کی یاد سے غافل نہ رہنا۔" [2]

نواب سید احمد علی خاں والئی رامپور کو اُن سے بڑی عقیدت تھی۔ اور اکثر اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ 103 سال کی عمر پائی تھی' اس لیے شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خاندان کے اکثر بزرگوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ کالے صاحب رامپور تشریف لائے تو آپ شہر کے دروازے سے اُن کی پالکی کو کاندھے پر لائے۔" [3]

مولوی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علوم ظاہری کا درس بھی دیتے تھے۔ اُن کے خلفاء میں شاہ غلام رسول اللہ خاں صاحب بڑے مرتاض بزرگ تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد اس سلسلہ کا خاتمہ ہو گیا۔ انوار العارفین میں مولوی جمال الدین صاحب کا سنہ وفات 29 جمادی الاول 1242ھ درج ہے۔ [4] تذکرہ کاملان رامپور میں 1241ھ دیا ہوا ہے۔ [5]

---

1. انوار العارفین۔ ص ۵۲۱
2. ۳۔ تذکرہ کاملان رامپور۔ ص ۹۲ ۔ ۹۱
4. انوار العارفین ص ۵۱۲
5. تذکرہ کاملان رامپور۔ ص ۹۲

Marfat.com

مولانا حاجی لعل محمد صاحبؒ:

حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشد خلفاء میں تھے۔ اُنھوں نے پیر کے وصال کے بعد دہلی میں اُن کی روایات کو قائم رکھا۔ لکھا ہے:

''مریدان و خلفائے بسیار دارند ذات گرامی صفات حضرت حاجی محمد لعل صاحب در مدرسہ و در شہر از مغتنمات است۔'' [1]

شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے خلفاء کو عاجز کر کے خلافت دی ہے مگر حاجی صاحب کی عاجزی نے مجھے عاجز کر کے خلافت لی ہے۔ [2] وہ نہایت کریم النفس اور منکسر المزاج بزرگ تھے۔ بڑی بڑی ریاضتیں کی تھیں۔ 12 سال تک خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے آستانہ پر حاضر رہے۔ تین مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ ان کی روحانی طاقت بہر زبردست تھی۔ مناقب حافظیہ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ایک مرید جامع مسجد میں مراقبہ کر رہے تھے۔ جب آنکھ بند کرتے آنکھ کھل جاتی۔ آخر کار پوچھنے لگے کیا اس وقت مسجد میں شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مریدوں میں سے کوئی شخص موجود ہے؟ معلوم ہوا کہ حاجی لعل محمد صاحب مسجد کے گوشے میں وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ [3]

12 رمضان المبارک 1239ھ کو آپ نے وصال فرمایا۔ سلطان المشائخ کے مزار مبارک کے قریب آپ کا مزار ہے۔ آپ کے بعد مرزا بخش اللہ بیگ صاحب نے ارشاد و تلقین کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن انھوں نے صرف تین شخصوں کو مرید کیا۔ 1277ھ کو وصال فرمایا اور حضرت حاجی صاحب کے مزار کے قریب مدفون کیے گئے۔ ان کے بعد خواجہ محب اللہ صاحب سجادہ پر بیٹھے۔ اُن کے مریدین

1۔ ثمرۃ الانوار

2۔ سلسلۃ الذہب۔ ص ۵۹

3۔ مناقب حافظیہ۔ ص ۲۹

Marfat.com

کی تعداد کثیر تھی۔ سب سے زیادہ مشہور مرید اور خلیفہ حضرت خواجہ میاں محمد صاحب تھے جو 1355ھ میں خواجہ صاحب کے وصال کے بعد سجادۂ مشیخت پر بیٹھے۔ وہ بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ اُنھوں نے ہوشیار پور میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت میں بڑا نمایاں حصہ لیا۔ اُن کی سوانح عمری "یادِ پیر" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ 1332ھ کو وصال فرمایا۔ آج کل خواجہ علی محمد شاہ صاحب سجادہ نشین ہیں۔ وہ بہت سی خوبیوں کے بزرگ ہیں اور سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔

Marfat.com

باب چہارم

حضرت خواجہ نور محمد صاحب مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت شاہ نور محمد صاحب مہاروی، شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے محبوب ترین خلفاء میں سے تھے۔ مولانا غلام سرور کا بیان ہے۔

"حضرت مولانا را آنچہ عنایت بے غایت والطاف بے قیاس بحق دے مصروف بود بحال احدے از خلفائے خود نبود۔"[1]

حضرت مولانا کی جو عنایت بے غایت اور الطاف بے قیاس اُن پر تھا، اپنے خلفاء میں سے کسی پر نہ تھا۔

پنجاب میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی تبلیغ و ترویج اُن ہی کی پُر خلوص جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد پنجاب میں چشتیہ سلسلہ کے کسی بزرگ نے ترویج سلسلہ میں اس قدر کوشش نہیں کی۔ جتنی اٹھارویں صدی میں حضرت شاہ نور محمد صاحب مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کی تھی۔ مناقب المحبوبین کے فاضل مصنف نے صحیح لکھا ہے:

"پس اول کسیکہ بعد از حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اولاد و خلفاء ایشاں سکہ بریں ملک مذکور زد۔ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بود کہ چنداں فیض ازیں جناب در ملک پنجاب و سندھ وغیرہ انتشار یافت کہ در ہر قریہ و شہر و بلدہ درویشاں غلامان آنحضرت و غلاماں غلام آں حضرت صاحب ذوق و وجد و سماع و

---

[1] خزینۃ الاصفیاء۔ جلد اول، ص ۵۰۶

Marfat.com

صاحب خانقاہ موجوداند و جوق در جوق گروہ علماء آمدہ ربقہ اطاعت و غلامی آنجناب باعتقاد تمام در گردن خود انداختہ داخل سلسلہ چشتیہ نظامیہ شدند۔"[1]

تونسہ شریف' احمد پور' چاچڑان' مکھڈ' جلال پور' گولڑہ وغیرہ مقامات کی خانقاہوں کے چراغ اُن ہی کے ذریعے روشن ہوئے۔ حاجی نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خانقاہ قائم کرنے سے قبل پنجاب اور سندھ میں خاص طور سے مہار' بھاول پور اور ملتان کے گردونواح میں' قادریہ اور سہروردیہ سلسلہ کا زور تھا۔ شاہ نور محمد صاحب کی خانقاہ قائم ہونے کے بعد:

"رونق دیگر سلسلہا در پیش ایں سلسلہ نظامیہ چناں گم شد کہ در پیش آفتاب نور ستارگاں و چراغاں گم می شود۔"[2]

دوسرے سلسلوں کی رونق اس سلسلہ نظامیہ کے سامنے اس طرح گم ہوگئی جیسے آفتاب کے سامنے ستاروں اور چراغوں کا نور گم ہو جاتا ہے۔

پیدائش اور خاندان:

شاہ نور محمد صاحب **14** رمضان المبارک **1142**ھ کو چوٹالہ[3] میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے والد کا نام "ہنوال" تھا۔ قوم سے کھرل[4] تھے مناقب المحبوبین میں اُن کا نسب نامہ درج ہے۔[5] چھٹی پشت کے بعد ان کے بزرگوں کے نام بالکل ہندوانی شروع ہو جاتے ہیں۔ بعد کے ناموں میں بھی کچھ ہندوانی رنگ ہے۔ چنانچہ خود شاہ صاحب کا خاندانی نام ہیبل تھا جس کو حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بدل کر نور محمد کر دیا۔[6]

شاہ صاحب کے اجداد زراعت کرتے تھے' اور مویشی چراتے تھے' ایک مرتبہ شاہ

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۰۶۔ ۱۰۵ [2] مناقب المحبوبین ص ۱۰۶

[3] از مہار شریف سہ کردہ است سمت مشرق متعلقہ مبلدہ بھاول پور' مناقب المحبوبین ص ۵۴

[4] قوم پنوار کی ایک شاخ ہے [5] ص ۵۳

[6] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۱

Marfat.com

فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کے اجداد کے متعلق پوچھا تو شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرض کیا۔

''زراعت می کردند و مواشی می چرانیدند و می دوشیدند و بر مال مردماں می دودبند۔''[1]

شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی والدۂ ماجدہ کا نام عاقل بی بی تھا۔ وہ کمال (قوم چھٹہ) کی لڑکی تھیں۔ کمال قصبہ پھولرہ [2] میں رہتے تھے۔ عاقل بی بی کی شادی سے قبل ایک بزرگ فتح دریا نیکوکارہ [3] نے ان کو ایک زبردست ولی کی ماں ہونے کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا:

''از فیض او ہمہ عالم سیراب خواہد شد۔''[4]

ابتدائی تعلیم اور بچپن کے حالات شاہ نور محمد صاحب کے والد چوہاٹہ سے مہار آ گئے تھے اور وہیں مستقل قیام فرمالیا تھا۔ جب شاہ نور محمد صاحب کی عمر 5 سال کی ہوئی تو والد ماجد نے قرآن پاک پڑھنے کے لیے حافظ محمد مسعود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس بیٹھایا۔ حافظ مسعود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑے متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ لکھا ہے:

''یکے از صلحاو وقت و متقیاں زمانہ بود۔''[5]

اُن ہی کی خدمت میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قرآن پاک حفظ کیا۔ ایک دن شیخ احمد دودی والہ [6] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو بڑے مرتاض بزرگ تھے۔ مولوی مسعود

---

1. مناقب المحبوبین۔ ص ۵۳۔ مناقب المحبوبین۔ ص ۸۷
2. کہ از مہار شریف سمت جنوب قریب سی و پنج کروہ یا چہل خواہد شد' مناقب المحبوبین ص ۵۳
3. حضرت مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری کے سلسلہ کے مشہور بزرگ تھے
4. مناقب المحبوبین۔ ص ۵۵
5. مناقب المحبوبین۔ ص ۵۶
6. ''ایں بزرگ مرید سلطان محمود لنگاہ بود مادر سلسلہ قادریہ توسل می داشت' خانقاہ ایں ہر دو پیر و مرید ہم در قصبہ دود است۔ متعلقہ کوٹ کمالیہ و ایں قصبہ مذکور بر کنار دریائے راوی است۔ مناقب المحبوبین۔ ص ۵۷

Marfat.com

کے مدرسہ میں آئے۔ شاہ نور محمد صاحب کو دیکھا تو فرمانے لگے۔ سبحان اللہ ایک زمانہ آئے گا کہ اس بچے کے در پر بادشاہ سر رکھیں گے۔ حافظ مسعود کو تعجب ہوا اور تمسخر آمیز لہجہ میں فرمایا:

سبحان اللہ' دریں زماں چنیں اولیاء کامل ماندہ اند کہ پسر ہندال جٹ را کہ بر سر خود گنج داردمی گویند کہ بادشاہاں برادرایں سجدہ خواہند کرد۔ [1]

سبحان اللہ' اس زمانے میں ایسے اولیاء کامل رہ گئے ہیں کہ ہندال جاٹ کے بیٹے کے متعلق جس کے سر پر گنج ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ بادشاہ اس کے در پر سر جھکائیں گے۔

کسے معلوم تھا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ بھاول پور کا نواب بھاول خاں ان کی آستانہ بوسی کو اپنے لیے سعادت دارین سمجھے گا!

حافظ مسعود کی تعلیم سے جب فارغ ہوئے تو ان والد اور بھائیوں کی رائے ہوئی کہ ان کو کسی کاروبار میں ڈالا جائے۔ لیکن فطرت سے اس بچے کی قسمت میں علم و عرفاں' سلوک و باطن کے اعلیٰ منازل مقدر ہو چکے تھے۔ شاہ نور محمد نے اس رائے کو پسند نہیں کیا اور تعلیم کو جاری رکھنے کا اصرار کیا' اور موضع بڈ سیران [2] تشریف لے گئے۔ وہاں کچھ عرصہ تحصیل علوم کے بعد موضع بلانہ [3] آئے۔ یہاں شیخ احمد کھوکر سے چند کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد ڈیرہ غازی خاں چلے آئے یہاں شرح ملا تک علم حاصل کیا۔

لاہور میں تحصیل علم:

ڈیرہ غازی خاں کچھ عرصہ قیام کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ محکم دین سیلانی کے ساتھ لاہور آ گئے۔ محکم دین' شاہ صاحب کے دوست' اور ہم سبق تھے۔ ان کے مزاج میں ذرا تیزی زیادہ تھی اور اسی وجہ سے وہ مدت العمر مجرد رہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ

---

1. مناقب المحبوبین ص ۵۷ — 2. مہار شریف سے چند میل کے فاصلے پر
3. متعلقہ پاک پٹن شریف — 4. مناقب المحبوبین

Marfat.com

تعالیٰ علیہ اُن کے متعلق فرمایا کرتے تھے"

"مرد خوب صاحبِ شوق و بسے بزرگ بودہ اند۔"[1]

جب شاہ صاحب لاہور آئے تھے تو اُن کے والدین کو اس کی خبر نہ تھی۔ چنانچہ بہت عرصہ تک اُن کو سخت پریشانی رہی۔[2]

لاہور میں شاہ صاحب سخت تکلیفیں اُٹھاتے تھے۔ اور علم حاصل کرتے تھے۔ بعض اوقات اُنھیں گدائی کر کے اپنا پیٹ پالنا پڑا۔[3] لیکن ذوق وشوق میں کبھی کمی نہ آئی بلکہ زیادہ انہماک کے ساتھ کسبِ علوم میں مشغول رہے۔

دہلی میں آمد:

لاہور سے شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تکمیل تعلیم کے لیے دہلی کا رُخ کیا اس زمانے میں نواب غازی الدین خاں کے مدرسے کی بڑی شہرت تھی۔ چنانچہ اسی مدرسے میں داخل ہو گئے اور حافظ برخوردار جی سے کافیہ پڑھنا شروع کیا۔ شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابھی اورنگ آباد سے تشریف نہیں لائے تھے۔ میاں برخوردار جی اس مدرسے میں درس دیتے تھے۔ اُن کے متعلق شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے:

میاں برخوردار جی' مرد خوب وصاحبِ نسبت بودند۔"[4]

میاں برخوردار جی' اچھے آدمی تھے اور صاحبِ نسبت تھے۔

وہ چشتیہ سلسلہ میں بیعت تھے۔ شاہ نور محمد صاحب پر خاص التفات تھا۔ دن میں ایک مرتبہ کھانا کھاتے تھے' اور شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ساتھ کھلاتے تھے۔ انھوں نے اپنے اس عزیز شاگرد کو قطبی کا درس دینا شروع کیا۔ ابھی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ ان کو گھر جانا پڑا۔ اور شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سلسلہ تعلیم یک لخت منقطع ہو گیا۔

1۔ مناقب المحبوبین۔ ص ۸۶ 2۔ مناقب المحبوبین۔ ص ۵۷

3' 4۔ مناقب المحبوبین۔ ص ۸۵

Marfat.com

شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت میں حاضری:

شاہ نور محمد صاحب کو اپنی تعلیم کے بند ہو جانے کا سخت رنج اور ملال تھا۔ ایک دن دہلی میں ایک حوض کے کنارے نہایت اُداس اور غم گین بیٹھے تھے' حافظ محمد صالح ساکن بھیرہ نے اُداسی کا سبب دریافت کیا تو فرمانے لگے۔

''اُستاداں مشفق و رفیق وطن رفتند تسکین خواندن نمی شود۔''

حافظ صاحب نے بتایا کہ حال ہی میں ایک بڑا عالم اور پیر زادہ دکن سے آیا ہے اور کہتا ہے کہ اگر کوئی علم حاصل کرنا چاہے گا تو اس کو پڑھا دوں گا۔ قلندر بخش نامی ایک شخص میرے پاس آیا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے کھانے پہننے کو بھی وہی بزرگ دیتے ہیں۔ شاہ نور محمد صاحب نے وہاں چلنے کی درخواست کی۔ چنانچہ اگلے دن دونوں شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب حویلی کے دروازے پر پہنچے تو خوشحال ملازم نے بتایا کہ شاہ صاحب' خانم کے بازار تشریف لے گئے ہیں دونوں ناکام واپس ہوئے۔ دوسرے دن بعد نماز ظہر شاہ نور محمد صاحب تنہا شاہ صاحب سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے۔ حویلی کے دروازے پر پہنچے تو ایک دربان کو بیٹھا ہوا پایا۔ خیال ہوا کہ ناواقفیت میں اندر کس طرح جایا جائے۔ کچھ دیر سوچا پھر ہمت کر کے اندر داخل ہوئے۔ حویلی کے اندر ایک اور دروازہ تھا۔ اس دروازے کے مقابل ایک دالان تھا۔ کمرے میں ایک تخت پر صاف چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ گاؤ تکیہ لگا تھا اور شاہ فخر صاحب تشریف فرما تھے۔ شاہ نور محمد صاحب کا عالم یہ تھا کہ تمام انگرکھا پھٹا ہوا تھا۔ ایک چادر جسم پر لپٹی ہوئی تھی سر کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ کبھی اپنی حالت کو دیکھتے تھے' کبھی دالان کی طرف' اور اندر قدم رکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اچانک شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نظر اُن پر پڑی۔ فوراً اپنے پاس بلایا شاہ نور محمد صاحب جب قریب آئے تو فوراً تخت سے اُتر کر کھڑے ہو گئے۔ معانقہ کیا اور اس محبت سے ملے'' گویا یاران قدیم از مدت جدا ماندہ۔ بیک دیگر بغل گیری می کنند۔'' پھر نور محمد صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب تخت پر بٹھالیا اور پوچھا تمہارا وطن کہاں

Marfat.com

ہے؟ نور محمد صاحب نے جواب دیا۔ نواحی پاک پٹن شریف' فرمانے لگے۔ کیا بابا صاحب کی اولاد سے ہو۔ عرض کیا نہیں۔ لیکن پاک پٹن شریف کا نام سنتے ہی خوشی کے آثار چہرہ پر نمایاں ہو گئے' اور دریافت فرمایا۔ یہاں کیوں آئے ہو؟ عرض کیا' میں نے سُنا ہے کہ حضور تعلیم دیتے ہیں۔ میں بھی کرم کا اُمیدوار ہوں۔ پوچھا' پہلے کہاں پڑھتے تھے؟ عرض کیا۔ میاں برخوردار جیو کے پاس فرمایا۔ ہمارا پڑھنا مدت سے موقوف ہے۔ ایسا کرو کہ فی الحال اُن ہی سے پڑھ لو' اس کے بعد ہمارے پاس آ جانا۔ شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب میں عرض کیا۔

"عرصہ مابین بسیار است' ومسافت بعید' وقت مادریں آمدورفت ضائع خواہد شُد۔" یہ سُن کر شاہ صاحب نے تبسم فرمایا اور یہ شعر پڑھا۔

ما برائے وصل کردن آمدیم
نے برائے فصل کردن آمدیم

شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تحصیل علم:

شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اب طالب علم کی حیثیت سے شاہ فخر صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ شاہ فخر صاحب کے تبحر علمی کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔ اب تک وہ چھوٹے چھوٹے مدرسوں میں معمولی معمولی استادوں سے پڑھتے رہے تھے۔ اب ایک ایسے عالم کے پاس پہنچ گئے تھے جو علم کا ایک بحرِ ذخار تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اُن کے تبحر کا ذکر کرتے ہوئے بے اختیار پکار اُٹھے تھے: "سبحان اللہ بحر علوم بودند۔"[1]

شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قطبی کا سبق لینا شروع کیا۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ ابھی کتاب ختم نہ ہوئی تھی کہ شاہ صاحب نے فرمایا۔ تم علم ظاہری میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ جتنا پڑھ لیا ہے وہ ضرورت کے لئے کافی ہے۔ اب اس علم میں مشغول ہو جاؤ جس کے تم لائق ہو۔"[2] اس بیان سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۸۱ [2] مناقب المحبوبین ص ۸۵

Marfat.com

علومِ ظاہری کا خاتمہ قطبی ہی پر کر دیا تھا لیکن تکملہ سیر الاولیاء سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ نور محمد صاحب نے اور زیادہ اکتسابِ علوم کیا اور حدیث کی سند لی۔ [1]

بیعت:

شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 1165ھ میں شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دہلی تشریف لانے کے بعد وہ پہلے شخص تھے جس نے ان سے بیعت کی' بیعت ہونے کا مفصل واقعہ خود انھوں نے اپنی مجلس میں ایک مرتبہ بیان کیا تھا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مرید کرنے کے لیے جب استدعا کی تو فرمایا۔ پہلے استخارہ کرلو۔ جیسا اشارہ ہوگا ویسا کیا جائے گا۔ شاہ صاحب نے استخارہ کیا۔ خواب میں دیکھا کہ کھانے کا طبق اُن کے ہاتھ پر ہے اور شاہ فخر صاحب کا جبہ اُن کی گردن میں پڑا ہے۔ شاہ فخر صاحب آگے جا رہے ہیں۔ اور خود اُن کے پیچھے چل رہے ہیں۔ صبح کو یہ خواب شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیان کیا۔ فرمایا۔ چند روز استغفار پڑھو۔ پھر حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے عرس کے دن حضرت قطب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار مبارک پر لے جا کر ان کو مرید کرلیا۔

پاک پٹن شریف اور مہارم میں قیام:

بیعت کرنے کے کچھ عرصہ بعد' شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پاک پٹن شریف کا قصد کیا۔ شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس سفر میں اُن کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جب دونوں پاک پٹن شریف پہنچ گئے تو شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مہارا جا کر اپنی والدہ سے ملنے کا حکم دیا۔ تعمیل ارشاد میں شاہ صاحب وطن روانہ ہوگئے۔ اس زمانے میں اُن کا حُلیہ اور لباس درویشانہ تھا۔ مہار پہنچ کر وہ سب سے پہلے اپنے استاد محمد مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابھی وہ حافظ مسعود صاحب ہی کی خدمت میں تھے کہ لوگوں نے اُن کی والدہ کے پاس جا کر کہا کہ دہلی سے

---

[1]، [2] مناقب المحبوبین ص ۸۴

Marfat.com

ایک شخص آیا ہے۔ آؤ۔ اس سے چل کر اپنے بیٹے کا حال دریافت کرلو۔ چنانچہ عاقل بی بی اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر مسجد میں آئیں۔ اور حافظ مسعود سے اپنے بیٹے کا حال دریافت کرنے لگیں۔ حافظ صاحب کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ سعادت مند بیٹے کو معلوم ہوا تو بے اختیار ماں کے قدموں میں گر پڑا۔

خرم آں لحظہ کہ مشتاق بیارے برسد
آرزو مند نگارے بہ نگارے برسد

مہار شریف جب تک قیام رہا اُن کا یہ معمول تھا کہ تمام دن مسجد میں مراقبہ میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن حافظ شرف الدین نے (جو حافظ محمد مسعود صاحب کے عزیز اور دوست تھے) ان سے دریافت کیا ''اے میاں بابل تم دہلی میں اتنے عرصے رہے۔ وہاں کیا حاصل کیا۔'' جواب دیا:

''ہندوستانی صاحبزادہ از پیرزادگان دکھن در دہلی آمدہ بود در خدمت اوی ماندم و دیگچہ ہائے اوی بسیدم۔''[1]

یہ سُن کر حافظ شرف الدین صاحب نے افسوس ظاہر کیا اور کہا کہ تو نے کیوں اپنی عمر خراب کی دیکھو۔ مولوی احمد یار، مولوی محمد صالح اور مولوی اسد اللہ اور فلاں فلاں لوگ دہلی گئے اور علم حاصل کر کے آئے۔ اور تم وہاں دیگچیاں چاٹتا رہا۔

مہار میں آٹھ دن قیام کے بعد شاہ نور محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روانگی کی اجازت مانگی۔ والدین نے مجبوراً اجازت دے دی۔ آپ پاک پٹن شریف پہنچے۔ شاہ فخر صاحب نہایت محبت سے ملے۔ گھر کا اور والدہ کا حال دریافت کیا۔ اس کے بعد ''برج نظامی'' میں عبادت کرنے کا حکم دیا۔ اس زمانے میں شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنا یہ دستور بنالیا تھا کہ جو شخص مرید ہونے کے لیے حاضر ہوتا اُس کو شاہ نور محمد صاحب کے پاس بھیج دیتے۔ چنانچہ اس طرح سینکڑوں آدمی شاہ صاحب کے حلقہ مریدین میں شامل

1۔ مناقب المحبوبین۔ ص ۵۹

Marfat.com

ہو گئے۔عرس ختم ہونے کے بعد شاہ فخر صاحب نے قبلہ عالم سے کہا میرا ابھی دو مہینے یہاں قیام کا اردہ اور ہے۔تم اپنی والدہ کے پاس ہو آؤ۔مولانا نور محمد وطن چلے گئے۔دو مہینے کے بعد جب پاک پٹن شریف واپس آئے تو مہار کا ایک قافلہ بھی ساتھ تھا۔قبلہ عالم کے بھائی ملک سلطان' برہان اور اُن کے چچا لکھمیر اور اُستاد محمد مسعود' شاہ فخر صاحب کے حلقہ مریدین میں شامل ہونے کے لیے ساتھ آئے تھے۔یہ سب لوگ شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلوص اور اعتقاد سے متاثر ہو کر شاہ فخر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

کچھ دن یہ قافلہ پاک پٹن شریف میں مقیم رہا۔اس کے بعد شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دہلی تشریف لے آئے اور یہ لوگ وطن واپس ہو گئے۔

مہار میں قیام کی ہدایت:

ایک دن شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قبلہ عالم شاہ نور محمد صاحب سے فرمایا:

"اے نور محمد! خلق را با تو کار خواہد بود۔"

یہ سن کر آپ کی حیرت اور استعجاب کی انتہا نہ رہی۔عرض کیا "میں ایک کمترین پنجابی ہوں' کس طرح اس اعلیٰ مرتبہ کے لائق سمجھا گیا۔" لیکن وہ مرشد کامل جس کی نظر میں کیمیا کا اثر تھا اس "پنجابی" کی صلاحیتوں سے واقف تھا۔اُس نے اپنے مرید کے استعجاب کو دیکھا اور خاموش ہو گیا۔کچھ دنوں بعد خلافت عطا فرما کر مہاران [1] قیام کرنے کا حکم دیا۔مرید نے فوراً تعمیل کی اور مہاران روانہ ہو گئے۔

لکھا ہے کہ قبلہ عالم کے مہاران چلے جانے کے بعد حضرت شاہ فخر الدین صاحب یہ دوہرہ اکثر پڑھا کرتے تھے

---

[1] "درریاست نواب بھاول خاں بہ قریہ مہاران کہ از پاک پٹن شریف بجانب غرب بفاصلہ چہل کردہ واقع است رخت اقامت انداخت۔"

خزینۃ الاصفیاء ج ا ص ۵۰۷

Marfat.com

تن مٹکے من چھیرنا سُرت ملووں ہار
مکھن لے گیا پنجابی چھاچھ پیو سنسار[1]

نواب غازی الدین خاں نے ان اشعار میں اسی طرف اشارہ کیا ہے ۔

شیخ درحق او چنیں فرمود
کیں زما ہرچہ بودہ است ربود
نیز ارشاد زآں شاہ دین است
کایں زماں قطب وقت خود است[2]

مہار میں قیام خانقاہ:

مہار پہنچ کر شاہ نور محمد صاحب نے مسندِ ارشاد بچھائی خلوص اور حقانیت کا اثر یہ ہوا کہ بہت ہی جلد خلقت کا ہجوم لگنے لگا۔ ایک مرتبہ ایک شخص مہار سے دہلی آ رہا تھا۔ شیخ نور محمد صاحب نے اس سے کہا کہ شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونا' سلام عرض کرنا اور کہنا کہ آنجناب کی توجہ سے یہاں خوب روشنی دیکھی۔ وہ شخص دہلی آیا اور جب حضرت شاہ فخر الدین صاحب کی خدمات میں حاضر ہو کر پنجابی زبان میں کہا:

''حضرت جی پنیاں پڑیو اور کہیو آساں روشنی اچھی ڈٹھی۔''[3]

اپنے مرید کی کوششوں کی کامیابی کا حال سن کر شاہ فخر صاحب پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ کئی مرتبہ یہ جملہ دہروا کر سُنا اور پھر فرمایا:

''میاں نور محمد مردے خوب است۔ ونسبت شائستہ بہم رسانیدہ۔''[4]

شاہ نور محمد صاحب کی خانقاہ میں ہزاروں عقیدت مند حاضر ہوتے تھے۔ نافع السالکین میں لکھا ہے:

---

1. مناقب المحبوبین۔ ص ۷۷۔ نیز سلسلہ عالیہ چشتیہ ص ۳۱
2. مناقب المحبوبین۔ ص ۷۷
3. ۴ شجرۃ الانوار (قلمی)

Marfat.com

"ہزاراں گروہ مرد ماں می آیند وزیارت می کنند۔"[1]

جب وہ پاک پٹن شریف جاتے تھے تو 500' 500 درویش ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔[2] اور مہار کا یہ قافلہ درویشانہ شان کے ساتھ بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس میں شریک ہوتا تھا۔

شاہ نور محمد کی صحبت میں اس قدر کشش اور تعلیم میں اس قدر تاثیر تھی کہ جو وہاں پہنچ جاتا تھا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا' جو اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو جاتا' اس کی زندگی میں حیرت انگیز تغیر ہو جاتا۔ شاہ محمد سلیمان تونسی فرمایا کرتے تھے۔

"عجیب تاثیر بود ہر کہ دست ایشاں گرفتے اورا تاثیر شدے۔"[3]

شاہ نور محمد صاحب کا زیادہ وقت تلقین وارشاد میں صرف ہوتا تھا۔ اُن کی مجلس ہر وقت گرم رہتی تھی۔ تکملہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے

"واکثر در عالم محفل آرائی بودند۔"[4]

جو شخص آتا تھا اس کی وضع' استعداد' لیاقت اور مذاق کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ لکھا ہے

"ہر قسم آدم کی می آید اختلاط مناسب وضع آں می فرمودند۔"[5]

کبھی کسی کی گفتگو سے مکدر خاطر نہ ہوتے تھے۔ گفتگو سے انحراف نہ فرماتے تھے۔[6] جو شخص سوال کرتا اس کا شافی جواب دیتے۔ اُن کی خانقاہ میں امیر وغریب سب ہی آتے تھے۔ امراء واہل دول کا اکثر جمگھٹا رہتا تھا۔ بعض لوگوں کو اس سے غلط فہمی ہوئی تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاہ نور محمد صاحب کو دنیاداروں سے کوئی خاص لگاؤ یا تعلق نہیں تھا۔ ان کے مشہور مرید اور خلیفہ حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے:

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۸ [2] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۹
[3] نافع السالکین ص ۹۹۔ ۱۲۶ [4]' [5] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۲۲
[6] مناقب المحبوبین۔ ص ۸۶

Marfat.com

''قبلہ عالم راقدس سرہٗ ازصحبت دنیاداراں بسیار نفرت بودے۔''[1]

شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ملفوظات قاضی محمد عمر صاحب سید پوری نے خلاصۃ الفوائد کے نام سے اور مولوی محمد گہلوی[2] نے خیرالاذکار کے نام سے جمع کیے ہیں۔

اصلاح وتربیت مریدین:

شاہ نور محمد صاحب اپنے مریدوں کی اصلاح وتربیت میں خاص دل چسپی لیتے تھے۔ تکملہ میں لکھا ہے کہ وہ اپنے خلفاء کو تعلیم وتربیت کے بعد مکمل کر دیتے تھے۔[3] وہ ہر مرید کی استعداد اور صلاحیت کا علیحدہ جائزہ لیتے تھے اور پھر تربیت کی طرف توجہ فرماتے تھے۔ وہ بالکل ایک طبیب کی مانند تھے' جو مریض کے مزاج اور مرض کی نوعیت کو دیکھ کر دوائیں دیتا اور علاج کرتا ہے۔ اور ایک مرتبہ حکیم مولوی محمد عمر سے فرمانے لگے کہ مہار دارالشفا ہے۔ یہاں حکیم موجود ہے۔ حکیم صاحب نے فوراً جواب دیا

''شفا بخش امراض ظاہری وباطنی ذات شریف حضور است کہ ہرآیندہ رااززیارت حضور شفا صوری ومعنوی حاصل می شود۔''

شاہ نور محمد صاحب اپنے مریدوں کو درستی اخلاق اور اتباع شریعت کا درس دیتے تھے۔ اُن کے ملفوظات میں ان ہی دو چیزوں پر جگہ جگہ زور دیا گیا ہے۔ انھوں نے اپنی اخلاقی تعلیم میں خاص طور سے ان تین باتوں پر زور دیا تھا۔

(1) ''یکے آنکہ غصہ برکسے نکند۔ کہ غصہ جوہرے است در باطن واظہارِ آں نورِ معرفت رامیراند۔''

---

1. تکملہ سیر الاولیاء
2. مولوی محمد گہلوی حضرت نور محمد نارووالہ کے مرید تھے۔ انھوں نے یہ ملفوظ اپنے پیر اور قبلہ عالم کے ذکر میں جمع کیا تھا۔

مناقب المحبوبین ص ۶۴

3. تکملہ سیر الاولیاء

Marfat.com

(2) "دویم آنکہ اگر کسے درحق احدے شکایت کند آں را ما" دل بالخیر باید نمود"

(3) "محاسبہ دار مور نباید کرد۔"

ان تین ہدایتوں میں اخلاقی درستی کے بے پناہ راز مضمر تھے۔ تمام اخلاقی زندگی جہاں تک وہ دوسروں سے متعلق ہے ان ہی کے گرد گھومتی ہے۔ خواجہ گل محمد احمد پوری نے ان اصولوں کی تشریح کی ہے اور ان کی حقیقت و ماہیت کو سمجھایا ہے۔[1]

شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اتباع شریعت کی بھی خاص تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اُن کے دل میں شریعت کا بڑا احترام تھا۔ فرمایا کرتے تھے۔

"قالب راموافق شریعت کردن و انضمام قلب با اتباع شریعت است۔ وعوام را پرسش ازیں خواہد بود۔"[2]

اتباع سنت کا یہ حال تھا کہ کہا کرتے تھے:

"چیزے کہ مروی از جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نباشد بغیر ضرورت چگونہ بکار بردہ شود۔"[3]

وہ اپنے مریدوں کو لوگوں میں رہنے اور اصلاحی جدوجہد کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے "افاضہ خلق"[4] ان کی نظر میں اہم ترین کام تھا۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ کا قصہ سُنایا کہ اُن کے دل پر عنایاتِ الٰہی نازل ہونی شروع ہوئیں، تو اس خیال سے کہ تنہائی میں شاید اس میں اور ترقی ہو، گوشہ نشین ہو گئے فوراً قلبی کیفیات بند ہو گئیں۔[5] شاہ صاحب اپنے مریدوں کو سمجھایا کرتے تھے۔ کہ عوام میں رہ کر اُن کی اصلاح کی کوشش کرنا سب سے بڑی عبادت ہے۔

وحدتِ وجود کے متعلق شاہ صاحب کا مسلک وہی تھا، جو حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب کا تھا۔ اس مسئلہ پر عوام میں گفتگو کو ناپسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے:

---

1. تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۷
2. مناقب المحبوبین۔ ص ۹۴
3. تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۲۶
4. مناقب المحبوبین۔ ص ۹۲
5. مناقب المحبوبین۔ ص ۹۴

Marfat.com

''برامم ماضیہ کہ حوادث واقع می شدند محض برائے اظہار وحدت وجود۔''[1]

قبلہ عالم کے ارشاد و تلقین کا اثر مریدوں پر بہت گہرا ہوتا تھا۔ایک مرتبہ فرمارہے تھے کہ جو کسی سے ناخوش ہوا سے خوش کرنا چاہیے۔حافظ محمد جمال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر ان کلمات کا ایسا اثر ہوا کہ انھوں نے فوراً وہاں سے اُٹھ کر اپنے دشمن کے قدموں پر سر رکھ دیا۔[2] مناقب المحبوبین میں ایک عورت کا واقعہ درج ہے کہ تھوڑی دیر اُن کی مجلس میں بیٹھ کر اس کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ ''کلام عرفان و توحید'' بیان کرنے لگی۔[3]

مرشد کی نظر میں:

شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بڑی محبت تھی' فرمایا کرتے تھے کہ نور محمد نے تمام عمر میری مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کیا اور نہ کبھی کسی تکلیف کا موقع دیا۔[4]

وہ اپنے پیر و مرشد کا اتباع اس طرح کرتے تھے کہ بقول مولانا گل محمد احمد پوری:

''از خصائل آں حضرت بود کہ ہیچ حالت از احوال حضرت مولانا مولوی صاحب رضی اللہ عنہ ذکر نمی فرمودند مگر کہ باآں حالت خود موصوف می بودند۔''[5]

پیر سے اُن کی عقیدت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ جب تک وہ زندہ رہے 6 مہینے مہار میں رہتے تھے' اور 6 مہینے دہلی میں[6] شاہ فخر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ان پر انتہائی شفقت و مہربانی فرماتے تھے۔کہا کرتے تھے کہ اگر یہ پنجابی میرے پاس نہ آتا تو میں دل میں ارمان لے کر دنیا سے جاتا۔[7] ایک مرتبہ ان کی مجلس میں حضرت سید رسول نما کا ذکر ہو رہا تھا۔فرمانے لگے حق تعالیٰ نے ہمیں ایسا مرید دیا ہے جو ''خدا نما'' ہے۔[8] شاہ فخر

---

1. مناقب المحبوبین۔ ص ۹۷
2. تکملہ سیر الاولیاء ۔ ص ۱۲۷
3. مناقب المحبوبین۔ ص ۶۶۔ ۶۵
4. فخر الطالبین۔ ص ۱۵ (قلمی)
5. تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۴
6. مناقب المحبوبین۔ ص ۶۰
7. مناقب المحبوبین۔ ص ۶۷
8. مناقب المحبوبین۔ ص ۶۸

Marfat.com

صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ دستور تھا کہ جب شاہ نور محمد صاحب وطن کو روانگی کا قصد کرتے تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مریدوں کو قبلہ عالم کی دعوتیں کرنے کا حکم دیتے اور فرماتے کہ ان کی خدمت میں نذر نیاز پیش کریں۔ چنانچہ جب شاہ نور محمد صاحب وطن جاتے تھے تو صدہا روپیہ فتوح کا اُن کے پاس جمع ہو جاتا تھا۔[1]

ایک دن شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قبلہ عالم کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے نور محمد۔ سبحان اللہ۔ کہاں دکن۔ کہاں پاک پٹن شریف۔ پروردگار کی قدرت دیکھ کہ مجھے دکن سے بُلایا اور تجھے پاک پٹن شریف سے بھیجا۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

حسن ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از شام
زخاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجمی است[2]

معاصرین کی نظر میں:

شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان ممتاز بزرگوں میں سے تھے، جن کے تعبد، ریاضت اور تبلیغی جدوجہد کی تعریف معاصرین تک نے کی ہے۔ ان کے پیر بھائی جس طرح تذکروں میں ان کا ذکر کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہم عصروں کی نگاہ میں بڑی عزت اور وقعت رکھتے تھے۔ لکھنؤ کے مشہور بزرگِ مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ان سے استفادہ کیا تھا۔[3]
مناقب فخریہ کا مصنف ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

"ومظہر اتم و مرید مراد اں حضرت و مقبول حضرت اللہ و محبوب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مرشد آفاق و ہادی اقوام و مور از" حضرت رسالتؐ بتربیت خلائق مشغول بحق۔ فارغ از علائق، مخدومنا و مولانا خواجہ نور محمد است مدظلہ العالی کہ چندیں ہزار کس نعمت از خواں او دریافتہ و لذت از مائدہ او چشیدہ۔"[4]

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۷۶ [2] مناقب المحبوبین۔ ص ۹۰
[3] انوار الرحمٰن۔ ص ۷۸ [4] مناقب فخریہ۔ ص ۲۹ (قلمی)

Marfat.com

دوسرے معاصر، یعنی مصنف فخر الطالبین نے انھیں

افتخار درویشاں، مرہم دل ریشاں سرآمد اتقیاء جامع علوم حیاء صفائے چہرۂ محبوباں کہر بائے دل معشوقاں، مسند نشیں مسکنت ودانائے سرحلقہ درمندان الٰہی۔"

لکھا ہے۔

حسین بخش فخری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کی تبلیغی مساعی کی تعریف اِن الفاظ میں کی ہے۔

حضرت مولانا صاحب آں مخصوص خود را خلافت دادہ طرف سرزمین پاک پٹن شریف روانہ نمود، ہرگاہیکہ میاں نور محمد آں جا رفتہ سکونت ورزید۔ مردماں آں نواحی از خاص وعام، ہزار و ہزار، از میاں نور محمد تولا نمودند و مرید شدند و اکثر از آنہا خلافت نمودہ فیض رساں خاص وعام گشتند۔"

حضرت مولانا صاحب نے اپنے اُن مخصوص مرید کو خلافت دے کر پاک پٹن شریف کی طرف روانہ فرمادیا۔ جوں ہی میاں نور محمد نے وہاں پہنچ کر سکونت اختیار کی۔ اس علاقے کے لوگ خاص اور عام، ہزاروں کی تعداد میں اُن کے سلسلے میں منسلک ہونے لگے اور اُن میں سے بہت سے مریدوں نے خلافت پائی۔ خاص وعام کی رہنمائی اور فیض رسانی کا کام کیا۔

علالت اور وصال:

شاہ نور محمد صاحب کو اپنے پیر ومرشد شاہ فخر صاحب سے عشق تھا۔ اُن کی وفات کا ان پر بے حد اثر ہوا۔[1] پیر کے بعد گو وہ 6½ سال تک زندہ رہے۔ لیکن طبیعت کبھی خوش اور بحال نہ رہی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد فوراً ہی اُن کو "کاست بدنی" کی شکایت ہوگئی تھی۔ کچھ دنوں بعد اُن کے عزیز مرید اور خلیفہ حضرت نار و دالہ صاحب نے وصال فرمایا۔ صدمہ دُگنا ہوگیا پیر اور مرید کے غم میں اُن کا مرض ترقی کرگیا۔

---

1 مناقب المحبوبین

Marfat.com

وصال سے ایک سال قبل' اُنھوں نے تمام اعزا و اقربا سے بے تعلقی اختیار کر لی۔ جب خاموشی کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا:

کلام من تفسیر و حدیث است
بکدام گفتہ شود و کہ می فہمد [1]

جب شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حالت نازک ہوئی تو مریدوں کو مزار کے متعلق اُن کی مرضی دریافت کرنے کا خیال ہوا۔ خواجہ محمد عاقل نے لوگوں کے اصرار پر دریافت کیا کہ حضور کا مزار کہاں بنایا جائے؟ جواب میں ارشاد ہوا۔

''من غیب داں نیستم' حق تعالیٰ می داند کہ کجا خواہند مرد۔'' [2]

میں غیب کا جاننے والا نہیں ہوں حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ میں کہاں مروں گا۔

3 ذی الحج 1205ھ کو ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی' کسی نے تاریخ وفات کہی ۔

حیف واویلا جہاں بے نور گشت [3] 1205ھ

مزار مبارک تاج سرور میں ہے۔ وہاں حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے اور شیخ بدر الدین سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیٹے تاج الدین سرور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آسودہ ہیں اور ان ہی کی نسبت سے اس جگہ کا نام تاج سرور پڑ گیا ہے۔ فریدی خانوادہ کے لوگ بکثرت وہاں آباد ہیں۔ اس بنا پر اُسے ''بستی چشتیاں'' بھی کہا جاتا ہے۔ شاہ نور محمد صاحب کو تاج سرور صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار سے بڑی عقیدت تھی۔ ہر جمعہ کو وہاں جاتے تھے' اور وہیں خانقاہ بھی قائم کر لی تھی اُن کے متعلق اپنی مجلس میں ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ:

---

1. مناقب المحبوبین۔
2. تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۲۹۔ ۱۲۸
3. مہر کا سجع تھا ع ''ز نور محمد جہاں روشن است مناقب المحبوبین۔ ص ۹۱

Marfat.com

"شیخ تاج الدین سرور کامل مکمل اند اما صاحب ارشاد نیستند"[1]

اولاد:

شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک زوجہ عظمت بی بی تھیں۔ اُن کے بطن سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ لڑکوں کے نام یہ تھے۔

شیخ نور الصمد

شیخ نور احمد

شیخ نور الحسن

لڑکیوں کے نام یہ تھے: زینب بی بی اور صاحب بی بی۔ دونوں لڑکیوں کی شادی ہوگئی تھی، لیکن کسی نے اولاد نہیں چھوڑی۔[2]

شیخ نور الصمد، شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے۔ شیخ نور احمد اپنے والد ماجد سے بیعت تھے۔ شیخ نور الحسن، قاضی عاقل محمد کے حلقہ مریدین میں شامل تھے[3]

شاہ نور محمد صاحب کے بعد اُن کے بڑے لڑکے شیخ نور الصمد مسند سجادگی پر بیٹھے۔ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ قوم مہاران نے اُن کو شہید کر دیا۔[4] اُن کے بھی تین لڑکے تھے۔

شیخ نور حسین

شیخ غلام نبی

شیخ غلام مصطفےٰ

تینوں علم وعمل، زہد و ورع میں اپنے دادا کی مخصوص روایات کے حامل تھے۔ شیخ نور الصمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شہادت کے بعد شیخ نور احمد صاحب مسند نشین ہوئے ان کے متعلق، خواجہ گل محمد احمد پوری کا بیان ہے:

---

1. مناقب المحبوبین۔ ص ۶۲
2. مناقب المحبوبین۔ ص ۱۰۴
3. مناقب المحبوبین۔ ص ۶۱
4. نافع السالکین۔ ص ۱۰

Marfat.com

"خاص و عام از شرق تا غرب از فیض وجود ایشاں بہر یاب اند۔"[1]

شرق سے غرب تک خاص اور عام اُن سے مستفیض ہوتے ہیں۔

شیخ نور احمد صاحب کثیر الاولاد تھے۔اُن کے چھ لڑکے تھے

میاں خواج محمود

حافظ غلام فرید[2]

حافظ نبی بخش

حافظ خدا بخش

حافظ قادر بخش

حافظ گنج بخش

شیخ نور احمد صاحب کے بعد اُن کے بڑے صاحبزادے میاں خواج محمود مسند نشین ہوئے۔اُن کے بعد اُن کے صاحب زادے شیخ نور بخش سجادہ نشیں ہوئے۔ان کے بعد میاں نور جہانیاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور خواجہ محمد یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسندِ سجادگی کو رونق بخشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔آج کل میاں محمود بخش صاحب سجادہ نشین ہیں خواجہ نظام الدین صاحب اُن کے متعلق فرماتے ہیں:

"وہ ایک نہایت برگزیدہ ہستی، صوم وصلوۃ کے پابند۔احکام شرعی کے پورے عامل، عابد اور متقی ہیں۔تمام اوقات نیک کاموں میں بسر فرماتے ہیں، اور حالاتِ حاضرہ سے باخبر۔"[3]

---

1. تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۳۰
2. حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔مناقب فریدی ص ۳۳ وغیرہ
3. مکتوب خواجہ نظام الدین تونسوی بنام مصنف۔

Marfat.com

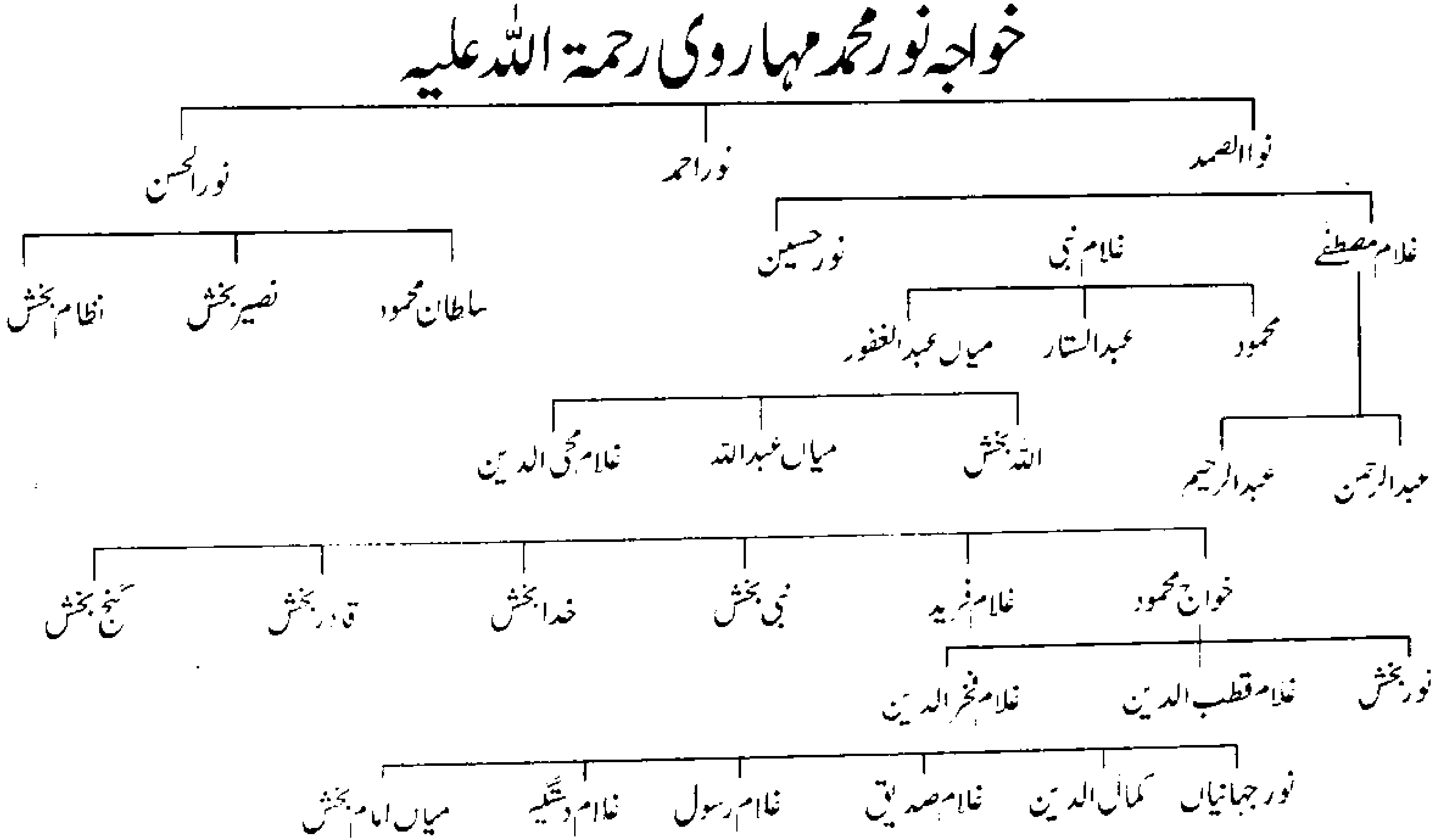
خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ
نور الصمد
نور احمد
نور الحسن
غلام مصطفٰے
غلام نبی
نور حسین
سلطان محمود
نصیر بخش
نظام بخش
محمود
عبدالستار
میاں عبدالغفور
عبدالرحمن
عبدالرحیم
اللہ بخش
میاں عبداللہ
غلام محی الدین
خواج محمود
غلام فرید
نبی بخش
خدا بخش
قادر بخش
گنج بخش
نور بخش
غلام قطب الدین
غلام فخر الدین
نور جہانیاں
کمال الدین
غلام صدیق
غلام رسول
غلام دستگیر
میاں امام بخش

Marfat.com

خلفاء ومریدین:

خواجہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء نے تونسہ شریف' حاجی پور چاچڑاں وغیرہ مقامات پر نظامیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم کیں اور سلسلہ کا فیض تمام پنجاب میں پھیلا دیا۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مریدوں کی تعداد کافی تھی۔ حاجی نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے:

"حضرت قبلہ عالم رابجز خلفاء مجازین دیگر مریدان کامل وصاحب نسبت ہم بسیار بودند۔"[1]

حضرت قبلہ عالم کے مریدان کامل اور صاحب نسبت کی تعداد' علاوہ خلفاء مجازین کے کثیر تھی۔

بعض خلفاء کے نام یہ ہیں:

(1) حضرت نارووالہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(2) قاری عزیز اللہ

(3) نواب غازی الدین

(4) حافظ غلام حسین

(5) قاری صبغۃ اللہ

(6) میاں محمد فاضل نیکوکارہ

(7) میاں غلام حسین بھٹی

(8) غلام محمد کیڑی

(9) حافظ ناصر

(10) مولوی محمد مسعود جہانگہ والا

(11) نور الحق

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۴۷

Marfat.com

(12) غلام محمد سکنہ میراوالی

(13) محمد غوث بحیدانہ

(14) محمد بخش چشتی

(15) اصالت خاں

(16) نواب لطف اللہ خاں

(17) مولوی نور محمد سکنہ نواں بھاول پور

(18) مولوی محمد حسین

(19) حافظ بنی

(20) مولوی محمد اکرم ڈیرہ غازی خاں

(21) مولوی محمد عجیب

(22) اختیار خاں

(23) مخدوم نو بہار اوچی صاحب

(24) عبدالوہاب اوچی

(25) مخدوم عبدالکریم

(26) مخدوم محب جہانیاں

(27) مولوی تاج محمود ساکن گڑھی

(28) شیخ جمال چشتی فیروز پوری

(29) حافظ عظمت میرن شاہ

(30) سید صالح محمد شاہ

شیخ نور محمد نارووالہ صاحبؒ:

نارووالہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قبلہء عالم کے عزیز ترین اور قدیم ترین خلیفہ تھے۔ قبلہ عالم نے سب سے پہلے ان ہی کو خلافت عطا فرمائی تھی۔ وہ بڑے جید عالم اور

Marfat.com

صاحبِ ذوق بزرگ تھے۔ حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں ناروواله سے "بوئے شکر بار" آتی ہے۔[1] پہلی بار جب وہ شاہ فخر صاحب کی خدمت میں اپنے پیر کے ہمراہ حاضر ہوئے تھے تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا تھا:

"مارا از چشمان ایشاں عشق بنظری آید۔"[2]

ان کی آنکھوں میں ہمیں عشق نظر آتا ہے۔

مصنف مناقب فخریہ اُن کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"مولانا نور محمد ساکن نارو مردے است کہ در شان او ایں آیۃ کریمہ کافی است۔
حاش للہ ماہذا البشراان ہذاالا ملک کریم۔"[3]

جس وقت وہ قبلہ عالم سے مرید ہوئے تھے۔ اس وقت وہ خود بڑے اعلیٰ پیمانہ پر درس تدریس کے کام میں مشغول تھے۔ لیکن جب قبلہ عالم کی خدمت میں پہنچے تو بزرگوں کی روایات کے مطابق' شاہ نور محمد صاحب سے تصوف کی کچھ کتابوں کا درس لیا۔ رسالہ اسرار الکمالیہ میں لکھا ہے کہ حضرت جمال الدین ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تین آدمی (خود' ناروواله صاحب اور قاضی عاقل محمد) قبلہ عالم کی خدمت میں لوائح' سواء السبیل' تسنیم وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ جب پڑھ کر اپنے مقام پر واپس آتے تھے تو پھر ناروواله صاحب سے اس کی تحقیق کرتے تھے

واگر در ظاہر ایں فیض از قبلہ عالم بودے "اما در حقیقت ایں ہمہ فیض ادراک مسائل وفہم آں کما حقہٗ از میاں صاحب ناروواله بود کہ ماہمہ را بہ بیان واضح می فہمانیدند۔"

اگرچہ ظاہر میں یہ فیض قبلہ عالم کا ہوتا تھا لیکن حقیقت میں سب کچھ فیض اور مسائل کا ادرک میاں صاحب ناروواله ہی سے حاصل ہوتا تھا کہ وہ ہر چیز کو صاف طریقہ پر سمجھا دیتے تھے۔

ناروواله صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شریعت وسنت کے بے حد پابند تھے۔ خیر۔

Marfat.com

الاذکار میں لکھا ہے:

''آں حضرت جامع شریعت وطریقت وحقیقت بود و پاس مراعات ظاہر شریعت بدرجہ اتم بود کی ہیچ مستحبے فوت نمی شد دبرادم باوضوی بودند............در مراتب طریقت وآداب و مجاہدہ وریاضت چناں مصروف بودند کہ ہیچ کس رایارائے ذکر امور دنیاوی بنودے''

حضرت شیخ شریعت طریقت حقیقت کے جامع تھے۔ شریعت کا احترام اس قدر تھا کہ کبھی کوئی مستحب تک فوت نہ ہوتا تھا۔ ہر دم باوضو رہتے تھے.........مراتب طریقت آداب ومجاہدہ اور ریاضت میں اتنے مصروف رہتے تھے کہ کسی کو (اُن کے سامنے) دنیا کے امور کے ذکر کی جرات نہ ہوتی تھی۔

اُن کے سینے میں عشق حقیقی کی آگ فروزاں رہتی تھی۔ اور وہ ان ہی بھڑکتے ہوئے شعلوں سے اپنا دل بہلایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مرید نے نواب غازی الدین خاں کے باغ میں رنگ برنگ کے پھولوں کو دیکھنے کی درخواست کی فرمایا

ما اسیراں را تماشائے چمن درکار نیست
داغہائے سینہ ما کمتراز گلزار نیست [1]

نارووالہ صاحب بے حد منکسر المزاج بزرگ تھے۔ باوجود جید عالم ہونے کے اُن میں علمی غرور قطعاً نہ تھا۔ لکھا ہے:

''باوجود آن کمالیت.....خودراچناں قاصری دانستند کہ گویا مبتدی اند'' [2]۔

باوجود اس کمال کے اپنے آپ کو اتنا قاصر سمجھتے تھے گویا کہ مبتدی ہیں۔

اپنے مریدوں کی اصلاح وتربیت میں خاص دلچسپی لیتے تھے۔ اُن کے اوقات

---

[1] یہ باغ مہار میں نواب غازی الدین خاں نے بنوایا تھا نواب موصوف کو قبلہ عالم سے بڑی عقیدت تھی اور ان سے خلافت پائی تھی۔

[2] مناقب المحبوبین ص ۱۰۹

Marfat.com

کے متعلق دریافت فرماتے اور مناسب موقع ہدایات دیتے تھے۔ایک مرید کو لکھتے ہیں:

''اوقات شریفہ راموزع دارند۔ وقت تعلیم، تعلیم، وقت ذکر ذکر۔''[1]

شاہ نارووالہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 6 جمادی الاول 1204ھ کو وصال فرمایا۔لفظ ''چراغ'' سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ان کا مزار حاجی پور میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔اُنھوں نے وصیت کی تھی کہ اُن کی قبر پر کسی قسم کا سایہ نہ ہو''تا مانع نور آسمانی نگردد۔''ان کے مریدوں نے یہ اطلاع شاہ نور محمد صاحب کو کی۔انھوں نے نہایت اصرار کے ساتھ اُن کے مزار پر عمارت[2] بنوادی۔شاہ نور محمد صاحب کو اُن کے وصال سے سخت صدمہ ہوا فرمایا:

''اگر میاں صاحب چندے مہلت یافتند' عالمے از ایشاں روشن می شد۔''[3]

اگر میاں صاحب کچھ اور مہلت پاتے تو ایک عالم ان سے روشن ہو جاتا۔

اور ان کے مریدوں کو ہدایت فرمائی کہ جب کوئی حاجت ہو تو بے تکلف ان سے کہہ دیا کریں۔[4]

شاہ نارووالہ صاحب کے ملفوظات مولوی محمد صاحب نے خیر الاذکار کے نام سے مرتب کئے ہیں۔

شاہ نارووالہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک فرزند تھے جن کا نام حافظ محمد تھا۔شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد وہی مسند نشین ہوئے۔اُن کے تین بیٹے تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن' مولانا عبدالرحیم اور مولانا غلام رسول۔

نارووالہ کے صاحب کے مشہور خلفاء کے نام یہ ہیں:

---

1. تکملہ سیر الاولیاء۔ص ۱۳۱ 2. مناقب المحبوبین۔ ص ۱۱۳
3. خلاصۃ الفوائد (ملفوظ خواجہ نور محمد)بحوالہ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۱
4. تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۴۲
ومناقب المحبوبین۔ ص ۱۱۷

Marfat.com

(1)	عبداللہ خاں	ڈیرہ غازی خاں
(2)	مولوی محمد حسن	راجن پور
(3)	نور محمد بڈہ	محمدؐ پور
(4)	مولوی ابوبکر	حاجی پور
(5)	مولوی محمد کہلوی	(جامع خیر الاذکار)

مولوی حافظ غلام حسین:

قبلہ عالم کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ''تجرید' تفرید' توحید'' میں یکتائے زمانہ تھے۔ تمام عمر آستانہ شیخ پر گذار دی۔ 9 ذی قعدہ 1240ھ کو وصال فرمایا۔ شاہ نور محمد صاحب کے قریب سپرد خاک کئے گئے۔ ان کے خلفاء میں غلام مرتضٰی صاحب بہت شہرت اور عظمت کے مالک تھے۔

نواب غازی الدین خاں:

نواب غازی الدین خاں' شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے اور قبلہ عالم سے خلافت پائی تھی۔ قبلہ عالم کے مناقب میں ایک مثنوی لکھی ہے جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

ذکر نور محمد آں ہمہ نور — گر نویسم جہاں شود پُر شور
دست نسبت عیاں کشید اورا — جذب دل سوئے جاں کشید اورا
پیکرِ او تمام پیکرِ جاں — ہست معیش ز گوہر جاں
کارش از فخرِ دیں گرامی شد — وارثِ نسبتِ نظامی شد
شیخ درحق او چنیں فرمود — زما ہرچہ بودہ است ربود
ہم بگلشا کزیں جہاں آرا — شدہ اُمید مغفرت مارا
ہست امروز او مرادِ مہاں — مرجعِ خاص و عام شیخ زماں

Marfat.com

باب پنجم

حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت مولانا شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مشہور ترین خلفاء میں تھے۔ علم و فضل میں یکتائے عصر تھے۔ زہد و تقویٰ کا دور دور شہرہ تھا۔ بریلی میں ان کی خانقاہ تھی۔ ہزاروں عقیدت مندوں کا وہاں ہجوم لگا رہتا تھا۔ تشنگان معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لیے دور دور سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ مولانا غلام سرور کا بیان ہے۔

"خلق بے شمار بہ حلقہ ارادت دے درآمد و مرد ماں از اقالیم دور و دراز یعنی از کابل و قندہار و شیراز و بدخشاں بہ خدمت بابرکت دے حاضر آمدہ مستفید و مستفیض شدند۔"[1]

بے شمار خلق ان کے حلقہ ارادت میں شامل تھی۔ اور لوگ دور دراز ملکوں سے یعنی کابل، قندہار، شیراز، اور بدخشاں سے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض اٹھاتے اور فائدہ حاصل کرتے تھے۔

خود شاہ صاحب کا عالم یہ تھا کہ عشق حقیقی کے نشے میں چور رہتے تھے۔ درد عشق ان کا سرمایہ حیات تھا۔ یہ آگ ہر وقت ان کے سینے میں سلگتی تھی۔ کبھی کبھی اس کے شرارے شعر کی صورت میں نمودار ہوتے تھے۔ وہ شعر بہت کم کہتے تھے۔ لیکن جب کبھی کہتے تھے اپنا دل نکال کر رکھ دیتے تھے۔ ان کے لفظ لفظ سے اثر ٹپکتا تھا۔ ان کا شعر اعماق

---

[1] خزینۃ الاصفیا۔ جلد اول۔ ص

Marfat.com

روح سے نکلتا اور سننے والے کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا کلام اس زمانہ کے صوفیہ میں بہت مقبول ہوا۔ صاحب خزینۃ الاصفیا نے لکھا ہے۔

''حضرت شاہ دل آ گاہ بہ شعر رغبت تمام داشت۔ واشعار آب دار متضمن حقایق و معارف گفتے چنانچہ دیوان نیاز کہ از تصانیف آں حضرت است بسیار مرغوب ومطبوع طبع جماعت اصفیاء است۔''[1]

حضرت شاہ صاحب شعر کی جانب بڑی رغبت رکھتے تھے اور نہایت آب دار اشعار جن میں حقایق و معارف کا ذکر ہوتا تھا' کہتے تھے چنانچہ دیوان نیاز جماعت اصفیا میں بے حد مرغوب ہے۔

ولادت اور ابتدائی حالات:

شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ 1173ھ میں بہ مقام سرہند پیدا ہوئے۔[2] والد ماجد حکیم شاہ رحمت صاحب کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ والدۂ ماجدہ نے پرورش کی اور تعلیم وتربیت کا نہایت عمدہ انتظام کیا۔ جب سرہند کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو دہلی میں شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت بابرکت میں علوم ظاہری کی تکمیل کے لیے حاضر ہوئے۔ شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہایت ذکی اور ذہین انسان تھے۔ 17 سال کی عمر میں معقول ومنقول' فروغ واصول' حدیث وتفسیر میں کمال حاصل کر لیا۔ علوم ظاہری سے فراغت ہوئی تو شاہ فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔ اور علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر 19 سال تھی۔ آپ کی لیاقت' استعداد اور سعی پیہم سے پیر بہت متاثر ہوئے اور اپنا خلقہ راشتیں مقرر کیا۔ اور بریلی میں اقامت کی ہدایت فرمائی۔ بریلی پہنچ کر شاہ نیاز احمد صاحب نے اپنی خانقاہ قائم کی' جو بہت جلد' بقول مولانا غلام سرور ''معدن فیوض ربانی'' اور مطلع انوار سبحانی بن گئی۔ جگہ جگہ سے لوگ آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کے لیے آتے

---

[1] جلد اول۔ ص

[2] مناقب فریدی۔ ص ۴۰

Marfat.com

تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اٹھارویں صدی میں چشتیہ نظامیہ سلسلے کو ہندوستان میں جو کچھ فروغ ہوا' وہ مولانا شاہ فخر الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو مریدوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ شاہ نور محمد صاحب نے پنجاب میں اور شاہ نیاز احمد صاحب نے یو پی میں سلسلے کو خوب پروان چڑھایا۔

دہلی میں درس و تدریس:

اس زمانے کے صوفیہ نے درس و تدریس کا کام اپنے پروگرام کا ایک لازمی جزو بنالیا تھا۔ چنانچہ شاہ نیاز احمد صاحب نے بھی کافی عرصہ تک دہلی میں درس و تدریس کا کام انجام دیا مصحفی نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ان کی ''شان علم'' اور ''وجاہت'' دیکھی تھی۔ ریاض الفصحاء کے ایک بیان سے دہلی میں ان کی تعلیمی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔[1]

مصحفی اور شاہ صاحبؒ:

مصحفی نے دہلی میں حضرت شاہ نیاز احمد صاحب سے تلمذ کیا تھا۔ ریاض الفصحاء میں لکھتے ہیں۔

''چندروز میزان ہم از ایشاں در شاہ جہاں آباد خواندہ بود۔''[2]

جب مصحفی لکھنؤ چلے گئے اور ان کے شاعرانہ کمالات کا شہرہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کانوں تک پہنچا تو اپنی ایک غزل مصحفی کو لکھ کر بھیجی

کسیکہ سر نہاں است ...... ہمہ اوست
عروسِ خلوت وہم شمع انجمن ہمہ اوست
زمصحفِ رخ خوباں ہمیں موز رقم
کہ خط و خال ورخ وزلف پُرشکن ہمہ اوست

---

1. ریاض الفصحاء ص ۳۳۹
2. ریاض الفصحاء۔ ص ۳۳۹ (مطبوعہ انجمن ترقی اردو)

Marfat.com

نظر بہ عیب مکن در ظہور باغ وجود!
کہ طوطیان چمن زاغ و ہم زغن ہمہ اوست
از سرِ عشق چو واقف شوی یقیں دانی!
کہ قیس و لیلےٰ و شیریں و کوہ کن ہمہ اوست
شنیدہ ام بہ صنم خانہ از زبانِ صنم
صنم پرست و صنم گر صنم شکن ہمہ اوست
رساند مطربِ خوش گو ہمیں ندا در گوش!
کہ چوب و تار صدائے تنن تنن ہمہ اوست

شاہ صاحب بہ حیثیت اُردو شاعر:

شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو سوز و گداز سے بھری ہوئی طبیعت ودیعت کی گئی تھی۔ عشق ان کے خمیر میں تھا۔ جذباتِ عشق و محبت کبھی کبھی شعر کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔ شاہ صاحب شعر بہت کم کہتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کے اردو اور فارسی دونوں دیوان بہت مختصر ہیں۔ لیکن جو کچھ بھی ہے وہ اپنی جامعیت اور افادیت میں کم نہیں ان کی فکرِ رسا نے تصوف کے نہایت باریک نکات کو انتہائی حسن اور دل کشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے کلام میں آورد نہیں۔ وہ قلبی واردات کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ سوز و گداز' درد' علو معانی کے علاوہ نفاست' سلاست اور روانی ان کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔ حضرت نیاز نے فکرِ رسا پائی تھی۔ اور اس پر خود حضرت نیاز کو ناز تھا۔ کہتے ہیں ۔

رکھتے ہیں نیاز یہ اہل دل ترے شعر سننے کا اشتیاق
غزل ایک دوسری اور کہہ تجھے حق نے فکرِ رسا دیا!

ایک جگہ اپنی فصیح البیانی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں ۔

بھلا ایک غزل اور بھی ایسی کہیو
تجھے میں فصیح البیان دیکھتا ہوں

Marfat.com

سلاست اور روانی حضرت نیاز کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔ وہ نہایت بلند خیالات کو انتہائی سادگی، نفاست اور دل کشی کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور اس سادگی میں ادبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ یہاں آمد ہی آمد ہی آورد کا نام نہیں۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

رواں آنکھوں سے ہے سیلابِ گل گوں
الٰہی چشم ہے یا چشمہ خوں!

اک تو ہی نہیں میں بھی ہوں ان آنکھوں کا مارا
اے اہلِ نظر نرگس بیمار سے کہدو

کروں کیا بیاں میں ہم نشیں اثر اس کے لطفِ نگاہ کا
کہ تعینات کی قید سے مجھے ایک دم میں چھڑا دیا

فرشِ زمیں ہے خاک نشینوں کا بسترا
بے خان و مانِ عشق کا تکیہ ہے خشت و سنگ

مجھ سے مریض کو طبیب ہاتھ تو اپنا مت لگا
اس کو خدا پہ چھوڑ دے بہرِ خدا جو ہو سو ہو

غمِ جدائی کو ہم جانیں یا خدا جانے
بلاکشوں پہ جو گزری تری بلا جانے

بعض چھوٹی بحر کی غزلیں اپنی روانی سادگی اور شگفتگی میں بے نظیر ہیں

ستارے نہیں یہ شب تار کے　　شرارے ہیں آہِ شرربار کے
مبارک رہے تجھ کو واعظ بہشت　　میاں ہم تو طالب ہیں دیدار کے
جو دیکھے تجھے بلبل اے رشکِ گل　　نہ پھٹکے کبھی گرد گلزار کے

Marfat.com

صفائی ترے سلک دنداں کی دیکھ ہوئے غرق دریا گہر بار کے
کہاں فصلِ گل ہے کہاں وہ بہار چلو مل کے رودیں گلے خار کے
غزل اور ایسی ہی کہیو نیاز کہ مشتاق ہیں تیرے اشعار کے

حضرت نیاز کو زبان پر بڑی قدرت تھی۔ وہ نہایت ہی سنگلاخ زمین میں' بہت ہی بے تکلف شعر کہتے تھے اور کمال یہ ہے کہ ان اشعار میں بھی آورد کا شبہ نہیں ہوتا۔ ایک غزل کا مطلع ہے ۔

لشکرِ غم آپڑا اقلیمِ دل پر ٹوٹ ٹوٹ
یہاں ندائے الاماں تھی وہاں صدائے لوٹ لوٹ

اس زمین میں تقریباً 28 شعر کہے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

چشمِ بد سے دور رہیو کیا ہی آب و تاب ہے
ہوں گی یہ آنکھیں بنائی موتیوں سے کوٹ کوٹ
دیکھ میرا خونِ اشک اس نے کہا شب مجھ کو دیکھ
تیری آنکھوں میں گئی میری حنا سب چھوٹ چھوٹ

شیفتہ نے گلشن بے خار میں ان کے یہ اشعار منتخب کیے ہیں۔

وہ جو نقشِ پا کی طرح رہی تھی نمود اپنے وجود کی مجھے چین خوابِ عدم میں تھا نہ تھا زلفِ یار کا کچھ خیال صبر و قرار و شکیب طاقت و تاب و تواں ہجر کی جو مصیبتیں عرض کیں اس کے روبرو۔

سو کشش نے دامن ناز کی اسے بھی زمیں سے مٹا دیا یہ جگا کے شور ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا اور تو سب چل بسے رہ گئی اک جان تو ناز و ادا سے مسکرا کہنے لگی جو ہو سو ہو۔ [1]

---

[1] گلشن بے خار۔ ص ۲۳۳ (نول کشور۔ ۱۹۱۰ء)

Marfat.com

وحدت وجود:

شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دیوان کا اصل موضوع وحدتِ وجود ہے۔انھوں نے اٹھارویں صدی میں اس نظریہ کی اشاعت میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا۔ ان کا سارا کلام اسی سے لبریز ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں

وحدت کے ہیں یہ جلوے نقش و نگارِ کثرت
گر سرِ معرفت کو پاوے شعور تیرا
معمور ہو رہا ہے عالم میں نور تیرا
از ماہ تا بہ ماہی سب ہے ظہور تیرا
عالم کہے جس کو جہاں یعنی جہانِ جسم و جان
شانیں ہیں سب اس ذات کی جس کو کہے سنسار ایک
بے امتیاز بیش و کم دانے میں ہیں یہ سب بہم
بیخ و درخت و شاخ و گل انبوہِ برگ و بار ایک
طوطی ہو جب دستاں سرا سو سو طرح سے دے نوا
ہر دم نئی بولے صدا اور ہے وہاں منقار ایک
نیرنگیوں سے یار کی حیراں نہ ہو جیو
ہر رنگ میں اسی کو نمودار دیکھنا
جسے ذات بے رنگ و بے چوں کہیں ہیں
بہ ہر رنگ جلوہ کناں دیکھتا ہوں

صورتِ گل میں کھل کھلا کے ہنسا! شکل بلبل میں چہچہا دیکھا
شمع ہو کر کے اور پروانہ آپ میں آپ کو جلا دیکھا
کرکے دعوا کہیں انا الحق کا! بر سر دار وہ کھینچا دیکھا

کائنات ان کے نزدیک ایک بحرِ رواں ہے۔مسلسل اور متواتر۔

Marfat.com

اگر کوئی جانے جہاں غیر حق ہے سو میں اس کو دھوکا گماں دیکھتا ہوں
یہ جو کچھ کہ پیدا ہے سب عینِ حق ہے کہ ایک بحر ہستی رواں دیکھتا ہوں
ازل سے لے کر ابد تک وہی جو ہے سو ہے یہ رنگ بحرِ رواں جس میں ہے نہ توڑ نہ جوڑ

اسی مسئلے کو ریاضی سے بھی ثابت کرتے ہیں۔ جو رشتہ ایک (مبتداء الاعداد)
اور دوسرے اعداد میں ہے وہی رشتہ خدا اور کائنات کے درمیان ہے۔

تعینات کے نقطوں سے ہے کثیر احد وہی ہے ایک یہ دس سو ہزار لاکھ کروڑ
ہیں دیدۂ بنیا میں ہم سارے کم و بسیار ایک کثرت نمایاں اتنی ہو جتنا کرے تکرار ایک

وحدیت اُدیان:

شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وحدتِ ادیان کے قائل تھے۔ ان کی حریتِ فکر و ضمیر کا یہ عالم ہے' کہتے ہیں۔

یہ سب ادیان و ملل ہیں شاخ ہائے یک درخت ایک جڑ سے ہیں یہ نکلی ڈالیان سب پھوٹ پھوٹ
گر بادۂ توحید پئیں اہلِ مشارب ہفتا د و دو ملت کی ہو تکرار فراموش
جو رب الحرم ہے صنم بھی وہی ہے حرم و دیر میں یکساں دیکھتا ہوں
اسے برہمن اور اُسے شیخ مانے یہ آپس کا جھگڑا یہاں دیکھتا ہوں

عشق حقیقی:

شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صوفی تھے' عشق الٰہی ان کے خمیر میں تھا۔ وہ عشق کے بندے تھے' عشق کی دنیا میں رہتے تھے۔ عارف روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرح ان کے قلب کی دھڑکنوں میں یہ آواز پوشیدہ تھی ۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما!

عشق کے اُن پر اتنے احسان ہیں کہ کہتے ہیں ۔

کہاں تک کہوں لطف و احسانِ عشق
کہ جوں جوں گھٹا میں بڑھا یا مجھے

Marfat.com

یہاں تک دیا مجھ کو حُسنِ عروج
کہ بندے سے مولا بنایا مجھے

عشق کی دنیا میں پہنچ کر وہ عقل وہوش کو الوداع کہتے ہیں۔

جونہیں آمد آمد عشق کا مجھے دل نے مژدہ سنا دیا
خرد وحواس وشکیب نے وہیں کوسِ کوچ بجادیا
جب بردر دل حضرت عشق آن پکارے
گوشے ہوئی عقل اور ہوئے اوسان کنارے

جب شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو۔

جبھی جاکے مکتب عشق میں سبق مقام فنا لیا
جو کچھ لکھا پڑھا تھا نیاز نے سو وہ صاف دل سے بھلا دیا

علوم ظاہری کو خیر باد کہہ کر وہ اس شان سے عشق کے میدان میں قدم رکھتے ہیں۔

عشق کے میدان میں آ صورتِ انسان بنا
عاشق مولا ہوا چاند کا جیسے چکور

جذباتِ عشق ان کے سینے میں متلاطم ہوتے ہیں۔ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں۔

جوش زن ہے عشق کی بے اب خم دل میں نیاز
گہہ ابل کر وہ گرے گہہ خم سے نکلے پھوٹ پھوٹ
کیا جوش میں ہے اب مئے وحدت خم دل میں
ابلے ہے پڑی رومی و عطار سے کہہ دو

آتشِ عشق ان کے سینے کو جلا دیتی ہے۔

کہیں عاشق نیاز کی صورت
سینہ بریاں و دل جلا دیکھا

طوفان اشک امنڈتا ہے۔ بے اختیار نیاز کے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھتے ہیں۔

Marfat.com

یاالٰہی زورق گردوں سنبھال
بے طرح اڈا ہے یہ طوفانِ اشک

ایک لمحہ رکتا ہے۔ سوچتا ہے کہ حقیقتاً یہ اس کی یاوری کی ہے۔

پھک چکے تھے ہم تو اے یارو ابھی
گر نہ ہوتا اس گھڑی احسانِ اشک

عشق نے شاہ صاحب کی شاعری میں ایک درد، سوز اور گرمی پیدا کردی ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ محسوس بھی کرتے ہیں، اس لیے اس کی آتش انگیزی بھی بے پناہ ہوتی ہے۔ ہر لفظ جوان کی زبان سے نکلتا ہے، گرمی اور تاثیر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔

تبحر علمی اور تصانیف:

شاہ نیاز احمد صاحب بڑے جید عالم تھے۔ ان کی تصانیف ان کی علمیت کی شاہد ہیں۔ حضرت عزیز میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خاکسار مصنف کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بہت سی کتابیں ہیں۔ جن میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں

شمس العین شریف

رسالہ راز و نیاز

تحفہ نیازیہ حضرت بے نیاز

رسالہ تسمیہ المراتب

مجموعہ قصاء عربیہ

شرح قصائد عربیہ

حاشیہ شرح چغمنی [1]

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اشعار سے بھی تبحر علمی کا پتہ چلتا

[1] مکتوب حضرت عزیز میاں بنام مصنف

Marfat.com

ہے۔ فلسفہ و منطق وغیرہ کی اصطلاحات جگہ جگہ اپنے اشعار میں استعمال کرتے ہیں۔[1]

خلفاء و مریدین:

حضرت شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء کی تعداد کثیر تھی۔ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر ان کے سلسلہ کی خانقاہیں قائم تھیں حضرت عزیز میاں صاحب نے خاکسار مصنف کی گزارش پر ان کے خلفاء کی مندرجہ ذیل فہرست ارسال فرمائی ہے۔

(1) تاج الاولیا شاہ نظام الدین صاحب
(2) مولوی عبداللطیف صاحب سمرقندی
(3) مولوی نعمت اللہ خاں بخاری کابل
(4) حافظ وزیر خواجہ کابل
(5) مولوی محمد حسین مکہ معظمہ
(6) میر محمد سمیع صاحب بدخشانی
(7) مسکین شاہ صاحب ولایتی
(8) ملا عیوض محمد بدخشانی
(9) مولوی یار محمد کابلی
(10) محمد عثمان خاں وزیر خیلی کابل
(11) ملا جان محمد خاں اخون کابل
(12) مخدوم عبدالشہید صاحب یارقندی
(13) حاجی ہاشم صاحب کابل
(14) محمد فخر عالم شاہ جہاں پوری
(15) سید احمد علی شاہ آبادی

---

[1] ملاحظہ ہو مصنف کا مضمون "حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی بہ حیثیت اردو شاعر" مطبوعہ رسالہ اردو اکتوبر ۱۹۴۵ء ص ۴۰۷

Marfat.com

(16) سید حشمت علی شاہ آبادی

(17) میاں فخر الدین صاحب

(18) خلیفہ وجیہہ الدین

(19) مرزا اسد اللہ بیگ بریلوی

(20) حاجی شرف الدین ردولی

(21) سید صاحب شاہزادہ کیڑ دراجمیر شریف

(22) سید ضیاء الدین

(23) محمد عبداللہ خاں صاحب شاہ جہاں پور

(24) مولا داد خاں شاہ جہاں پور

(25) مولوی محمود عالم بچھرایونی

(26) بخش اللہ شاہ آبادی

(27) حکیم رحیم اللہ بچھرایونی

(28) مولوی عبدالرحمان جاورہ

(29) غلام مولیٰ اکبر آبادی

(30) محمد کفایت اللہ

(31) مولوی عبیداللہ جی پکھیلی

(32) مولوی عبدالرحمان

(33) شاہ شمس الحق لکھنؤ

(34) شاہ نورالدین بریلوی

(35) مولوی مستاں خاں شاہ جہاں پور

(36) خلیفہ عبدالرسول کابل

(37) مخدوم جی بدخشانی

Marfat.com

سجادہ نشین:

حضرت شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 6 جمادی الثانی 1250ھ کو بمقام بریلی وصال فرمایا۔ان کے بعدان کے خلف اکبر حضرت تاج الاولیا شاہ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ نشین ہوئے۔ان کے چھوٹے بھائی شاہ نصیر الدین بدایوں تشریف لے گئے تھے۔اور وہیں لاولد وصال فرمایا۔وہ مجرد زندگی بسر کرتے تھے۔شاہ نظام الدین بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ ہزاروں عقیدت منداان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ان کے مریدوں میں دو بزرگ خاص طور سے قابل ذکر ہیں (1) مولانا عبدالسلام صاحب نیاز دہلوی اور (2) مولوی عبدالرحمان صاحب مرحوم بچھرایونی' مولانا عبدالسلام صاحب نہایت جید عالم تھے۔فلسفہ' ریاضی اور الٰہیات پر خاص عبور ہے۔وحدتِ وجود پر ان کی گفتگو بڑی دل چسپ اور عالمانہ ہوتی تھی۔مولوی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم بزرگوں کی دیرینہ روایات کے حامل تھے اور اپنے سلسلہ کے مشائخ سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔

شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ محی الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ نشین ہوئے۔آج کل شاہ صاحب کے نواسے حضرت عزیز میاں عزیز سجادہ پر جلوہ فرما ہیں۔ان کے مریدین کی تعداد کثیر ہے۔راز تخلص کرتے ہیں۔شعر میں دردسوز اور معنی سب کچھ ہوتا ہے۔شاہ نیاز احمد صاحب کے کچھ اشعار کی تضمین کی ہے۔جن میں راز و نیاز کی باتیں بڑے انداز سے کہی گئی ہیں۔ان کے خلفاء میں ایک بزرگ مولوی سید انوار الرحمان صاحب بسمل تھے جو بڑے زاہد' عالم اور شگفتہ مزاج بزرگ تھے۔

مسکین شاہ صاحب:

حضرت شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء میں ایک خاص مرتبہ کے مالک تھے۔قصبہ کشتور نواح کشمیر میں آپ کی ولادت ہوئی۔بزرگ عہدہ قضا پر مامور تھے۔آپ بھی کچھ عرصہ قاضی رہے۔پھر سب سرمایہ راہِ خدا میں لٹا کر دنیا سے کنارہ کش

Marfat.com

ہو گئے سب سے پہلے قادریہ سلسلہ میں حضرت گنگال شاہ سے بیعت کی۔ پھر نقشبندیہ سلسلہ میں حضرت شاہ غلام علی صاحب کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ مسئلہ وحدتِ وجود پر کچھ اطمینان چاہتے تھے۔ بالآخر شاہ نیاز احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان ہی کے ہو گئے۔ شاہ صاحب نے ان کو جے پور روانہ فرمایا۔ جہاں ہندو اور مسلمان سب ہی آپ سے عقیدت رکھنے لگے۔ 28 جمادی الاول 1275ھ کو وصال فرمایا خزینۃ الاصفیاء میں تاریخ وفات لکھی ہے

شاہ مسکین چوں بحق شد واصل
رفت نزدِ خدا خدا آگاہ!
گفت تاریخ رحلتش سرور
کہ امامِ بہشت مسکیں شاہ!! [1] 1275ھ

ان کے خلیفہ سیکر میں شاہ ولی محمد صاحب فتح پور میں محبوب علی شاہ صاحب کرنال میں فیض اللہ شاہ صاحب الہ آباد میں مولانا سکندر علی صاحب، لکھنؤ میں، مولوی گل محمد جے پور میں مولانا صادق علی شاہ صاحب تھے۔ آج کل ان کے سجادہ نشین مولانا فضل حق شاہ صاحب ہیں۔

---

[1] خزینۃ الاصفیاء [2] مکتوب سید اکرام حسین صاحب ... بنام مصنف

Marfat.com

باب ششم

حضرت خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ممتاز ترین خلفاء میں تھے۔ پنجاب میں نظامیہ سلسلہ کی اشاعت میں انھوں نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ چاچڑاں' کوٹ مٹھن احمد پور وغیرہ مقامات کی خانقاہیں ان ہی کی کوششوں سے وجود میں آئیں۔ حاجی نجم الدین صاحب نے لکھا ہے۔

"ہزار ہا مخلوق از دروزاۂ ایشاں فیض یاب شدند وصد ہا صاحب خانقاہا از ایشاں ملبعوث شدند۔"[1]

ہزار ہا مخلوق نے ان کے دروازے سے فیض پایا اور سینکڑوں صاحب کا خانقاہ ان سے مبعوث ہوئے۔

ان کے علمی تبحر' پابندی شرع' بزرگانہ شفقت' اخلاق و مروت کا دور دور شہرہ تھا۔ لوگ بڑی عقیدت سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ یہ ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ پنجاب کے نہایت ہی دور افتادہ اور غیر معروف علاقوں میں مذہبی اور روحانی تعلیم کا چرچہ ہو گیا اور ان کے خرمن کمال کے خوشہ چین دور دور پھیل گئے۔

خاندان ونسب:

خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک معزز فاروقی خاندان کے فرد تھے۔ ان کے اجداد شاہان مغلیہ و امراء وقت کی نظروں میں خاص عزت رکھتے تھے۔ ان کے ایک بزرگ

---

1 مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۳

Marfat.com

حضرت محبوب اللہ الصمد مخدوم نور محمد تھے۔ ارادت خاں وزیر شاہ جہاں ان کا مرید تھا۔ شاہجہاں نے ان کو پانچ ہزار بیگہ اراضی اخراجات کے واسطے دی تھی اور اس مضمون کا ایک فرمان عطا کیا تھا[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ الخ

مورخہ بست و پنجم شہر ربیع الاول 7 جلوس مطابق 1044ھ

بدیں مضمون کہ

دریں زمان فرمان سعادت نشان فرخندہ عنوان بغرض اینکہ موازی پنج ہزار بیگہ زمین قابل زراعت از پرگنہ منگلوٹ سرکار صوبہ دارالامان ملتان در وجہ مدد معاش بنام خادمان کرامت نشان پیر و مرشد طریقت ہادی راہ حقیقت راہبر راہ شریعت و معرفت غواص بحر عرفان زبدۂ خدا پرستان حضرت قبلہ میاں صاحب مخدوم نور محمد کوریجہ دام اللہ ظلہ و شرفہ معہ فرزندان از ابتدائے فصل خریف بازگشت اری بہشت 999 فصلی مقرر است امر رفیع القدر شرف صدور یافت کہ زمین مذکورہ بہ میاں صاحب معزالیہ عنایت فرمودیم کہ حاصلات آنہا فصل بہ فصل سال بسال صرف مایحتاج خود نمودہ دعائے خیر دولت ابد پیوند اشتغال می فرمودہ باشند' باید کہ حکام عمال و جاگیرداراں وکرداریاں حال و استقبال واہل پرگنہ اراضی مذکور در محل پیمودہ حسب الحکم اشرف الاعلیٰ ایں امر جلیل القدر را مستمر دانستہ در زمین مذکور از مالیہ سرکار یک صد و چہل چاہ چک بستہ و یک مسجد مبارک و سرائے رنگین پختہ درس خواندن طالب علماں ساختہ بتصرف میاں صاحب معزالیہ و ہندو

---

[1] مناقب فریدی۔ ص ۴۷۔۴۶

Marfat.com

بوجہات وسائرِ حیات اخراجات مثل مغلیہ وپیش کش وجرمانہ وخالصانہ و محصولانہ ودروغگانہ ومہرانہ و وہ نیمی ومقدمی وصدودمی ہو قانو گوئی وضبط ہر سال وتکرار زراعت وکل تکالیف دیوانی ومطالبات سلطانی مزاحمت نر سانندودر ہر سال وہر فصل سند مجدد لظلبند۔ واجب الارشاد عمل نمودہ تخلف نوازند۔" تحریر بتاریخ

مناقب فریدی میں عالمگیری اور شاہانِ مابعد کے فرامین بھی درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس جاگیر کو برقرار رکھا اور شاہ نور محمد کوریجہ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا

نور محمد کوریجہ کے تین فرزند تھے۔ (1) سلطان مخدوم (2) مخدوم محمد یعقوب (3) حاجی محمد اسحاق اول الذکر نے لاولد وصال فرمایا' موخر الذکر کی اولاد بہرون ضلع ڈیرہ غازی خان میں آباد ہوگئی۔ محمد یعقوب کے دو بیٹے ہوئے۔

(1) مخدوم غلام حیدر۔ ان کا مزار دریائے سندھ کے کنارے راوالی میں ہے۔

(2) مخدوم محمد شریف۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ ایک قاضی نور محمد دوسرے قاضی محمد عاقل[1] محمد شریف صاحب' یاراوالی میں مقیم ہو گئے تھے اور وہاں ان کے کثیر تعداد میں مرید ہو گئے تھے۔ وہ بڑے مرتاض بزرگ تھے۔ زہد وورع' قناعت وتوکل میں یگانہ روزگار' تھے۔ حاجی نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ "عالم باعمل" اور "صاحب برکت" تھے۔[2] خواجہ گل محمد احمد پوری نے لکھا ہے کہ وہ زہد وورع' میں لاثانی تھے۔[3]

کوٹ مٹھن:

"مناقب فریدی" میں کوٹ مٹھن کے آباد ہونے کے متعلق لکھا ہے کہ جب

---

1. مناقب فریدی۔ ص ۴۸ 2. مناقب المحبوبین۔ ص ۱۱۹

3. تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۳۸

Marfat.com

مخدوم محمد شریف صاحب، یاراوالی میں آ کر آباد ہوئے تو مٹھن خان بلوچ رئیس یاراوالی آپ کا مرید ومعتقد ہوگیا۔ ایک دن آپ کا گذر اس جگہ سے ہوا جہاں اب کوٹ مٹھن آباد ہے۔ دریا کے کنارہ پر یہ پُر فضا مقام دیکھ کر آپ نے خان موصوف سے کہا کہ اس جگہ ایک شہر آباد کیا جائے اور وہ اللہ والوں کا مسکن ہو۔ خان نے اس جگہ شہر بسانا قبول کرلیا۔ اور مخدوم سے گذارش کی کہ وہ خود اس مقام کو اپنا مستقر بنائیں۔ اس طرح کوٹ مٹھن وجود میں آیا[1] اور حضرت مخدوم شریف کی موجودگی کی وجہ سے دور دور سے علماء ومشائخ وہاں آ کر جمع ہو گئے۔

کوریجہ لقب:

شاہ محمد عاقل صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا خاندانی لقب کوریجہ تھا۔ تمام شاہی فرامین میں ان کے بزرگوں کے نام کے ساتھ کوریجہ لقب ملتا ہے۔ حاجی نجم الدین صاحب نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ خواجہ صاحب کے خاندان کے ایک بزرگ ایک دن مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گئے اور پوچھا کہ کیا کسی نے اذان کہہ دی ہے؟ لوگوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے مٹی کے ایک برتن کو جو قریب ہی رکھا تھا اٹھایا اور کہا کہ اے کوزہ تو اذان کہہ۔ اس وقت سے ان کو ''کوریجہ'' کہنے لگے۔ کوزہ کو سندھی زبان میں کورا کہتے ہیں اور کہنے کے لیے جو استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ لفظ کوراجو ہوگیا۔ جس کے معنی ''کوزہ بگو'' رفتہ رفتہ کوراجو سے کوریجہ ہوگیا۔[2]

تعلیم:

خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بہت تھوڑی عمر میں کلام پاک حفظ کرلیا تھا۔[3] ان کے والد ماجد مخدوم محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو ''یکتائے زماں'' اور ''محدث دوراں''[4] تھے خود ان کو تعلیم دیتے تھے۔ فاضل باپ نے اپنے ہونہار بیٹے میں

---

1. مناقب فریدی۔ ص ۴۹
2. مناقب المحبوبین۔ ص ۱۱۹۔ ۱۱۸
3. مناقب فریدی۔ ص ۵۰
4. تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۹

Marfat.com

علم وادب کا وہ ذوق وشوق پیدا کر دیا جو آخر عمر تک ان کا طرۂ امتیاز رہا۔ اور جس سے ہزاروں شائقین علم وادب نے فائدہ اٹھایا۔

خواجہ صاحب نے اپنے والد کے علاوہ حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور خواجہ مہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی تحصیل علوم کی تھی۔ حضرت شاہ فخر صاحب نے ان کو شرح عبدالحق اور سوالسبیل کا درس دیا تھا۔[1] خواجہ مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے انھوں نے حدیث کی سند لی تھی۔[2]

خواجہ صاحب کا حافظہ نہایت عمدہ تھا۔ جزوی مسائل تک صحت اور حوالوں کے ساتھ ان کو یاد رہتے تھے۔ ان کے تبحر علمی کے متعلق خواجہ گل محمد احمد پوری نے لکھا ہے۔

"درعصر خود شرقاً غرباً مماثل آنحضرت در علم ظاہری ہم کسے بنود۔"[3]

شرق وغرب میں ان کی مثل اس زمانہ میں علم ظاہری میں کوئی نہ تھا۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں۔

"خلوق علم از اصول وفروع بآں مشابہ بود کہ بدرجہ اجتہاد رسیدہ بود۔"[4]

اجرائے مدراس وسلسلہ درس وتدریس:

خواجہ محمد عاقل صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ابتدا ہی سے درس وتدریس کا بڑا شوق تھا انھوں نے کوٹ مٹھن میں نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ایک مدرسہ قائم کیا۔ بڑے بڑے عالم اس مدرسہ میں ملازم تھے۔ درس وتدریس کا کام بہت باقاعدہ ہوتا تھا۔ خود خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سو سے زیادہ طلباء کو درس دیتے تھے۔ مدرسہ کے ساتھ ہی ایک بڑا لنگر خانہ تھا۔

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۱ [2] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۸۔ ۱۷۹ سلسلہ حدیث اس طرح درج ہے۔ شیخ محمد عاقل شیخ نور محمد۔ شیخ فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ نظام الدین الفوری ثم اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ شیخ حافظ محمد اسعد الانصاری المکی ثم اورنگ آبادی۔ شیخ محمد طاہر بن شیخ محمد ابراہیم کردی۔ شہراوزی شیخ محمد ابراہیم کردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

[3] تکملہ سیر الاولیا۔ ص ۱۳۹۔ [4] ایضاً

Marfat.com

جب آپ کوٹ مٹھن سے شدانی تشریف لے گئے تو وہاں بھی مدراس قائم کیے اور طلباء اور اساتذہ کے لیے لنگر کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ [1]

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مدارس میں جن کتابوں کا درس ہوتا تھا وہ یہ ہیں

مشکوٰۃ شریف۔ احیاء العلوم۔ صحیح بخاری۔ لوائح وشرح قصیدہ

سواالسبیل۔ تسنیم۔ فصوص الحکم

شرح وقایہ معہ خواشی۔ ہدایہ۔ شرح مواقف۔ شرح ہدایۃ الحکمۃ

میر ہاشم۔ شرح عقاید۔ خیالی۔ مطول وغیرہ۔ [2]

خواجہ مہاروی کی خدمت میں حاضری:

تحصیل علم کے بعد خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے بڑے بھائی میاں نور محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اصلاح باطن اور تزکیہ نفس کے لیے مرشد کامل کی تلاش اور جستجو پیدا ہوئی۔ اگرچہ خود ان کے والد ماجد بڑے صاحب کمال بزرگ تھے لیکن بقول خواجہ گل محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

''داعیہ آنجناب شہباز بلند پرواز بود۔'' [3]

اسی اثنا میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شہرت سنی۔ اتفاقاً ان کے بڑے بھائی کی موضع یاران والی میں خواجہ مہاروی سے ملاقات بھی ہوگئی، پہلی ہی نظر میں یہ عالم ہوا کہ۔

''......ہیبت......آں بادشاہ گدا

لباس ور گرفت'' [4]

اور بے اختیار زبان پر یہ اشعار آ گئے۔

بشبہائے سیہ کے بد امیدم

کہ روزے گرددایں روز سفیدم

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۴۰۔ [2] ایضاً

[3] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۴۵ [4] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۴۵

Marfat.com

شبم را صبح فیروزی برآید!
غم و رنج شبا نروزی سر آید
کہ بودم گمر ہے در ظلمتِ شب
رسیدہ جان ز گمراہیم برلب
برآمد ازافق رخشندہ ماہے
بکوئے دوستم بنمو ہے [1]

اسی رات کو ایک قاصد خواجہ محمد عاقل کو بلانے کے لیے کوٹ مٹھن بھیجا گیا۔ خواجہ صاحب فوراً آ کر ملے اور اوچ میں خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی۔

دہلی کا سفر اور شاہ فخر صاحب کی خدمت میں حاضری:

خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کئی مرتبہ [2] حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ پہلی بار جب وہ خواجہ مہاروی کی ہمراہی میں مہار سے دہلی تشریف لائے تھے تو سارا سفر پیادہ پیا کیا تھا۔ جب مرشد نے اس کا سبب دریافت کیا تو عرض کیا "میں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زیارت کو پاپیادہ جاؤں گا۔" [3] دوسری مرتبہ وہ دہلی اس طرح آئے کہ اپنے وطن سے مہار خواجہ مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں گئے تھے، وہاں معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب دہلی تشریف لے گئے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فوراً دہلی کا رخ کیا۔ دہلی پہنچے تو شاہ فخر صاحب کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے کچھ پاس نہ تھا۔ صرف ایک لوٹا تھا

---

[1] ایضاً۔ ص ۱۴۶۔

[2] مناقب فریدی میں ان کے تین مرتبہ دہلی تشریف لانے کا ذکر ہے تکملہ میں لکھا ہے کہ دو مرتبہ دہلی گئے (ص ۱۴۶) مناقب المحبوبین نے فیصلہ نہیں کیا ہے بلکہ لکھا ہے دو سہ مرتبہ رفتہ اند۔ ص ۱۰، ۵۹

[3] تکملہ ص ۱۴۷ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ خواجہ مہاروی نے ۴ اشرفیاں پیش کرنے کے لیے دی تھیں۔ (ص ۱۲۲)

Marfat.com

اس کو فروخت کیا اور شاہ فخر صاحب کے لیے مٹھائی خریدی۔ خواجہ مہاروی کو اس کا علم ہوا تو دو اشرفیاں دیں کہ یہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کر دو۔[1]

مناقب فریدی میں لکھا ہے کہ دوسری بار جب وہ شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں بابرکت میں حاضر ہوئے تھے تو علاوہ فیضان باطنی کے کچھ مسائل تصوف بھی سمجھتے[2] تھے' مناقب المحبوبین کا بیان ہے کہ انھوں نے شاہ فخر صاحب سے شرح عبدالحق اور سواء السبیل پڑھی تھی۔[3] آخری بار جب وہ مولانا فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے رخصت ہوئے تو انھوں نے چار کتابیں عنایت فرمائی تھیں۔

(1) مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہی

اس پر مولانا کے ہاتھ کا حاشیہ لکھا ہوا تھا۔ مناقب المحبوبین کے مصنف نے اس نسخہ کی زیارت کی تھی۔

(2) کتاب مطول

(3) سواء السبیل

(4) ایک مجموعہ جس میں لوائح جامی' شرح رباعیات جامی وغیرہ تھی[4]

مجاہدات:

قاضی محمد عاقل صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نہایت سخت مجاہدات کئے تھے۔ خواجہ حافظ محمد جمال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہا کرتے تھے کہ قاضی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جتنے مجاہدے کئے ہیں مشکل سے کوئی دوسرا شخص کر سکتا ہے۔[5] ان کو ذکر جہر میں بڑی دلچسپی تھی۔ آخر زمانہ میں بھی جب ان کا بدن پیرانہ سالی کے باعث کمزور اور نحیف ہو گیا تھا' وہ

---

[1] تکملہ ص ۱۴۷ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ خواجہ مہاروی نے ۴ اشرفیاں پیش کرنے کے لیے دی تھیں۔ (ص ۱۲۲)

[2] مناقب فریدی۔ ص ۵۸ [3] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۱

[4] مناقب فریدی۔ ص ۵۸ [5] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۴۷

Marfat.com

نہایت پابندی سے ذکر جہر کرتے تھے۔ان کے ذکر کی آواز میلوں تک جاتی تھی۔[1] نواب غازی الدین خاں نے اسماء الابرار میں لکھا ہے کہ قاضی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذکر کی آواز مہار سے شہر فرید تک جو تین چار میل کے فاصلہ پر ہے) جاتی تھی۔[2]

قاضی صاحب ''حبس دم'' کی بھی مشق فرمایا کرتے تھے۔خواجہ گل محمد نے لکھا ہے کہ انھوں نے مجاہدۂ حبس دم کو کمال تک پہنچا دیا تھا۔ان کا ارشاد تھا۔

''شغل حبس مثل مار بر گنج است۔ہر کہ از گزند او نترسد بگنج می رسد'' [3]

شغل حبس دم خزانے پر سانپ کی مانند ہے جو اس کے نقصان سے نہیں ڈرتا وہ خزانہ تک پہنچ جاتا ہے۔

عبادت میں مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات ان لوگوں سے جو بلا ناغہ حاضر خدمت ہوتے تھے' یہ دریافت فرما لیتے تھے کہ اتنے دنوں کہاں رہے۔جب کوئی جواب میں عرض کرتا کہ بندہ تو روزانہ حاضر ہوتا ہے تو فرماتے۔''من ندیدہ ام'' [4]

قید و بند کے مصائب:

قاضی محمد عاقل صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بڑے بھائی قاضی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ڈیرہ غازی خاں میں ٹھیکے لیتے تھے۔ایک مرتبہ ٹھیکہ کی رقم ادا نہ ہوئی تو ناظم ڈیرہ نے شاہ محمد عاقل صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جو ضامن تھے قید کر لیا۔9 مہینے تک شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قید کے مصائب برداشت کئے۔اس زمانہ میں انہوں نے اپنا سارا وقت عبادت و ریاضت میں صرف کیا۔رہائی کے بعد فرمایا کرتے تھے۔

''اگر آں نہ ماہ مرا بدست نمی آمد!
شاہد از نتیجہ شغل بے نصیب می رفتم'' [5]

---

[1] بحوالہ مناقب المحبوبین۔ ص ۱۱۹
[2] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۴۸
[3] تکملہ سیر الاولیاء ۔ ص ۱۴۵
[4] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۴۹
[5] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۴۹

Marfat.com

قید کے زمانہ میں پیرو مرشد کی جانب سے حضرت نارووالہ صاحب نے متعدد بار رہائی کے لئے اعمال ان کے پاس بھیجے۔ لیکن انہوں نے کوئی عمل نہیں پڑھا بعد کو جب لوگوں نے عمل نہ پڑھنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا۔

''برائے اخلاص نفس خود عمل کردن حیا دامن گیری شد'' [1]

مقبولیت:

خلافت ملنے کے بعد کچھ عرصہ تک خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شیوع سلسلہ کی طرف توجہ نہیں کی۔ شیخ مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو علم ہوا تو نہایت سختی کے ساتھ لکھا کہ ''تم فیض کو عام کیوں نہیں کرتے اور خلق اللہ کو داخل سلسلہ کیوں نہیں کرتے میں اس کی اطلاع شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کروں گا'' یہ سن کر خواجہ صاحب لرز گئے اور نہایت ادب سے عرض کیا۔

''کدام کس پیش من آمده است که
آن رد نمودم۔ اگر مرضی مبارک باشد
خود بہ خود بگویم'' [1]

اپنے مرید کا یہ انکسار اور عجز دیکھ کر خواجہ مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جوش آ گیا۔ فرمانے لگے۔

''اے میاں صاحب ! روزے باشد
کہ ملائک آسماں بنامِ شما منادی دہند
و خلائق از شرق و غرب بر آستاں
شما جبہ سایند سبحان اللہ ! شما
فرمایند کہ پیش من کسے نمی آید'' [2]

تھوڑے ہی دنوں بعد پیر کی پیشین گوئی صحیح ہوئی اور ہزاروں عقیدت مندان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

---

[1] تکملہ سیر الاولیا۔ ص ۱۴۵ [1]، [2] تکملہ سیر الاولیا۔ ص ۱۵۰

Marfat.com

فتوح اور لنگر:

قاضی صاحب کا لنگر ابتدائی زمانہ سے ہی جاری تھا۔ طلباء اور فقراء کو اس لنگر سے کھانا ملتا تھا۔ لیکن ایک زمانہ شاہ صاحب پر ایسا بھی گذرا تھا کہ مسلسل فاقہ رہتا تھا اور لنگر کے سب متعلقین فقراء اور طلباء کو یہ مصائب برداشت کرنے پڑتے تھے۔

خواجہ گل محمد احمد پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس تنگی اور عسرت کے زمانہ میں قاضی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ میں رہتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب فتوح نہ آتی تھی تو کچھ نہ پکتا تھا۔ جب کچھ آ جاتا تو پک جاتا۔ لیکن خواجہ صاحب کا یہ عالم تھا کہ جب تک تمام متعلقین، درویش اور طالب علم کھانا نہ کھا لیتے

"دست بہ طعام نمی بردند" [1]

خواجہ گل محمد نے لکھا ہے کہ ان کے متعلقین وغیرہ کی تعداد پانچ سو تھی [2] اور یہ تعداد اس وقت تھی جب فقر و فاقہ کے مصائب بھی برداشت کرنے پڑتے تھے۔ جب بابِ فتوح کھل گیا تو لنگر سے کھانے والوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ اندازہ لگانا مشکل ہو گیا۔ لکھا ہے۔

"در آن وقت نہ واردین را تعداد بود، نہ طعام را انداز، یکے دربار شاہنشہی بود" [3]

اس وقت نہ آنے والوں کا شمار تھا نہ کھانے کا انداز۔ ایک شاہی دربار تھا (جو چلتا رہتا تھا)

اتباع سنت:

خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اتباع سنت کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ احکام شریعت و سنتِ نبوی پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ وصال سے کچھ پہلے حضور سرور کائنات ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں۔

"تو مارا بسیار خوش کردی کہ ہمگیں سنتہائے مارا زندہ کردی" [4]

خواجہ جلال پوری فرمایا کرتے تھے کہ ان کو درجہ فنافی الرسول حاصل تھا۔ [5]

---

[1]، [2]، [3] تکملہ سیر الاولیا۔ ص ۱۴۹

[4] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۳ [5] ذکر حبیب۔ ص ۸۰ ـ ۷۹

Marfat.com

توزیع اوقات:

خواجہ محمد عاقل اپنے اوقات کے بہت پابند تھے۔ مغرب کی نماز با جماعت ادا کرنے کے بعد وہ شغل و ذکر میں مصروف ہو جاتے تھے۔ پھر کھانا کھا کر عشاء کی نماز با جماعت پڑھتے تھے۔ اس کے بعد مریدوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ آدھی رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔ تہجد کی نماز پڑھ کر ذکر جہر کرتے تھے۔ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے۔ طلباء کو درس شام کے وقت دیتے تھے۔ ڈیڑھ پہر دن باقی ہوتا تھا کہ اُن کا حلقہ درس شروع ہو جاتا تھا۔[1]

لباس و خوراک:

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عمدہ اور لطیف لباس زیبِ تن فرماتے تھے۔ شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہدایت کی تھی کہ لطیف لباس اور لطیف غذا استعمال کرنا۔ یہ نصیحت سن کر ان کو بہت تعجب ہوا تھا لیکن پھر جب انھوں نے رسالہ خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں لکھا دیکھا کہ

"سالک را باید کہ غذا و لباس لطیف استعمال کند کہ انوار لطیف وارد می شود۔"[2]

تو شاہ فخر صاحب کی نصیحت کی حکمت ان کے ذہن نشین ہو گئی۔

خواجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قمیض سینے پر سے چاک رہتا تھا۔ کلاہ قادری سر پر ہوتی تھی۔ جب باہر تشریف لے جاتے تو سر مبارک پر دستار یا سلاری (لنگی) باندھ لیتے تھے۔ تکملہ میں ان کے لباس کے متعلق لکھا ہے۔

"پاجامہ از تو سیلہ سیاہ و یا تہ بند سیاہ مستعمل می شد و بر دوش لنگی یا الاچہ یا دوپٹہ یا

---

1. مناقب فریدی۔ ص ۵۵۔ ۵۴
تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۴۲

2. تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۴۲
مناقب فریدی۔ ص ۵۵

Marfat.com

سلاری بہر کیف می رسد مستعمل می شد“ [1]

ریشمین کپڑا کبھی استعمال نہ کرتے تھے۔

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت قلیل الطعام تھے۔ رات دن میں 50 درم سے زیادہ خوراک نہ ہوتی تھی۔ تکملہ میں بھی لکھا ہے۔

”دراکل وشرب آں حضرت از شصت وہشت درم آرد ہفت نان تنک ونرم تیار کردہ می شد بایں طریق کہ بر تابہ نیم پختہ نمودہ بعد ازاں بر انگر ہا تمام پختہ میں شد بایں صورت نان تمام نرم می شود .... ازاں نا نہادو نیم نان گھے سہ بشور بہ چوزہ یادال مونگ یا شلغم تناول می فرمودند وہم چنیں وقت شب می کردند“ [2]

اخلاق:

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ امیر وغریب' بوڑھے اور جوان سب ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور وہ سب سے یکساں شفقت اور انکساری سے ملتے تھے۔ جو ان سے ملتا یہ سمجھتا تھا کہ جس قدر التفات واکرام مجھ پر ہے کسی پر نہیں۔ اکثر اوقات ایسا دیکھا گیا کہ بعض لوگوں نے بازو پکڑ پکڑ کر آپ کو اپنی طرف رجوع کیا۔ لیکن آپ نے نہایت خندہ پیشانی اور محبت سے ان کو جواب دیا۔ لوگ زور زور سے گفتگو کرتے لیکن آپ نہایت آہستگی اور خندہ روئی سے ان کو مطمئن کرتے۔ بعض مرتبہ خود ہنس کر فرمایا کرتے تھے کہ لوگ میرے بازو پکڑ کر اور زور زور سے چیخ کر مخاطب کرتے ہیں' گویا میں بہرا ہوں۔ [3]

اصلاح مریدین:

شاہ محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مریدوں کی اصلاح وتربیت کی طرف خاص توجہ فرماتے تھے۔ وہ ان میں صحیح مذہبی جذبات' خدا پر بھروسہ اور اسی سے ہر مشکل میں مدد

---

1. تکملہ سیر الاولیا۔ ص ۱۴۴ مناقب فریدی۔ ۵۵
2. تکملہ ص ۱۴۳ 3. تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۴۴

Marfat.com

مانگنے کا صحیح جذبہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ایک مرتبہ چیچک کے عمل کے متعلق ذکر ہو رہا تھا۔ فرمانے لگے۔

''نسبت اثر بخود کردن عین شرک است موثر حقیقی حق تعالیٰ است'' [1]

شاہان مغلیہ کی عقیدت:

اکبر شاہ ثانی نے شاہزادہ جہاں خسرو اور کاؤس شکوہ کو قاضی محمد عاقل صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مرید کرایا تھا۔ [2] بہادر شاہ ظفر کو ان سے بہت عقیدت تھی۔ایک شعر میں کہتا ہے ؎

دل فدا کرتے ہیں نام فخر دیں پر اے ظفر
ہم ہیں عاقل ربط عاقل سے دلی رکھتے ہیں ہم

وصال:

قاضی صاحب تقریباً چار مہینے تک علیل رہے۔ایک دن فرمانے لگے۔

''امروز در تمام ہرج سفر کشیدم خوب شد کہ بہ منزل رسیدیم'' [3]

حاضرین حیران ہوگئے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔خواجہ گل محمد احمد پوری۔یہ الفاظ سن کر رونے لگے۔اسی دن شاہ صاحب نے وصال فرمایا۔شدانی سے کوٹ مٹھن لاکر سپردِ خاک کیا گیا۔8 رجب 1229ھ کو یہ واقع پیش آیا۔تاریخ وصال ہے ؎

دل زداغِ درد پُر سوز و لہب
جاں بلب شد چوں سخن گوید بلب
رفت از دارِ فنا سوئے بقا
رہبرِ دین ہدیٰ عالی نسب

---

[1] تکملہ۔ ص ۱۹۵ [2] مناقب فریدی۔ ص ۳۶

[3] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۵۱

Marfat.com

مظہر نور محمدؐ فخر دیں
شہ محمد عاقل ' محبوب رب
ہادی خلقِ خدا رفت از جہاں!
حسرتا دردا دریغا صد عجب
آہ واویلا و صد افسوس و درد
کز جہاں نور جہاں شد محتجب
خم تہی گشت و نماندہ صاف دردا!
درد باقی بہرمست و مضطرب
چونکہ تاریخ ومہ سال و صال
از دل پر درد خود کردم طلب
سرز جیب بیخودی برکرد و گفت
روز ہشتم بود از ماہِ رجب ۱۲۲۹ھ

سجادہ نشین:

قاضی محمد عاقل صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد ان کے صاحبزادے میاں احمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادۂ مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ وہ بڑے پایہ کے عالم تھے طبیعت سادہ پائی تھی۔ فطرتاً خلیق تھے۔ 9 شعبان 1231ھ کو وصال فرمایا۔ کوٹ مٹھن میں سپردِ خاک کئے گئے۔ میاں احمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو لڑکے تھے۔

(1) میاں خدا بخش

(2) خواجہ تاج محمود

میاں احمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد میاں خدا بخش مسند نشین ہوئے۔ کچھ دنوں کوٹ مٹھن میں رہے پھر چاچڑاں کو اپنا مستقر بنالیا۔ مصنف تکملہ نے ان کی نسبت لکھا ہے۔[1]

[1] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۵۵

Marfat.com

"انوارِ اسرار از ناصیہ مبارک او ہویدا است
کہ مثل ایں وجود شریف کم کسے دیدہ باشد
در علم و حلم و جاہ و سخا دریں زمانہ عدیل او کسے
نیست و قدم بر قدم جد خود حضرت سلطان
الاولیاءؓ می رود۔ و ترک یک مستحب ازاں ذات
فائض البرکات نیامدہ باشد" [1]

مرزا محمد شاہ کے دو شعر ان کے متعلق بہت مشہور ہیں۔

فقر گر خواہی برو در چاچڑان ہست محکم فیض حق سرکار ما
بن گیا کامل جو پہنچا چاچڑان میرے مرشد کا عجب دربار ہے

میاں خدا بخش مرجع خلائق بزرگ تھے۔ لوگ بہت دور دور سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ لنگر سے نفیس کھانے لوگوں کو ملتے تھے۔ خود ان کی گذر اوقات سوکھی روٹی پر تھی۔ [2] بیماروں کی دیکھ بھال کے لیے ایک طبیب ملازم تھا۔ دواخانہ کا پورا اہتمام تھا' خود مریضوں کی دیکھ بھال اور عیادت فرمایا کرتے تھے۔

لکھا ہے کہ ان کے یہاں آنے والوں کی اس قدر کثرت تھی اور اس قدر زمیندار اور رئیس ان کی آستانہ بوسی کو حاضر ہوتے تھے کہ بارہ بارہ من غلہ روزانہ گھوڑوں کے خرچ میں آتا تھا۔ [3]

اتباع شریعت کا بڑا خیال رہتا تھا مصنف مناقب فریدی کا بیان ہے کہ ذات بابرکات سے کبھی کوئی سنت ترک نہیں ہوئی۔" [4]

اس زمانہ میں سکھوں کے مظالم کی خبریں ڈیرہ غازی خاں سے ان تک پہنچیں۔ مسلمانوں نے خود ان کے مظالم بیان کئے اور کہا کہ وہ نماز پڑھنے' اذان دینے اور تلاوت

---

[1] مناقب فریدی۔ ص ۷۷ [2] مناقب فریدی۔ ص ۸۱
[3] مناقب فریدی۔ ص ۷۵ [4] مناقب فریدی ص ۷۵

Marfat.com

قرآن کرنے کو منع کرتے ہیں۔ اور عدول حکمی پر قتل کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی دردناک داستانیں سن کر ان کا دل بھر آیا اور فرمانے لگے "مسلمان بھائیوں پر یہ ظلم نہیں دیکھا جاتا" لکھا ہے کہ انھوں نے ان مظالم سے تنگ آ کر ہجرت کا ارادہ کر دیا تھا۔[1]

میاں صاحب نے کبھی نواب راجاؤں سے جاگیریں قبول نہیں کیں۔ نواب بھاولپور نے چند موضع پیش کیے تو فرمایا.......... "میرے پیروں نے کبھی کسی کی ایسی چیز قبول نہیں کی دوسرے یہ کہ جب ریاست اور زمینداری ہوئی تو مال گزاری وغیرہ امور پیش آئیں گے اور کبھی نہ کبھی عدالت تک جانا ہوگا۔ جب "ان کاموں میں مصروف ہوئے تو پھر فقیری کہاں۔ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے" [2]

میاں صاحب درس کے معاملہ میں نہایت سختی اور پابندی سے کام لیتے تھے۔ ان کے زمانہ میں کئی مدرسے جاری رہے۔ وہ خود صبح کے وقت حدیث وفقہ وتصوف کا درس دیتے تھے۔ [3]

میاں خدا بخش صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 12 ذی الحجہ 1269ھ کو وصال فرمایا۔ مزار کوٹ مٹھن میں ہے۔ خلفاء میں یہ بزرگ مشہور ہیں۔

(1) غلام فخر الدین

(2) صاحبزادہ نصیر بخش

(3) کریم حیدر

(4) مولوی غلام کبریا

(5) مولوی محمد صالح ملتانی

(6) مخدوم عنایت شاہ

---

[1] مناقب فریدی۔ ص ۷۶۔ ۷۵، ۷۶، ۷۸

[2] مناقب فریدی۔ ص ۷۶۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۸

[3] مناقب فریدی۔ ص ۷۶، ۷۵، ۷۸

Marfat.com

(7) حیدر بخش

(8) قاضی فتح محمد ملتانی

(9) سید لال شاہ

میاں خدا بخش صاحب کے دو صاحبزادے تھے۔

(1) مولانا غلام فخر الدین (2) مولانا غلام فرید

میاں صاحب کے بعد مولانا غلام فخر الدین مسند نشین ہوئے۔ وہ نہایت درجہ شرع کے پابند تھے۔ بڑا قوی حافظہ تھا۔ احادیث نبوی نوکِ زبان پر رہتی تھیں۔[1] اراضی جو والیان ریاست بھاول پور نے حضرت میاں خدا بخش صاحب کو پیش کی تھی۔ وہ آپ نے اپنے زمانہ میں قبول فرمائی تھی۔[2] 5 جمادی الاول 1288ھ کو وصال فرمایا اور اپنے والد کے آغوش میں سپردِ خاک کئے گئے۔[3]

ان کے بعد مولانا غلام فرید سجادہ پر جلوہ افروز ہوئے۔ خاتم سلیمانی میں لکھا ہے۔

"خواجہ غلام فرید چشتی چاچڑان شریف والے بڑے ولی کامل گزرے ہیں۔ ہمیشہ عشق الٰہی میں محو رہتے تھے۔"[4]

خلافت کے معاملہ میں وہ نہایت سخت گیر تھے۔ آپ نے صرف ان لوگوں کو خلافت دی جو عوارف کے اصولوں پر عامل تھے۔[5]

میاں تاج محمود:

میاں احمد علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دوسرے صاحبزادے' میاں تاج

1۔ مناقب فریدی ص ۔ ۸۹۔ ۹۲ ۔ ۹۴

2۔ مناقب فریدی۔ص ۸۹۔ ۹۲ ۔ ۹۴

3۔ ایضاً۔ ص ۸۹۔ ۹۲۔ ۹۴

4۔ خاتم سلیمانی ص ۱۶۴ 5۔ مناقب المحبوبین ۹۴

Marfat.com

محمود سے بھی نظامیہ سلسلہ چلا۔ ان کے پانچ صاحبزادے تھے۔

(1) خواجہ محمد شریف

(2) خواجہ گل محمد

(3) خواجہ خیر محمد

(4) خواجہ شیر محمد

(5) خواجہ غوث بخش

ان پانچوں صاحبزادوں نے سلسلہ کو فروغ دیا۔ میاں غوث بخش کے ایک صاحبزادے میاں ہوت تھے۔ ان کے ایک صاحبزادے میاں عبداللہ تھے۔ ان سے بھی سلسلہ کو خوب ترقی ہوئی۔

میاں تاج محمود کے مشہور خلفا یہ تھے۔

(1)	میاں فضل علی خاں۔	مزار سکھانی
(2)	میاں محمد	مزار کوٹ مٹھن
(3)	مولوی محمد حارا	ساکن شدانی
(4)	مولوی چندودہ	مزار سیت پور

خلیفہ اکبر:

خواجہ محمد عاقل کے سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ خواجہ صاحب ہر معاملہ میں ان سے مشورہ کرتے تھے اور ان ہی کی سفارش پر خلافت عطا فرمایا کرتے تھے۔[1] قاضی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مریدوں کی اصلاح و تربیت بھی فرماتے تھے۔ خواجہ گل محمد احد پوری کو انھوں نے کشکول پڑھایا تھا۔ آپ نے 3 ربیع الآخر 1239ھ کو وصال فرمایا۔

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۵۸

Marfat.com

مولوی عبداللہ:

خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ تھے۔ بے حد مجاہدہ کیا تھا۔ سیاحت بھی کافی کی تھی۔ جید عالم تھے۔ شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مشہور کتاب تسنیم کی شرح تسنیم کے نام سے لکھی تھی۔ ایسا غوجی پر ان کا حاشیہ بہت مشہور تھا۔ ان کا مزار احمد پور میں ہے۔

مولوی محمد اعظم:

قاضی محمد صاحب کے عزیز ترین خلفاء میں تھے۔ سفر و حضر میں شیخ کے ساتھ رہتے تھے۔ خواجہ گل محمد اور ان میں بڑی محبت تھی۔ ایک پیالہ میں کھاتے اور ایک لحاف میں سوتے تھے۔ 20 ذی الحجہ 1240ھ کو وصال فرمایا۔

میاں شریف الدین:

قاضی صاحب کے خلیفہ تھے۔ انھوں نے سلسلہ کی اشاعت میں خاص حصہ لیا۔ تکملہ میں لکھا ہے۔

> ''از آں حضرت خلافت یافتہ و بسیار خلق اللہ از دست مبارک ایشاں در سلسلہ سلطان الاولیاء داخل شدہ و می شوند اللہ تبارک و تعالیٰ بکرم و فضل خود روز افزوں دارد و در سلوک مریداں روشِ غریب و نمطِ عجیب دارند و از مشاہدہ و مکاشفہ اوشاں بسیار معاملہ شہرہ آفاق است''

ان کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے میاں بشیر الدین نے پھر میاں محکم الدین اور میاں محمد غوث وغیرہ نے سلسلہ کو جاری رکھا۔

مولوی گل حسن:

قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے۔ شاعر خوش گو تھے۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کا کلام بہت پسند تھا۔ وحدت وجود ان کا خاص موضوع تھا۔

Marfat.com

خواجہ گل محمد احمد پوری:

1243ھ کو احمد پور علاقہ بہاول پور میں وصال فرمایا تھا۔ بزرگان سلسلہ کے حالات میں ایک کتاب تکملہ سیر الاولیاء تصنیف کی تھی۔

Marfat.com

باب ہفتم

حضرت حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ملتان اسلامی ہند کی ابتدا سے سہروردیہ سلسلہ کا مرکز رہا ہے۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں سہروردیہ سلسلہ کی ایسی عظیم الشان خانقاہ قائم کی تھی کہ ملتان و منصورہ کا سارا علاقہ حلقہ بگوش ہوگیا تھا۔ صدیوں تک اس خطہ میں سہروردیہ سلسلہ کے علاوہ کسی دوسرے سلسلے کو اقتدار حاصل نہیں ہوا۔ اٹھارویں صدی میں وہاں جس شخص نے چشتیہ کا کام سب سے پہلے شروع کیا وہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک عظیم المرتبت خلیفہ حافظ محمد جمال تھے۔ وہ علم و عمل کی بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اگر ایک طرف روحانی اور علمی اعتبار سے ان کا پایہ بلند تھا' تو دوسری طرف شجاعت و تہور' مجاہدانہ جذبات اور سرفروشی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ حضرت مہاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو ملتان میں چشتیہ سلسلہ کی ترویج و تبلیغ کی غرض سے شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اشارہ پر متعین کیا تھا۔ لکھا ہے۔

"روزے در مجلس حضرت مولانا صاحب حضرت قبلہ عالم ہم نشستہ بودند و حافظ صاحب ہم در آں جا نشستہ بودند تذکرہ ایں افتاد کہ در ملتان تصرف ہیچ ولی۔ بہ عظمت بہاؤالدین زکریا۔ ملتانی پیش نمی رود۔ و ہیچ شیخ در آنجا کسے رابیعت می کند۔ مولانا صاحب فرمودند میاں نور محمد صاحب! تا ہنوز بہ ملتان ولایت بہاء الحق بود۔ لہٰذا تصرف ولی دیگر کارگر نمی شد اماں حالا ملتان حوالہ مایاں شدہ است' لازم است کہ مریدے از مریدان خود در آنجا فرستید و بگوئید کہ در عین خانقاہ بہاء الدین زکریا

Marfat.com

خلق رامرید کند و تصرف خود کند۔"[1]

ایک دن حضرت شاہ فخر صاحب کی مجلس میں حضرت مہار دی بیٹھے ہوئے تھے۔ حافظ صاحب بھی وہاں تھے۔ اس بات کا ذکر چھیڑا کہ ملتا میں شیخ بہا الدین زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عظمت کے سامنے کسی ولی تصرف کا کام نہیں کرتا اور کوئی شیخ وہاں نہیں جاتا اور کسی کو بیعت نہیں کرتا۔ مولانا صاحب نے فرمایا' میاں نور محمد صاحب! اب تک ملتان بہاء الحق کی ولایت تھی۔ لہٰذا وہاں کسی دوسرے ولی کا تصرف کام نہیں کرتا تھا لیکن اب ملتان ہمارے حوالہ کر دیا گیا ہے۔ لازم ہے کہ تم وہاں اپنا کوئی مرید بھیجو اور کہو کہ خانقاہ شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں خلق کو مرید کرلے اور اپنا تصرف کرے۔

قبلہ نے دہلی سے واپسی پر حافظ صاحب کو ملتان بھیج دیا۔ انھوں نے مولوی خدا بخش کو خانقاہ بہاء الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں بیٹھ کر مرید کیا۔[2]

قبلہ عالم کی خدمت میں حاضری:

حافظ محمد جمال صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ابتدائی زمانہ تھا کہ پیر کا شوق پیدا ہوا۔ اسی تلاش اور فکر میں حضرت شیخ رکن الدین ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ ہر شب کو ایک کلام پاک ختم کرتے تھے اور پیر کامل کے لیے دعا مانگ کر سو جاتے تھے۔ ایک رات کو خواب میں اشارہ پایا کہ حضرت شیخ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو' چنانچہ فوراً مہار کو روانہ ہو گئے اور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید کرنے کی درخواست کی۔ قبلہ عالم نے پوچھا "تم نے کچھ ظاہری علم بھی حاصل کیا ہے؟" کسر نفسی سے عرض کیا "قرآن پاک اور نماز روزہ سے متعلق کچھ مسائل پڑھے ہیں" قبلہ عالم کا یہ اصول تھا کہ علماء کو اپنے ساتھ کھانا

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۶۔ ۱۲۷

[2] // // //

Marfat.com

کھلاتے تھے۔ کھانے کے وقت جب مولوی محمد حسین نے (جو قبلہ عالم کے عزیز مرید اور محرم راز تھے) حافظ صاحب کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے' معانقہ کیا اور حالات دریافت کیے قبلہ عالم نے یہ دیکھا تو فوراً دریافت کیا ''کیا تم ان کو جانتے ہو؟'' مولوی محمد حسین نے عرض کیا ''ہم دونوں نے ایک ہی استاد سے پڑھا ہے۔ یہ بڑے جید عالم ہیں۔ ہم لوگ جوان کے ہم جماعت تھے ان کو طالب علمی کے زمانہ میں ''علامۃ العصر'' کہا کرتے تھے۔'' یہ سن کر قبلہ عالم حافظ صاحب کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ آپ نے اپنا علم ہم سے کیوں چھپایا تھا عرض کیا۔

''قبلہ من شنیدہ ام گروہ فقرا' از فرقہ علماء نفرت دارند لہذا علم خود را از حضور پنہاں داشتم۔''

قبلہ من! میں نے سنا ہے کہ فقراء علماء سے نفرت رکھتے ہیں۔ لہٰذا میں نے اپنے علم کو حضور سے پوشیدہ رکھا۔

قبلہ عالم نے جواب دیا۔

''حافظ صاحب! ما یاں طالبان عالمانیم ما را علماء می شناسند' جاہل چہ خواہد شناخت' ما یاں از فرقہ علماء بسیار خوشیم''[1]

حافظ صاحب! ہم تو علماء کے چاہنے والے ہیں ہمیں تو علماء ہی سمجھ سکتے ہیں جاہل بے چارا کیا سمجھے گا۔ ہم فرقہ علماء سے بہت خوش ہیں۔

اسی دن سے حافظ صاحب' قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر رہنے لگے۔ پیر سے تعلق رفتہ رفتہ عشق تک پہنچ گیا اور حافظ صاحب' سفر و حضر میں اپنے شیخ کے ساتھ رہنے لگے۔[2] عرصہ تک انھوں نے آفتابہ برداری اور وضو کرانے کی خدمت انجام دی۔[3] قبلہ عالم کی خانقاہ میں لنگر کا اہتمام ان ہی کے سپرد تھا۔[4]

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۵ [2] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۶

[3] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۴ [4] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۶

Marfat.com

حافظ صاحب کا علمی تبحر اور درس وتدریس کا شغل:

حافظ صاحب کے علمی تبحر علمی دلچسپیوں کا اندازہ ملفوظات سے ہوتا ہے۔ وہ قرآن پاک کی آیات' احادیث کے فقرات پڑھتے تھے' مریدوں سے معنی پوچھتے تھے اور خود سمجھاتے تھے۔ ان کے علم وفضل کا یہ حال تھا کہ باریک سے باریک اور دقیق سے دقیق مسائل ان سے پوچھے جاتے تھے اور وہ نہایت شافی اور مکمل جواب دیتے تھے۔ مسئلہ وحدت الوجود سے خاص دل چسپی تھی۔ امام اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف پر پورا عبور تھا۔ جس وقت ان کے غوارض ورموز کو سمجھاتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا گویا ایک سمندر موجیں مار رہا ہے۔ [1]

حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ملتان میں اپنا مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ یہ مدرسہ علم وفضل کا اعلیٰ مرکز تھا خواجہ گل محمد احمد پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دو سال تک اس مدرسہ میں پڑھا تھا اور حافظ صاحب کے سامنے زانوے تلمذ طے کیا تھا۔ [2]

اخلاق:

حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہایت با اخلاق بزرگ تھے۔ مناقب فخریہ میں ان کے متعلق لکھا ہے۔

"وحافظ محمد جمال ملتانی.........کمال باطن وتہذیب اخلاق وکمالات آراستہ۔" [3]

غریبوں کی دل جوئی کو وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ غریب اور امیر سب کے یہاں دعوتوں میں جاتے تھے لیکن غریب کے یہاں اس طرح جاتے کہ خوشی کا اثر چہرہ پر ظاہر ہونے لگتا۔ [4] کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے۔ بلکہ اگر کوئی ایسی حرکت کرتا تو اس کو ملامت کرتے تھے۔ [5] ان کا دستور تھا کہ جب تک سب مریدین اور متعلقین کھانے

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۳۵
[2] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۳۵
[3] مناقب فخریہ۔ ص ۳۰
[4] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۳۵
[5] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۳۵

Marfat.com

سے فارغ نہ ہو جاتے تھے کبھی کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔[1] بچوں سے بڑی خوشی سے باتیں کرتے تھے۔ اگر کوئی بات ناگوار ہوتی تو صراحتاً منع نہیں کرتے تھے بلکہ ''تعریفیں و تمثیل'' سے سمجھاتے تھے۔[2] اپنے پیر بھائیوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ہر دکھ درد میں ان کی امداد کے لیے تیار رہتے تھے۔ قاضی محمد عاقل صاحب جب قید میں تھے تو انھوں نے پریشان ہو کر حافظ صاحب کو خط لکھا تھا جس میں یہ شعر اور ایک مصرعہ لکھا تھا ۔

بلبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس از آنکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

ع بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

یہ خط پڑھتے ہی' حافظ صاحب ننگے پاؤں کھڑے ہو گئے اور قاضی صاحب سے جا کر ملے۔[3]

سکھوں سے مقابلہ:

جس زمانہ میں حافظ صاحب' ملتان میں جلوہ افروز تھے' پنجاب پر سکھوں کا تسلط تھا۔ اور مسلمانوں کو طرح طرح کے آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ حافظ صاحب کے قیام کے زمانہ میں سکھوں نے کئی بار ملتان پر حملہ کیا لیکن حافظ صاحب کی زندگی میں وہ ملتان پر قابض نہ ہو سکے۔[4] حافظ صاحب اگر ایک طرف عبادت اور درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے تو دوسری طرف وہ عملی جہاد سے بھی خوب واقف تھے۔ ان کی شجاعت' ہمت اور استقلال نے مسلمانوں کے مضمحل اعضاء میں نئی روح پھونک دی تھی۔ سکھوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ انھوں نے انتہائی مردانگی اور عالی ہمتی سے کیا۔ جب حالات خراب ہو گئے تو خود میدان جنگ میں اتر آئے۔ سکھوں کے حملہ کی اطلاع ملی تو۔

---

1. مناقب المحبوبین۔ ص ۱۳۶
2. مناقب المحبوبین۔ ص ۱۳۷
3. مناقب المحبوبین۔ ص ۶۸۔ ۱۲۷
4. مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۷

Marfat.com

"حضرت حافظ صاحب، در قلعہ تیر و کمان گرفتہ موجود می بودند" [1]

حضرت حافظ صاحب قلعہ میں تیر و کمان لئے ہوئے موجود تھے۔

پھر ایک دوسرے موقع پر.........

"می گویند کہ دراں وقت جنگ حافظ صاحب مرحوم در برج قلعہ ملتان تیر و کمان بدست خود گرفتہ تیر بر کافراں می انداختند۔" [2]

کہتے ہیں کہ جنگ کے وقت حافظ صاحب مرحوم قلعہ ملتان کے برج میں بیٹھے ہوئے کافروں پر تیر برسا رہے تھے۔

1226 ھ میں ایک مرتبہ پھر سکھوں نے ملتان پر حملہ کیا۔ حافظ صاحب اس قت ملتان میں نہ تھے۔ جب اطلاع ملی تو چناب کو جلدی سے عبور کر کے' معرکہ میں حصہ لینے کے لیے ملتان پہنچ گئے [3]

ایک مرتبہ سکھوں نے انتہائی تیاری ساز و سامان اور قوت کے ساتھ ملتان پر حملہ کیا لوگوں میں پریشانی پھیل گئی۔ بعض لوگوں نے گھبرا کر "ہجرت" کر جانے کا ارادہ کیا۔ پ کو معلوم ہوا تو فرمایا۔

"آواز جنگ بکفار عام است وا کنوں جنگ بایشان فرض عین کرد۔ پس الحال بیرون نمی رویم۔ کہ مارا دو درجہ است یکے درجہ غزا' دوم درجہ شہادت" [4]

یہ فرمانے کے بعد آپ نے مقابلہ میں خود سبقت فرمائی۔ خوف و ہراس سے وہ بالکل نا آشنا تھے۔ اللہ پر ان کو کامل اعتماد تھا۔ [5] اور اسی تقویت پر وہ میدان جنگ میں کود جاتے تھے۔

حافظ صاحب تیر اندازی میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ اور اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ لکھا ہے۔

"آں حضرت در پیشہء تیر اندازی یگانہ بودند حتی کہ ایں پیشہ تیر اندازی تعلیم می کردند"

---

1. مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۷
2. مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۷
3. مناقب المحبوبین۔ ص ۱۳۱
4. مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۷
5. مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۷

Marfat.com

فن تیراندازی میں جناب شیخ بے مثال تھے۔ یہاں تک کہ اس کی دوسروں کو تعلیم بھی دیتے تھے۔

اصلاح رسوم اور اتباع شریعت:

حافظ صاحب غیر شرعی رسوم کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ زاہد شاہ سے پوچھا کہ تم کہیں شادی کرنا چاہتے ہو۔ انھوں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ مگر وہ لوگ سادات سے نہیں ہیں اور ہماری برادری کے لوگ کہتے ہیں کہ شادی سادات میں کرنی چاہیے۔ فرمایا۔

''نکاح سادات با غیر سادات در شرع جائز است تو گفته جاہلان راچه اعتبار می کنی۔''[1]

سادات کا نکاح غیر سادات سے شرع میں جائز ہے۔ تو جاہلوں کے کہنے پر کیوں اعتبار کرتا ہے۔

شریعت کا خاص احترام کرتے تھے' فرمایا کرتے تھے۔

''احسن طریق وصول الی الحق طریقه مشائخ است که رسیده است باسناد صحیح برسول علیه السلام و آں آراستگی ظاہر شریعت است۔ و مستقیم بودن برآن و پاک کردن باطن است از وصاف ذمیمه۔''[2]

معرفت حق کا بہترین طریقہ وہ ہے جو مشائخ کا ہے اور جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معتبر ذریعہ سے پہنچا ہے اور وہ ظاہر کو شریعت سے آراستہ رکھنے کا ہے اور اس پر قائم رہنے کا اور باطن کو خراب عادلوں سے صاف کرنے کا۔

لباس:

حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اچھا لباس پہنتے تھے۔ تہ بند کم باندھتے تھے۔ اکثر پاجامہ پہنتے تھے۔ کلاہ قادری[3] اوڑھتے تھے۔ کرتے کا گریبان چاک رہتا تھا لکھا ہے۔

---

1 مناقب المحبوبین۔ ص ۱۳۰ 2 مناقب المحبوبین۔ ص ۱۴۰

3 اس کو کلاہ چہارترکی بھی کہتے ہیں۔

Marfat.com

"در اکثر اوقات وگا ہے می پوشید قلندری کہ نوعے است از انگرکھہ کشادہ بغیر چین بر کمر دانک می بود کہ دستار سپیدی بند یدند' بلکہ بطریق عمامہ می بست' چادر معلم را کہ در ھندی لنگی می نامند و در سفر موزہ یا جرموق می پوشیدند و دوست می داشتند"[1]

ملفوظات:

حافظ محمد جمال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ملفوظات بہت کثرت سے مرتب کئے گئے تھے۔ مندرجہ ذیل ملفوظات خاص طور سے مشہور ہیں۔

(1) فضائل رضیہ۔ ازمولوی عبدالعزیز سکنہ قصبہ بڑھیاران

(2) انوار جمالیہ۔ از منشی غلام حسن شہید ملتانی

(3) اسرار الکمالیہ۔ از زاہد شاہ مٹھی

وصال:

حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 5 جمادی الاول 1226ھ کو وصال فرمایا۔ کسی نے تاریخ وصال کہی ہے

خرد ز سالِ وصالش چو جست وجوئے کرد
ندائے داد سروشم کہ یافت خوب وصال

حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دو شادیاں کی تھیں۔ لیکن کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

خلفاء:

حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چاروں سلسلوں میں مرید کرتے تھے لیکن

"طریقہ خاص ایشاں چشتیہ بود"[2]

ان کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ لکھا ہے۔

"مرایدان ایشاں نیز جماعتے کثیر اند"

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۳۶ [2] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۳۸

Marfat.com

بعض خلفاء کے نام یہ ہیں۔

(1) مولانا خدا بخش ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(2) زاہد شاہ

(3) مولوی غلام حسن

(4) قاضی عیسیٰ خان پوری

(5) مولوی عبید اللہ ملتانی

(6) مولوی حامد

(7) صاحبزادہ غلام فرید

(8) مولوی عبدالعزیز بڑہیاری

حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد مولوی خدا بخش صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ نشین ہوئے وہ بڑے عالم تھے۔ توحید پر ایک ''رسالہ توفیقیہ'' لکھا تھا۔ تکملہ سیر الاولیاء میں ان کے متعلق لکھا ہے۔

''یک نسیمے است از گلزار معانی بیان اوشان کردن قطرات امطار یا امواج بحار شمر دن است۔''[1]

مناقب فخریہ میں ان کو مرد بے نظیر بتایا گیا ہے۔[2] انھوں نے چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی توسیع واشاعت میں بڑی جدوجہد کی۔ حاجی نجم الدین صاحب کا بیان ہے کہ۔

''صدہا مردم را از ایشاں فیض شد'' [3]

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ۔ ص ۱۳۵

[2] مناقب فخریہ۔ ص ۳۰

[3] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۳۳

Marfat.com

باب ہشتم

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

پنجاب میں حضرت شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فیض اور چشتیہ نظامیہ سلسلہ کا نام شاہ نور محمد صاحب مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعہ پہنچا اور شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعہ اس کی تکمیل ہوئی۔ شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑے برگزیدہ بزرگ تھے۔ ان کے ارشاد وتلقین سے پنجاب اور افغانستان کے ہزاروں گمراہان بادیہ ضلالت نے ہدایت پائی ان کے خلفا ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے اور رشد وہدایت کے وہ چراغ روشن کئے کہ ایک بار پھر صوفیہ متقدمین کی خانقاہوں کے نقشے آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ وہ سلسلہ نظامیہ کے آخری عظیم الشان بزرگ تھے۔ ان کا تبحر، تقدس، اسلامی سوسائٹی کی اصلاح کے لیے جدوجہد اپنی نظیر آپ تھی۔

شاہ محمد سلیمان صاحب نے جس وقت پنجاب میں مسندِ ارشاد بچھائی تھی اس وقت سارا صوبہ سکھوں کے تسلط میں تھا۔ سلطنت مغلیہ کی تجہیز وتکفین کے آخری منازل طے ہو چکے تھے۔ انگریزوں کا اقتدار سرعت کے ساتھ بڑھ رہا تھا اور تمام ملک کو گھیر ہی لیا چاہتا تھا۔ ہندوستان کی تاریخ کا یہ عبوری دور تھا۔ ایک حکومت ختم ہو رہی تھی دوسری حکومت کی داغ بیل پڑ رہی تھی۔ مسلمانوں پر مغلوبیت اور افسردگی طاری تھی۔ قوائے عمل شل ہو رہے تھے۔

اسی زمانہ میں حضرت شاہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی عظیم الشان تحریک کو چلانے میں مصروف تھے۔ سکھوں کے مظالم اور چیرہ دستیوں سے تنگ آ کر وہ جہاد پر مجبور ہو گئے تھے۔ اور مسلمانوں کی عسکری اصلاح وتنظیم کی کوشش میں منہمک تھے۔ شاہ محمد سلیمان

Marfat.com

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اسی ماحول میں سانس لے رہے تھے۔ انھوں نے گو عملی جہاد میں حصہ نہیں لیا، لیکن شریعت وسنت کی تلقین میں برابر سرگرم رہے۔ وہ سلطنت کے واپس لے لینے کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ان کی نظر میں ''اسلامی شعار'' کے احیاء کی ضرورت سب سے زیادہ مقدم تھی کہ اس کے بغیر حکومت اگر حاصل بھی کر لی جاتی تو اس کا قائم رکھنا ناممکن تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ

ع دین جڑ ہے یہ کٹی تو نخلِ دنیا پھل چکا

چنانچہ انھوں نے صاف صاف بتا دیا کہ جب تک اتباع سنت وشریعت کا التزام نہ ہوگا حکومت کا خواب منت کش تعبیر نہ ہو سکے گا اور مسلمانوں کی پریشانیاں کم نہ ہوں گی۔ بار بار سمجھاتے ہیں۔

''چوں مسلماناں اعمال حسنہ را ترک کردہ اند، حق تعالیٰ برایشاں کافراں را مسلط کردہ است''[1]

مسلمانوں نے اچھے اعمال چھوڑ دیے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان پر مسلط کر دیا ہے۔

وہ مسلمانوں کے تمام آلام ومصائب ابتلا و پریشانی، دکھ اور درد کا علاج درستی اعمال میں پاتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنی کوشش کا مرکز بھی اعمال کی درستی کو قرار دیا تھا وہ مسلمانوں کو صحیح طور پر اخلاق محمدی کا نمونہ دیکھنا چاہتے تھے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں عادات وکردار کی درستی کو وہ سب چیزوں سے مقدم تصور کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس ہی کوشش اور جدوجہد میں صرف کیا۔ جب حکومت وسلطنت جاتی ہے تو قوموں کے اخلاق واطوار اور کردار بگڑ جاتے ہیں۔ ان کا اجتماعی شیرازہ منتشر ہونے لگتا ہے اور انتشار وابتری کے ہولناک جراثیم زندگی کے ہر شعبہ میں سرایت کر جاتے ہیں۔ ذہن وفکر کی ابتری جسمانی انتشار سے زیادہ مہلک ہوتی ہے۔ حضرت شاہ محمد سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان حالات گردوپیش میں جس طرح سرمایہ ملت کی حفاظت کی وہ اسلامی ہند کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ انھوں نے حضرت شاہ سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

[1] نافع السالکین۔ ص ۱۰۹

Marfat.com

علیہ کی تحریک کو ناکامیاب ہوتے ہوئے دیکھا تھا اس لیے اب انھوں نے اس تحریک سے قطع نظر' حوادث کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنا نیا پروگرام بنایا۔ ان کی کوششوں کو محور مختلف تھا۔ انھوں نے کسی موقع پر بھی جنگ و جہاد کی صراحتاً تلقین نہیں کی کہ وقت کا تقاضہ وہ نہ تھا۔ لیکن انھوں نے مسلمانوں کی قومی زندگی میں ان صلاحیتوں کو ابھارنے اور بیدار کرنے کی کوشش کی جن میں مستقبل کے تشکیل وتجدید کا سامان موجود تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کو شریعت وسنت پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت فرمائی کہ اسی میں ان کے درد کا درماں اور مصائب کا علاج تھا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جلائی ہوئی اس شرع وسنت کی شمع کے گرد دور دور سے پروانے جمع ہوئے۔ ان کے خرمن کمال سے ہزاروں نے فیض حاصل کیا۔ سنگھڑ اور تونسہ کا غیر آباد اور غیر معروف علاقہ علم وعرفان کا مرکز بن گیا۔ جہاں سے ہزاروں عقیدت مند تربیت پا کر ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔ سیال' گولڑہ' جلال پور' حیدر آباد' شیخا دائی' راجپوتانہ میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم ہوگئیں اور ایک بار پھر پرانی محفلوں کی یاد تازہ ہوگئی۔ خاتم سلیمانی کا منصف لکھتا ہے۔ ''اس نقارہ کی آواز پنجاب' ممالک متحدہ' راجپوتانہ سے گزر کر جزیرۂ سراندیپ اور عدن تک پہنچی اور افغانستان' بلوچستان' ترکستان سب اس نقارہ کی آواز سے چونک اٹھے اور ہزاروں طالبانِ حق' سینکڑوں کوس طے کر کے تحصیل فیض کے واسطے سنگھڑ پہنچے۔ یہ نام ہی کچھ غیر موزوں تھا مگر

آہن کہ بپارس آشنا شد !
فی الفور بصورتِ طلاشد '' [1]

پیدائش اور خاندان:

حضرت شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت باسعادت **1184**ھ میں بمقام گڑگوجی ہوئی۔[2] شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد کا اسم گرامی زکریا بن

---

[1] خاتم سلیمانی۔ ص ۹ [2] ''خانہ خود کہ دردہ است واسم آں کرکوچی است کہ مسافت از تونسہ سہ کردہ می شود'' نافع السالکین۔ ص ۱۱

Marfat.com

عبدالوہاب بن عمر خاں تھا۔ یہ خاندان افغان قوم کے جعفریہ قبیلہ سے متعلق تھا۔[1] آپ چونکہ افغان تھے اس لیے اس علاقہ میں روہیلہ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

شاہ صاحب کے والد کا وصال ان کے شیر خوارگی کے زمانہ میں ہو گیا تھا۔ والدہ نے بچے کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ ان کو اپنے بچے کی اقبال مندی کا یقین ایک خواب سے ہو گیا تھا۔ ولادت سے پہلے انھوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ آفتاب آسمان سے اتر کر ان کی گود میں آ گیا ہے اور تمام گھر منور ہو گیا ہے اور سینکڑوں آدمی مبارک باد دے رہے ہیں۔[2]

شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک بھائی خواجہ یوسف اور چار بہنیں تھیں۔ خواجہ یوسف جوانی میں انتقال کر گئے تھے۔ بہنوں کی شادیاں ہوئیں اور ان سے کثیر اولاد ہوئی۔[3]

تعلیم و تربیت:

جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ نے ملا یوسف جعفر کے پاس قرآن پاک پڑھنے کے لیے بھیجا۔ ان سے 15 پارے پڑھنے کے بعد وہ اپنے ایک ہم قوم حاجی صاحب سے پڑھنے لگے۔ حاجی صاحب کی بیوی بہت تیز مزاج اور بدخو تھی۔ وہاں زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکے اور حاجی صاحب کے ارشاد کے مطابق وہ تونسہ میں میاں حسن علی کے پاس چلے گئے۔ وہاں بگی مسجد میں (جو تونسہ بازار کے پاس تھی) پڑھنا شروع کیا۔[4] میاں حسن علی کا اصول تھا کہ مدرسہ کے طلبا کو گدائی یا مزدوری پر مجبور کرتے تھے۔ خواجہ محمد سلیمان صاحب کو گداگری کر کے پیٹ پالنے کا حکم ہوا۔ خواجہ صاحب اس کے حکم سے بہت گھبرائے لیکن بجز تعمیل چارہ نہ تھا۔ بھیک مانگنے کے لیے نکلے۔ ایک ہندو بقال کو روٹی پکاتے ہوئے

---

1. خاتم سلیمانی۔ ص ۱۵ جعفریہ قبیلہ رمدانی (رحیم۔ دانی) قبیلہ کی شاخ تھا۔
2. خاتم سلیمانی۔ ص ۱۷ 3. خاتم سلیمانی۔ ص ۱۵
4. یہ مسجد ۱۲۷۱ھ میں رود سنگھڑ سے منہدم ہو گئی۔ خاتم سلیمانی۔ ص ۲۰

Marfat.com

دیکھا اور اس کے چوکے سے بغیر اجازت روٹی اٹھا لائے۔ بقال نے آ کر میاں حسن علی سے شکایت کی۔ میاں صاحب نے باز پرس کی اور بالآخر ان کو گداگری کے قابل نہ پا کر مزدوری کا حکم دیا تا کہ کپڑوں، روٹی اور کتابوں کا خرچ چل جائے دوسرے دن 2 یومیہ پر ایک جگہ مزدوری پر لگ گئے دن بھر آپ پتھر پر بیٹھے رہے۔ مزدوروں نے مالک سے شکایت کی۔ لیکن مالک نے آپ کو پوری مزدوری دے دی۔ میاں حسن علی کو یہ حال معلوم ہوا تو کہا کہ اب تم میرے گھر سے کھا لیا کرو۔[1]

شاہ صاحب میاں حسن علی کے پاس رہنے لگے اور علم حاصل کرتے رہے۔ ایک دن وہ تونسہ شریف سے 2 کوس جنوب کی طرف ایک موضع سوکڑ میں ایک کتاب خریدنے کے لیے گئے۔ وہاں مولوی نور محمد ناروالہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مولوی صاحب نے ان کی بہت تعظیم کی اور باوجود پیرانہ سالی خود پیدل چلے اور شاہ صاحب کو گھوڑے پر سوار کرایا۔[2] میاں حسن علی سے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قرآن پاک پورا کیا۔ خود ایک مجلس میں فرمانے لگے۔

"............در تونسہ شریف پیش میاں حسن علی قرآن مجید می خواندیم"[3]

اس کے علاوہ پند نامہ حضرت خواجہ فرید الدین عطار، گلستان سعدی، بوستان سعدی، وغیرہ کتابیں بھی ان ہی سے پڑھیں۔[4]

میاں حسن علی سے پڑھ چکنے کے بعد آپ لانگہ پہنچے۔[5] یہاں ایک عمدہ گنبد دار مسجد تھی۔ جس میں مولوی ولی محمد درس دیتے تھے۔[6] خواجہ صاحب نے ان ہی سے فارسی

---

[1] خاتم سلیمانی۔ ص ۲۲۔۲۱۔ [2] خاتم سلیمانی۔ ص ۲۶۔ ۲۵

[3] نافع السالکین۔ ص ۱۴۳ [4] خاتم سلیمانی۔ ص ۱۱، ۲۶

[4] یہ مقام تونسہ سے پانچ کوس مشرق کی جانب دریائے سندھ کے کنارے واقع تھا۔

[5] یہ مسجد ۱۲۷۸ھ تک تھی، اس کے بعد دریا کی طغیانی سے برباد ہو گئی خاتم سلیمانی ص ۲۷

[6] شجرہ خواجہ الٰہ بخش ص ۱۹

Marfat.com

درسیات کی تکمیل کی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کوٹ مٹھن تشریف لے گئے اور وہاں قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مدرسہ میں عربی کی تحصیل شروع کی۔ خواجہ الہ بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شجرہ میں جو 1882ء میں شائع ہوا ہے' خواجہ محمد سلیمان کے متعلق لکھا ہے۔

درمبادی حال درکوٹ مٹھن بہ مدرسہ قاضی محمد عاقل صاحب بہ تحصیل علم کتب درسیہ توجہ می فرمودند''[1]

یہاں آپ نے منطق کی مشہور کتاب قطبی پڑھی اور فقہ پر پورا عبور حاصل کیا[1] کوٹ مٹھن ہی میں قیام کے زمانہ میں آپ کو خواجہ نور محمد صاحب مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اوچ تشریف لانے کی خبر ملی۔ اس زمانہ میں آپ کو امر معروف کی تلقین کا بڑا خیال تھا[2] شاہ نور محمد صاحب سے سماع پر بحث کرنے اور اس پر تنبیہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ لیکن ان کی خدمت میں پہنچ کر دنیا ہی بدل گئی۔ اس قدر مبہوت ہو گئے کہ فوراً ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی۔ اپنے پیر سے انھوں نے آداب الطالبین' فقرات' لوائح' عشرہ کاملہ' فصوص الحکم وغیرہ کا درس لیا۔[3]

بیعت:

مشہور ہے کہ حضرت شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت خواجہ محمد مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک شہباز کے مقید کرنے کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا کہ اس سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی تبلیغ و اشاعت میں چار چاند لگ جائیں گے۔ چنانچہ شاہ نور محمد صاحب ہر سال اوچ اور کوٹ مٹھن اس باز کی تلاش میں آتے تھے۔[4] آخری بار جب اوچ

---

[1] خاتم سلیمانی۔ ص ۲۹

[2] خود ایک مجلس میں فرمانے لگے جب میں کوٹ مٹھن میں تحصیل علم کرتا تھا تو اس وقت مجھے قدرتی طور پر دینیات کی طرف زیادہ خیال تھا اور امر معروف کے لیے گردونواح کے مواضعات میں چلا جایا کرتا تھا' مناقب سلیمانیہ۔ بحوالہ خاتم سلیمانی۔ ص۱۲۰ [3] خاتم سلیمانی۔ ص ۴۲

[4] ''تحقیق ہے کہ اس کے بعد شاہ نور محمد صاحب'' پھر کبھی سنگھڑ میں نہیں گئے'' خاتم سلیمانی۔ ص ۴۳

Marfat.com

آئے تو اپنے ایک عزیز محمد حسین سے فرمانے لگے "اے محمد حسین آپ کو معلوم ہے کہ میں ہر سال اس ملک میں کیوں آتا ہوں؟" عرض کیا "آپ خود ارشاد فرمائیں" اس پر خواجہ نور محمد نے فرمایا کہ میں ایک شہباز کے شکار کرنے کے لیے آتا ہوں اور یہ شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حکم ہے۔[1]

جب شاہ محمد سلیمان صاحب شاہ نور محمد کی خدمت میں پہنچے تو ان کا عالم ہی بدل گیا۔ فوراً مرید ہونے کی درخواست کی۔ شاہ نور محمد صاحب نے ان کو حضرت سید جلال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار کے سرہانے لے جا کر مرید کر لیا۔[2] یہ شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نوعمری کا زمانہ تھا۔ لیکن وہ اپنے پیر سے عقیدت اور ان کے احکام کی بجا آوری میں کہنہ سال مریدوں سے بازی لے گئے۔

دہلی کا سفر:

شاہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس نوعمر طالب علم کو مرید کرنے کے بعد شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت بابرکت میں حاضری کا حکم دیا۔ جس شہباز کو دام میں لانے کی بشارت انھوں نے دی تھی وہ مقید ہو چکا تھا۔ شاہ محمد سلیمان نے تعمیل حکم میں دہلی کا ارادہ کر دیا۔ دلاور، جودھ پور، اجمیر، جے پور، ریواڑی ہوتے ہوئے 1199ھ میں وہ دہلی پہنچے۔[3] یہ گرمی کا زمانہ تھا۔ آفتاب کی وہ تمازت کہ پرندوں نے درختوں میں پناہ لے لی۔ ریگستان کا یہ عالم کہ میلوں تک پانی ندارد، نہ کوئی سواری، نہ کوئی دوست لیکن یہ محبوب سبحانی، سلیمان ثانی کمال ذوق و شوق سے قبلہ عالم کا حکم بجالا رہا تھا اور سفر کی صعوبتوں اور راستے کی تکلیفوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتا تھا۔[4] عشق و محبت کا یہ متوالا سفر کی صعوبتیں ذوق و شوق کے ساتھ طے کرتا ہوا دہلی پہنچا تو معلوم ہوا کہ شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ

---

[1] خاتم سلیمانی۔ ص ۳۰

[2] [3] خاتم سلیمانی۔ ص ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳

[4] مشاہیر اسلام۔ جلد اول۔ ص ۸۹

Marfat.com

تعالیٰ علیہ وصال فرما چکے ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

والدہ کی تشویش:

جب عرصہ تک شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کچھ خبر نہ ملی تو والدہ کو فکر لاحق ہوئی بیٹے کی تلاش میں گڑ گوجی سے سوکڑ تشریف لائیں۔ جب یہاں بھی بیٹے کا پتہ نہ ملا تو اپنے داماد کو تلاش کے لئے آگے بھیجا۔ وہ تلاش کرتے کرتے آخر شاہ صاحب سے جا ملے اور والدہ کے اضطراب اور بے چینی کی داستان سنائی۔ شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پیر سے اجازت لے کر والدہ کے پاس گئے۔ پیر سے دور ہٹ کر عشق کی آگ اور بھڑک اٹھی اور وہ مفارقت کی تاب نہ لا سکے۔ ماں کا یہ عالم تھا کہ بیٹے کی جدائی کے خیال سے بھی ان کو تکلیف ہوتی تھی۔ محبتِ مادری اور عشق مرشد میں کشمکش شروع ہوئی۔ والدہ نے ان کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ پہرے دار بٹھائے' کانوں کا حصار کیا' لیکن وہ عشق جو بے خطر آتش نمرود کود پڑنے کے لیے تیار ہو' اس کی نظر میں یہ تدابیر سب بے معنی تھیں۔ جب عشق نے زور مارا تو یہ سب بندشیں چشم زدن میں ٹوٹ گئیں اور وہ دیوانہ وار پیر کی طرف دوڑ پڑے۔ ابتدائی زمانہ کا یہ واقعہ خود ایک مجلس میں انھوں نے اس طرح بیان فرمایا۔

''در آوائل والدہ شریفہ مارا ممانعت نمودے از رفتن در خدمت قبلہ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ' یک شب میاں باراں کہ از قوم جعفر بود بر من پاسباں گماشتند چوں دیدم کہ او را خواب غلبہ کردہ است' از خواب گاہ برخاستم و بر دیوار حصار آمدہ از آنجا جستہ در خار نخبی افتادم بگرد حصار بود۔ پاجامہ دریدہ شد و ہر دو پائے بہ زخم خار مجروح شد وخوں رواں شد .... بخدمت حضرت قبلہ عالم مشرف شدم''[1]

اس کے بعد آپ کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ ایک مہینہ مہار شریف قیام کرتے تھے' پھر کچھ دنوں کے لیے گھر آ جاتے تھے۔ والدہ کو ان کا یہ حال دیکھ کر بہت خیال ہوا۔ اس سلسلہ

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۱۳۴

Marfat.com

میں تعویذ وغیرہ بھی کرائے۔ ملفوظ میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"ہر گاہ ایں فقیر در حضور حضرت قبلہ عالم بشرفِ بیعت مشرف شد' مرا در خانہ خود ہرگز قرار نیامدے' چنانچہ یک ماہ در حضوری بودم و چندروز در خانہ' بریں نمط می گذشت تا وصالِ مبارک حضرت قبلہ عالم قدس سرہ' ومائی صاحبہ مرحومہ گفتے کہ پسر مرا خیال بد شدہ است کہ در خانہ خود آرام نمی گیرد۔ از علماء وفقرا چنداں تعویذ ہا گرفتہ کہ آوندپر ساختہ بودند' چونکہ فقیر از کمال جذبہ عشق مستولی شدہ بود' لاچار بے قراری حاصل بود۔ بیعت

محبتے ست کہ دل را نمی دہد آرام
وگرنہ کیست کہ آسودگی نمی خواہد"[1]

مرشد سے عشق:

حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے پیرومرشد خواجہ مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عشق تھا۔ ان سے جب جدا ہوتے پریشان اور بے چین رہتے۔ فرقت میں ذوق وشوق کا یہ عالم ہو جاتا تھا کہ اکثر پیدل ہی مہار شریف کو روانہ ہو جاتے تھے اور راستے کی تمام صعوبتیں نہایت خوشی سے برداشت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میاں غلام حیدر اور میاں عیسیٰ جعفر کو ساتھ لے کر مہار شریف کو روانہ ہو گئے۔ راستہ میں پیروں سے خون جاری ہو گیا اور

"ہر دہ ناخن از ہر دو پائے من جدا شدند"[2]

پاؤں کے دسوں ناخن انگلیوں سے جدا ہو گئے۔

لیکن اسی استقلال اور ہمت کے ساتھ 40 کوس کا سفر طے کیا۔ سفر میں دو' دو تین تین دن کے فاقے بھی ہوئے' لیکن عقیدت وارادت کا یہ متوالہ' والہانہ انداز میں یہ سب مصیبتیں جھیلتا ہوا اپنے مرشد کے قدموں میں پہنچ گیا۔ غلام حیدر کا بیان ہے۔

"من بارہا معائنہ نمودم کہ کفش ایشاں بخون پاپُر شد۔ وقطرات ازاں برآمد وایشاں

---

[1] نافع السالکین ص ۱۷ [2] نافع السالکین۔ ص ۱۱

Marfat.com

از خود ہم چناں بے خبر وقدم مبارک مردانہ در سیر مثل معتادی نہادند ہرگز از جریانِ خون وزخمی شدن پا خبر نداشتند' من بخدمت عرض داشت نمودم کہ درایجا بنشینیم ہرگز اختیار نکردند' چوں در بلدہ ملتان رسیدیم بظن اینکہ کفش تنگ است کفش دیگر فراخ خرید' نمایم' چوں بغیر یک چادرِ نو قیمت دیگر موجود بنود' خواستم کہ آزا فروختہ قیمت کفش ادا نمایم' ہر چند سعی نمودم جائز نہ داشتند' وبعد از گفتگوے بسیار فرمودند کہ مارا از خود ہیچ خبر نیست' غم مدار کہ در قطع منزل تفاوت نخواہد شد''[1]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے پیر کی اطاعت اور تابعداری میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ پیر مشاطہ کی مانند ہوتا ہے۔ایک جگہ فرماتے ہیں۔

''شیخ مشاطہ مرید است یعنی چنانچہ مشاطہ عروس را آراستہ سزاوار صحبت شوے خود سازد' مانند ایں شیخ ظاہر و باطن را بہ شریعت پیراستہ مستحق صحبت محبوب حقیقی گرداند''[2]

ایک مرتبہ مہار شریف میں دیوان حافظ کا مطالعہ کر رہے تھے' اتفاقاً شیخ کا بھی ادھر سے گذر ہوا۔پوچھا کیا پڑھتے ہو۔عرض کیا' خواجہ حافظ اور ساتھ ہی یہ شعر پڑھا۔

کمالِ صنعتِ مشاطہ باید
کہ روئے زشت رازیبا نماید[3]

شاہ محمد سلیمان صاحب کا عقیدہ تھا کہ

''صحبت شیخ باعقیدہ باید کرد کہ بے عقیدہ از صحبت ہیچ فائدہ نیست''[4]

شیخ کی صحبت میں عقیدہ کے ساتھ حاضر ہونا چاہیے بے عقیدہ صحبت سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

جب بھی وہ اپنے مرشد کی صحبت میں رہے اسی عقیدہ سے رہے۔اور اپنا سارا وقت باطنی اصلاح میں صرف کیا۔شیخ بھی ان پر دوسرے مریدوں کی نسبت زیادہ توجہ

---

1. نافع السالکین۔ ص ۱۸
2. نافع السالکین۔ ص ۴۴
3. نافع السالکین۔ ص ۶۹
4. نافع السالکین۔ ص ۵۰

Marfat.com

رکتے تھے۔ ایک مرتبہ خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مہار میں مقیم تھے۔ زیادہ وقت میاں خدا بخش ولد حافظ محمد مسعود کی مسجد میں گزارتے تھے اور ذکر و مجاہدہ میں مشغول رہتے تھے۔ مجلس کے وقت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر کتبِ تصوف کا درس لے لیا کرتے تھے۔ قبلہ عالم کو ان کا اس قدر خیال تھا کہ خود مسجد میں جا کر ان سے ملتے تھے۔[1]

خلافت:

15، 16 برس کی عمر میں خواہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، خواجہ مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت ہوئے تھے[2] شیخ کی صحبت کا فیض کل 6 سال تک اٹھایا۔ خود ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"ما را صحبتِ ظاہری حضرت قبلہ عالم شش سال یا کم بود"[3]

ہمیں حضرت قبلہ عالم کی ظاہری صحبت چھ سال یا کچھ کم حاصل رہی ہے

21, 22 سال کی عمر میں پیر و مرشد نے خلاف عطا فرمائی اور تونسہ میں قیام کی ہدایت کی 60 سال تک بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ وہ تونسہ شریف میں تبلیغ و اشاعت اور اصلاح و تربیت میں مصروف رہے۔

تونسہ میں قیام خانقاہ:

تونسہ ڈیرہ غازی خاں سے 30 کوس کے فاصلہ پر ایک غیر معروف گاؤں تھا۔ پیر و مرشد نے حکم دیا کہ اپنا وطن چھوڑ کر وہاں آباد ہو جاؤ۔ شاہ محمد سلیمان نے فوراً گڑ گوجی کو الوداع کہا اور تونسہ پہنچ گئے۔ وہاں بقول پیر حیدر علی شاہ صاحب جلال پوری، آپ سرکندوں کی ایک جھونپڑی بنا کر عبادت میں مشغول ہو گئے[4] جب اس علاقہ کا رئیس الف خاں

[1] خاتم سلیمانی۔ ص ۴۲ ۔ ۴۱

[2] ۱۱۹۹ھ میں آپ بیعت ہوئے۔ ۱۲۰۵ھ میں شاہ نور محمد صاحب کا وصال ہوا۔

[3] نافع السالکین ص ۱۴۱۔ ۱۴۰

[4] ملفوظات حضرت پیر صدر شاہ جلال پوری۔ (ذکر حبیب) ص ۲۸۲۔ ۲۸۳

Marfat.com

حلقہ مریدین میں شامل ہوا تو اس نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اجازت سے ایک مکان بنوا دیا۔ جب آپ کی شہرت بڑھی اور لوگ دور دور سے شرفِ بیعت کے لیے حاضر ہونے لگے تو نواب بہاول خاں والی ریاست بھاولپور بھی سلسلہ خدام میں داخل ہو گئے اور تعمیر مسجد کے لیے چند ہزار روپے خدمتِ اقدس میں پیش کیے۔ حضرت نے وہ روپیہ حسب دستور لنگر کے درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ جو بچا وہ مسکینوں اور درویشوں کو بانٹ دیا۔ نواب بہاولپور نے پھر روپے بھیجے۔ وہ بھی ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیے گئے آخرالامر نواب صاحب نے حضرت خواجہ الہ بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو روپے بھیجے اور ان سے درخواست کی کہ وہ مسجد تعمیر کرا دیں۔ صاجزادہ صاحب نے جب سامان مہیا کیا تو خواجہ صاحب کو معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا۔

''واہ او بھیڑیا جے میرے کول گھل دوں تے کتیاں مسجداں تیار کرا دیندا''[1]

اس طرح رفتہ رفتہ تونسہ بارونق اور پُر فضا مقام بن گیا اور دور دور سے لوگ وہاں آنے لگے۔ فاربس نے اپنے فیصلہ میں قیام تونسہ کے متعلق لکھا ہے۔

''خواجہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانہ میں جو حالات تونسہ کے تھے ان سے ظاہر ہے کہ انھوں نے اور ان کے خلفا ہی نے اس کو آباد کیا تھا''[2]

مدارس کا اجرا:

شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تونسہ میں سکونت پذیر ہونے کے بعد سب سے پہلا کام اجراء مدارس کا کیا۔ ان کے مدارس کے متعلق تفصیلی معلومات کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ **1911**ء میں خواجہ حامد اور خواجہ محمود کے درمیان ایک مقدمہ ڈسٹرکٹ جج ملتان کی عدالت میں ہوا تھا اس میں بعض پرانے گواہوں کے بیانات اور عمارتوں کے معائنہ سے ان مدرسوں کے تفصیلی حالات معلوم ہوئے۔ جج نے اپنے فیصلہ

---

[1] ملفوظات حضرت پیر حیدر شاہ جلالپوری (ذکر حبیب) ص ۲۸۲۔ ۲۸۳

[2] ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوانی فیصلہ ایچ ایف فاربس صاحب بہادر ڈسٹرکٹ جج ملتان مقدمہ نمبر ۱۰۹، ۱۹۱۱ء

Marfat.com

میں ان مدارس کی تفصیل دی تھی۔ مناسب ہے کہ یہاں اس فیصلہ کے اہم اقتباسات درج کیے جائیں۔

"انھوں نے (یعنی خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اغراض مذہبی کے لیے مدارس جاری کیے تھے اور وہ' جو لوگ زیارت کرنے کے لیے اور مرید بننے کے لیے آتے' ان کو مذہبی تعلیم دیتے تھے اور ان کے لیے سہولتیں مہیا کرتے تھے یہ تمام کارروائی زیر نگرانی شاہ محمد سلیمان صاحب ہوتی تھی امداد کنندگان ان کے خلفا تھے .... بڑے بڑے خلفا کے نام سے اب تک وہ مکانات جو مسجد کے ارد گرد ہیں' موسوم ہیں۔ گو اصلی مکانات سب شہید ہو چکے ہیں۔ احمد یہ بیان کرتا ہے کہ خواجہ الہ بخش صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکانات بنانے سے پہلے یہ زمین خالی تھی اور وہاں فقیروں کی جھنگیاں تھیں۔ مگھڈی بنگلہ' محمد علی شاہ کا بنگلہ اور نیز اور بہت سے ناموں سے مکانات نامزد ہیں۔ مثلاً مدرسہ مولوی محمد عمر۔ مولوی احمد صاحب کا بنگلہ' مدرسہ مولوی الٰہی بخش' یہ تمام صاحب خواہ سلیمان صاحب کے خلفا تھے۔ پھر ملاحظہ ہو بیان نور محمد کا۔ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا دادا یہاں آیا اور پندرہ سال خواجہ محمد سلیمان صاحب اور 15 سال خواجہ الہ بخش صاحب کی خدمت کرتا رہا۔ اس کو مولوی شیخ احمد کہتے تھے۔ اس کا ایک مدرسہ تھا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ خواجہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانہ میں پچاس استاد تھے۔ ان کے مکانات تھے۔ اور بعض مکانات میں کئی استاد اکٹھے رہے تھے۔ خواجہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لنگر سے ان کو کھانا ملتا تھا۔" [1]

اس فیصلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب نے تونسہ کو دارالعلوم بنا دیا تھا۔ ان کے دولت کدہ کے چاروں طرف متعدد مدرسے تھے' پچاس استاد وہاں رہتے تھے۔ تعلیم و تربیت کا کام نہایت وسیع پیمانہ پر جاری تھا۔ علوم دینیہ کی ترقی و ترویج میں بے حد کوشش کی جارہی تھی۔ مدرسوں کا اجرا' شاہ صاحب کے مقصد کے حصول کا بہترین ذریعہ تھا۔ صرف

Marfat.com

اسی طرح سے اسلامی شعار کی ترویج ممکن تھی۔ تونسہ جیسی بستی میں پچاس مدرسین کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ تونسہ اس علاقہ کا تعلیمی مرکز بن گیا تھا اور دور دور سے شائقین علم وہاں جمع ہونے لگے تھے۔

درس وتدریس:

شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خود درس دینے کا بڑا شوق تھا۔ وہ اپنے خاص شاگردوں اور مریدوں کو سلوک و احسان کی کتابوں کا درس دیتے تھے۔ ان کے ملفوظات میں بعض جگہ ان کتابوں کا ذکر آ گیا ہے جن کو وہ اکثر پڑھا کرتے تھے۔ ایک جگہ جامع ملفوظ لکھتا ہے۔

''حضرت قبلہ من قدس سرہ العزیز دراثنائے تعلیم کتاب احیاء العلوم ایں عبارت را بر زبان درفشاں راندند'' [۲]

پھر ایک موقع پر لکھتا ہے۔

''کاتب حروف پیش شیخ خود قاری کتاب فتوحات مکی بود'' [۳]

احیاء العلوم اور فتوحات کے علاوہ شاہ صاحب نے اپنے کچھ مریدوں کو کنز اور کافیہ بھی پڑھایا تھا۔ چنانچہ حاجی چراغ الدین نے کنز اور کافیہ ان ہی سے پڑھا تھا۔ [۴]

شاہ صاحب کا علمی تبحر:

شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مطالعہ نہایت وسیع اور نظر بہت گہری تھی۔ قرآن حدیث اور فقہ پر ان کو پورا عبور تھا۔ ملفوظات میں جگہ جگہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی نقل کرتے ہیں۔ تصوف کی اعلیٰ کتابوں کا مطالعہ نہایت بالغ نظری سے کیا تھا۔ عوارف المعارف اور فتوحات مکیہ نوک زبان پر تھیں اور شیخ سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور

---

۱ ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوانی 'ایچ' ایف فاربس۔ ص ۱۲۔ ۱۱

۲ نافع السالکین ص ۱۶۰ ۳ نافع السالکین۔ ص ۱۶۳

۴ خاتم سلیمانی۔ ص ۱۴۰

Marfat.com

امام اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بنیادی خیالات پر کافی غور وفکر کیا تھا۔

حدیث وفقہ پر عبور کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مسئلہ آپ سے دریافت کیا جاتا تو برجستہ اسناد نقل کر دیتے۔ ایک مرتبہ قبلہ عالم کے عرس میں تشریف فرماتھے۔ ایک عالم نے کچھ مسائل دریافت کئے۔ آپ نے برجستہ ان کا شافی وکافی جواب عنایت فرمایا اس مجلس میں مولوی خدا بخش صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (خلیفہ حافظ محمد جمال ملتانی) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی موجود تھے انھوں نے اپنے برادر زادہ اور شاگرد مولوی عبدالغفار سے فوراً کہا کہ ان ارشادات کو ایک رسالہ کی شکل میں لکھ لو۔ چنانچہ وہ سوالات اور جوابات جمع کر لئے گئے۔ خاتم سلیمانی میں اس رسالہ کا کچھ حصہ نقل کیا گیا ہے۔[1] اس سے شاہ صاحب کی وقتِ نظر، وسعتِ معلومات، اور تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فقہ اسلامی کے مطالعہ پر خاص زور دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ حدیث بغیر مجتہد کے نہیں سمجھی جاسکتی۔ فرماتے ہیں۔

"فہم حدیث بغیر مجتہد کسی را نیست ما را عمل بر قول مجتہد است نہ بر حدیث"[2]

وہ ائمہ سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ جامی کے یہ اشعار ورد زبان رہتے تھے

آں اماما نے کہ کردند اجتہاد
رحمتِ حق بر رواںِ جملہ باد
بوحنیفہ بداامامِ باصفا!
آں سراجِ اُمتانِ مصطفےٰ[3]

عسرت کی زندگی:

شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنا ابتدائی زمانہ بڑی عسرت اور تنگی میں بسر کیا تھا۔ جب تونسہ میں وہ ایک طالب علم کی حیثیت سے آئے تھے تو ان کے خور

---

[1] خاتم سلیمانی۔ ص ۱۳۹۔ ۱۴۲ [2] نافع السالکین۔ ص ۱۱۳
[3] نافع السالکین ص ۱۶۹

Marfat.com

ونوش کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ ایک شخص رحم کھا کر ان کو کھانا دینے لگا تھا۔ اس میں بھی یہ مصیبت تھی کہ اس کے دروازہ پر ایک کتا رہتا تھا۔ خواجہ صاحب کھانا لینے جاتے تو اس انتظار میں کھڑے رہتے کہ کتا ہٹے تو اندر جائیں اگر کتا وہیں رہتا تو دن بھر بھوکے رہتے۔[1] جب خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ کی حیثیت سے وہ تونسہ شریف پہنچے تو عسرت کا یہ عالم تھا کہ سرکنڈوں کی جھونپڑی میں اپنا سر چھپاتے تھے اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ گڑگوجی میں ان کی کچھ زمین تھی' لیکن خواجہ نور محمد صاحب کے ارشاد کے بموجب اسے ویسے ہی چھوڑ آئے تھے۔[2] کچھ عرصہ بعد فتوح کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دنیا کی ہر نعمت ان کے قدموں میں آ گئی۔ لیکن استغنا کا وہی عالم رہا اور انھوں نے کبھی فارغ البالی کی زندگی بسر نہیں کی۔ جو کچھ ان کی خانقاہ میں پہنچا تھا فوراً تقسیم کر دیتے تھے۔ اپنے لیے کچھ نہ رکھتے تھے لکھا ہے۔

''حضرت قبلہ من قدس سرہ العزیز' سلطان التارکین بود' ہزاراں نقود و اسپاں وشتران و دیگر چیز ہا از متعہ و اقمشہ کہ مریدان در نذر آوردندے ہماں لحظہ عطائی نمو دند۔ ہیچ چیز با خودنمی داشتند''[3]

ایک مرتبہ ایک شخص محمد واصل جس نے عرب و عجم کی سیر کی تھی' حضرت کے اس عطا د کرم کی تعریف کی تو فرمانے لگے۔ ''میاں واصل! میں تو وہی ہوں جو تونسہ میں کتے والے مکان سے کھانا لے کر کھاتا تھا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے''[4]

شاہ صاحب کی طبیعت میں قناعت اور توکل کا جذبہ حد درجہ تھا۔ ہر قوم کی فتوح ان کے دروازے پر آتی تھی۔ لیکن وہ ایک ہاتھ سے لیتے تھے اور دوسرے سے تقسیم کر دیتے تھے۔ مناقب حافظیہ میں لکھا ہے: ''ترک و تجرید میں حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کوئی مثل نہ تھا...... بجز ایک لنگی کوئی چیز شیخ اکبر کے پاس نہ تھی خواہ سفر ہو یا حضر' گرمی ہو یا

1۔ نافع السالکین۔ ص ۲۹ 2۔ نافع السالکین۔ ص ۱۷۵
3۔ نافع السالکین۔ ص ۱۷۵ 4۔ نافع السالکین۔ ص ۲۹

Marfat.com

سردی، حجرۂ مبارک میں صرف ایک بوریا تھا۔ اسی پر نماز نوافل پڑھتے تھے اور اسی کو سونے کے وقت تخت پر بچھا لیتے تھے۔ گرمیوں میں دُھلی لنگی سرہانے رکھ کر استراحت فرماتے تھے۔ جاڑوں میں اسی لنگی کو استراحیت کے وقت جسم مبارک پر ڈال لیتے تھے۔'' [1]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مریدوں کو بھی یہ ہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ وہ صابر وشاکر وقانع بنیں۔[2]

لنگر:

حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا لنگر نہایت وسیع اور باقاعدہ تھا، کھانے کے علاوہ درویشوں اور طلباء کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی گئی تھیں۔ لنگر کے اہتمام کے لیے ایک پورا محکمہ تھا۔ پیارا نامی بنیہ مودی مقرر کیا گیا تھا۔ میاں علی محمد ہوتانی 'لانگری تھے۔ مستوفی صاحب برخوردار خاں چاکی تھے۔ نور خاں گرمانی، وکیل اور صلاح کار کا کام انجام دیتے تھے۔ منشی گری کا عہدہ صدیق محمد کاسبی کو ملا تھا۔[3] یہ پورا محکمہ لنگر کا انتظام کرتا تھا۔

لنگر میں کھانے کے علاوہ ضرورت کی ہر چیز موجود رہتی تھی۔ حجام، لوہار، موچی، دھوبی، آب کش، وغیرہ ماہانہ تنخواہ پاتے تھے اور وہاں موجود رہتے تھے اور بقول مصنف خاتم سلیمانی ''درویشوں کو کسی قسم کی کوئی تکلیف اور احتیاج باقی نہ رہی تھی''[4] بیمار ہوتے تو دوائیں لنگر سے مفت ملتی تھیں، مودی کو حکم تھا کہ جو شخص نسخہ لائے بغیر پوچھے اس کی دوا دے دی جائے۔ ایک مرتبہ خدا بخش لانگری نے عرض کیا ''غریب نواز اس مہینہ میں مودی نے پانچ سو روپیہ درویشوں کی دواؤں کے سلسلہ میں درج کیا ہے'' آپ کو یہ سن کر سخت غصہ آیا۔ فرمایا۔ اگر پانچ ہزار بھی دوا پر خرچ ہو تو مجھے اطلاع نہ کی جائے۔ کیا درویشوں کی جان کے مقابلہ میں روپیہ کی کچھ حقیقت ہے'' [5]

---

[1] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۵۔ ۱۴ [2] مناقب حافظیہ۔ ص ۹۵
[3] خاتم سلیمانی۔ ص ۶۶ [4] خاتم سلیمانی۔ ص ۶۷
[5] خاتم سلیمانی ص ۶۶

Marfat.com

لنگر کا یہ قاعدہ تھا کہ ہر درویش کو تین پاؤ پختہ روٹی ملا کرتی تھی۔ چھ مہینے کے بعد کپڑے اور جوتیاں ملتی تھیں۔ علاوہ ازیں ایک سیر تیل اور کچھ گھی ملا کرتا تھا۔ ان مدرسین کے لیے جو رات دن درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے' ان کو اس کے علاوہ بھی کچھ مراعات حاصل ہوتی تھیں ان کا کام چونکہ دماغی محنت کا تھا اس لیے ان کو ایک سیر پختہ روزنیہ' سیر بھر گھی ماہانہ اور ایک سیر تیل ملا کرتا تھا۔ لباس ان کو بھی چھ مہینے میں ہی ملتا تھا۔ لیکن ایک سفید لنگی اور ایک گوسفند بھی عطا ہوتا تھا۔[1]

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لنگر کی حیثیت بہت ہمہ گیر تھی یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس لنگر میں زیادہ تر علماء و مدرسین شامل تھے۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو تمام ضروریاتِ زندگی سے بے فکر کر کر پوری ذہنی مرکزیت کے ساتھ درس و تدریس کے کام کے لائق بنا دیا تھا۔ علماء کی ایک کثیر تعداد اس طرح دینی کام کے لیے تیار ہو جاتی تھی۔ آج ہم اس عظیم الشان لنگری نظام کے دوررس اثرات اور نتائج پر' معلومات کی کمی کی بنا پر' تفصیلی بحث کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن اس کی افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ویسے تو اس زمانہ میں ہندوستان کی کئی خانقاہوں میں بڑے بڑے لنگر قائم تھے اور سینکڑوں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔ مثلاً دہلی میں شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ میں پان پانسو فقیر رہتے تھے اور ان کے خورونوش کا انتظام ہوتا تھا۔[2] خواجہ محمد عاقل کی خانقاہ میں بھی لنگر کا بڑا اہتمام تھا۔[3] لیکن جو باقاعدگی اور جو مقصد شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لنگری نظام میں ملتا ہے وہ کسی اور جگہ نہیں تھا۔ شاہ محمد سلیمان کا یہ کل نظام ایک مقصد کے ماتحت تھا وہ اس طرح کی سہولتیں بہم پہنچا کر علماء کو درس و تدریس اور مشائخ کو تبلیغ واصلاح کے لیے تیار کرتے تھے۔ شائقین علم و فضل جگہ جگہ سے تونسہ میں آ کر جمع ہوتے تھے اور شاہ صاحب ان کی صلاحیتوں کو کارآمد بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔

---

[1] خاتم سلیمانی۔ ص ۶۶ [2] آثار الصنادید۔ سرسید احمد خاں

[3] تکملہ سیر الاولیاء

Marfat.com

شاہ صاحب کی مقبولیت:

حضرت شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہایت ہر دل عزیز بزرگ تھے۔ عقیدت مندوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ مکان کے شمالی اور جنوبی دروازے کھول دیے جاتے تھے۔لوگ ایک .... دروازے سے داخل ہوتے اور دوسرے سے نکلتے رہتے تھے۔[1] جب شاہ صاحب تونسہ سے باہر جاتے تو اسٹیشنوں پر معتقدین کے ہجوم لگ جاتے تھے۔ایک مرتبہ بھٹنڈے کے اسٹیشن پر اس قدر خلقت جمع ہوگئی کہ گاڑی کو بہت دیر تک رکنا پڑا۔[2]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ میں جگہ جگہ سے لوگ آتے تھے۔قریبی ریاستوں کے نواب اور جاگیرداران کے آستانہ پر اپنی حاضری کو باعثِ فخر ومباہات سمجھتے تھے۔افغانستان سے شاہ شجاع ان کی خانقاہ میں عقیدت وارادت کے ساتھ حاضر ہوا تھا۔ جاگیرداروں اور والیان ریاست کا تو یہ معمول تھا کہ گدی پر بیٹھتے وقت ان ہی کے دستِ مبارک سے پگڑی بندھواتے تھے اور ان کی دعاؤں کو اپنے لیے سعادتِ دارین تصور کرتے تھے۔سرسید نے (جو ان کے ہم عصر تھے) لکھا ہے کہ ان کی شہرت قاف سے قاف تک ہے۔[3] دہلی سے جو اپنے انحطاط کے زمانہ میں بھی علم وفضل کا مرکز تھا' علما اور صوفیہ فیض حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔مولوی حیات علی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[4] اور صاحبزادہ نظام الدین پسر کالے صاحب[5] کو اپنی روحانی پیاس بجھانے کا سامان تونسہ ہی میں ملا تھا۔

شاہ صاحب کا نظام اوقات:

شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے اوقات اور معمولات کے بہت پابند تھے۔مغرب کی نماز کے بعد ایک پہر ذکر جہر میں مشغول رہتے تھے۔ذکر سے فراغت

۱؎ خاتم سلیمانی۔ ص ۱۷ ۲؎ خاتم سلیمانی ص ۱۲

۳؎ ' ۴؎ آثار الصنادید ۵؎ خاتم سلیمانی۔ص ۱۴۸

Marfat.com

کے بعد ہر شخص کو حاضری کی اجازت ہوتی تھی۔ جب اس سے فرصت ملتی تو رات کا کھانا نوش فرماتے۔ پھر عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد حجرہ میں چلے جاتے تھے۔ تہجد کے بعد ذکرِ جہر کرتے تھے۔ اس وقت ایک مخصوص محفل سماع [1] ہوتی تھی، جس میں کسی شخص کو حاضری کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ میاں احمد قوال [2] کچھ سناتا تھا۔ نماز فجر سے قبل اپنے تخت پر آرام فرماتے تھے۔ جب اذان ہوتی، مسجد میں تشریف لاتے۔ نماز کے بعد پھر حجرہ میں چلے جاتے ایک پہر دن گزرنے پر پھر عام مجلس شروع ہو جاتی۔ اس کے بعد کھانا کھاتے، اور کسی قدر قیلولہ کے بعد نماز ظہر ادا کرتے۔ پھر عصر تک کلام پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے۔ عصر سے مغرب تک مسجد میں قیام فرماتے۔ مناقب حافظیہ میں لکھا ہے کہ شیخ کے ان معمولات میں خواہ حضر ہو یا سفر فرق نہیں ہوتا تھا۔ [3]

تعلیم اخلاق:

جب کسی قوم کا سیاسی زوال شروع ہوتا ہے تو اس کے افکار و اعمال، عادات و اطوار بھی انحطاط پذیر ہونے لگتے ہیں۔ یہ قومی زوال کی آخری منزل ہوتی ہے۔ اخلاقی زوال کے اثرات، سیاسی زوال سے کہیں زیادہ مہلک ہوتے ہیں اس کے بعد کچھ عرصہ کے لیے تجدید و احیاء کی سب راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ شاہ محمد سلیمان نے جس وقت ارشاد و تلقین کا ہنگامہ برپا کیا تھا اس وقت مسلمانوں پر سیاسی ادبار کی گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ اس زوال کو سب دیکھ رہے تھے لیکن بہت کم لوگ ایسے تھے جن کی حقیقت میں نگاہیں سیاسی زوال کے پیچھے ایک خطرناک اخلاقی زوال کے اثرات کو بھی دیکھتی ہوں ایسے لوگوں نے سلطنت کا ماتم کرنے میں اپنا وقت صرف نہیں کیا۔ انھوں نے اپنے اپنے علاقوں میں

---

1. نافع السالکین میں لکھا ہے۔ ''سماع را بعد از نماز تہجد بسیار عزیز داشتند ے'' ص ۱۴۷
2. خاتم سلیمانی میں لکھا ہے۔ ''میاں احمد قوال حضرت کا خاص غلام تھا۔ بچپن سے لے کر آخیر عمر تک حضور پُر نور کی صحبت میں رہا'' ص ۸۶ آپ کا ایک اور قوال پیر بخش تھا۔ نافع السالکین ص ۱۲۵
3. مناقب حافظیہ۔ ص ۱۶۔ ۱۵

Marfat.com

اسلامی اخلاق وشعائر کی نگہبانی کی۔ شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ان ہی چند بزرگوں میں تھے جن کی کوششوں کا محور اخلاق و عادات کی درستی تھا۔

حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چاہتے تھے کہ مسلمان رسول عربیؐ کے آئینہ میں اپنے اخلاق و عادات کو سنواریں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اچھے فضائل اور عادات صرف متابعت رسول سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"خوب خصائل و حمیدہ افعال بغیر متابعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل نہ شود"[1]

متابعت کی تشریح اس طرح کرتے ہیں۔

"متابعت عبارت ز دو چیز است۔ انچہ خدا اور سول خدا امر کردہ اند باید کرد و انچہ منع فرمودہ اند نباید کرد"[2]

متابعت سے مراد دو چیزیں ہیں۔ جو کچھ خدا اور رسول خدا نے حکم دیا ہے اسے کرنا اور جس چیز سے منع کیا ہے اس سے بچنا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اخلاقی کوششوں کا مرکزی نکتہ یہ ہی تھا۔ انھوں نے ہمیشہ اسی جدوجہد میں وقت گزارا کہ عوام کے اعمال درست کیے جائیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں آدمی بہت ہیں لیکن آدمیت نہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"آدمی کم موجود شوند کہ اکثر صورت آدمی دارند و خصال آدمی ندارند' آدمیت عبارت از خوب خصال و حمیدہ افعال است"[3]

فرمایا کرتے تھے کہ آدمی ہونا بہت مشکل ہے۔ "آدمی شدن بسیار مشکل است۔"[4]

---

1. نافع السالکین۔ ص ۹۷
2. قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا شاہ صاحبؒ کی یہ تلقین بالکل اسی آیت کا ترجمہ ہے۔
3. نافع السالکین ص ۱۰۹۔ ۹۷
4. نافع السالکین ص ۱۶۱

Marfat.com

انتہا یہ تھی کہ کہا کرتے تھے کہ سالک السلوک [1] میں آدمی کی جو صفات لکھی ہیں وہ خود میرے اندر بھی نہیں ہیں۔ [2]

ملفوظات میں جگہ جگہ بری صحبت' غیبت' غرور' عیب جوئی' شراب خواری' عشق بازی' اور رشوت خوری سے بچنے کی ہدایت ہے۔ اور بار بار ادب' مہمان نوازی' نیکی' عجز وانکسار اور ایمان داری کا درس دیا گیا ہے۔ نافع السالکین میں شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ہو جہاں اصلاح اخلاق پر زور نہ دیا گیا ہو۔ ان سب اصلاحی مشوروں کا خلاصہ یہ ہے۔

(1) بری صحبت سے بچو۔ اس کے اثرات بہت خطرناک ہوتے ہیں اور جلدی اثر کرتے ہیں۔ جگہ جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند [3]

صحبت کے اثرات بتانے کے سلسلہ میں وہ نہایت نصیحت آموز حکایتیں اور قصے بیان کرتے ہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ بار بار یہ شعر پڑھتے ہیں۔

نار خنداں باغ راخنداں کند
صحبت مرداں ترا مرداں کند

یک زمانہ صحبتِ با اولیا !
بہتر از صد سال طاعت بے ریا [4]

بری صحبت کے اثرات بیان کرتے ہوئے' عوارف المعارف کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ ایک سانپ ایسا ہوتا ہے کہ جس پر اس کی نظر پڑ جاتی ہے وہ سوختہ ہو جاتا ہے۔ جب حیوان کے یہ اثرات ہیں تو انسان کے اثرات کا کیا کہنا [5]

---

1 ضیاء بخشی " کی مشہور کتاب ہے۔ 2 نافع السالکین۔ ص ۱۶۱
3 نافع السالکین ص ۷ 4 نافع السالکین ص ۷ 5 نافع السالکین۔ ص ۵۲

Marfat.com

(2) غرور و تکبر سے بچو۔[1] کسی کو حقارت سے نہ دیکھو۔[2] عجز سے رہو۔ اپنے آپ کو سب سے بدتر اور کم تر سمجھو۔[3] فرماتے ہیں۔

"ہر کہ خود را از ہمہ کس کم داند او
مقبول و محبوب حق تعالیٰ باشد"[4]

شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سی انکساری پیدا کرنی چاہیے' ایک مرتبہ بارش کی کمی ہوئی۔ نماز استسقاء کے باوجود جب باران رحمت نازل نہیں ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ برے لوگوں کی شامتِ اعمال سے یہ ہوا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی نے جب یہ سنا تو فوراً شہر سے نکل کھڑے ہوئے کہ سب سے برا تو میں ہی ہوں"[5]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چاہتے تھے کہ ان کے مریدوں میں عجز و انکسار کا مادہ پیدا ہوا اور وہ شفقت و مہربانی کے ساتھ خلقت سے پیش آئیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"سالک را باید کہ ہمہ خلق را چہ شریف و چہ خسیس بہ شفقت و رحمت ناظر باشد تا حق تعالیٰ بروے رحمت کند۔"[6]

غرور و نخوت سے نہ صرف دینی کام میں رکاوٹ پڑتی ہے بلکہ خود انسان کے اندر روحانی ترقی کی صلاحیتیں مردہ ہو جاتی ہیں۔

(3) حسد و کبر سے بچو۔ فرماتے ہیں۔

"گل توحید نہ روید بہ زمینے کہ در دخارِ شرک و حسد و کبر و ریا است"[7]

توحید کا پھول اس زمین میں نہیں اگتا جہاں شرک' حسد اور ریا کے کانٹے موجود ہوں۔

---

1. نافع السالکین ص ۲۵
2. نافع السالکین۔ ص ۲۵
3. نافع السالکین۔ ص ۱۲۶' ۶۵
4. نافع السالکین ص ۱۱۰
5. نافع السالکین۔ ص ۱۱۰
6. نافع السالکین۔ ص ۴۲
7. نافع السالکین۔ ص ۲۹

Marfat.com

(4) عیب جوئی سے بچو۔[1] فرماتے تھے کہ اپنے عیوب کی تلاش مقدم ہے۔

"سالک راباید کہ بہ سبب عیب بینی خویش از عیبِ خلق چشم بہ بندد کہ عین سعادت و رضامندی حق سبحانہ دریں مندرج است' چنانچہ درحدیث وارداست' طوبیٰ لمن شغل عینہ من عیوب الناس" [2]

(5) غیبت سے بچو۔ قرآن پاک کا حکم ہے۔

وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ.

یادرکھو۔

"غیبت از سرقت بداست زیرا کہ در سرقت سارق چیزے وزدے می خورد و در غیبت ہیچ سود نیست بلکہ اعمال غیبت کنندہ خاکستر شود" [3]

پھر یہ شعر پڑھتے ہیں ۔

آں کس کہ بسوئے غیبت افراختہ است
اوازتن مرد گاں غذا ساختہ است
و آنکس کہ بعیبِ خلق پر داختہ است
زانست کہ عیب خویشِ نشناختہ است [4]

وہ اپنی نصیحت کو پُر زور اور زود اثر بنانے کے لیے آیاتِ قرآنی' احادیث اور اشعار برمحل استعمال کرتے تھے۔ جب اخلاقی درس دیتے ہیں تو ان کے لہجے میں اصولی سختی اور تبلیغی نرمی کا نہایت ہی حیرت انگیز امتزاج ہوتا ہے۔ نصیحت کرنے کا جو موقع ملتا ہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جس قسم کے لوگ آتے جس قسم کا مسئلہ زیر بحث ہوتا' وہ اخلاقی درس کو نہ بھولتے۔ وہ چاہتے تھے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اخلاقی اصولوں کارفرماہوں کسی قسم کی

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۲۹ [2] نافع السالکین۔ ص ۴۳
[3] نافع السالکین ص ۸۴۔ ۸۳ [4] نافع السالکین ص ۸۴' ۸۳

Marfat.com

گفتگو ہوتی وہ اس کا اخلاقی پہلو ضرور نمایاں کر دیتے تھے۔ ایک دن تجارت کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی تو ارشاد فرمایا۔

"اگر کسے سوداگری دانہ گندم کند بریں نیت کہ غلہ را بہ قیمت گراں خواہم فروخت ایں امر در شریعت ممنوع است بلکہ ہر کہ ایں نیت کند عاقبت الامر خوار شدہ بمیرد"[1]

اگر کوئی اس نیت سے گیہوں کی تجارت کرے کہ اس کو گراں بیچوں گا تو یہ امر شریعت میں ممنوع ہے بلکہ جو کوئی ایسی نیت کرتا ہے اس کی عاقبت خراب ہوتی ہے۔

جانوروں کے پالنے کے متعلق گفتگو ہوتی ہے تو فوراً ہدایت فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص جانوروں کو پالتا ہے لیکن ان کی خبر گیری نہیں رکھتا اس سے قیامت کے دن پرسش کی جائے گی۔[2]

یہ معمولی معمولی باتیں ہیں لیکن اپنے اخلاق درس کو وہ یہاں بھی نہیں بھولتے۔ مریدوں کے لیے ان کی اخلاق تعلیم کے مرکزی نکتے یہ تھے۔

(1) عمل صالح:

"سالک را باید کہ در اعمال صالحہ مداومت نماید"[3]

(2) نیکی:

"کار ما بہ بداں ہم نیکی کردن است"[4]

(3) ادب:

از خدا خواہم توفیق ادب !
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب[5]

مریدوں کی اخلاقی تعلیم میں وہ ان ہی تین چیزوں پر زور دیتے تھے۔ ملفوظات

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۱۵۸ [2] نافع السالکین۔ ص ۱۰۷
[3] نافع السالکین۔ ص ۶۲ [4] نافع السالکین۔ ص ۱۱۹ [5] نافع السالکین۔ ص ۱۱۴

Marfat.com

میں متعدد جگہ ان ہی کو مختلف انداز سے بیان کر کر دل نشین کرایا گیا ہے۔

ارکان اسلام کا تحفظ:

حضرت شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ارکان اسلام کے تحفظ کا بڑا خیال تھا۔ جس وقت انھوں نے اصلاح و تربیت کا کام شروع کیا تھا' اس وقت لوگوں میں فسق و فجور بہت بڑھ گیا تھا۔ خود شکایت کرتے ہیں۔

''دریں زمانہ مرد ماں فسق و فجور می کنند''[1]

اس زمانہ میں لوگ فسق و فجور کرتے ہیں دین سے بے اعتنائی عام تھی۔ بدعت کے کاموں میں سینکڑوں جمع ہو جاتے تھے لیکن کار خیر میں حصہ لینے کے لیے کوئی تیار نہ ہوتا تھا۔ فرماتے ہیں۔

''ہر جا کہ بدعت و بازی باشد خلق بسیار جمع شود' ہر جا کہ کار نیک باشد خلق کم رود''[2]

جہاں کہیں بدعت یا کھیل ہوتے ہیں بے شمار لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ جہاں نیک کام ہوتا ہے وہاں کم آتے ہیں۔

ایک شخص جس نے بڑی سیاحت کی تھی' شاہ صاحب سے عرض کیا۔

''من ملک خراساں و ہندوستان را دیدہ ام کہ ہیچ جا دین داری نیست مثل بخارا و دیگر در تونسہ مبارک کہ از سبب برکت آں صاحب بسیار دیں داریست''[3]

میں نے خراسان اور ہندوستان میں گشت کیا ہے۔ کہیں ایسی دین داری نہیں ہے جیسے بخارا اور تونسہ میں۔ تونسہ میں آں صاحب کی وجہ سے بڑی دین داری ہے۔

تونسہ کی یہ حالت تو شاہ صاحب کی مسلسل کوشش اور تلقین پیہم کے بعد ہوئی تھی ورنہ اور جگہ حالت یہ تھی کہ عوام ارکان اسلام سے نابلد تھے اور طرح طرح کے حیلے بہانے بنا کر فرائض سے بچتے تھے۔ نماز اور روزہ لوگوں نے ترک کر دیا تھا۔ اسلام کے یہ ستون

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۱۷۰ [2] نافع السالکین۔ ص ۱۱۲

[3] نافع السالکین۔ ص ۱۷۰

Marfat.com

غفلت اور بے توجہی کے باعث کمزور ہوتے جا رہے تھے۔ شاہ صاحب کو ارکان اسلام سے یہ غفلت دیکھ کر حد درجہ رنج اور افسوس ہوتا تھا۔ ملفوظات میں جگہ جگہ عوام کی اس بے اعتنائی پر غم وغصہ کا اظہار کیا گیا ہے۔[1] ایسے زمانہ میں صرف نماز ہی جو لوگ پڑھ لیتے ہیں وہ بہت کافی عبادت کر لیتے ہیں۔ ایک شخص نے عرض کی کہ میں علاوہ پانچ وقت نماز کے کوئی کار خیر نہیں کرتا۔ ارشاد ہوا۔

"ہر کہ دریں زمانہ نماز پنج وقت باجماعت بخواند او ولی است کہ دریں زمانہ بے دینی تمام است"[2]

جو شخص اس زمانہ میں پنج وقتہ نماز باجماعت پڑھ لیتا ہے وہ ولی ہے۔ کہ اس زمانہ میں بے دینی بہت ہے۔

روزہ سے لوگ بچتے تھے۔[3] اور طرح طرح کے عذر پیش کرتے تھے۔ بعض کہتے تھے کہ روزہ رکھنے سے خشکی ہوتی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسلسل ان خیالات کے خلاف جہاد کیا۔ اور بتایا کہ ایسا خیال کرنا گمراہی نفس پر مبنی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"دنیا داراں در ماہ رمضان شریف روزہ ندارند و گویند کہ مارا خشکی می شود ایں سخن از گمراہی نفس و شیطان است"[4]

دنیادار رمضان المبارک کے روزے نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں خشکی ہوتی ہے۔ یہ بات نفس کی گمراہی اور شیطان کے (غلبہ) کی بنا پر ہے۔

صوفیہ کی اصلاح:

اس زمانہ کے صوفیہ مختلف قسم کی بداعتقادیوں کا شکار تھے۔ روحانی ترقی اس لیے چاہتے تھے کہ دنیاوی دشواریاں حل ہوسکیں اور۔

---

1. نافع السالکین ص ۱۶۶ 2. نافع السالکین۔ ص ۱۶۸
3. نافع السالکین۔ ص ۱۰۹، ۱۵۴، ۱۶۶ وغیرہ
4. نافع السالکین ص ۱۰۹

Marfat.com

مقصود من خستہ ز کونین توئی
از بہرِ تو میرم ز برائے تو زیم!

کی صدا اب کسی حجرہ سے سنائی نہ دیتی تھی۔[1] اعمال وظائف میں حد سے زیادہ اعتقاد تھا۔ اور سارا وقت اسی میں صرف ہوتا تھا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس گمراہی کو محسوس کرلیا اور فرمایا

"سالک را باید کہ در عملیات تضیع وقت نہ کند کہ ایں رہزن و مانع راہ فقر است و مقصود اصلی کہ یاد کردن حق است"[2]

سالک کو چاہیے کہ عملیات میں وقت کو ضائع نہ کرے ایسے مشغلے راہ فقر کے ڈاکو اور رکاوٹیں ہیں۔ اصلی مقصود خدا کا یاد کرنا ہے۔

ان وظائف کی جگہ جن کا مقصد کسی دنیاوی مشکل کا حل کرنا ہوتا تھا' شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر جہر پر زور دیا۔ اور فرمایا۔

"ذکر جہر بہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ از ہمہ اوراد و وظائف بہتر است چنانچہ در حدیث شریف وارد است افضل الذکر لا الہ الا اللہ"[3]

ذکر جہر بہ کلمہ لا الہ الا اللہ سب اوراد و وظائف سے بہتر ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کوشش تھی کہ صوفیہ میں اطاعتِ حق کا صحیح جذبہ اور دین کا غم پیدا ہو۔ وہ اس دینی طبقہ کو مادی الجھنوں میں پھنسا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ بار بار ہدایت ہوتی ہے کہ صوفیہ کو غم دین چاہیے۔ فرماتے ہیں۔

"سالک را باید کہ غم دین خورد کہ مقصود دارین است۔

سالک کو چاہیے کہ غم دین کھائے کہ مقصود دارین یہی ہے۔

---

[1] حضرت بابا فرید گنج شکر اکثر اپنے حجرہ میں سربسجود خلوت میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

[2] نافع السالکین ص ۲۵   [3] ایضاً ص ۱۳۱

Marfat.com

غمِ دنیا مخور کہ بے ہودہ است
ہیچ کس در جہاں نیا سود است
غمِ دیں خور کہ غم غمِ دین است
ہمہ غمہار فروتر ازیں است“ [1]

وہ صوفیہ کو دنیاداری سے دین داری کی طرف بلاتے تھے۔ اور ان کو بتاتے تھے کہ کل تم کیا تھے' آج کیا ہو گئے؟ تمہاری کوششوں اور عبادتوں کے مرکز کیوں تبدیل ہو گئے۔ تم نے دین کے بجائے دنیا سے کیوں دل لگالیا۔ تم نے اپنے اعتقادات میں کیوں فاد پیدا کر لئے۔ صحیح مذہبی جذبہ پیدا کرو کہ وہی سعادتِ دارین کا باعث ہو گا۔

شاہ صاحب کی بالغ نظر ہر گمراہ روش کو دیکھ لیتی تھی اور وہ اس کے خطرناک اثرات سے فوراً آگاہ ہو جاتے تھے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ لوگ اپنے شیخ پر بے جا اعتقاد اور اس کی روحانی امداد پر بے جا اعتماد رکھتے ہیں' چنانچہ انھوں نے صاف طور سے لوگوں کو آگاہ کر دیا کہ تم اپنے پیر سے جس قدر امداد چاہتے ہو اور کائنات کے کاموں میں اس کا جس قدر دخل خیال کرتے ہو' یہ سب باتیں اس کے احاطہ اختیار سے باہر ہیں۔ اللہ پر صحیح بھروسہ رکھو' سوائے اس کے کسی سے التجا نہ کرو' اسی سے عرض مدعا کرو اور اسی پر اعتماد رکھو۔

”التجا و تکیہ بہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ باید کرد نہ بغیر او“ [2]

لوگوں کا اعتقاد تھا کہ ”چونکہ ایں چنیں شیخ کامل و مکمل می داریم ہر کار رد عمل کہ می کنم مراغم نیست“ [3] شاہ صاحب نے ایسے غلط اعتقادات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا اور فرمایا کہ کارخانہ قدرت میں کسی چیز کو دخل نہیں۔ وہاں انسانی اعمال سے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ [4] حق تعالیٰ کا ہر کام حکمت سے ہوتا ہے۔ انسان کو اس سے واقفیت نہیں۔

”ہمگی کار حق تعالیٰ بغیر حکمت نیست ہیچ کس نداند“

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۳۰ [2] نافع السالکین ص ۴۷

[3] ایضاً۔ ص ۵۸ [4] ایضاً

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا کوئی کام بغیر حکمت نہیں ہوتا لیکن وہ حکمت کسی معلوم نہیں ہوتی۔

ایک جگہ ان ہی گمراہیوں کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

''سالک را باید کہ ہر فعل ایز دتعالیٰ راعین حکمت پندارد۔ اگر چہ برآں اطلاع نداشتہ باشد و بروے اعتراض نکند و ہر کہ اعتراض کند فہو مردود فی الدارین۔

سالک کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل عین حکمت سمجھے۔ اگر چہ اس (حکمت) سے واقف نہ ہو۔ اس پر اعتراض نہ کرے۔ جس نے اعتراض کیا وہ دارین میں مردود ہو گیا۔

علماء کو تنبیہ:

حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب قدس سرہ العزیز نے اسلامی سوسائٹی کے جس طبقہ کو بھی غلط راستے پر پایا اس کی طرف فوراً توجہ کی۔ علماء کی بے راہ روی دیکھی تو وہ کانپ اٹھے اور فرمایا۔

''فساد العالم فساد العالم''[1]

وہ علماء کی گمراہی کو ساری قوم کی گمراہی کے مترادف سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ علماء کی گمراہی خود ان ہی تک محدود نہیں رہتی۔ عوام بھی اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک عامی کی گمراہی خود اسی تک رہتی ہے۔ لیکن عالم کی بے راہ روی سے عوام بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔

''نہ در جنت تنہا می روند نہ در دوزخ بلکہ ہر دو طرف با جماعت کثیر روانہ می شوند''[2]

وہ نہ تو جنت میں تنہا جاتے ہیں نہ دوزخ میں دونوں جگہ کثیر جماعت ان کے ساتھ ہوتی۔

چنانچہ علماء کو ہدایت فرماتے ہیں۔

''عالم را باید بر علم عمل کردن۔

---

1. نافع السالکین۔ ص ۲۰

Marfat.com

والا کَمَثَلِ الحِمارِ یَحمِلُ اَسفَاراً [1]

علم کا مقصد شاہ صاحب کی نظر میں یہ تھا۔

''مقصود از علم، عمل وہدایت ومحبت باری تعالیٰ حاصل کردن است'' [2]

علم سے مقصود عمل، ہدایت اور حق تعالیٰ کی محبت حاصل کرنا ہے۔

اگر یہ مقصد پورا نہ ہو تو سب علم گمراہی ہے اور اس کا حاصل کرنا عبث۔

شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کے نصابِ تعلیم کے خلاف بھی آواز بلند کی۔ فرمایا کہ علماء کو فقہ اور تفسیر پر زور دینا چاہیے۔ ان ہی کے مطالعہ سے مذہبی زندگی سنورتی ہے' فرماتے ہیں۔

''علم فقہ وتفسیر ضرور یہ است کہ دانستن فرض وواجب وسنت ومستحب ومکروہ موقوف بر علم فقہ است وباقی ہمہ علوم سر دردی است'' [3]

علم فقہ اور تفسیر لازمی ہیں۔ فرض، واجب سنت، مستحب اور مکروہ کا علم علم فقہ پر ہے۔ باقی سب علوم سر دردی ہیں۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

''ہر علم بغیر عمل، وعمل بغیر عقیدہ صاف کہ اہل سنت وجماعت است فائدہ ندہد'' [4]

علم بغیر عمل اور عمل بغیر عقیدہ اہل سنت وجماعت فائدہ نہیں پہنچاتا۔

اگر ایسا نہیں ہے تو سب فضول ہے

علم چندا کہ بیشتر خوانی
چوں عمل در تو نیست نادانی [5]

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۲۲ [2] نافع السالکین۔ ص ۱۴۲

''علامہ اقبال'' کا خیال ہے ''مسلمان کے لیے لازم ہے کہ علم کو (یعنی اس علم کو جس کا مدار حواس پر ہے اور جس سے بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے) مسلمان کرے۔ بولہب را حیدر کرار کن۔ اگر یہ بولہب حیدر کرار بن جائے یا یوں کہیئے کہ اگر اس کی قوت دین کے تابع ہو جائے تو نوع انسان کے لیے سراسر رحمت ہے''

Iqbal'S Educational Philosophy p 116

[3] نافع السالکین۔ ص ۱۳۵ [4] ایضاً ص ۵۰ [5] نافع السالکین۔ ص ۸۵

Marfat.com

سماج:

زوال وانحطاط کے زمانہ میں سینکڑوں سماجی اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان کی ابتدا گھر کی چار دیواری سے ہوتی ہے رفتہ رفتہ ساری قوم مجموئی حیثیت سے ان میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانہ میں سوسائٹی کی وہ حالت نہ رہی تھی جو مہذب اور تربیت یافتہ سوسائٹی کے افراد کی ہونی چاہیے۔ گھر کی چہار دیواری مدنی زندگی کا گہوارہ ہے۔ جب گھر میں اخلاقی خرابیاں رونما ہونے لگتی ہیں تو مدنی زندگی کے سارے سرچشمے مسموم ہو جاتے ہیں۔ نافع السالکین میں ایسے متعدد واقعات درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کا ادب واحترام بالکل جاتا رہا تھا۔ ایک شخص نے آ کر خدمتِ اقدس میں عرض کیا ''حضرت میرے عیال واطفال مجھے گلیاں دیتے ہیں اور میری خدمت نہیں کرتے'' شاہ صاحب کو یہ سن کر بے حد رنج ہوا۔ لیکن وانسانی نفسیات سے واقف تھے۔ اس شخص کو تو یہ کہہ کر تسلی دے دی۔

''تکیہ حق بکار آید وتکیہ غیر بکار نیاید واگر کسے تکیہ بر عیال واطفال کند کہ مرا خدمت کنند ہیچ فائدہ نمی دہد'' [1]

اللہ پر اعتماد وبھروسہ تو کام آتا ہے ورنہ غیر پر بھروسہ کب کام آسکتا ہے اگر کوئی اپنے بال بچوں پر بھروسہ کرتا ہے کہ وہ میری خدمت کریں گے تو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

لیکن پھر ایک موقع پر نہایت افسوس کے ساتھ فرمایا۔

''از علامات قیامت است کہ پسر با پدر در جنگ ونزاع باشد'' [2]

قیامت کی علامتوں میں سے ہے کہ بیٹا باپ سے جھگڑا کرے گا۔

اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

---

[1] نافع السالکین ص ۱۱۲ [2] نافع السالکین۔ ص ۱۱۲

Marfat.com

دختر ازرا ہمہ جنگ است و جدل با مادر
پسر ازرا ہمہ بد خواہِ پدری بینم [1]

جب کوئی اخلاقی یا سماجی کمزوری شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علم میں آجاتی تھی وہ اس کے دور کرنے کی بے حد کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ جب انھوں نے یہ حالات دیکھے تو مختلف طریقوں سے والدین اور اولاد کے تعلقات میں شگفتگی، اطاعت اور معقولیت پیدا کرنے کی سعی فرمائی ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

"خدمت وفرماں برداری والدین از دل و جان باید کرد کہ در حدیث آمدہ کہ والدین مثل کعبۃ اللہ اند.........اگر کسے والدین را رد کند ہرگز مقبول نہ شود" [2]

والدین کی خدمت اور فرمانبرداری دل اور جان سے کرنی چاہئے، حدیث میں آیا ہے کہ والدین کعبۃ اللہ کی مانند ہیں جو والدین کو رد کرتا ہے وہ خود کبھی مقبول نہیں ہوگا۔

اس طرح ڈرانے کے بعد ایک جگہ نہایت خوشی کے ساتھ فرماتے ہیں۔

اگر پسر با پدر خوش دل شدہ تکلم
نماید آنرا مبارک بادی نمایند" [3]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سوسائٹی کی اور بہت سی خرابیوں کی مذمت کی ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں' پہلے زمانہ میں قاضی صاحبِ نسبت ہوتے تھے' اب رشوت خور ہوتے ہیں [4] رشوت خوری کی مذمت اس طرح کرتے ہیں۔

"ہر کہ حرام خورد رزق او تنگ شود و عاجز باشد چنانچہ دزداں ہمیشہ خوار باشند" [5]

جو کوئی حرام کھاتا ہے اس کا رزق تنگ ہو جاتا ہے اور وہ عاجز ہو جاتا ہے چنانچہ چور

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۱۱۷ [2] نافع السالکین۔ ص ۱۵۲
[3] نافع السالکین۔ ص ۶۰ [4] نافع السالکین۔ ص ۱۰۴' ایضاً
[5] ایضاً

Marfat.com

ہمیشہ خوار ہوتے ہیں۔

اہل کاروں کی مذمت ایک سلسلہ میں اس طرح کرتے ہیں۔

''ہر اہل کار دریں زماں کی می آید از سابق بدتر باشد''[1]

اس زمانہ میں ہر اہل کار جو آتا ہے پہلے سے بدتر ہوتا ہے۔

ایک جگہ شراب خواری کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے نفس پر شیطان کو غالب کرتا ہے تو وہ شراب خواری وغیرہ کا ارتکاب کرنے لگتا ہے[2]

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ عشق بازی سے بچنا چاہیے۔

''عشق ورزیدن با کودکان و زنان بلائیست ازیں دور باید بود''[3]

عورتوں اور لڑکوں سے عشق کرنا ایک بلا ہے اس سے دور رہنا چاہیے۔

اتباع شریعت کی تلقین:

شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شریعت کے معاملہ میں نہایت سخت گیر تھے۔فرمایا کرتے تھے۔

''ہر کہ خواہد مقبول و محبوب حق سبحانہ تعالیٰ گردد باید کہ در متابعت شریعت ظاہراً و باطناً کوشش نماید چنانچہ نفس دریں باب وارداست۔ انْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ''[4]

جو شخص چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ کا محبوب ہو جائے اسے چاہیے کہ ظاہر اور باطن میں شریعت کی متابعت کرے چنانچہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے ان كنتم تحبون الله فاتبعونی يحببكم الله

بار بار ارشاد ہوتا ہے۔

''از امر غیر مشروع دور باشد''

---

[1] نافع السالکین۔ص ۶۱ [2] نافع السالکین۔ ص ۱۶۵
[3] نافع السالکین۔ ص ۴۵ [4] نافع السالکین۔ ص ۱۵۵

Marfat.com

غیر شرعی چیزوں سے دور رہو۔

ان کو سوائے قرآن وحدیث کے کوئی گفتگو پسند نہ تھی۔ فرمایا کرتے تھے۔

"بغیر ذکر خدا اور رسول ہمہ سر دردی است"[1]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا خیال تھا کہ انسانیت کا کمال بغیر متابعتِ شریعت دشوار ہے۔

"وحصول کمال انسانی بغیر متابعت شریعت
ظاہری وباطنی از قبیل محالاتست"[2]

فرمایا کرتے تھے کہ صفائی قلب جو روحانی ترقی کے لیے ازبس ضروری ہے بغیر اتباع شریعت کے حاصل نہیں ہوتی۔[3] اگر کوئی ولی بھی خلافِ شرع عمل کرتا ہے تو اس کی ولایت اور روحانیت کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔

"یک فعل غیر مشروع بندہ را از مرتبہ ولایت بیفگند"[4]

ایک غیر شرعی فعل بندے کو مرتبہ ولایت سے نیچے پھینک دیتا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تصوف وسلوک کی مستند کتابوں کے حوالے دے کر یہ ثابت کیا کرتے تھے کہ صراطِ مستقیم سے مقصود راہ شریعت ہے۔ حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتوحات مکیہ میں اور شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں یہی بتایا ہے کہ شریعت کی مدد کے بغیر روحانیت کی دشوار گزار راہیں طے نہیں کی جاسکتیں۔[5]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب لوگوں کو شریعت سے بے اعتنائی برتتے ہوئے پاتے تھے تو ان کو سخت صدمہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ اگر اصحابِ نبی صلی

---

1. نافع السالکین۔ ص ۱۰۹ 2. نافع السالکین ص ۴۹، نیز ص ۱۲۸

3. نافع السالکین۔ ص ۱۲۸ 4. نافع السالکین۔ ص ۱۲۸

5. ایضاً

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم بالفرض اس وقت موجود ہوتے تو اس زمانہ کے لوگوں کو کافر کہتے' اس لیے کہ انھوں نے شریعت کا اتباع چھوڑ دیا ہے اور مخلوق ان کو دیوانہ کہتی اس لیے کہ ان کے افعال و اخلاق شریعت کے مطابق ہوتے۔[1]

متابعت رسول کی ہدایت:

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بے حد زور دیتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے تمام مصائب اور مشکلات کا سبب اتباع رسولؐ نہ کرنے میں پاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے حکومت بھی اس لیے نکلی ہے کہ انھوں نے متابعتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

''دریں زماں چوں مسلمانان متابعت نبی صاحب
صلی اللہ علیہ وسلم گذاشتہ اند حق سبحانہ وتعالیٰ کفار
را برایسوں مسلط کردہ است''[2]

وہ اکثر ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ جب سکھوں نے ملتان کا محاصرہ کیا تو ایک بزرگ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں امداد کے طالب ہوئے۔ خواب میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا نے ارشاد فرمایا۔

''امت من متابعت من گذاشتہ اند''[3]

فرمایا کرتے تھے کہ دین اور دنیا دونوں میں کامیابی کا انحصار رسول اللہ کے اتباع پر ہے' بے متابعت حصول مقصد ناممکن ہے۔[4] حکومت بھی اسی وقت مل سکتی ہے جب زندگی کے ہر شعبہ میں اس ''اکمل ترین انسان'' کا اتباع ہو اور روح کی کمالیت بھی اس وقت ممکن ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر گامزن ہو۔ سلوک و معرفت کی راہیں بغیر

---

[1] نافع السالکین ص ۱۲۸ [2] نافع السالکین۔ ص ۵ [3] نافع السالکین۔ ص ۴۰۔ ۱۰۶۔ ۱۵۸
[4] کمال روح موقوف است بر متابعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم' نافع السالکین ص ۱۲۸

Marfat.com

اتباعِ رسول کے طے نہیں کی جا سکتیں۔

دریں رہ بجز مردِ راعی نرفت
گم آں شد کہ دنبالِ داعی نرفت
محال است سعدیؔ کہ راہِ صفا
تواں رفت جز درپے مصطفٰےؐ [1]

مذہبی و روحانی تعلیم:

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مریدوں میں صحیح مذہبی جذبات پیدا کرنے اور ان کی صلاحیتوں کو صحیح راستہ پر لگانے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ ان کی نظر میں پیر کا کام مشاطہ کی طرح، اپنے مرید کے روحانی خط و خال سنوارنا تھا۔ جس وقت حضرت خواجہ مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو خلیفہ بنانا چاہا تھا تو انھوں نے یہ عذر کیا تھا ''قبلہ! زمانہ کی حالت دگرگوں ہے۔ لوگ بہت گمراہ ہو گئے ہیں۔ یہ کام مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ مجھ میں استطاعت نہیں کہ اس کام کی ذمہ داری قبول کروں'' [2] لیکن جب پیر و مرشد نے اصرار کیا تو انھوں نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی۔ اور ساٹھ سال اس ذمہ داری کو اس طرح پورا کیا کہ ان کی دور رس نگاہ زندگی کے ہر شعبہ تک پہنچی اور ان کے اصلاحی ہاتھ کا اثر دور دور محسوس کیا گیا۔ ان کے آخری زمانہ کا ایک دل چسپ واقعہ ملفوظات میں درج ہے۔ ایک عورت نے سوال کیا ''غریب نواز لکھوکھا آدمی، کیا مرد کیا عورتیں، آپ کے دست پر بیعت ہوتی ہیں اور یہ حال ہے کہ آپ کسی کو زیادہ دیر بیٹھنے نہیں دیتے اور کیا دن ہو کیا رات بیعت کرتے رہتے ہیں اور ہر ایک کا بھروسہ ہے کہ قیامت کے دن آپ کام آئیں گے اور امداد کریں گے۔ مگر حیرانی ہے کہ کروڑوں مخلوق میں سے آپ اپنے مرید کس طرح پہچان سکیں گے'' جواب میں ارشاد فرمایا ''رات کا وقت ہوتا ہے اور چھ سات چرواہے اپنی اپنی بھیڑیں ملا دیتے ہیں اور پھر جب چاہتے ہیں ہر ایک ریوڑ کو جدا کر لیتا ہے۔ حالانکہ سب بھیڑیں ہم

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۱۵ [2] خاتم سلیمانی۔ ص ۶۸

Marfat.com

رنگ ہوتی ہیں اور حالانکہ سب چرواہوں کو احمق اور بے وقوف کہا کرتے ہیں تو کیا میں اپنے مریدوں کو شناخت نہ کرسکوں گا''۔[1]

شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مذہبی و روحانی تعلیم کے بعض اہم پہلو یہ ہیں۔

عبادت:

شاہ صاحب اپنے مریدوں اور معتقدوں کو سمجھایا کرتے تھے کہ انسان کی زندگی کا مقصد خدا کی عبادت ہے۔ قرآن پاک کی یہ آیت اکثر پڑھتے تھے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ[2]

کبھی یہ شعر پڑھتے تھے

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی[3]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیثیت ایک روحانی طبیب کی سی تھی۔ وہ ہر شخص کو اس کی طاقت' استعداد' اور صلاحیت کے مطابق عبادت کا حکم دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ریاضت بقدرِ استطاعت کرنی چاہیے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شروع میں انتہا سے زیادہ ریاضت کر لی جاتی ہے' بعد کو ناتوانی اور ضعف کے باعث فرائض کی ادائیگی میں بھی کوتاہی ہونے لگتی ہے۔[4]

اللہ پر صحیح اعتقاد و اعتماد:

شاہ صاحب اپنے مریدوں کو اللہ پر صحیح اعتماد اور کامل بھروسہ کا درس دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کی تعلیمات اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

---

[1] خاتم سلیمانی۔ ص ۷۷ [2] نافع السالکین۔ ص ۱۴
[3] نافع السالکین۔ ص ۱۴ [4] نافع السالکین۔ ص ۱۰۵

Marfat.com

(1) ''التجاو تکیہ بہ حضرت سبحانہ وتعالیٰ باید کرد نہ بغیر او''[1]

(2) ''سالک را باید کہ سوائے جناب حق عزوجل تکیہ گاہِ خود نہ بیند''[2]

غیر اللہ پر تکیہ کرنا حادث ہے۔[3] حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے خدا پر بھروسہ کیا اور آگ گلزار بن گئی۔[4] حضرت یوسف علیہ السلام نے غیر پر بھروسہ کیا اور زندان میں رہے۔[5]

حُب دنیا سے پرہیز:

شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ملفوظات میں جگہ جگہ ''دنیا کی محبت''[6] اور دنیا داروں کی صحبت''[7] سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ اس سے ان کا مقصد گوشہ نشینی یا رہبانیت نہ تھی۔ خود اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔

''سالک را چند چیز در دنیا چارہ نیست وآں را صوفیہ کرام از دنیا نمی شمارند بلکہ از امورِ دینیہ انگارند۔ چنانچہ قوت ضروری برائے عبادت و جامہ ضروری بنا بر ستر عورت و آب ضروری بہ جہت بقاء حیات و مسکن ضروری برائے عبادت و علم ضروری برائے عمل''[8]

سالک کو دنیا کی چند چیزوں کے بغیر چارہ نہیں۔ اور ان کو صوفیہ کرام دنیا میں شمار نہیں کرتے۔ بلک ان کو امورِ دینیہ میں گنتے ہیں۔ چنانچہ غذا جو عبادت کے لئے ضروری ہو اور کپڑا جو ستر کے چھپانے کے لیے درکار ہو اور پانی جو بقاء حیات کے

---

1. نافع السالکین۔ ص ۷۴
2. نافع السالکین۔ ص ۵۹
3. نافع السالکین۔ ص ۷۵
4. نافع السالکین۔ ص ۱۱۹
5. نافع السالکین۔ ص ۱۲۹
6. نافع السالکین۔ ص ۱۱۱
7. نافع السالکین۔ ص ۴۸
8. نافع السالکین۔ ص ۳۱۵

Marfat.com

لیے ہو اور مسکن ضروری برائے عبادت اور علم برائے عمل وہ چیزیں ہیں جو دنیا میں شمار نہیں۔

حکومت کے متعلق شاہ صاحبؒ کا نظریہ:

شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب مسلمانوں کے سیاسی زوال کے اسباب کا تجزیہ کیا' تو ان کو مسلمانوں کے سب آلام و مصائب کا صرف ایک سبب نظر آیا اور وہ مذہب سے بے گانگی۔ ایک مرتبہ لوگوں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ ظالموں کے ظلم سے تنگ آ گئے ہیں۔ جواب میں فرمانے لگے۔

''اگر کسے بدی کند بر خود کردہ باشد''[1]

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرح ان کا خیال یہ تھا کہ حکومت کفر کے ساتھ چل سکتی ہے لیکن ظلم و ناانصافی کے ساتھ نہیں[2]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ظالم حکمراں کا مسلط ہونا' لوگوں کی بداعمالی کی دلیل ہے ''اعمالکم عمالکم'' پر ان کا اعتقاد تھا۔[3] اور اپنی مجلسوں میں اسی پر اصرار کیا کرتے تھے' کہا کرتے تھے کہ جب خدائے تعالیٰ کسی ملک کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو ظالم حاکموں کے قبضہ میں دے دیتا ہے یہ شعر ان کے وردِ زبان رہتے تھے ؎

چو خواہد کہ ویراں کند عالمے
نہد ملک در پنجہ ظالمے
بقومے کہ نیکی پسند و خدائے
دہد خسروِ عادل و نیک رائے[4]

جب لاہور پر سکھوں کا قبضہ ہوا تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا۔

ان اللہ یتجلی علیٰ استعداد متجلے لہ'

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۱۴۶۔ ۱۴۵
[2] ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ
[3] نافع السالکین۔ ص ۷
[4] نافع السالکین۔ ص ۷

Marfat.com

یعنی کار ما مسلمانان در ناشائستگی از

حد گذشتہ کہ ایشاں در ملک غلبہ کردہ اند"[1]

پھر یہ شعر پڑھا ۔

چشم عبرت بر کشا و قدرت حق رابہیں

شامت اعمال ایں صورتِ نادر گرفت

وہ حاکم کو برا کہنے اور غیر ضروری طور پر بدامنی اور ہنگامہ آرائی کے بجائے درستی اعمال کا مشورہ دیتے تھے کہ اسی میں فتح و کامرانی کا راز تھا۔ فرماتے ہیں۔

"سالک را باید کہ در حق حاکم وقت دعائے بد نہ کند' خواہ مسلمان باشد' خواہ مشرک خواہ ظالم باشد خواہ عادل' بلکہ برائے او دعا کند تا در حکم آں سستی نباشد زیرا در سستی حکم نقصان خلق اللہ است و در قوتِ آں عین مصلحت[2]

سالک کو چاہیے کہ حاکم وقت کے حق میں بد دعا نہ کرے خواہ وہ مسلمان ہو یا مشرک ظالم ہو یا عادل۔ اس کے لیے دعا کرے تا کہ اس کے حکم میں سستی نہ ہو۔ اس لیے کہ سستی میں خلق اللہ کا نقصان ہوتا ہے اور قوت میں عین مصلحت ہے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت دعا فرمایئے کہ مسلمان کی حکومت ہو' ہم کفار کی حکومت سے تنگ آ گئے ہیں۔ جواب میں ارشاد فرمایا۔

"حاکم حق تعالیٰ است..........

اَلَیسَ اللّٰہُ بِاَحکَمِ الحَاکِمِینَ"[3]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مستقل رائے یہ تھی کہ حکومت سے پہلے درستی اعمال از بس ضروری ہے فرماتے ہیں۔

"[4] ہر بلا و مصیبت کہ بر مردماں منزل شود از جہت صدور اعمال ناشائستہ باشد۔ چنانچہ در حدیث شریف وارد است اعمالکم عما لکم یعنی کردار ہائے شاہ کمان

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۴۰ [2]، [3]، [4] نافع السالکین۔ ص ۲۳۔ ۳۲۔ ۴۰

Marfat.com

شما اند۔ اگر اعمال شما نیک باشند پس حاکم شما اہل اسلام و عادل باشند' و اگر بالعکس باشند پس حاکم شما نیز کافر و جابر باشند"

ہر بلا اور مصیبت جو انسان پر نازل ہوتی ہے ان کے اعمال ناشائستہ کا نتیجہ ہوتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اعمالکم عمالکم۔ یعنی تمہارے کردار تمہارے حاکم ہیں اگر تمہارے اعمال نیک ہوں گے تو تمہارے حاکم بھی اہل اسلام میں سے اور عادل ہوں گے اگر اس کے برعکس ہوں گے تو حاکم بھی کافر اور جابر ہوں گے۔

غیر مسلموں سے تعلقات:

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہایت وسیع المشرب وسیع الخیال اور وسیع النظر بزرگ تھے۔ چشتیہ سلسلہ کے دیگر اکابر کی طرح ان کا عقیدہ بھی یہ تھا کہ ہندوؤں سے شگفتہ تعلقات رکھے جائیں۔ وہ اپنے مریدوں کو ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ کہ اپنے مذہب اپنے تمدن اپنی شریعت پر قائم رہو' لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسرے مذاہب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اپنے تعلقات میں کبھی بدمزگی پیدا نہ ہونے دو۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"سالک را باید کہ ہیچ کس رنج ندہد بلکہ ہمہ مخلوق صلح کند"[1]

سالک کو چاہیے کہ کسی کو رنج نہ پہنچائے بلکہ ساری مخلوق سے صلح رکھے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمیشہ محبت امن اور صلح کا درس دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے سلسلہ کے بزرگوں کی ہدایت ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح رکھی جائے جامع ملفوظات نے لکھا ہے۔

"حضرت قبلہ من قدس سرہ فرمودند کہ در طریق ماہست کہ با مسلمان و ہنود صلح باید داشت' و ایں بیت شاہد آورند ۔

حضرت قبلہ من قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارے طریقہ میں ہے ہندو اور مسلمان سے

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۱۵۵

Marfat.com

صلح رکھی جائے اور اس بیت کو شہادت کے طور پر پیش کرتے تھے۔

حافظ گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام'' [1]

یہ واضح رہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ برتاؤ اور یہ سلوک غیر مسلموں کے ساتھ تھا۔ بدمذہبوں [2] کے مطالعہ میں وہ نہایت سخت گیر تھے۔ اپنے مریدوں اور معتقدوں کو ہمیشہ بدمذہبوں سے بچنے کی تلقین فرماتے رہتے تھے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

''سالک را باید کہ از صحبت بدمذہبان خود را دور دارد' اگر چہ در صحبت ایشاں نعیم دنیاوی موجود شوند' ہرگز اختیار نکند' بلکہ بہ گرسنگی و برہنگی گذران بہتر است'' [3]

''سالک کو چاہیے کہ بدمذہبوں کی صحبت سے اپنے آپ کو دور رکھے۔ چاہے ان کی صحبت میں دنیاوی فوائد ہی موجود ہوں ہرگز ان سے میل جول نہ رکھے۔ بلکہ بھوکا اور ننگا رہنا ان کی صحبت سے بہتر ہے۔

وہ بدمذہبوں کی لکھی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کو بھی پسند نہ کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو اپنے بیٹے کو ایک ایسی کتاب بھی نہ پڑھنے دی تھی جس کا مصنف ایک معتزلی تھا۔ [4]

عیسائی اور شاہ صاحب:

حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانہ میں برطانوی اقتدار نہایت سرعت کے ساتھ قائم ہو رہا تھا۔ مختلف مقامات پر عیسائی مبلغ اپنے مذہب کی تبلیغ و تلقین کرتے پھر رہے تھے۔ بعض لوگوں کو وہ ملازمتوں لالچ دیتے تھے۔ بعض کو خاموش تبلیغ کے ذریعہ اپنا ہم خیال بنا لیتے تھے ایک طرف یہ کوششیں جاری تھیں کہ دوسری طرف لارڈ میکالے نے اس طریقہ تعلیم کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ جس کے ذریعہ مغربی اثرات کا پھیلنا یقینی امر تھا۔

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۱۷۶ [2] نافع السالکین۔ ص ۱۶

[3] نافع السالکین۔ ص ۱۶۲' [4] ایضاً

Marfat.com

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس جب عیسائی مشنریوں کے ہنگاموں کی خبریں پہنچتی تھیں تو ان کو سخت تکلیف ہوتی تھی اور وہ اپنی بساط اور اپنے مقدور کے مطابق سلمانوں کو ان مغربی اثرات سے بچانے کی جدوجہد فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی محمد حیات صاحب[1] دہلوی نے عرض کیا کہ۔

''بسیار مسلماناں وافرنگیاں از دین محمدی گردانیدہ از ایمان خارج کردہ اند کہ ایشاں دین مسیحا از جہت صحبت اختیار کردہ اند''[2]

بہت سے مسلمانوں کو فرنگیوں نے دین محمدی سے گمراہ کر دیا ہے اور ایمان سے خارج کر دیا ہے اور انھوں نے دین مسیحی صحبت کی غرض سے اختیار کر لیا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ خبر سن کر صدمہ ہوا اور فرمایا کہ ایسی نوکری سے جس میں ایمان کا خطرہ ہو بھوکا مرجانا بہتر ہے۔ جب ملتان پر انگریزوں کا قبضہ ہوا شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو معلوم ہوا کہ انھوں نے وہاں کے مقابر کی بے حرمتی کی ہے تو سخت پریشانی میں یہ شعر پڑھا ؂

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں برد[3]

ایک مرتبہ ایک شخص سے فرمانے لگے۔

''فرنگیاں را تیر نمی زنی''[4]

اس نے عرض کی قدرت نہیں رکھتا ''آپ مدد فرمایئے۔'' آپ نے یہ شعر پڑھا اور خاموش ہو گئے ؂

---

[1] مولوی محمد حیات صاحب دہلوی بڑے جید عالم تھے وہ دہلی سے شاہ صاحب کی صحبت کا فیض حاصل کرنے کے لیے تونسہ شریف گئے تھے ان کے مختصر حال کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون ۱۸۵۷ء سے پہلے کی دہلی (''برہان'' جولائی ۴۷ء)

[2] نافع السالکین۔ ص ۱۶ [3] نافع السالکین ص ۱۶۷ [5] نافع السالکین ص ۵

Marfat.com

کمال نرم باید کما ندار چُست
بوقتِ کشیدن در آید درست[5]

سرکاری ملازمت اور شاہ صاحب:

متقدمین صوفیہ سلسلہ چشت' اپنے خلفاء اور مریدین کو "شغل"[1] سے اجتناب کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سرکاری ملازم ہونے کے بعد انسان میں دینی کام انجام دینے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہ ہی خیال تھا۔ وہ شغل کو روحانی ترقی میں ایک رکاوٹ تصور کرتے تھے۔ ایک شخص نے اطلاع دی مولوی علی الدین بہاولپوری احمد پور کے قاضی ہو گئے ہیں۔ فرمانے لگے۔

"مولوی مذکور پیش ازیں خوش بود اکنوں در بلا افتاد کہ معاملہ متضا اختیار کرد بکہ معاملہ قضاء نزد پیران ما ممنوع است کہ بسیار مرید انراازیں معاملہ منع کردہ اند"[2]

مولوی مذکوراس سے پہلے خوش تھے۔ اب بلا میں گرفتار ہو گئے کہ قضا کا جھگڑا اپنے ذمہ لے لیا۔ قضا کا معاملہ ہمارے پیروں کے نزدیک ممنوع ہے اور انھوں نے بہت سے مریدوں کو اس سے منع کیا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کا واقع سنایا کہ ابتدائی زمانہ میں انھوں نے قاضی ہونا چاہا تھا لیکن شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے منع کر دیا تھا۔[3]

ایک مرتبہ آپ کے ایک مرید مولوی علی محمد جراح نے عرض کیا کہ غریب نواز! مجھے ڈیرہ غازی خاں کی قضا مل رہی ہے۔ لیکن میں بہت ڈرتا ہوں۔" فرمایا **مریدی لا تخف اللہ ربی** ۔ اور خاموش ہو گئے۔[4]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کی نوکری کرنی چاہیے۔[5] سرکاری معاملہ سے دور رہنا بہتر ہے۔ اس میں پڑ کر فرشتہ بھی

1۔ شغل سے مراد سرکاری ملازمت تھی۔
2۔ نافع السالکین۔ ص ۵
3۔ نافع السالکین۔ ص ۱۰۳
4۔ نافع السالکین۔ ص ۸۳
5۔ نافع السالکین۔ ص ۸۳

Marfat.com

شیطان ہو جاتا ہے۔

''اگر فرشتہ باشد چوں در معاملہ سرکار افتد دیو شود'' [1]

ملفوظات میں متعدد جگہ انھوں نے اپنے اعلیٰ مریدوں کو سرکاری ملازمت سے منع کیا ہے اس ضمن میں ایک جگہ تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں۔

''نوکری و ملازمت نمودن بہ اہل دنیا بد است و داخل شدن در معاملہ اہل دنیا از آں بدتر' کسیکہ حاکم شود از جانب اہل دنیا بر مخلوقات چوں بر مخلوقات حکم کند و پاس خاطر اہل دنیا نماید و رعایت امر اللہ و رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فراموش کردہ بر خلق اللہ ظلم و تعدی کند و حال خلق اللہ را بہ ظلم و جبر بگیرد'' [2]

امراء سے بے تعلقی:

حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قدس سرہ امراء اور دنیا دار لوگوں سے بہت اجتناب فرماتے تھے۔ ایسے لوگوں کے پاس آنا جانا روحانی ترقی میں ایک رکاوٹ تصور فرماتے تھے۔ مریدوں کو بھی ہدایت تھی کہ ایسے لوگوں سے بچا جائے۔ ان کی صحبت سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

(1) ''سالک را باید کہ از صحبتِ اہل دنیا
دور باشد'' [3]

(2) ''قرب ایشاں ہلاکت جان است
.... قرب سلطاں آتش سوزاں بود'' [4]

(3) ''صحبت الاغنیاء تمیت القلب ولو کانت ساعۃ'' [5]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اہل دنیا ''سفید چشم'' اور ''بے

---

1. نافع السالکین۔ ص ۶ 2. نافع السالکین۔ ص ۸۳
3. نافع السالکین۔ ص ۲۸ 4. نافع السالکین۔ ص ۱۰۶
5. ایضاً ص ۲۹

Marfat.com

وفا" ہوتے ہیں۔[1]

جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو پیر وفقیر کی تلاش میں پھرتے ہیں اور آہ وزاری کرتے ہیں، لیکن ویسے بلا مطلب وہ کبھی فقرا کی طرف متوجہ نہیں ہوتے[2]

امراء سے علیحدہ رہنے کے سلسلہ میں وہ ایک بہت دل چسپ حکایت سنایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملاقات کے لئے گئے شیخ عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ کہہ کر ملنے سے انکار کر دیا۔

"تو با تو نگراں دوستی داری با تو ملاقات نکنم"

تو امیروں سے دوستی رکھتا ہے۔میں تجھ سے نہیں ملتا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو سخت صدمہ ہوا۔ 6 ماہ تک وہاں رہے۔پھر حضرت شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عطار نے ان کو بلایا اور "آستین خود دراز کردتا حضرت سعدی برآں بوسہ داد ورفت"[3]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جاگیر کے معاملہ میں بھی اپنے بزرگوں کے مسلک پر عمل کیا۔ایک مرتبہ عبدالجبار خاں نواب ڈیرہ غازی خاں نے درویشوں کے خرچ کے لیے جاگیر پیش کی جواب میں فرمایا۔

"ماں ایں جاگیر نہ گیریم کہ خلاف سنت پیران وشیخان ما ہرگز نہ خواہیم نمود کہ ایشاں قبول نہ کردہ اند"[4]

کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ صاحبزادہ گل محمد کے لیے جاگیر قبول فرمالیجئے۔جواب دیا۔

"گل محمد را نیز حاجت جاگیر نیست اگر نعلین

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۸۲ [2] نافع السالکین۔ ص ۸۲
[3] نافع السالکین۔ ص ۴ [4] نافع السالکین۔ ص ۱۶۱

Marfat.com

درویشاں راست کند برائے خدمت او
مقربان خدمت گار شوند"[1]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا مہمان ہو کر زندگی بسر کرنی چاہیے تاکہ دینی کام پوری ذہنی مرکزیت کے ساتھ انجام پا سکیں۔

نواب بہاول خاں اول اور شاہ صاحب:

نواب بہاول خاں اول' خواجہ مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مرید اور معتقد تھا۔ خواجہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی اس کو بڑی عقیدت تھی۔ خواجہ صاحب کا یہ مسلک تھا کہ امراء و رؤساء سے علیحدہ رہتے تھے لیکن اگر کبھی ملنا پڑ جاتا تو نہایت خودداری اور استغنا سے ملتے تھے۔ اگر کوئی بات خلاف قاعدہ دیکھتے تو سختی کے ساتھ زجر و تنبیہ فرماتے اور اپنی ناراضگی کا اظہار صاف طور پر کر دیتے۔

خواجہ مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد نواب بہاول خاں نے صاحبزادگان مہار اور متعلقین کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ خواجہ مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس کے موقعہ پر شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہاں تشریف لے گئے تو قاضی عاقل محمد صاحب اور حافظ محمد جمال صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا ذکر کیا اور تمام واقعات شاہ صاحب کو بتا کر نواب صاحب کے پاس جا کر سفارش کرنے کی درخواست کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا دیکھئے صاحبان! ہم تو پہاڑی آدمی ہیں۔ منت اور خوشامد کرنی تو ہم جانتے ہی نہیں۔ مجھے نواب صاحب کے پاس جانے سے گریز نہیں ہے۔ کیونکہ اپنے مرشد زادوں کا کام ہے۔ مگر طریقہ لجاجت کی امید نہ رکھئے۔

ٹھلہ الاونڑ ایتن ٹھلہ کہاونڑ۔

یعنی موٹا کھانا' موٹا پہننا اور سخت کلام کرنا ہمارا کام ہے۔ جانے کو تو میں جاتا ہوں مگر پھر مجھ سے یہ شکایت نہ کرنا کہ کام خراب کر آیا یا مٹی دا گھبکار یا کھلیں واچنکار۔ ادھریا

[1] نافع السالکین۔ ص ۱۶۱

Marfat.com

ادھر [1] غرض خواجہ صاحب مرشد زادوں کے احترام کے باعث منع نہ کر سکے اور نواب صاحب کے پاس پہنچے۔ نواب نہایت عجز وانکسار سے ملا۔ خواجہ صاحب نے اس کو انتہائی غصہ میں ڈانٹا اور کامیاب واپس ہوئے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ نواب محمد صادق خاں پسر بہاول خاں نے خواجہ مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادوں سے کچھ جرمانہ وصول کیا۔ شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس کا علم ہوا تو سخت ناگواری ہوئی۔ نواب صادق خاں سے خط و کتابت کا سلسلہ بند کر دیا۔ نواب نے عذر و تقصیر کے لیے سید غلام شاہ اور دیگر اشخاص کو خدمتِ عالی میں بھیجا۔ اتفاق سے ان دونوں صاحبزادہ نور احمد صاحب بھی احمد پور مقیم تھے۔ نواب نے ان سے بھی شاہ صاحب کی خدمت میں جانے کی درخواست کی۔ صاحبزادہ نور احمد صاحب معہ سید غلام شاہ وغیرہ' خواجہ تونس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے ہمراہ چلنے کی درخواست کی۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اول تو ٹالا۔ لیکن جب صاحبزادے صاحب نے اصرار کیا تو رمانے لگے "صاحبزادے صاحب آپ کو اس کام کے لیے یہاں تشریف لانا ہرگز مناسب نہ تھا۔ آپ کی خاطر تو میں نواب صاحب سے ناراض ہوا تھا............اب آپ ہی خود تشریف لائے ہیں" صاحبزادہ صاحب نے جواب دیا" قبلہ! کیا کریں۔ مجبور اور لاچار ہو کر آئے ہیں ہماری گذران اس ملک میں ہے۔" خواجہ صاحب نے فرمایا "نہیں۔ نہیں۔ وہ تمہارے ملک میں ہے اور اس کی گذران تمہارے ملک میں ہے۔ خداوند کریم کا بھی لحاظ چاہیے۔ آپ کے والد صاحب قطب الاقطاب تھے۔ آپ خدا کا دروازہ چھوڑ کر اہل دنیا کے پاس التجا کے جاتے ہیں" مجبوراً خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سلطان پور تشریف لے گئے۔ نواب صاحب حاضر ہوئے تو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نہایت سخت سست کہا اس نے نذر پیش کی۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ اس کو دیوار کے باہر پھینک دو کہ اس بلا کے واسطے ہم ساری رات پہرہ چوکی

---

[1] ونافع السالکین۔ ص ۷۶۔۸۱ خاتم سلیمانی۔ ص ۷۸۔۷۷

Marfat.com

کیوں دیں۔[1]

بہاول خاں ثانی جب تخت نشین ہوا تو اس نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ انتہائی عقیدت وارادت کا سلوک کیا۔ تخت نشینی کے موقع پر شاہ صاحب کی خدمت میں 8 ہزار روپیہ نذر کے بھیجے۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ روپے مساکین و یتامیٰ پر تقسیم کر دئے۔[2] اس کے بعد آپ کے لیے ایک مسجد بنوائی۔[3] فاربس نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے۔ 1260ھ مطابق 1840ء میں نواب بہاول خاں والی ریاست بہاول پور نے خواجہ سلیمان صاحب کی یادگار میں ایک مسجد اور ایک روضہ تیار کرا دیا۔"[4] فاربس نے اسی فیصلے میں لکھا ہے "بہاولپور کا ہر نواب ثانی۔ پیر تونسہ کا مرید ہوتا ہے"[5]

ریاستیں اور شاہ صاحبؒ:

پنجاب اور سرحد کی چھوٹی بڑی ریاستیں شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عقیدت وارادت کو اپنے لیے باعثِ فخر و مباہات تصور کرتی تھیں۔ اکثر اوقات پگڑی باندھنے کی درخواست شاہ صاحب ہی سے کی جاتی تھی۔ جب نواب صادق محمد خاں کا انتقال ہوا اور نواب رحیم یار خاں' نواب بہاول خاں ثالث کے نام سے گدی پر بیٹھے تو شاہ صاحب' احمد پور تشریف لے گئے اور اپنے دستِ مبارک سے دستار باندھی۔[6] جب لعل خاں عکانی حاکم سنگھڑ کا دورِ حکومت ختم ہوا تو شاہ صاحب نے بوابی کی دستار اسد خاں کے سر پر باندھی۔

جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان والیان ریاست کو کسی گمراہی میں مبتلا پاتے تھے تو نہایت سختی سے تنبیہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ لعل خاں عکانی حاکم سنگھڑ نے ایک بلوچ لڑکی سے جبراً نکاح کر لیا۔ مسلمانان سنگھڑ کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی۔ قاضی سنگھڑ اور دیگر ذمہ دار اشخاص نے شاہ صاحب سے پورا واقعہ بیان کیا۔ شاہ صاحب نے لعل خاں کے

---

1. نافع السالکین۔ ص ۶۲ 2. نافع السالکین۔ ص ۶۸

3. فیصلہ فاربس۔ ص ۷۔۶ 4. فیصلہ فاربس۔ ص ۲۴

5. خاتم سلیمانی۔ ص ۹۴ 6. خاتم سلیمانی۔ ص ۹۷

Marfat.com

پاس کہلا بھیجا۔ "مسلمانوں پر اس قدر ظلم نہ کر اور کچھ خدا سے ڈر" لعل خاں نے جواب لکھا۔ شاہ صاحب نے وہ عریضہ پڑھ کر غصہ سے دور پھینک دیا۔[1]

لعل خاں کے بعد اس کا ایک عزیز اسد خاں حاکم ہوا۔ اس نے عدل وانصاف سے کام نہیں لیا تو شاہ صاحب نے اس کو تنبیہ کی۔ "اسد خاں ظلم ترک کر دے۔ تری ‌ ‌ ‌ ‌ ‌‌مت میں اگر ہمیں فائدہ ہے تو یہ کہ اذان سننے میں آتی ہے۔ ورنہ میں دیکھتا ہوں کہ تھوڑے دنوں میں ہی اس شمالی ریکھ (تودۂ ریگ) پر سکھوں کی فوج آنے والی ہے۔[2]

ایک مرتبہ نواب عبدالصمد خاں والی ڈیرہ غازی خاں نے قلعہ اختیار خاں کا محاصرہ کیا۔ اہالیان شہر گڑھی کے خالی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ نواب قلعہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں بھیجا کہ امداد کی درخواست کرے۔ شاہ صاحب، نواب عبدالصمد خاں کے پاس جانے کے لیے خود تیار ہوئے۔ میاں محمد صالح نے عرض کیا "قبلہ آپ کا تشریف لے جانا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ نواب متکبر آدمی ہے" شاہ صاحب نے جو ہر کام خالصاً للہ کیا کرتے تھے۔ فرمایا "میں بندۂ خدا ہوں نہ کہ بندۂ نفس۔ اگر وہ کہنا نہ مانے گا تو آخر میرا کیا بگڑے گا۔"[3] یہ الفاظ شاہ صاحب کی بلند حوصلگی، عالی ہمتی، اور بے نفسی کے بہترین شاہد ہیں۔ وہ اصلاحی کام میں ذاتی عزت وافتخار کا جذبہ بالکل شامل نہ ہونے دیتے تھے۔

شاہ شجاع اور خواجہ تونسوی:

جس زمانہ میں شاہ محمد سلیمان صاحب تونسہ میں رونق افروز تھے، اس وقت مشرق وسطیٰ کی سیاست بہت خطرناک صورت اختیار کر رہی تھی۔ نپولین کی جنگوں کے بعد سے روس مسلسل مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ 1826ء میں روسیوں نے ایرانیوں کو شکست دے کر اس ملک پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا۔ برطانیہ کو روس کے اس بڑھتے ہوئے اقتدار

1. خاتم سلیمانی۔ ص ۹۹ 2. خاتم سلیمانی۔ ص ۱۰۱

Marfat.com

سے سخت خطرات پیدا ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس نے افغانستان میں اپنی طاقت کا استحکام کرنا چاہا تاکہ برطانوی ہند اور روس کے درمیان ایک طاقتور ریاست مقابلہ کے لیے موجود رہے۔ لیکن افغانستان میں اس وقت اندرونی گڑبڑ ہو رہی تھی۔ دُرانی خاندان کو دوست محمد نے کابل اور غزنی سے نکال دیا تھا۔ دُرانی خاندان کے امیدوارِ تخت و تاج' شاہ شجاع نے بالآخر ہندوستان میں پناہ لی تھی اور انگریز شاہ شجاع کی حمایت میں تھے۔

شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روحانی شہرت کو سن کر شاہ شجاع ان کی خدمت میں حاضر ہوا خاتم سلیمانی میں کئی واقعات ایسے درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع کو حضور خواجہ صاحب سے بڑی عقیدت اور ارادت پیدا ہو گئی تھی۔

جب شاہ شجاع دوسری بار انگریزی امداد لے کر افغانستان جا رہا تھا تو تونسہ شریف سے اس کا گذار ہوا۔ رات کو وہیں قیام کیا۔ صبح کو خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ صاحب نے اپنے مصلے پر اس کو بٹھا لیا اور ساری سرگذشت سنی۔ اس کے بعد پوچھا کہن دل خاں ''افغانستان کی تسخیر کا ارادہ ہے لیکن یہ بتاؤ کہ کس کی پناہ میں جا رہے ہو۔'' فوراً جواب دیا ''پردل خاں کی حمایت میں جا رہا ہوں۔'' اس کے بعد شاہ شجاع چلا گیا۔ شاہ صاحب اپنی مجلس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اس کا بخت برگشتہ معلوم ہوتا ہے وہ اللہ کے بجائے کہن دل خاں اور پردل خاں پر اعتماد رکھتا ہے'' لیکن شاہ صاحب بڑے مردشناس بزرگ تھے۔ اگر ایک طرف شاہ شجاع کی اس بات پر ان کو اعتراض تھا' تو دوسری طرف وہ اس کی ہمت و مردانگی کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد' جب شاہ شجاع کے قتل کی خبر سنی تو فرمانے لگے۔ ''شاہ شجاع بڑی ہمت والا جوان تھا۔ حصول مطلب کی خاطر اپنی جان تک نذر کر دی۔''[1]

امیر دوست محمد خاں اور شاہ صاحبؒ:

حضرت شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شہرت ہندوستان اور افغانستان میں

۱۔ خاتم سلیمانی، ص ۵۳

Marfat.com

دور دور تک پھیل گئی تھی۔ جس زمانہ میں شاہ شجاع اور دوست محمد خاں میں افغانستان کی حکومت کے لیے کشمکش ہو رہی تھی اور سکھوں اور انگریزوں نے شاہ شجاع کو امداد دینی شروع کر دی تھی' اس وقت دوست محمد خاں نے شاہ صاحب سے روحانی امداد کی درخواست کی۔ اور لکھا کہ میں نے خالصاًللہ جہاد پر کمر باندھی ہے تاکہ یہ اسلامی علاقہ کفار کے صدمات اور تصرفات سے محفوظ رہے۔ دعا فرمائیے کہ خدا مجھے فتح و نصرت عطا فرمائے۔'' شاہ صاحب نے یہ خط سن کر منشی محمد واصل سے کہا کہ جواب میں یہ شعر لکھدو ؎

ہر آں کہ استعانت بدرویش برد
اگر برفریدوں زد پیش برد [1]

وصال:

ماہ صفر 1267ھ کا چاند دیکھ کر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ ہمارے ''سفر'' کا مہینہ ہے۔ خدا خیر کرے۔'' کچھ دن بعد زکام کی شکایت ہوئی اور 7 صفر کو جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ نواب بہاولپور نے 70 ہزار روپیہ کے صرفہ سے سنگ مر مر کا عالی شان روضہ تیار کرایا۔ مولوی حسین علی فتح پوری نے تاریخ وصال کہی ؎

سلیمانِ زماں رحلت چو فرمود
یکا یک در جہاں ظلمت بیفزود
پے سال وفاتش ہاتفِ غیب
بگفت او آفتابِ چشتیاں بود [2]

حاجی نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک نظم میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی کے کل اہم واقعات کی تاریخیں دی ہیں۔

دردا کہ غوث الاعظم راہی سوئے جناں شد
از ہجر او دو عالم پُر شور و پُر فغاں شد

---

[1] خاتم سلیمانی۔ ص ۹۷ [2] شجرہ خواجہ الہ بخش۔ ص ۶۸ خاتم سلیمانی۔ ص ۱۵۰

Marfat.com

از سالِ انتقالش ہاتف مرا بگفتہ
محبوب ذات حق بود اندر زمیں نہاں شد
سال ولادت آنرا از من اگر پرسی
گر ہائے دور سازی خورشید دو جہاں شد
لفظ حبیب اللہ بے ہائے عمر اودال
من کردہ ام شماری ہشتا دو چاراں شد
تاریخ بیعت او ہم رفتنش بدھلے
خورشید دو جہانی می خواں دریں عیاں شد
وقتِ وصال مرشد بستو دو سالہ بودہ
از نجم دین عاصی در نظم این بیان شد [1]

اولاد:

خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو فرزند تھے۔

(1) خواجہ گل محمد

(2) خواہ درویش محمد

دونوں شاہ صاحب کی حیات ہی میں وصال فرما گئے تھے۔اس لیے شاصاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد ان کے پوتے خواجہ الہ بخش مسند نشین ہوئے۔

خلفاء:

شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ 22 سال کی عمر میں سجادہ مشیخت پر جلوہ اروز ہوئے تھے اور 84 سال کی عمر تک وہ تلقین و ارشاد میں مصروف رہے۔اس مدت میں ہزاروں تشنگان معرفت ہندوستان اور دیگر بلادِ اسلامیہ سے آن کی خدمت میں حاضر ہوئے

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۱۱۹ ان کی مہر کا سجع تھا۔ سلیمان سرفراز نور محمد است

Marfat.com

انھوں نے جہاں جوہر قابل پایا اس کی قدر کی اور خلافت سے سرفراز کیا۔ خواجہ گل محمد احمد پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

"خلفاء ایشاں در ہندوستان وولایت
خراساں صاحب ارشاد اند" [1]

مناقب حافظیہ میں لکھا ہے کہ آپ نے کم و بیش 70 بزرگوں کو خرقہ خلافت عنایت فرمایا تھا [2] بعض خلفاء کے نام یہ ہیں۔

(1) مولوی محمد باراں کلاچوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
(2) مولوی محمد علی مکھڈی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
(3) مولوی محمد علی خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
(4) مولانا احمد تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
(5) صاحبزادہ نور بخش نبیرہ قبلہ عالم
(6) قطب الدین برادر حقیقی صاحبزادہ نور بخش
(7) مولوی نور جہانیاں صاحب بہاول پوری
(8) مولوی شہسوار صاحب سکنہ نواحی نہار
(9) حاجی بختاور
(10) حاجی برخوردار
(11) مولوی سرفراز چشتی فریدی ڈیرہ اسمٰعیل خاں
(12) میاں عبدالشکور خیر آبادی
(13) سردار خاں ولایتی
(14) حسن شاہ قندہاری
(15) ولی اللہ خراسانی

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۵ [2] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۴

Marfat.com

(16) ولی اللہ المشہور بہ منبروالہ

(17) مولوی محمد حیات دہلوی

(18) میاں حسن عسکری دہلوی

(19) میر فضل علی جھجری

(20) مولوی قیام الدین دہلوی

(21) مولوی شرف الدین سوتری

(22) شیخ احمد مدنی

(23) مولوی صالح محمد تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(24) علی محمد امام

(25) میاں عبداللطیف چیناپٹنی

(26) صاحبزادہ غلام نصیرالدین عرف کالے صاحب

(27) مولوی نور محمد ملتانی امام مسجد حمام

(28) حافظ نورالدین ڈھنڈھی سکنہ نواحی مہار

(29) مولوی امام الدین ڈہڈی۔لاہور

(30) نوراحمد سندھی

(31) غلام محمد شیرانی

(32) نور عالم سکنہ مکہند

(33) فاضل شاہ کشمیری

(34) امیرالدین بن فضل شاہ کشمیری

(35) سید شیر شاہ پاک پٹنی نبیرہ مولا بدرالدین۔

(36) مستان شاہ خراسانی

(37) ابوالحسن لاٹھوی سکنہ سنگھڑ

Marfat.com

(38) تقی محمد لانگوی

(39) مولوی قدر بخش

(40) حافظ عظمت علی طیفر وی نواحی مہار

(41) مولوی غلام رسول طفیر وی

(42) فیض الہ شاہ جھوی

(43) مولوی نظام الدین

(44) حافظ گوہر اونچا

(45) میاں دلیل خاں پوری

(46) مولوی محمد حسین چوہان

(47) مولوی محمد یار جہناوی

(48) غلام محمد اوجینی

(49) حافظ غلام رسول

(50) مولوی نور محمد نارووالہ

(51) سجل خاں سکنہ پھنڈی

(52) غلام محمد ملفانی

(53) غلام رسول خاں کوافغان

(54) محمد اکرام

(55) مولوی شمس الدین سکنہ ساہیوال

(56) مولوی عبدالرحمٰن مودی

(57) مولوی امام الدین مصنف نافع السالکین

(58) مولوی محبوب عالم

(59) میاں نظام الدین بمبئی

Marfat.com

(60) شرف دین گردمستانی

(61) غلام محمد رسول پوری

(62) غلام محمد پٹنی

(63) حاجی نجم الدین مصنف مناقب المحبوبین

ان خلفاء میں حاجی نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' حافظ محمد علی خیرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' مولوی شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سلسلہ کی ترویج وتبلیغ میں نمایاں حصہ لیا۔ ان کی خانقاہیں آج تک عقیدت وارادت کا مرکز ہیں۔

Marfat.com

باب نہم

حافظ محمد علی صاحب خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حافظ سید محمد علی صاحب خیر آبادی' خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اولین خلفاء میں سے تھے خیر آباد میں ان کی خانقاہ علم وفضل کا مرکز اور فیوض وبرکات کا منبع تھی' اودھ اور دکن میں چشتیہ سلسلہ کی اشاعت کا کام اسی خانقاہ میں بیٹھ کر کیا گیا تھا۔ وہ بے پناہ عزم واستقلال کے مالک تھے۔ نامساعد حالات سے بالکل متاثر نہ ہوتے تھے۔

ولادت اور نسب:

حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت باسعادت 1192ھ کو ہوئی تھی [1] ان کے والد ماجد مولوی شمس الدین ایک علمی خاندان کے فرد تھے۔ ان کے اجداد میں ایک بزرگ حضرت شیخ سعد خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت شاہ مینا لکھنوی کے خلیفہ تھے اور ان کی شہرت دور دور پھیلی ہوئی تھی۔ حافظ صاحب کا خاندان بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ علم وفضل میں اس گھرانے کو ایک امتیازی رتبہ حاصل تھا۔

ایام طفلی:

بچپن ہی سے حافظ صاحب کی طبیعت عبادت کی طرف راغب تھی۔ رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر وہ یادِ حق میں مشغول ہو جاتے تھے۔ [2] شریعت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ ایک دن وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی جگہ جا رہے تھے۔ راستہ میں بیر کے درخت

---

[1] تذکرہ اولیائے دکن جلد اول۔ ص ۳۰۸ [2] مناقب حافظیہ۔ ص ۹۳' ۹۴

Marfat.com

ملے۔ سب لڑکوں نے درختوں سے پھل توڑ کر کھائے، حافظ صاحب سے کھانے کے لیے کہا گیا تو فرمایا۔ "یہ درخت غیر کی ملک ہیں، بغیر مالک کی اجازت کے کیونکر کھاؤں"[1]

تعلیم:

سب سے پہلے سید محمد علی صاحب نے قرآن پاک حفظ کیا۔ اس کے بعد خیر آباد میں مولانا عبدالوالی صاحب سے جو اپنے زمانہ کے مشہور عالم تھے شرح وقایہ تک علم حاصل کیا۔ پھر شاہ جہاں پور تشریف لے گئے اور وہاں کچھ عرصہ تک تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ یہاں شہر کے باہر ایک مسجد میں ان کا قیام رہا۔ شاہ جہاں پور کی علمی دنیا جب ان کی تشنگی، علم کو نہ بجھا سکی تو دہلی کا رخ کیا۔ کہ وہی ہندوستان میں علم و ادب، احسان و سلوک کا آخری مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت شاہ ولی اللہ صاحب کے گھرانے نے علم کی وہ شمع روشن کر رکھی تھی۔ جس کے گرد دور دور سے علمی پروانے جمع ہو رہے تھے۔ دہلی میں مشکوٰۃ کا سبق انھوں نے حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لیا۔[2] پھر حرمین شریفین میں صحیح بخاری کی سماعت فرمائی۔ جب شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو صحیح مسلم کی سماعت[3] کی دہلی میں شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں فصوص الحکم کا کچھ حصہ پڑھا۔[4]

مجاہدات:

حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابتدائی زمانہ میں سخت مجاہدات کیے تھے۔ سب سے پہلے وہ حضرت سید محمد مشتاق عرف چھیدا میاں[5] کے مزار پر چلہ کش ہوئے۔ پھر حضرت شاہ مینا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار متبرکہ پر ریاضات شاقہ میں مشغول ہو گئے۔ نمازیوں کے لیے پانی بھر بھر کر لاتے۔ باقی وقت میں عبادت کرتے۔ اسی طرح کافی عرصہ گذر گیا۔ پھر حضرت قطب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر دہلی میں حاضر ہوئے اور

1، 2، 3، 4 مناقب حافظیہ۔ ص ۹۳، ۹۴

5 مناقب حافظیہ۔ ص ۹۶

Marfat.com

حسب معمول مجاہدوں میں مشغول ہو گئے چند مکانوں میں اجرت پر پانی بھر کر اپنی گذر اوقات کرتے تھے اور اکثر روزہ رکھتے تھے تمام رات قرآن پاک کی تلاوت میں گزرتا تھا۔ دہلی سے وہ اجمیر شریف پہنچے اور وہاں بارہ سال تک ایک مسجد میں مقیم رہے۔[1] یہاں سے پاک پتن شریف کا ارادہ کر دیا۔ پاک پتن شریف میں خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عظمت و بزرگی کی شہرت سن کر دل اس طرف متوجہ ہو گیا۔ یہاں ان کو عقیدت و ارادت کا ایسا مرکز مل گیا جس نے ان کے مجاہدوں اور ریاضتوں کو صحیح راستے پر لگا دیا۔ شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، فطرت کی ودیعت کی ہوئی صلاحیتیں ابھر آئیں اور ان کو چمکنے کا موقع مل گیا۔

بیعت:

حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ پاک پتن شریف سے تونسہ شریف روانہ ہوئے شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پہنچ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی خواہش کا بھی اظہار نہ کر سکے۔ اسی طرح ایک سال گذر گیا۔ ایک دن حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دل میں خیال آیا کہ افسوس حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میرے حال کی جانب متوجہ نہیں ہوتے۔ شاہ صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا ''جس شخص سے مجھے تعلق ہوتا ہے بظاہر میں اس کی طرف توجہ نہیں کرتا ہوں۔'' یہ سن کر حافظ صاحب کے بے چین قلب کو اطمینان ہوا۔ شاہ صاحب نے پہاڑ پر پاؤں رسی میں باندھ کر عبادت کرنے کی ہدایت کی۔ عرصہ تک حافظ صاحب اس طرح کے مجاہدے کرتے رہے۔ اس کے بعد شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے سلسلہ میں داخل کر لیا اور خلافت سے سرفراز فرمایا۔ حافظ صاحب نے کچھ عرصہ تک کسی شخص کو مرید نہیں کیا شیخ کو علم ہوا تو وجہ پوچھ۔ عرض کیا ''اہل ہند نہایت درجہ معاصی میں مبتلا ہیں۔ اسی وجہ سے سلسلہ میں داخل نہیں کیا۔'' شاہ صاحب نے فرمایا ''تم کو اس سے کیا کام۔ میں نے اجازت دی ہے۔ نیک

---

1 مناقب حافظیہ۔ ص ۹۶

Marfat.com

خواہ بد جو کچھ ہوں گے مجھ سے ہوں گے"[1] شیخ کا یہ حکم سننے کے بعد حافظ صاحب نے بیعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اودھ، پنجاب اور حیدر آباد کے ہزاروں باشندوں نے ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ پھر حافظ صاحب حرمین شریفین تشریف لے گئے وہاں دس سال تک مقیم رہے اور کچھ لوگوں کو مرید بھی کیا۔[2]

پیرومرشد سے عقیدت:

حافظ صاحب کو اپنے پیرومرشد سے بڑی عقیدت تھی شیخ کے نوکروں تک کی عزت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ صاحب کا سائیس لکھنؤ میں مل گیا۔ اس کی بے حد تعظیم کی۔[3] حافظ صاحب جب اپنے شیخ کی خدمت میں جاتے تھے تو کئی کوس پہلے سے پیادہ پا چلنے لگتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مرید نے سوار ہونے کی درخواست کی، تو فرمایا ؂

وعدهٔ وصل چوں شود نزدیک

آتشِ شوق تیز تر گردد[4]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کی صحبت اور خلوص کی بے حد قدر کرتے تھے اور انتہائے تعلق میں ان کو شاہ ہوری کہتے تھے[5]

بری رسموں کو دور کرنے کی کوشش:

حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کوشش تھی کہ مسلمانوں کی سوسائٹی کا نشو ونما اسلامی اصول پر ہو۔ وہ ہمیشہ اسلامی رسم و رواج اور طرزِ زندگی پر زور دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بری رسموں کو دور کرنے کی جدوجہد کرنا سب سے زیادہ اہم کام ہے خود ان کے، متعلق مناقب کے مصنف کا بیان ہے۔ "ہمیشہ سنتِ نبویہ کے زندہ رکھنے اور اہل ہند کی باطل رسومات کو مٹانے کے واسطے مستعد اور آمادہ رہتے تھے"[6]

---

1. مناقب حافظیہ ص ۹۹
2. مناقب حافظیہ۔ ص ۱۰۰
3. مناقب حافظیہ ص ۱۱۷
4. مناقب حافظیہ۔ ص ۱۲۱
5. مناقب حافظیہ۔ ص ۱۰۶
6. مناقب حافظیہ ص ۱۰۶

Marfat.com

حافظ صاحب کی اصلاحی کوششوں کی ابتدا خود ان کے گھر سے ہوئی۔ انھوں نے اپنے گھر میں ان تمام رسومات اور توہمات کو ختم کیا جن کو وہ غیر شرعی سمجھتے تھے۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد ان کو قصبہ موہان کا سفر پیش آیا۔ حاضرین نے کہا۔ کیا حضرت بی بی صاحبہ کی رسومات نہیں کریں گے۔ ''فرمایا'' جہاں ہوں گا وہاں فاتحہ کردوں گا۔ کیونکہ اس سے غرض ایصال ثواب ہے اور وہ ہر جگہ ممکن ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ اسی جگہ سیوم کی فاتحہ کروں۔''[1]

شادی کے معاملہ میں وہ غیر ضروری رسومات کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک دن اچانک صاحبزادے حافظ جمال الدین کو دلہن کے مکان پر لے گئے۔ اور نکاح کے لیے کہا۔ دلہن کے گھر والوں نے بے سروسامانی کا عذر کیا تو فرمایا جو کچھ اللہ اور رسول ؐ کا حکم ہے اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔'' چنانچہ قواعدِ شرعیہ کے مطابق نکاح ہو گیا اور کوئی غیر شرعی رسم ادا نہیں کی گئی۔

حافظ صاحب کے برادر زادے حافظ تراب علی صاحب کی شادی میں کاغذ کے پھول تیار کئے گئے تھے۔ حافظ صاحب کی نظر پڑی تو سخت رنج ہوا۔ فرمایا ''یہ بزرگ زادے ہیں اور ایسے مراسم قبیحہ کرتے ہیں'' یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔[2] وہ ایسی شادیوں میں جن میں اسلامی شعار کی پابندی نہیں ہوتی تھی شرکت نہ کرتے تھے۔ ایک شخص واجد علی خاں نے شادی میں شرکت کی درخواست کی۔ فرمایا ''اس زمانہ میں اس قدر مہر قرار دیا جاتا ہے کہ اس کا ادا کرنا ناممکن ہوتا ہے یہ امر ناروا ہے۔ پس ایسی تقریب نکاح میں شریک نہیں ہوا کرتا۔''[3] خاں صاحب کے اس یقین دلانے پر کہ جو مہر قرار پائے گا وہ اسی وقت ادا کیا جائے گا' آپ شادی میں تشریف لے گئے۔

تقاریب میں رنڈیوں کے ناچ سے سخت نفرت تھی۔[4]

اگر کہیں رنڈیوں کا ناچ ہوتا تو ہرگز شریک نہ ہوتے۔[5] ایک مرتبہ حیدرآباد میں حضرت شاہ یوسف کے مزار پر حاضری کا اتفاق ہوا۔ تو دیکھا کہ وہاں طوائفوں کا ناچ ہو رہا

---

[1] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۰۶ [2] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۰۷

[3] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۰۷ [4] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۵۳ [5] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۰۸

Marfat.com

ہے۔ آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ محفل میں پہنچ کر مشائخ کو للکارا۔

"یہ بال تمہاری داڑھی کے نہیں ہیں۔ بلکہ زنار کے
تار ہیں۔ اولیاء اللہ کے مزاروں پر ایسا فسق و فجور
ہوتا ہے اور تم دیکھتے ہو" [1]

حافظ صاحب مشرکانہ تہواروں میں شرکت کو پسند نہ فرماتے تھے۔ کہتے تھے۔

"جس مسلمان نے رسم کو کفر کو رغبت دل سے مشاہدہ
کیا اس کے ایمان میں خلل پڑا" [2]

جب کسی قوم کے قوائے عمل مضمحل ہوتے ہیں تو اُن علوم اور شعبدوں میں دل چسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو بغیر ہاتھ پاؤں کو جنبش دئے آسائش کی زندگی کا دل کش خواب دکھاتے ہوں۔ چنانچہ اس زمانہ میں عام لوگوں کو کیمیا بنانے کی فکر رہتی تھی۔ ہر شخص اسی دھن میں وقت گزارتا تھا۔ حافظ صاحب نے اپنے ملفوظات میں جگہ جگہ ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے۔ [3]

اخلاق:

حافظ محمد علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اخلاق محمدی کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ انسانی مساوات و اخوت پر ان کا ایمان تھا' اپنے عمل سے اس کی تائید کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دستر خوان پر بیٹھے تھے۔ نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک موچی میاں اسلم کے جوتے سی رہا ہے فرمایا اپنے ہاتھ دھو کر آ اور کھانا کھا۔ اور اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلایا۔ [4] جاڑے کے موسم میں ایک جولاہا ان کے پاس آ کر ٹھہرا۔ اس کے پاس جاڑے کا لباس نہ تھا۔ حافظ صاحب نے اس کو اپنے بستر میں اپنے پاس سلایا۔

حافظ صاحب جب محفل میں مدعو کئے جاتے تو کبھی ممتاز جگہ پر نہ بیٹھتے۔ [5] سفر

1۔ مناقب حافظیہ۔ ص۔ ۱۳۱ 2۔ مناقب حافظیہ۔ ص۔ ۱۷۷

3۔ مناقب حافظیہ ص ۲۸۴ 4۔ مناقب حافظیہ۔ ص ۱۰۹

5۔ مناقب حافظیہ۔ ص ۱۲

Marfat.com

حضر میں خادموں کے ساتھ کام میں شریک رہتے تھے۔ بعض اوقات روٹیاں اپنے ہاتھ سے پکا لیتے تھے۔[1] اظہارِ مشیخت سے نفرت تھی۔ بلکہ اس قسم کا تواضع جس سے ترک تجرید کا اظہار ہو پسند نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ترک کو بھی ترک کرنا چاہیے۔[2]

اتباعِ سنت:

حافظ صاحب اتباعِ سنت پر بہت زور دیتے تھے۔ مناقب حافظیہ میں لکھا ہے:

"حضرت شیخ الاسلام کو چونکہ اتباعِ نبوی میں بہت
کدوکوشش تھی، ہمیشہ سنت نبویہ کے زندہ رکھنے
اور اہل ہند کی باطل رسومات کو مٹانے کے واسطے
مستعد اور آمادہ رہتے تھے"[3]

ان کی مجلسوں میں مسائل شریعت اور سنت کے علاوہ کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا۔[4]

اپنے مریدوں کو سنتِ نبوی پر عمل کرنے کی برابر تاکید کرتے تھے۔ ایک شخص ہر روز صبح کو آ کر قدم بوسی کرتا تھا ایک روز فرمایا "آیا یہ ڈنڈوت ہے۔ کہ فجر کو اٹھ کر ہندوؤں کی طرح ایسا کرتا ہے۔ السلام علیکم کہہ کر بیٹھ جانا چاہیے"[5] حافظ صاحب اپنے مریدوں کو بتایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے بغیر کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی اور محبتِ الٰہی کا دعویٰ بغیر اتباعِ نبوی جھوٹا دعویٰ ہے۔"[6]

حافظ صاحب اپنے مریدوں کو احسان وسلوک کی صرف ان کتابوں کے مطالعہ کی ہدایت فرماتے تھے جن میں شریعت پر خاص زور دیا گیا ہو۔ عوارف المعارف ان کو بہت پسند تھی اور اس کی وجہ تھی کہ "اس میں ہر مسئلہ حدیث شریف سے لکھا گیا ہے"[7]

---

[1] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۱۲ [2] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۱۵

[3] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۰۶ [4] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۳۶

[5] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۴۸ [6] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۷۷

[7] مناقب حافظیہ۔ ص ۲۱۲

Marfat.com

مریدوں کی تربیت:

حافظ صاحب اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت میں بڑی دل چسپی لیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے "مرشدوں کو مریدوں کا اس طرح خیال رہتا ہے جس طرح ماں کو اپنے لڑکوں کا خیال رہتا ہے۔"[1]

حافظ صاحب اظہارِ مشیخت سے ناراض ہوتے تھے۔ ان کا حکم ہر چیز کا اخفا کیا جائے ایک دن ان کے ایک مرید میر محمد علی ان لکڑیوں پر جن سے کپڑا بنا جاتا ہے بیٹھے ہوئے تھے اتفاقاً حافظ صاحب کی نظر ان پر پڑ گئی۔ فرمایا۔ ایسا فعل نہیں کرنا چاہیے جس سے لوگ یہ سمجھیں کہ یہ شخص نہایت متواضع اور منکسر ہے"[2] ایک مرید نے اپنی رضائی ایک مسکین کو دیدی تو سخت ناراض ہوئے۔ فرمایا اس فعل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شخص ایسا باخدا ہے کہ ایک رضائی اس کے پاس تھی وہ بھی خدا کی راہ میں دیدی۔[3] فرمایا کرتے تھے کہ ترک کو بھی ترک کرنا چاہیے۔ مریدوں کے بال رکھنے کو اس وجہ سے ناپسند کرتے تھے کہ اس سے اظہارِ مشیخت ہوتا ہے۔[4]

حافظ صاحب اپنے مریدوں کی ظاہری و باطنی زندگی کی اصلاح میں بڑے جدوجہد کرتے تھے۔ مرید کرتے وقت یہ ہدایتیں فرماتے تھے۔

(1) شریعت پر قائم رہو۔

(2) اللہ کی محبت میں دل کو ثابت رکھو۔

(3) جب تک تحصیل علم سے فارغ نہ ہو ذکر نہ کرو۔

(4) دنیا کی محبت میں مت بیٹھو۔ اس سے محبتِ الٰہی کی لذت سلب ہوتی ہے۔[5]

---

[1] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۸۶ [2] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۱۵
[3] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۱۵ [4] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۲۳
[5] مناقب حافظیہ۔ ص ۲۱۹

Marfat.com

تعویذ و عملیات سے اجتناب:

جب مذہبی ذہن پریشان ہوتا ہے، تو عملیات میں غیر معمولی اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے قوائے عمل شل ہو جاتے ہیں اور اوہام کا تار و پود زندگی کے سرچشموں کو خشک کر دیتا ہے۔ حافظ صاحب کے زمانہ میں اسلامی سوسائٹی انحطاط پذیر تھی۔ عملیات، تعویذ اور گنڈوں میں انتہا سے زیادہ اعتقاد پیدا ہو گیا تھا۔ حافظ صاحب کو یہ چیز سخت ناپسند تھی۔ مناقب میں لکھا ہے۔

"شیخ الاسلام عملیات سے نفرت رکھتے تھے
اور دوسروں کو بھی اس سے منع فرماتے تھے"[1]

آپ نے کبھی کسی کو تعویذ نہیں دیا۔ ایک شخص بے حد مصر ہوا تو مولانا روم کا یہ شعر کاغذ پر لکھ دیا ۔

ہم دعا از تو اجابت ہم ز توگ
ایمنے از تو مہابت ہم ز تو[2]

مثنوی مولانا روم:

حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مثنوی مولانا روم پر بڑا عبور تھا۔ انھوں نے عارف روم کے معارف ربانیہ کا مطالعہ نہایت بالغ نظری سے کیا تھا اور ان کو نہایت ہی بلیغ اور دل نشین انداز میں بیان کرتے تھے۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے

"گویند مثنوی را شل ایشاں کسے نمی خوانانید"[3]

اشراق کی نماز کے بعد وہ مثنوی کا درس دیتے تھے۔[4] مرتب مناقب حافظیہ کا بیان ہے۔

"اس کتاب شریف کے ساتھ شیخ الاسلام کو کمال

---

[1] مناقب حافظیہ۔ ص [2] مناقب حافظیہ۔ ص
[3] مناقب المحبوبین۔ ص ۳۵۷ [4] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۱۵

Marfat.com

تعلق محبت تھا اور اس کے معانی اور مطالب اس
زمانہ میں آنحضرت کی مانند کوئی نہیں بیان کرتا تھا"۔[1]

حافظ صاحب اپنے اعلیٰ مریدوں کو مثنوی کے مطالعہ کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔[2] وہ مثنوی کو حقائق و معارف اسرار و رموز کا ناپیدا کنار سمندر سمجھتے تھے، اس لیے اس کی شرح لکھنے کو بھی اچھا نہ سمجھا۔ ایک روز مجلس میں فرمانے لگے کہ مولانا جامی نے مثنوی کے شرح لکھنی شروع کی۔ اس کے دو تین اشعار کی شرح لکھنے پائے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو خواب میں دیکھا۔ کہ فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب تمہارے شرح لکھنے سے ناخوش ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنے اسرار کو در پردہ کہا ہے اور تم اس کو ظاہر کرنا چاہتے ہو۔ یہ سن کر مولانا جامی نے شرح لکھنی بند کر دی۔[3]

حافظ صاحب کے درس مثنوی میں ہندو بھی شریک ہوتے تھے۔[4]

درس و تدریس:

حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف کا درس وہ خود دیتے تھے اور اس انداز میں دیتے تھے کہ بڑے بڑے عالم ان سے استفادہ کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی جو خود بڑے جید عالم تھے، فصوص کا درس لینے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔[5]

حافظ صاحب معاصرین کی نظر میں:

حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان مخصوص بزرگوں میں تھے جن کی روحانی عظمت اور علمی تبحر کی تعریف کرنے پر خود ان کے معاصر علماء و مشائخ مجبور ہو گئے تھے۔

---

1. مناقب حافظیہ۔ ص ۱۱۶ ، 2. مناقب حافظیہ۔ ص ۲۱۴
3. مناقب حافظیہ۔ ص ۱ ، 4. مناقب حافظیہ۔ ص ۲۵۶
5. مناقب حافظیہ۔ ص ۲

Marfat.com

مولانا انوار الحق صاحب قدس سرہ لکھنؤ کے اکابر اولیاء میں سے تھے۔ حافظ صاحب کو وہ ہمیشہ ''شبلی وقت'' کہا کرتے تھے۔ [1] ایک مرتبہ حافظ صاحب ان کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص نے آ کر مولانا سے مصافحہ کیا۔ مولانا نے حافظ صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ''ان کے ہاتھ پر بوسہ دو۔ یہ شیر حق ہیں'' [2] ایک مرتبہ مولانا انوار الحق صاحب نے اپنی مجلس میں فرمایا'' حافظ صاحب دولہا ہیں اور ہم سب براتی'' [3]

لکھنؤ کے ایک دوسرے عظیم المرتبت بزرگ مولانا عبدالرحمٰن صاحب ان کے بیحد مداح تھے اور ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے۔'' حافظ صاحب اپنے عہد کے سلطان المشائخ ہیں'' [4] حافظ صاحب جب تشریف لائے تھے تو شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کی بڑی خاطر مدارات کی تھی۔ [5] حاجی نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کے متعلق پیو ملانی میں لکھتے ہیں۔

اور محمد علی شاہ ساکن خیر آباد
کری جوانی خرچ جن بیچ خدا کی یاد
یہ ہیں صاحب سلسلہ صد ہا لوگ مرید
دن دن شہرا جگ اندران کا ہوا مرید [6]

امراء سے اجتناب:

حافظ صاحب کا ''صحبت الاغنیاء للفقراء سم قاتل'' پر راسخ اعتقاد تھا۔ وہ کسی امیر کے پاس جانا اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کی صحبت سے اجتناب کرتے تھے۔ لیکن اگر کوئی آ جاتا تو سنتِ نبوی کے مطابق اخلاق سے پیش آتے۔ حیدر آباد قیام کے زمانہ میں ایک مرتبہ محی الدولہ احمد یار خاں نے عرض کیا کہ حضور یہاں کے رئیس کو آپ

---

[1] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۰۲ [2] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۰۲
[3] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۰۳ [4] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۰۳
[5] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۲۷ [6] مناقب حافظیہ۔ ص ۵

Marfat.com

سے ملنے کا بے حد شوق ہے۔ فرمایا۔ تم اور وہ دونوں جھوٹے ہو۔ اگر اس کو ملاقات کا اشتیاق ہوتا تو وہ میرے پاس کیوں نہ آتا۔ اجازت کی کیا ضرورت ہے؟ میرے دروازے پر نہ بو اب ہیں نہ حجاب ہیں"۔ [1]

بہادر شاہ ظفر اور حافظ صاحب:

بہادر شاہ ظفر نے چند مرتبہ حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی اور ملاقات کا شوق ظاہر کیا' لیکن حافظ صاحب نے ہمیں یہ فرمایا کہ ملاقات کی حاجت نہیں ہے شوق کا دل ہی میں رہنا اچھا ہے۔ بہادر شاہ نے اصرار کیا لیکن حافظ صاحب راضی نہ ہوئے بالآخر بہادر شاہ نے کالے صاحب کی وساطت سے ملنے کی کوشش کی۔ کالے صاحب وقت کے منتظر رہے۔ قطب صاحب کے عرس کے دنوں میں حافظ صاحب آستانہ شریف کی مسجد میں رونق افروز تھے۔ کالے صاحب نے فرمایا۔ حافظ صاحب ایک ضرورت سے جاتا ہوں جب تک میں حاضر نہ ہوں آپ یہیں تشریف رکھیں۔ یہ کہہ کر بادشاہ کے پاس گئے اور اس کو لے کر آئے۔ حاضرین نے شور کیا کہ بادشاہ مسجد کی طرف آتے ہیں۔ جب یہ آواز حافظ صاحب کے کانوں میں پہنچی فوراً دیوار پھاند کر چلے گئے [2]

وہ کلمہ حق کے کہنے میں بے باک تھے اور کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قطب صاحب کے مزار پر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ مزار شریف کے قریب چھتوں پر قناتیں لگی ہوئی ہیں۔ اور ان کی رسیاں مزار مبارک کی طرف ہیں۔ پوچھا کہ یہ قناتیں کس کی ہیں۔ کہا گیا کہ بادشاہ دہلی کے محلات کے واسطے ہیں۔ حافظ صاحب نے غصہ ہو کر فرمایا۔ یہ انتہائی بے ادبی ہے۔ ان رسیوں کو کاٹ دو تا کہ یہ قناتیں گر پڑیں۔ [3]

---

[1] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۳۵ [2] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۳۵
[3] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۲۸

Marfat.com

نواب بھاول خاں اور حافظ صاحب:

نواب بھاول خاں ثانی خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مرید تھا۔ حافظ صاحب سے ملاقات کی تمنا رکھتا تھا۔ مگر کبھی اس کا موقع نہ ملتا تھا۔ ایک دن شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں اپنی اس تمنا کا اظہار کیا۔ شیخ نے حافظ صاحب کو طلب کیا۔ حافظ صاحب حاضر ہوئے تو سلام عرض کرنے کے بعد شیخ کے روبرو بیٹھ گئے۔ خاں موصوف کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ تھوڑی دیر کے بعد پیرومرشد کی اجازت سے اپنے مقام پر واپس آ گئے۔[1]

مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ حافظ صاحب ایک مرتبہ احمد پور تشریف لے گئے تھے نواب بھاول خاں کو جب تشریف آوری کا علم ہوا تو ملاقات کا ارادہ کیا۔ آپ کو خبر ہوئی تو فوراً تونسہ شریف کے لیے روانہ ہو گئے۔[2]

انگریزوں سے تنفر:

حافظ صاحب کے زمانہ میں انگریزوں کا اقتدار ہندوستان میں پوری طرح سے قائم ہو گیا تھا۔ انگریزی معاشرت کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ حافظ صاحب کو انگریزی طور وطریقہ اور طرزِ معاشرت سے سخت نفرت تھی۔ اگر کوئی انگریزی وضع اختیار کرتا تھا تو طبیعت پر گراں گزرتا تھا۔ بوٹ پہن کر کوئی شخص آتا تو ناخوش ہوتے اور فرماتے ''یہ نصاریٰ کی وضع ہے۔''[3] مصنف مناقب حافظیہ کے چچا واجد علی خاں نے ایک کوٹھی بنائی اور حافظ صاحب کو برکت کے لیے مکان میں لائے۔ حافظ صاحب نے معائنہ کے بعد فرمایا کہ واجد علی خاں نے خوب مکان بنایا ہے مگر مجھ کو پسند نہیں آیا۔ کیونکہ اس میں دروازے انگریزی وضع کے ہیں۔[4] ایک مرتبہ ایک صاحب کے نام کے

---

1. مناقب حافظیہ۔ ص ۱۳۵
2. مناقب حافظیہ۔ ص ۵۵۔ ۳۵۴
3. مناقب حافظیہ۔ ص ۱۳۷
4. مناقب حافظیہ۔ ص ۱۳۷

Marfat.com

ساتھ انگریزی لفظ سن کو اس قدر ناراض ہوئے کہ اس کا خط تک نہ پڑھا۔[1]

وحدتِ وجود:

وحدتِ وجود پر وہ عوام میں گفتگو کرنے کو برا سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے پوچھا کہ عوام جو وحدتِ وجود پر گفتگو کرتے ہیں، اس کے متعلق کیا خیال ہے۔ فرمایا "یہ الحاد و زندقہ ہے"۔[2]

سماع:

سماع کے معاملہ میں بہت احتیاط فرمایا کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ زمان، مکان اخوان کی شرطیں جب تک پوری نہ ہوں مجلس منعقد نہیں کرنی چاہیے قوال ہمیشہ باشرع ہونا چاہیے۔[3]

ہندوؤں کو عقیدت:

ہندوؤں کو بھی حضرت حافظ صاحب سے بڑی عقیدت تھی۔ مثنوی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درس میں ہندو بھی شریک ہوتے تھے۔ حیدرآباد کے راجہ چندر لال کو آپ سے بے حد عقیدت تھی[4] اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ دہلی کا ایک کایستھ ہندو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اس قدر متاثر ہوا تھا۔ کہ معہ اہل و عیال مسلمان ہو گیا،[5] شاہ صاحب کا اخلاق بے حد اچھا تھا۔ ہر ملنے والا ان سے مل کر خوش ہوتا تھا اور ان کی محبت کا نہ مٹنے والا نقش لے کر ان کی مجلس سے جاتا تھا۔

واجد علی شاہ اور حافظ صاحب:

واجد علی شاہ کے ہنگامہ ہائے ناؤ و نوش اور حکومت کے کاموں سے بے تعلقی کو

---

[1] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۳۷ — [2] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۵۵

[3] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۵۷ — [4] مناقب المحبوبین۔ ص ۳۵۷

[5] مناقب المحبوبین۔ ص ۳۵۸

Marfat.com

دیکھ کر حافظ صاحب کو سخت صدمہ ہوا۔ انھوں نے متعدد بار واجد علی شاہ سے شکایت کی اور اس کے غرائض سے آگاہ کیا۔ جب تمام نصیحتیں صدا الصحر ثابت ہوئیں تو حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھنؤ تشریف لائے اور واجد علی شاہ سے کہلا بھیجا کہ ہم جنگ کے واسطے آئے ہیں۔ اگر تجھ کو زور اور بہادری کا دعویٰ ہو تو مقابلہ کر۔'' اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ تلواریں ہمراہ لاؤ۔ ہم جنگ کریں گے۔ مصنف مناقب حافظیہ کو بھی تلوار لانے کا حکم ہوا۔ متفکر ہو کر کئی بار فرمایا۔

''میرے دل میں آتا ہے کہ اس رئیس
سے تخت خالی کرادوں''[1]

ایک رات شاہ مینا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی درگاہ میں بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے ''یہ تختہ کا تختہ الٹے۔'' ایک پیر مردان کے قریب بیٹھے تھے بار بار عرض کرتے تھے ایسا نہ فرمایئے آخر مسلمان ہے۔ حافظ صاحب اور زیادہ جوش میں آجاتے اور فرماتے۔

''اگر نصاریٰ کی عمل داری ہو تو اس حکومت
سے بہتر ہے''[2]

حافظ صاحب بہ حیثیت شاعر:

حضرت حافظ صاحب کو شعر وسخن سے بھی دل چسپی تھی۔ غزلیں اور باعیاں بہت اچھی کہتے تھے۔ مشتاق تخلص تھا۔ ایک غزل ملاحظہ ہو ۔

دلم بر بود جانا نے کہ آنی دلستاں دارد
شکر لب خندہ نمکینی خمارِ میکشاں دارد
چوگل رخ نرگسیں چشمے بر ویش سنبلی زلفے
لب نازک ترا' ازلالہ' قدِ سرورواں دررد

---

[1] مناقب حافظیہ۔ ص ۲۶۰ [2] ایضاً

Marfat.com

کہ از تمکیں نمی پرسد ز حالِ زارِ من دلبر
خدایا مہرباں سازش کہ دل سنگیں چناں دارد
ازیں نا مہرباں شوخی چہ آسائشِ دہد وستم
کہ باکم التفاتی ہا زمن خاطر گراں دارد
بکیشِ دلبری شاید روادارد دل آزاری
کہ از مژگاں زند پیکانؑ از ابروکماں دارد
متاعِ صبر از دلہا کند غارت بیک لمحہ
مگر در گوشہ چشمے چنیں ہا مرد ماں دارد!
بیا مشتاقؔ زیں بگذر تو خاکپائے سلیماںؔ شو
کہ ہر کس از جمالِ اوکمالِ بیکراں دارد

وصال:

حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو آخر عمر میں فالج کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ مرض اس قدر بڑھ گیا کہ پاؤں بیکار ہو گئے۔ عبادت میں بھی جب وقت ہونے لگی تو فرمایا "جسم بھاڑے کا ٹٹو تھا آخر ساتھ نہ دیا"[1] ماہ ذی قعدہ 1266ھ کو وصال فرمایا۔ کھیری میں سپرد خاک کیے گئے۔

خلفاء:

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تین خلیفہ صاحبِ سلسلہ اور صاحب ارشاد ہوئے۔

(1) مرزا سردار بیگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
(2) شاہ حبیب علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
(3) مولانا احسن الزماں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

[1] مناقب۔ ص ۲۹۱

Marfat.com

یہ تینوں بزرگ حیدر آباد ہے رہے اور وہیں سلسلہ کی اشاعت اور توسیع کا کام کیا۔ مولانا احسن الزماں صاحب جید عالم اور بڑے پایہ کے محدث تھے۔ انھوں نے حضرت شاہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مشہور کتاب فخر الحسن کی ضخیم شرح عربی زبان میں ''القول المستحسن فی شرح فخر الحسن'' کے نام سے لکھی ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے علوم اہل بیت کے نام سے ایک کتاب چوبیس جلدوں میں تصنیف فرمائی تھی۔ اس میں انھوں نے تمام مسائل محققہ اہل سنت کا اثبات روایاتِ اہل بیت سے کیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کا بندوبست نواب محبوب علی خاں نے کیا تھا۔ لیکن صرف ایک جلد طبع ہونے پائی تھی کہ نظام کا انتقال ہوگیا اور وہ کام نامکمل رہ گیا۔ [1]

مولانا احسن الزماں صاحب کے صاحبزادے شاہ لطیف الزماں صاحب عرف بادشاہ میاں آج کل حیدر آباد میں سجادہ نشین ہیں۔ اور بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔

سجادہ نشین:

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد مولانا حافظ محمد اسلم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ نشین ہوئے۔ وہ حافظ صاحب کے حقیقی برادرزادے تھے۔ انھوں نے 54 سال تک حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سجادہ کو رونق بخشی۔

حافظ محمد اسلم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہایت سادہ مزاج بزرگ تھے۔ آستانہ حافظ صاحب پر صفائی تک کی خدمات انجام دیتے تھے۔ [2] رؤسا اور امراء سے بے تعلق رہتے تھے۔ [3] حافظ محمد عبدالصمد صاحب مودودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے روزنامچہ میں ان کے متعلق لکھا ہے۔ عبادت و ریاضت میں وہ مشائخ متقدمین کا نمونہ ہیں۔ شریعت و طریقت کے جامع ہیں۔ ساٹھ سال کی عمر ہو چکی ہے لیکن انھوں نے نکاح نہیں کیا [4]

---

[1] مکتوبات مولانا مصباح الحسن صاحب بنام مصنف [2] احترام الاصفیاء ص ۴۰

[3] احترام الاصفیاء ص ۴۷

[4] روزنامچہ حافظ سید عبدالصمد صاحبؒ بحوالہ احترام الاصفیاء ص ۲۲۷

Marfat.com

حافظ محمد اسلم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 22 ذی قعدہ 1320ھ کو وصال فرمایا۔ آپ کے بعد میاں خادم حسین صاحب برادر زادہ حافظ صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ ان کا وصال 9 ماہ بعد ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت حافظ صاحب کے سجادہ پر میاں خادم حسین صاحب کے صاحبزادے میاں امتیاز حسین صاحب بیٹھے اور خواجہ محمد اسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سجادہ نشین میاں محمد حسین صاحب ہوئے۔[1] میاں امتیاز حسین صاحب کی وفات کے بعد میاں سید ماجد حسین صاحب سجادہ نشین ہوئے۔

حافظ محمد اسلم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء میں حافظ عبدالصمد صاحب مودودی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ وہ بڑے عالم تھے۔ حیوۃ العلماء میں لکھا ہے کہ ان کو صحیح بخاری کے کئی پارے ازبر یاد تھے۔[2] 17 جمادی الثانی 1323ھ کو وصال فرمایا ان کے سجادہ نشین مولانا مصباح الحسن صاحب ہیں۔ وہ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب رام پوری اور مولانا وصی احمد صاحب محدث پانی پتی کے شاگرد ہیں۔ علم و فضل، اخلاق و مروت میں بے مثل ہیں۔

---

[1] مکتوب مولوی مصباح الحسن صاحب بنام مصنف

[2] حیوۃ العلماء۔ ص ۱۰۶

Marfat.com

باب دہم

حاجی نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخاواٹی

آفتابِ تونسہ کی کرنیں ملک کے گوشہ گوشہ پر پڑیں۔ ہزاروں سنگ ریزے لعل ناب بن کر چمکے۔ علم و عرفان کے وہ چشمے جاری ہوئے کہ ہزاروں تشنگانِ معرفت کی سیرابی کا سامان بہم پہنچ گیا۔ پنجاب اور راجپوتانہ میں سلسلہ نظامیہ کی متعدد خانقاہیں قائم ہوئیں۔ عقیدت وارادت کے ان مرکزوں نے مسلمانوں کی اصلاح و تربیت میں حیرت انگیز حصہ لیا۔ اور یہ خانقاہیں مسلمانوں کی مذہبی زندگی کا سرچشمہ بن گئیں۔

شیخاواٹی [1] میں حاجی نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ علم و فضل سلوک و معرفت کا منبع تھی۔ ہزاروں عقیدت مند وہاں جمع ہوتے تھے۔

ولادت:

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت 3 رمضان 1234ھ کو بمقام جھونجیوں [2] ہوئی تھی۔ آپ کے والد ماجد شیخ احمد بخش صاحب حمیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑے مرتاض بزرگ تھے۔ زہد و اتقا کا دور دور شہرہ تھا۔ شاہ ارادت اللہ صاحب نقشبندی

---

[1] جغرافیائی حالات و تاریخی واقعات کے لیے ملاحظہ ہو۔ ''وقائع راجپوتانہ'' جلد اول ص ۶۶۰، ۸۸۴

[2] مضافات جے پور سے ہے۔ ''ہشتاد کردہ از دہلی سمت مغرب وسی کردہ از نارنول بطرف مذکور'' مناقب المحبوبین۔ ص

Marfat.com

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے۔ [1] اور حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد پاک نہاد سے تھے اس لیے اطراف و جوانب کے لوگ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

تعلیم:

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بسم اللہ 7 سال کی عمر میں اس زمانہ کے مشہور بزرگ مولانا محمد رمضان صاحب قادری مہمی نے پڑھائی۔ حضرت مہمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حافظ محمد علی صاحب خیر آبادی سے مستفیض تھے۔ جس زمانہ میں حافظ صاحب مکہ معظمہ میں تھے وہ اکثر ان کی صحبت میں حاضر رہتے تھے۔ لکھا ہے۔

''اکثر بخدمت ایشاں می آمدند و فیض می گرفتند'' [2]

حاجی صاحب نے قرآن پاک ان ہی بزرگ سے پڑھا۔ اس کے بعد علوم ظاہری کی طرف متوجہ ہوئے۔ طبیعت ابتدا ہی سے ریاضت کی طرف مائل تھی علوم ظاہری کی تحصیل نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اور تصوف و احسان کا رنگ غالب آ گیا۔

بیعت:

حاجی نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک دن شیخ حبیب اللہ قادری کی کتاب .... انیس العارفین کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ جب اس جملہ پر نظر پڑی۔

من لا شیخ له' فشیخه' الشیطان

تو مرشد کی تلاش کا جذبہ پیدا ہو گیا اور یہ سمجھنے لگے کہ مرشدِ کامل کے بغیر سب محنت و مجاہدہ' ریاضت و طاعت بیکار و بے سود ہے۔ اس کے بغیر منزل مقصود کا نشان نہیں مل سکتا۔ چنانچہ مرشد کی تلاش میں دہلی کا ارادہ کیا۔ والدین نے اجازت نہ دی۔ تو خفیہ طور پر پیادہ پا دہلی کو روانہ ہو گیے۔ جھنجوں سے ابھی چند کوس ہی نکلے تھے کہ آپ کے بھائی شہاب الدین صاحب نے تعاقب کیا اور واپس لے آئے اس وقت حاجی نجم الدین صاحب کی عمر

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۳۶۹ [2] مناقب المحبوبین۔ ص ۳۵۵

Marfat.com

17'18 سال تھی۔ خواجہ اجمیری کے عرس کے زمانہ میں ان کو پھر موقع مل گیا۔ اور تونسہ شریف کی شہرت سن کر وہاں روانہ ہو گئے۔ 10 شعبان 1253ھ کو خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے' خواجہ صاحب عبادت میں مشغول تھے۔ شوق ملاقات میں آپ سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور حجرہ کے اندر چلے گئے۔ خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جمال جہاں آراہ کو دیکھ کر بے خودی سی طاری ہو گئی اور بے ساختہ زبان پر یہ دوہرہ آ گیا۔

مکھ دیکھت ہی من موہن کو میری نینیں میں چھپ چھائیگی
جب دور کیا مکھ کا انچر جب جوت میں جوت سمائیگی

خواجہ صاحب نے فرمایا۔

''آ اے مرد ہندی تو تو ہندوستانی ہے''

پھر یہ شعر پڑھا۔

ہندو ہے بت پرست مسلمان خدا پرست
ہم بندے ہیں اسی کے جو ہے آشنا پرست

اس کے بعد حضرت خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو حلقہ مریدین میں شامل کر لیا۔ حاجی صاحب 6 ماہ تک شیخ کی خدمت میں رہے۔ اس زمانہ میں انھوں نے خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ اعظم مولوی محمد باراں کلو چوی سے رشحات' لمعات' فصوص الحکم' فتوحات مکیہ وغیرہ کا درس لیا۔ اس کے بعد پیر کے ہمراہ مہار شریف اور پاک پٹن تشریف لے گئے' 6 محرم 1254ھ کو پاک پٹن شریف میں خواجہ تونسوی نے ایک بڑے مجمع کے سامنے جس میں دیوان شرف الدین صاحب اور دیگر مشائخ اور علماء شامل تھے۔ حاجی صاحب کو خلافت عطا فرمائی اور شیخا واٹی میں قیام کا حکم دیا۔ خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بہت سے ایسے مرید و جو عرصہ سے خدمت کر رہے تھے لیکن خلافت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے پر متعجب ہوئے اور کہا کہ خواجہ صاحب نے کیوں ایک نو وارد کو اس

Marfat.com

قدر جلد خلافت عطا فرمادی۔ خواجہ صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ ہم نے کیا دیدیا۔ نجم الدین خود اپنی روشنی کا سامان اپنے ہمراہ لائے تھے۔ ان کے چراغ میں صفائی' تیل اور بتی سب کچھ موجود تھا۔ ہم کو تو صرف لو لگانی تھی وہ لگادی۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

گوہر پاک بباید کہ شود قابلِ فیض
ورنہ ہر سنگ وکلوخے دُرّ و مرجاں نشود

خلافت حاصل کرنے کے بعد دوسری مرتبہ جب آپ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کشکول اور لوائح کا درس لیا۔ اس کے بعد مختلف اوقات میں عشرہ کاملہ دیوان حافظ وغیرہ کتابیں شیخ سے پڑھیں۔ [1]

شیخاواٹی قیام:

حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے پیر و مرشد خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہدایت کے ماتحت شیخاواٹی میں قیام فرمایا۔ جس جگہ آپ نے اپنا مسکن بنایا تھا وہ بالکل غیر آباد جگہ تھی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں عقیدت مندوں کا ہجوم ہونے لگا۔ آپ نے اس "بیڑ" (جنگل) میں ایک مسجد تعمیر کرائی اور اپنے سلسلہ کا کام نہایت انہماک سے شروع کر دیا۔ خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب ان کے اس انہماک کا حال سنا تو فرمایا۔

> "ہندوستان کے بہت سے آدمی ہمارے مرید
> ہوئے اور بہت سے لوگ وہاں سے آئیں گے
> مگر جو نفع اور درجہ حاجی نجم الدین اور سید
> محمد علے خیر آبادی نے حاصل کیا وہ ان ہی کا حصہ
> تھا" [2]

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۳۷۵ [2] خاتم سلیمانی

Marfat.com

اتباعِ سنت واحترام شریعت:

حاجی نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شریعت کے معاملہ میں نہایت سخت گیر تھے۔ وہ خود شریعت وسنت کے اتباع میں بے حد کوشش کرتے تھے۔ مریدوں کو بھی ہدایت تھی کہ شریعت کا دامن مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہیں۔ ''نجم الاخرہ'' اور ''فضیلت النکاح'' میں انھوں نے بعض اہم شرعی مسائل کی تشریح کی ہے اور مسلمانوں کو بتایا ہے کہ ان کی کامیابی کا راز صرف اتباع سنت نبوی میں ہے۔ حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ پیر و مرشد کو شریعت پر ثابت قدم ہونا چاہیے۔ پیوملانی غیر بہلانی میں لکھتے ہیں۔

شریعت پر مضبوط ہو دوجے جو درویش
عشق خدا سے رات دن رکھتا ہے دلیش
عالم عامل وہ ہوئے تابع نبیؐ ضرور
کوئی سنت مستحب اندر نہ ہو قصور
پڑھے نماز جماعت سے پانچوں وقت سدہار
رہے خدا کی یاد میں شاغل لیل و نہار
جاکر نبی رسول سے ملے ہاتھ سے ہاتھ
عقائد بیچ درست ہو سنت اور جماعت

اظہارِ کرامت کی مذمت اس طرح کرتے ہیں ۔

پران لگا کر جو اوڑے مردو دہیہ جلائے
شریعت بیچ قصور ہو وہ گمراہ کہلائے [1]

عشقِ حقیقی اور وحدت وجود:

حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عشق حقیقی کے نشہ میں چور رہتے تھے حضرت

---

[1] پیوملانی۔ ص ۸

Marfat.com

موسیٰ کے گڈریے کی طرح وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کی دنیا میں لاتے تھے' بناتے تھے سنوارتے تھے اور پہروں خلوت کدہ میں لطف اٹھاتے تھے۔ بعض جگہ تو وہ اس طرح تصویر کھینچتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا معشوق اسی دنیائے آب وگل سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ تصور، تخیل اور احساس کا انتہائی اعجاز ہے۔ ایک خواب بیان کرتے ہیں۔

سکھی ایک خواب مجھ کو آج آیا
گویا دونوں جہاں کا راج آیا!

کہ جانی پیو میرے مجھ پاس آئے
میرے کارن عجب کچھ بھیس لائے

ہر یک نوع کی عجب زیور طلائی
کہ جن میں لعل اور چونی جڑائی

سرخ شالو عجب برہان پور کی
لڑی موتی و کنچی اصل دُر کی!

سکھی میں سیج پھولوں کی بچھائی
دوڑ کر جوڑ پی کے پاس آئی

لگے پیو پوچھنے احوال میرا
کہ کیا ہے اے انجم یہ حال تیرا

عجب لاغر ہوا ہے تن یہ تیرا
بتا کس غم نے آکر تجھ کو گھیرا

بگفتم از فراق تو چنینم
کنم قرباں برت ایمان و دینم

ترے غم نے کیا یہ حال میرا
بھیا دو جگ میرے اوپر اندھیرا

Marfat.com

بدلیاں جا کے وہاں تم چت لگایا
مجھے بالکل نہ دل اپنے سے لگایا!

نہ بھیجا خط نکو قاصد سندیسا
نہ میرے حال کا کچھ تھا اندیشا

کہ اس برہن کون میں گھر چھوڑ آیا
حوالہ کس کے میں گھر چھوڑ آیا

عجب تم سنگ دل ہو اے دلآرام
نہیں کچھ رحم ہے تجھ دل میں یکدام

لگی ہنسنے کہ اے برہن ہماری
نہیں دل سے تجھے ہم نے بساری

اگرچہ ظاہراً پردیس تھا میں
ولے باطن میں تیرے دیس تھا میں

دیوانی تجھ ستی میں دور تھا کب
کہ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ نَحْنُ اَقْرَبُ

اگرچہ سات دریا پار تھے ہم
دل و جان سے تمہارے یار تھے ہم

جو توں ہر دم رکھے تھی دھیان میرا
طرف تیرے ہی تھا بس گیان میرا

ارے ہر دم ہم اس کے پاس ہیں گے
کہ جس کو یاد ہم ہر سانس ہیں گے

مگر تو گھر کو اپنے صاف کر لے
نصیحت یہ میری دل بیچ دھر لے

Marfat.com

کہ ہم اس گھر اندر آ کر بسیں ہیں
کہ جو گھر اپنا صافی رکھیں ہیں [1]

وحدتِ وجود پر حاجی صاحب کا ایمان تھا۔ اپنی نظموں میں جگہ جگہ اسی پر گفتگو کرتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

تیرے بحرِ وحدت بیکراں کی طرح طرح کی یہ موج ہیں
سو اسی نے جوش یہ کھایا ہے یہ تو میں نہیں ہوں یہ تو ہی ہے
بوجود ایں ہمہ گفتگو کہ تو ہی تو ہے پھر آپ کو
تو نے کیسی جائے چھپایا ہے یہ تو میں نہیں ہوں یہ تو ہی ہے
قربان ہوں میں اے نجم الدین' مرے خواجہ شاہ سلیماں پیر
مجھے جن یہ بھید بتایا ہے یہ تو میں نہیں ہوں یہ تو ہی ہے [2]

جب ''اسرار وحدت'' کہتے کہتے حد سے گذر جاتے ہیں' تو گھبرا کر بے اختیار کہتے ہیں۔

چپ رہ نجما باورے چھپا' کھول مت بھید
دیکھ پیا کو ہر جگہ گر ہے تجھ کو دید [3]

تصانیف:

حاجی نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اردو اور فارسی میں تصانیف کا بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ ان کی اردو تصانیف تاریخ اردو ادب میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ راجپوتانہ میں اردو زبان کی ترویج میں حاجی صاحب کا خاص حصہ تھا۔ مولانا غلام سرور صاحب لکھتے ہیں۔

''ہمارے ملک میں اردو زبان کے سب سے پہلے

---

[1] بارہ ماہیہ نجم۔ ص ۲۰۔ ۱۲ [2] غزلیات حاجی نجم الدین صاحب (قلمی نسخہ)
[3] پیو ملائی۔ ص ۱

Marfat.com

مصنف اور ہادی آپ ہی ہیں اردو زبان کی بزم
ادب یعنی شاعری کا سہرا بارھویں صدی کے وسط
سے آپ ہی کے سر اقدس پر بندھا ہوا نظر آتا ہے“[1]

حاجی صاحب کی اردو تصانیف یہ ہیں:

(1) گلزار وحدت
(2) ماحی الغیریت (علم توحید میں)
(3) پیو ملانی غیر بھولانی (ذکر و اشغال میں)
(4) بارہ ماہیہ نجم (عشق و محبت الٰہی میں)
(5) افضل الطاعت (نظم علم تجوید میں)
(6) پریم گنج (ہندی دوہرے)
(7) حیات العاشقین فی لقائے رب العالمین
(8) نجم الاخرہ
(9) فضیلت نکاح
(10) بیان الاولیاء
(11) سماع السامعین فی رد المنکرین
(12) دیوان نجم اردو
(13) تذکرۃ الواصلین (دفتر اول)
(14) تذکرۃ الواصلین دفتر دوم

ان کتابوں میں شاہ صاحب نے اخلاق و تصوف کی تعلیم نہایت دل کش انداز میں دی ہے' ان کتابوں کا مقصد عوام میں اسلامی تعلیم کا پھیلانا تھا۔ مولانا غلام سرور صاحب لکھتے ہیں۔

---

[1] مکتوب مولانا غلام سرور صاحب بنام مصنف

Marfat.com

"یہ تصانیف اس ملک کے بے علم اور کم علم اشخاص
کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی ہیں۔ بیش بہا جواہر جو عربی
فارسی سمندروں کی تہ میں پنہاں تھے وہ آپ نے
ریگستان کے جنگلوں میں بکھیر دیے ہیں" [1]

عوام کو مشاہیر صوفیہ کے اقوال اس سادگی اور خوبی سے سمجھائے ہیں کہ بے اختیار حاجی صاحب کے تبحر اور فنی مہارت کی داد دینی پڑتی ہے۔ نظم میں بزرگوں کے اقوال اس طرح نقل کرتے ہیں کہ گراں نہیں معلوم ہوتے اور نفس مضمون میں مل جاتے ہیں۔ مثلاً

- کہا نظام الدین نے جو محبوب الٰہ
بیچ فوائد یہ لکھا ہے گا حسن گواہ
- یحییٰ شرف الدین نے مشکل کری آسان
ایسا لکھا کتاب میں تجھ بن کروں بیان
- شیخ محی الدین جو قادر جیلان
شیخ ملن کے واسطے ایسا لکھا ہے
- اور فوائد اس طرح خوب طرح سے کھول
شیخ کلیم اللہ نے لکھے بیچ کشکول!

حاجی صاحب کی فارسی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) شجرۃ العارفین (حالات خواجگان چشت و دیگر مشائخ)
(2) شجرۃ المسلمین (تاریخ نوابان فتح پور)
(3) شجرۃ الابرار (حضرت خواجہ ناگوریؒ کے حالات)
(4) مناقب الحبیب (احوال خواجہ اجمیریؒ)
(5) مناقب التارکین (حالات خواجہ صوفی حمید الدین)

---

[1] مکتوب مولانا غلام سرور صاحب بنام مصنف

Marfat.com

(6) مناقب المحبوبین (حالات مشائخ سلسلہ نظامیہ مع ملفوظات خواجہ تونسویؒ)

(7) تذکرۃ السلاطین (احوال بادشاہان ہند)

(8) راحت العاشقین

(9) مقصود العارفین

(10) احسن العقائد

(11) احسن القصص

(12) نجم الواعظین

(13) نجم الہدایت

(14) مقصود العارفین فی شرح اوراد شیخ نصیر الدین

(15) ہدایت نامہ

(16) قبالات نجمی

(17) دیوان نجم فارسی

وصال:

1287ھ میں حسب معمول آپ اجمیر شریف عرس میں شریک ہوئے وہاں کچھ طبیعت ناساز ہوئی۔ علالت کی حالات میں جھنجون پہنچے۔ 19 رمضان 1287ھ کو وصال فرمایا۔ جنازہ فتح پور لایا گیا اور یہاں سپردِ خاک کیا گیا۔ شاہ صاحب کے فرزند سوم مولانا نور احمد نے تاریخ وصال کہی ۔

شہباز اوجِ وحدت فارغ شدہ زکثرت
برداشت سوئے حق سرازنوائے تعبد
از قفس عنصری چون پرواز کردر وحش
شاداں بشاخ طوبیٰ با شوق جاگزیں شد

Marfat.com

باصد دریغ و حسرت تاریخ گفت ہاتف
شاہنشہہ ولایت نجم ھدیٰ و دین بد

اولاد:

حاجی صاحب نے دو شادیاں کی تھیں۔ ایک شاہ ضیاء الدین صاحب جیپوری کے خلیفہ لطف خاں صاحب کی لڑکی سے' دوسری شیخ عبدالکریم صاحب کی لڑکی سے۔ پہلی بیوی سے تین لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

(1) مولانا نصیرالدین شاہ

(2) عبداللطیف شاہ

(3) نوراحمد شاہ

(4) فضیلت النساء

(5) لطیف النساء

شاہ صاحب کے تینوں فرزند عالم اور صاحبِ ارشاد تھے۔ مولانا نصیرالدین صاحب حاجی صاحب کے بعد سجادۂ مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے' عبداللطیف شاہ صاحب نے جودھ پور میں اپنی خانقاہ قائم کی۔ وہیں ان کا مزار ہے۔ شاہ نوراحمد صاحب فتح پور میں رہے۔ ان کی دو تصانیف مشہور ہیں۔

(1) دیوان نور

(2) مجموعہ رویائے صادقہ

خلفاء:

دیوان مطبع کریمی بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ کلام میں فصاحت اور لطافت دونوں میں حاجی نجم الدین صاحب کے خلفاء کی تعداد بہت کثیر تھی۔ انھوں نے راجپوتانہ کے اکثر مقامات پر اپنے خلفاء کو بھیج کر خانقاہیں قائم کرائی تھیں۔ جے پور۔ جودھ پور' بیکانیر' اودھے پور' اجمیر' وغیرہ میں ان کے خلفاء نے اپنے سلسلہ کا کام نہایت تندھی اور محنت سے انجام دیا۔

Marfat.com

بعض خلفاء کے نام یہ ہیں

(1) مولانا حکیم سید محمد حسن صاحب امروہوی

(2) مولانا قمرالدین شاہ صاحب

(3) مولوی صدرالدین صاحب عباسی

(4) مولانا یار محمد صاحب پشاوری مدفون جودھپور

(5) مولوی امام الدین صاحب پنجاب

(6) قاضی امام الدین صاحب ساکن سرسہ

(7) حکیم سید اشرف علی صاحب کشن گڈھ

(8) مولانا سیف الدین صاحب شہید

(9) سید ریاض الدین صاحب

(10) نواب حاجی محمد خاں۔ جودھ پور

(11) صاحبزادہ منیر خاں

(12) خان جی الٰہی بخش سیکر

(13) رسالدار مجو خانجی قائم خانی بیکانیر

(14) شیخ محمود

(15) میاں لعل شاہ

(16) شیخ لعل محمد قصاب سولنکھی فتحپوری

(17) شیخ خدا بخش جاہل سفید باف فتحپور

(18) شیخ سلطان شاہ پور۔ میواڑ

(19) شیخ خدا بخش چوڑی گر۔ ساکن شاہ پور

(20) شیخ امام الدین ساکن ڈبڈوانہ

(21) شیخ محمود شاہ درویش

Marfat.com

(22) شیخ پیر بخش قصاب

(23) شیخ مولا نا بخش سنگتراش

(24) شیخ رمضان معمار

(25) شیخ میران بخش معمار

(26) ملا نور محمد پانی پت

مولانا حکیم سید محمد حسن صاحب امروہوی:

حضرت مولانا سید محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (1323-1249ھ) جید عالم اور زاہد و عابد بزرگ تھے۔ فلسفہ مشائیہ اور علوم عقلیہ میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے 'علوم نقلیہ' حدیث و تفسیر و فقہ میں مفتی صدر الدین دہلوی کے شاگرد تھے۔ علم طب حکیم امام الدین دہلوی سے حاصل کیا تھا۔ عرصہ تک گورنمنٹ کالج اجمیر میں عربی و فارسی کے پروفیسر رہے آخر زمانہ میں ملازمت کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اجمیر میں مطب کرنے لگے تھے اپنے وطن امروہہ میں وصال فرمایا۔

حکیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتب ِ سماوی کا مطالعہ بڑی گہری نظر سے کیا تھا۔ انجیل و زبور پر کامل عبور تھا۔ علم تصوف سے خاص دلچسپی تھی۔ وحدتِ وجود کے قائل تھے اور حضرت امام اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خیالات کی وضاحت اپنی تصانیف میں کی ہے۔

مدت العمر تصنیف و تالیف کا مشغلہ رہا۔ ان کی مہتم بالشان تصنیف تفسیر القرآن ہے۔ جو 1295ھ میں مطبع میر حسن دہلوی سے "تفسیر حضرت شاہی معالمات الاسرار فی مکاشفات الاخیار" کے نام سے فارسی زبان میں شائع ہوئی تھی پھر دوبارہ اردو زبان میں "غائیت البرہان فی تاویل القرآن" کے نام سے چھپی۔ ان کی دیگر تصانیف یہ ہیں

(1) کواکب دُریہ (سید المطابع امروہہ)

(2) معراج رسول (مطبع دبدبہ محبوبی)

Marfat.com

(3) اتمام حجت اسلام درشرح کتاب دانیال علیہ السلام (پرنٹنگ کمپنی اجمیر شریف)

(4) حقانیت اسلام (مطبع رضوی دہلی)

(5) تلخیص التواریخ ملقب بہ مفرح دلکشا

(مطبع مطلع العلوم اخبار۔ نیر اعظم مراد آباد)

(6) رسالہ آگہی نامہ (مطبع چراغ راجستان)

(7) درنایاب (مطبع چراغ راجستان اجمیر)

(8) گنجینہ اسرار انبیاء (مطبع نامی پرنٹنگ کمپنی اجمیر)

(9) کشف الاسرار (مطبع دار العلوم میرٹھ)

(10) نگینہ حکمت درشرح فصوص الحکم حضرت شیخ اکبرؒ (نولکشور لکھنؤ)

(11) آفتاب عالم تاب (مطبع عالم تاب مطبع میر حسن رضوی دہلی)

حکیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہایت منکر المزاج اور سادہ لوح بزرگ تھے۔ مباحثہ کبھی نہ کرتے تھے۔ مریدین میں ان کے داماد مولوی فضل احمد صاحب فریدی مرحوم بڑی خوبیوں کے انسان تھے۔ غریب و بے کس لوگوں کی مدد کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ مشائخ متقدمین کی تصانیف سے گہری دلچسپی تھی۔

حکیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دولڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑیں تھیں۔ صاحبزادوں کے نام حکیم سید عبد الملک صاحب مرحوم اور حکیم سید عبد الرب صاحب ہیں۔ حکیم سید عبد الرب صاحب نظامی قدیم روایات کے حامل اور بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔

حضرت مولانا محمد نصیر الدین صاحبؒ:

مولانا محمد نصیر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (1252۔1297ھ) حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفِ اکبر اور خلیفہ اعظم تھے دہلی میں مزار لعل بیگ کے مدرسہ میں درس نظامی کی تکمیل کی تھی۔ 1287ھ میں حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سجادہ پر جلوہ افروز ہوئے۔ ہندو اور مسلمان سب ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ ان کا بیشتر

Marfat.com

وقت وعظ وتلقین اور درس و تدریس میں صرف ہوتا تھا۔

راجہ بھوپال سنگھ نے اپنی جاگیر میں ایک چھوٹا سا قصبہ حضرت پوران کے نام پر آباد کیا تھا۔ راؤ مادھو سنگھ کو بھی ان سے بڑی عقیدت تھی اور ایک سو دو بیگہ زمین حضرت کی خدمت میں پیش کی تھی۔

حضرت مولانا محمد نصیر الدین صاحب نے اپنے پیر کے ملفوظات نجم الارشاد کے نام سے جمع کیے تھے۔ علاوہ ازیں ایک کتاب مجمع الفرائض بھی تصنیف فرمائی تھی ان کے خلفاء میں مندرجہ ذیل بزرگ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(1) غلام محمد نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(2) مولانا گل محمد صاحب مفتی فتحپور

(3) مولانا عبداللہ شاہ صاحب پشاوری

(4) قاضی محمد اشرف صاحب قاضی کچھمن گڈھ

(5) محمد سعد اللہ صاحب

(6) حاجی محمد صاحب امام جامع مسجد مارواڑ

(7) محمد عبداللہ ساکن لاڈنون

مولانا نصیر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد ان کے فرزند اکبر حاجی غلام محمد نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ نشین ہوئے۔ اندور، اجین، رتلام وغیرہ کے لوگ کثیر تعداد میں ان سے بیعت تھے۔ 21 جمادی الآخر 1347ھ کو وصال فرمایا ان کے خلف اکبر جناب مولانا غلام سرور صاحب مدظلہ سجادۂ شیخت پر بیٹھے ان میں مشائخ سلسلہ کی بہت سی خوبیاں ہیں۔ بہت منکسر المزاج، متواضع اور بااخلاق بزرگ ہیں۔

Marfat.com

باب یازدہم

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے محبوب ترین خلفاء میں تھے انھوں نے چشتیہ سلسلہ کی نشرواشاعت میں جو مسلسل اور پُرخلوص جدوجہد کی اسی کے نتیجے کے طور پر جلال پور اور گولڑہ کی خانقاہیں وجود میں آئیں۔

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ 1214ھ کو سیال میں پیدا ہوئے تھے۔اس وقت پنجاب پر سکھوں کا تسلط تھا اوران کا اقتدار تیزی کے ساتھ پھیل رہا تھا۔ان حالات میں ان کو طرح طرح کی مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ایک مرتبہ ان کے والد ماجد میاں محمد یار کو سکھوں نے گرفتار کرلیا تھا اوران کے خاندان کو ہوش رُبا تکالیف برداشت کرنی پڑی تھیں۔

خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد ماجد نے ان کی تعلیم وتربیت کی طرف خاص توجہ کی۔7 سال کی عمر میں انھوں نے قرآن پاک ختم کرلیا۔اس کے بعد اپنے ماموں میاں احمد الدین کے ساتھ موضع میکی ڈھوک علاقہ پنڈی گھیب تشریف لے گئے اور وہاں کے مدرسہ میں چند ماہ رہ کر نام حق اور کریما پڑھا۔پھر مکھڈ چلے گئے اور وہاں تیرہ سال رہ کر تحصیل علم کی۔

مکھڈ میں مولوی علی محمد صاحب علمی دنیا کے صدر نشین تھے ان کی شہرت دور دور پھیلی ہوئی تھی۔خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عقیدت مندانہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اوران سے علم حاصل کرنے لگے۔مولوی صاحب ان کے انہاک اور خلوص سے

Marfat.com

متاثر ہوئے اور ان پر خاص الطاف و کرم فرمانے لگے۔ اکثر اپنے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھلاتے اور علمی مسائل پر ان سے گفتگو کرتے۔ مولوی صاحب کی صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وہ صلاحیتیں جو شاید سازگار حالات میں کملا کر رہ جاتیں' بیدار ہو گئیں اور انھوں نے علوم ظاہری میں مولوی صاحب سے فیض حاصل کیا جس کا اعتراف وہ آخر عمر تک کرتے رہے۔

اسی زمانہ میں شیخ سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کابل جانے کا موقع مل گیا۔ میاں محمد امین ایک نامور تاجر تھے۔ درویشوں سے عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں افغانستان جانے کا ارادہ کیا' تو برکت کے لیے مولوی علی محمد صاحب کی اجازت سے شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ خواجہ صاحب نے اس موقع سے پورا فائدہ اُٹھایا اور کابل کے ایک متبحر عالم حافظ دراز صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث و فقہ کا درس لیا۔ پہلے ہدایہ مکمل پڑھی۔ پھر حدیث کی سند لی۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد مکھڈ واپس آ گئے اور مولوی علی محمد صاحب کی صحبت میں رہنے لگے۔

مولوی علی محمد علی صاحب ان دنوں حقیقت و معرفت کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ باطناً درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے' لیکن محبتِ الٰہی کے جوش سے رات دن اشکباری میں گزارتے تھے اور ایک ایسے رہبر کامل کی تلاش میں سرگرداں تھے جو ان کے مضطرب قلب کے لیے سکون کا سامان مہیا کر سکے۔ ایک دن انھوں نے خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک شخص سے تعریف سنی اور ان سے ملنے کا اشتیاق دل میں پیدا ہو گیا۔ چنانچہ مولوی صاحب خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے ساتھ لے کر خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اٹھارہ سال کے تھے۔ علم حدیث و فقہ حاصل کر چکے تھے اور باطنی تعلیم کا ذوق بھی دل میں تھا۔ جب خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پہنچے تو ان کے قدموں میں ایسی کشش محسوس کی کہ پھر وہاں سے سر نہ اٹھایا۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دونوں کو

Marfat.com

مرید کرلیا۔ کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد شاگرد اور استاد دونوں مکھڈ واپس آ گئے۔

مولوی علی محمد صاحب کے اولاد نہ تھی۔ خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو وہ بیٹے کی طرح رکھتے تھے اور ان کی علمی ترقی کے لیے دل و جان سے کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنا سارا مال و متاع خواجہ صاحب کے سپرد کر دیا۔ اور مدرسہ میں ان کو اپنا قائم مقام بنا دیا۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والدین ان کی شادی کے لیے مصر ہوئے۔ لیکن وہ مکھڈ چھوڑنے اور ازدواجی زندگی کی ذمہ داریاں قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ مجبوراً ان کے والد صاحب نے خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے امداد کی درخواست کی۔ خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مولوی صاحب کو لکھا "مولویا تو نے اس فقیر کو کیوں اسیر رکھا ہے۔ اس کو باپ کے پاس بھیج دے۔" اور ساتھ ہی خواجہ شمس الدین کو ہدایت کی کہ وہ والدین کے پاس جائیں اور نکاح سے فراغت حاصل کریں۔

34 سال کی عمر میں خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نکاح ان کے چچا میاں احمد یار کی دختر کے ساتھ پڑھایا گیا۔ اس زمانہ میں خواجہ صاحب کے والد نہایت عسرت اور تنگی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اکثر فاقے ہوتے تھے۔ اور بیشتر تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان حالات میں خواجہ شمس الدین نے وطن میں مستقل قیام کا ارادہ کرلیا۔ اور درس و تدریس کے کام میں مشغول ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ عبادت و ریاضت کی طرف بھی توجہ تھی۔ سال میں کئی کئی بار تونسہ شریف جاتے تھے اور فیوض باطنی سے مالا مال ہو کر واپس آتے تھے۔ خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے مرشد سے بڑی عقیدت تھی۔ ان کے ہمراہ 14 مرتبہ مہار شریف کا سفر کیا تھا اور ان کا سامان اپنے کاندھوں پر رکھ کر ان کی سواری کے آگے آگے چلتے تھے۔ تقریباً 36 سال کی عمر میں خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو خلافت سے نوازا اور ہدایت کی کہ بیعت کا کام بڑے اہتمام سے کرنا' اپنے اشغال میں مصروف ہو کر اس کو نظر انداز نہ کر دینا۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سب سے پہلے اپنے والدین اور پھر ان چار بزرگوں کو مرید کیا۔

Marfat.com

(1) میاں چھٹہ کسب دار

(2) شیخ عبدالجلیل قریشی

(3) عبداللہ دین دار

(4) میاں فضل احمد قریشی

ان بزرگوں کا مختصر حال انوار شمیہ میں درج ہے۔

شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سیال شریف میں اپنا خانقہی نظام اعلیٰ پیمانے پر قائم کیا تھا۔ ان کے یہاں لنگر کا خاص اہتمام تھا۔ تمام زائرین اور مسافروں کو کھانا لنگر خانہ سے ملتا تھا۔ شہر کے مفلسوں اور مسکینوں کو بھی کھانا دیا جاتا تھا۔ قیام کا انتظام بہت اچھا تھا۔ چارپائی اور بستر ہر آنے والے کے لیے مہیا کئے جاتے تھے۔ جو لوگ مستقلاً خانقاہ میں رہتے تھے ان کو کپڑا بھی دیا جاتا تھا۔

شیخ سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اخلاق بہت اعلیٰ تھا۔ اجنبی اور ملاقاتی سے ایک طرح ملتے تھے۔ ہر آنے والے سے خلوص اور محبت کا اظہار کرتے تھے۔ ہمدردی سے ہر ایک کے دکھ درد کی داستان سنتے تھے اور مناسب حال علاج کرتے تھے۔ شریعت کے معاملہ میں بہت سخت گیر تھے اور اس سلسلہ میں مریدین پر سختی کو ضروری سمجھتے تھے۔ نماز باجماعت پڑھتے تھے۔ سماع بالمزامیر سے اجتناب کلی کرتے تھے۔

21 صفر 1300ھ کو شیخ سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ واصل بحق ہوئے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے تاریخ وفات کہی ؂

دریغا صد دریغا صد دریغا ہزار افسوس کیں مہر جہاں تاب چو سر در جست تاریخش زہاتف

کہ شمس الدین امام العارفین رفت بہ اوج عرش از فرش زمیں رفت بگفتا شمس اوج علم دیں رفت 1300ھ

خواجہ سیالوی کے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تین فرزند تھے۔

Marfat.com

(1) خواجہ محمد الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(2) خواجہ فضل الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(3) خواجہ شعاع الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

وصال کے بعد خواجہ محمد الدین سجادہ پر بیٹھے۔ خواجہ الہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خرقہ پہنایا۔ انھوں نے اپنے باپ کی روایات کو جاری رکھا۔ ان کے چار فرزند تھے۔

(1) محمد امین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(2) محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(3) محمد عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(4) محمد سعد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

خواجہ محمد الدین نے 2 رجب 1327ھ کو وصال فرمایا۔ خواجہ محمد امین ان کی حیات ہی میں وصال فرما گئے تھے۔ اس لیے صاحبزادہ محمد ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ پر بیٹھے۔

خلفاء:

خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء میں مندرجہ ذیل 35 بزرگ خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

(1) خواجہ محمد الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(2) صاحبزادہ فضل الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(3) صاحبزادہ شعاع الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(4) پیر غلام حیدر شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جلال پور

(5) پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گولڑہ

(6) مولوی فضل الدین ساکن چاچڑ تحصیل شاہ پور

(7) مولوی معظم الدین ساکن مرولہ والہ تحصیل بھیرہ

Marfat.com

(8) مولوی محمد امین ساکن چکوڑی ضلع گجرات

(9) شیخ عبدالجلیل ساکن تحصیل شاہ پور

(10) مولوی حفیظ ماہی صاحب

(11) سید محمد شاہ صاحب غزنوی ساکن کٹاواڑہ علاقہ بویک خیل خراسان

(12) سید اکرام شاہ ساکن سلھو کے علاقہ رسول نگر

(13) سید بہار شاہ ساکن سنجر ضلع ڈیرہ غازی خان

(14) سید حسن شاہ ساکن سنجر ڈیرہ غازی خان

(15) سید صالح شاہ صاحب ساکن سلطان پور ضلع جھنگ

(16) میاں پیر بخش قریشی ساکن خواجہ آباد۔ میاں والی

(17) سید جندوڈا شاہ صاحب ساکن عیسیٰ خیل میاں والی

(18) میاں علی حیدر صاحب ساکن خاص میاں والی

(19) مولوی سلطان محمود صاحب ناڑیوالہ ساکن چھپر تحصیل خوشاب

(20) مولوی احمد الدین صاحب صوفی ساکن کلور۔ ضلع میاں والی

(21) ملا خوشنود صاحب یوسف زئی۔ ساکن کابل

(22) سید حیات شاہ صاحب نارگ والہ

(23) مولوی غلام محمد صاحب ساکن للہتی تحصیل خوشاب۔

(24) سید رستم علی شاہ ساکن علاقہ پچھ کشمیر

(25) سید محمد سعید شاہ صاحب ساکن بہرتہہ متصل شہر لاہور مصنف مراۃ العاشقین

(26) سید مبارک شاہ چھانا آبادی علاقہ راولپنڈی

(27) سید گلاب شاہ صاحب اورنگ آبادی ضلع کیمل پور

(28) سید غلام شاہ ساکن ہرن پور۔ ضلع جہلم

(29) سید شاہ الہ بخش ساکن حاجی پور ضلع ڈیرہ غازی خاں

Marfat.com

(30) سید شاہ خدا بخش صاحب ساکن سنجر ضلع ڈیرہ غازی خاں

(31) مولوی علی محمد صاحب ساکن کوٹ کالا ضلع شاہ پور

(32) مولوی فتح محمد صاحب سکن سلہیانہ ضلع جھنگ

(33) حافظ صاحب سمو کے والہ ضلع کیمل پور

(34) سید فیض شاہ ساکن جھاب علاقہ جھنگ

(35) میاں محمد طیب ساکن بلبل پڑی معروف بہ جالندھری

پیر سید غلام حیدر علی شاہ جلال پوری:

دریائے جہلم سے پار ہونے کے بعد ایک کوہستانی سلسلہ سروع ہوتا ہے یہیں پہاڑوں کے دامن میں جلال پور واقع ہے۔ ایک طرف دریائے جہلم موجیں مار رہا ہے دوسری طرف سبزہ زار کیف افزائے نظر بنا ہوا ہے۔ تیسری طرف وادیوں کا مستحکم سلسلہ حجازی وادیوں کی یاد دلاتا ہے۔ جلال پور کے اس جنت نظیر خطہ میں خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک عزیز خلیفہ سید غلام حیدر علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایسی عظیم الشان خانقاہ قائم کی کہ تمام فضائیں روح پرور نغمات سے گونج اٹھیں۔

پیر سید حیدر شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت با سعادت 3 صفر 1254ھ مطابق 26 اپریل 1838ء کو ہوئی تھی۔ دسویں پشت میں ان کا سلسلہ نسب حضرت مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جا ملتا ہے۔ پیر سید حیدر شاہ صاحب کے والد ماجد سید جمعہ شاہ نہایت عابد منکسر المزاج اور متوکل بزرگ تھے والد ماجدہ وسجادہ بیگم موضع کھیوہ ضلع گجرات (پنجاب) کے ایک مشہور بزرگ سید غلام شاہ کی صاحبزادی تھیں۔ پیر حیدر شاہ صاحب کی تعلیم و تربیت میں ان کا خاص حصہ تھا۔ وہ بڑی عبادت گزار اور صالحہ خاتون تھیں۔ گو افلاس کی زندگی بسر کرتی تھیں لیکن توکل کی دولت سے مالا مال تھیں۔ کبھی کسی کا سوال رد نہ کرتی تھیں ماں کے زہد و تقدس نے بیٹے کے ہر ہر رگ و ریشہ کو متاثر کیا شاہ صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ ہماری والدہ بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی والدہ کی

Marfat.com

مانند تھیں جنھوں نے ابتدا ہی سے اپنے لختِ جگر کو نماز روز کا پابند بنا دیا تھا۔ وہ شاہ صاحب کو رات کے وقت سوتے سے جا دیتی تھیں۔ 5 , 6 سال کی عمر میں شاہ صاحب میں ارکان دین کی پابندی اس قدر تھی کہ جیٹھ اور اساڑھ کی گرمی میں انھوں نے روزے رکھے۔

جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہوش سنبھالا تو ان کو میاں خان محمد اعظم پوری کے زیر تعلیم کیا گیا۔ انھوں نے کلام پاک پڑھانا شروع کیا۔ جس کی تکمیل آپ کے چچا سید امام شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی۔ اس کے بعد میاں عبداللہ چکروی سے فارسی اور اردو کی درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر جلال پور سے پانچ کوس کے فاصلہ پر بمقام یین وال تشریف لے گئے اور وہاں قاضی محمد کامل سے کتب فقہ کا درس لیا۔ مفتی غلام محی الدین صاحب سے، جو عملی اعتبار سے گردونواح میں جواب نہ رکھتے تھے، استفادہ کیا اور کنز الدقائق ان سے پڑھی۔ اس سے زیادہ ظاہری علم شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے باقاعدہ حاصل نہیں کیا۔ لیکن طبیعت کی افتاد اور ماحول کے اثر نے ان میں وہ عالمانہ انداز پیدا کر دیا تھا جس سے بہت سے عالم بھی محروم تھے۔

خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں انھوں نے مرقع اور کشکول کا درس لیا۔

پیر حیدر شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عمر 17 سال کی تھی۔ کہ ان کے والد ماجد نے وصال فرمایا رحلت کے وقت وصیت فرمائی کہ کسی کو خالی ہاتھ نہ جانے دینا۔ بڑوں کا ادب ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا، چھوٹوں سے محبت سے پیش آنا اور اقربا کے ساتھ صلہ رحمی کا اصول زرین یاد رکھنا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرشد کی تلاش میں ہرن پور[1] پہنچے اور وہاں سید غلام شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت کرنے کی درخواست کی۔ انھوں نے سیال شریف جانے کا مشورہ دیا۔ بلکہ ساتھ لے گئے۔ خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب

---

[1] جلال پور سے دس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔

Marfat.com

ان کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے' مزاج پوچھا اور بیٹھنے کا حکم دیا۔

7 رجب 1271ھ کو ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ بیعت کے بعد آپ کا یہ دستور تھا کہ ہر دسویں دن پیر کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جب چھٹی مرتبہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے خرقہ وخلافت اور اجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا۔

پیر حیدر شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے شیخ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ ان کا اتنا ادب کرتے تھے کہ ان کے سامنے بولنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ خط لکھا اور اس میں صرف یہ نظم لکھی' لیکن پاس ادب سے شیخ کی خدمت میں پیش نہ کر سکے۔

میں ہاں خادم تو ہے مخدوم میرا کر و خادم اتے انعام سائیں کیتا دل درد تیرے
پارہ پارہ! نظارہ جے کرو جدجیدیاں میں نظر کر دیکھ چہرے زار میرے دوا کر مہربان بیماریاں
دا میں تیرے دیکھنے کی بانوری ہوں

توساں کو حال سب معلوم میرا جو ہر جا فیض ترا اعام سائیں جو دارو درد کا نظارہ
وگرنہ جام زہروں پندیاں میں جو میں بیمار کیتے درد تیرے وفا کر دلبرا دلداریاں دا
دکھا مکھ کھول کے بانوری ہوں

مرشد ان کا اس قدر خیال کرتے تھے کہ جب وہ سیال آتے تو خود تھوڑی دور تک استقبال کے لیے جاتے تھے۔ ایک دن شیخ عبدالجلیل خادم شیخ کی وساطت سے عرض کیا کہ حضور میں اس قدر تعظیم وتکریم سے بہت نادم اور محجوب ہوتا ہوں اور میرے قلب پر ایک قسم کی اضطراری کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ سوئے ادبی ہے۔ خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیا۔ شاہ صاحب ہم اپنی خوشی کے خود مختار ہیں۔ آپ اس معاملہ میں خاموش رہیں۔

ایک مرتبہ پیر سید حیدر شاہ علیل ہوئے۔ پیرو مرشد کو حال معلوم ہوا تو بے قرار ہو گئے۔ روتے جاتے تھے اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کرتے جاتے تھے۔

Marfat.com

"یاارحم الراحمین! میری ساری عمر دی لِکھا
کھٹی پوٹھی ہے۔اسے برباد نہ کرنا"
(یعنی میری عمر بھر کی کمائی یہی ہے)

پیر حیدر شاہ صاحب کا اخلاق نہایت اعلیٰ اور وسیع تھا۔منکسر المزاجی تو ان میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی تھی۔ایک مرتبہ چند آدمیوں کے ساتھ سیال شریف کو روانہ ہوئے راستہ میں ایک جگہ پانی پینے کے لیے رکے ایک شخص جو انتہائی بدشکل اور کریہ المنظر تھا پانی پی رہا تھا۔اس نے بچا ہوا پانی پھینکنا چاہا۔شاہ صاحب نے ہاتھ روک کر وہ پانی خود پی لیا۔

خود پسندی ان کو چھو کر بھی نہ گذری تھی۔فطرتاً نہایت نرم دل تھے کسی شخص سے بہت زیادہ اور ناراض ہوتے تو صرف اتنا فرماتے۔"نیک بختا تو نے یہ کیا کیا" یہ کہنے کے بعد اس کو آزردہ نہ ہونے دیتے۔اور جس طرح ہوتا اسے خوش کر دیتے۔فرمایا کرتے تھے۔

مباش در پے' آزار و ہر چہ خواہی کن
کہ در طریقتِ ما غیر ازیں گناہے نیست

غریبوں کی دل جوئی کی طرف خاص توجہ کرتے تھے کبھی کسی کے لیے بددعا نہ کرتے تھے۔ایک شخص مزار خاں بے حد مخالفت کیا کرتا تھا۔جب اس کے فتنہ وفساد کی حد نہ رہی اور لوگوں نے اس طرف رجوع کیا تو صرف اتنا فرمایا۔دعا کرو خداوند کریم اس پر رحم کرے اور کسی اچھے شغل میں لگا دے تا کہ اسے ہماری مخالفت کرنے کی فرصت ہی نہ ملے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرع کے بہت پابند تھے۔ان کے سوانح نگار کا بیان ہے"آپ فقہا کی طرح محتاط اور عامل بالشرع رہتے تھے"[1]

ایک دن فرمانے لگے۔

"مناقب المحبوبین میں بہت سی سندوں سے ساتھ
استاذ و الدین' بادشاہ اسلام اور پیر کے نیے سجدہ

---

[1] ذکر حبیب۔ حصہ اول۔ ص ۱۷

Marfat.com

تعظیم کرنا جائز ثابت کیا گیا ہے۔ لیکن طریقہ شریعت
کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے"۔ [1]

شاہ صاحب نہایت حسین وجمیل انسان تھے۔ لمبا قد' خوبصورت آنکھیں' شانوں پر زلفیں' کلاہ چہارتر کی سر پر' موسم سرما میں بانات کا کوٹ گرمیوں میں ململ کا کرتا' پاؤں میں جلہی طرز کا سادہ جوتا پہنے ہوئے وہ حسن مجسم معلوم ہوتے تھے۔

6 جمادی الثانی 1326ھ کو شاہ صاحب نے وصال فرمایا۔ علامہ اقبال نے تاریخ وفات کہی ہے ۔

ہر کہ بر خاکِ مزارِ پیر حیدر شاہ رفت
تربتِ اورا امینِ جلوہ ہائے طور گفت
ہاتف از گردوں رسید و خاک اور ابوسہ داد
گفتمش سال وفاتِ او بگو مغفور گفت 1326ھ

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چار صاحبزادے تھے۔ سید بدیع الزماں شاہ سید مظفر علی شاہ' محمد رسول شاہ' قایم الدین شاہ۔ سید بدیع الزماں خواجہ سیالوی سے بیعت تھے 21 سال کی عمر میں 7 شعبان 1295ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ قایم الدین شاہ' خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت تھے۔ 21 رجب 1316ھ کو 21 سال کی عمر میں انتقال کیا۔ رسول شاہ کا انتقال ایام شیر خوارگی میں ہو گیا تھا۔ وصال کے بعد سید محمد مظفر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین ہوئے۔ وہ بھی خواجہ سیالوی سے بیعت تھے۔ صرف مسندِ خلافت والدہ سے ملی تھی۔ 19 ربیع الآخر 1335ھ کو انھوں نے وصال فرمایا۔ ان کے صاحبزادے ابوالبرکات مولانا سید محمد فضل شاہ صاحب آج کل صاحب سجادہ ہیں۔ بلند اخلاق پاک سیرت عالم وفاضل اور وسیع النظر بزرگ ہیں۔

اسلامی ممالک مثلاً بیروت' دمشق' اسکندریہ' مصر' بیت المقدس کی سیاحت نے نگاہ

---

[1] ذکر حبیب۔ ملفوظات۔ ص ۳۶۵

Marfat.com

میں وسعت اور اسلامی مسائل سے واقفیت پیدا کر دی ہے۔

پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ :

خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء میں پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔ انھوں نے موجودہ دور میں نہ صرف احیاء تصوف کی کوشش کی، بلکہ بہت سے عقائدِ باطلہ کی تردید میں بھی سرگرم رہے۔

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سلسلہ نسب 24 ویں پشت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے جاملتا ہے۔ ان کی نانی حضرت مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد سے تھیں۔ خواجہ صاحب کے والد ماجد سید نظیر الدین شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے بیٹے کی ابتدائی تعلیم و تربیت نہایت ہی جگر سوزی کے ساتھ کی تھی۔ خواجہ صاحب خود بہت ذہین اور باشوق تھے۔ تھوڑی ہی عمر میں علوم ظاہری سے فارغ ہو گئے اور درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ پھر حجاز چلے گئے۔ وہاں ایک عرصہ تک رہنے کے بعد وطن واپس آئے اور اصلاح و تربیت کا ہنگامہ برپا کر دیا۔

مکہ معظمہ میں ایک دن وہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نہایت اصرار اور تاکید سے ہندوستان واپس جانے کا مشورہ دیا۔ اور فرمایا۔

> ''در ہندوستان عنقریب یک فتنہ ظہور کند' شما ضرور در ملک خود واپس بروید' واگر بالفرض شما در ہند خاموش نشستہ باشید تاہم آں فتنہ ترقی نہ کند و در ملک آرام ظاہر شود''۔[1]

ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہوگا۔ تم ضرور اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ اگر بالفرض تم ہندوستان میں خاموش بھی بیٹھے رہے تو وہ فتنہ ترقی نہ کرے گا اور ملک میں سکون رہے گا۔

---

1. ملفوظات طیبہ۔ ص ۱۲۶

Marfat.com

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس کشف کو فتنۂ قادیانی سے تعبیر فرمایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان کو اس فتنہ کی مخالفت کا حکم دیا[1] چنانچہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی زبان اور اپنے قلم دونوں سے قادیانیوں کے عقائد باطلہ کی پرزور تردید کی۔

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑے متبحر عالم تھے۔ ان کے ملفوظات ان کی بلندی فکر اور وسعت معلومات کے بہترین آئینہ دار ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔

"کمالات شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی مرحوم بحد
غایت کمال رسیدہ اند، در علم ظاہر و باطن نظیر
خود خود گذشتہ اند"[2]

شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نظریہ وحدت وجود پر جو عبور ان کو حاصل تھا اس کی اس صدی میں نظیر نہیں ملتی۔ فصوص الحکم کا باقاعدہ درس دیتے تھے اور اس کے اسرار و رموز کو خوب سمجھتے تھے علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فلسفہ کے متعلق ان کو ایک خط لکھا تھا جس میں ان سے عقیدت و ارادت کا اظہار اس طرح کیا تھا۔

لاہور 8 اگست 1933ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ۔ السلام علیکم

اگرچہ زیارت اور استفادہ کا شوق ایک مدت سے ہے۔ تاہم اس سے پہلے شرفِ نیاز حاصل نہیں ہوا۔ اب اس محرومی کی تلافی اس عریضہ سے کرتا ہوں گو مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی۔ بہر حال جناب کی وسعتِ اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرات کرتا ہوں کہ اس وقت

---

1. ملفوظات ص ۱۲۷۔ ۱۲۶ 2. ملفوظات۔ ص ۱۴۲

Marfat.com

ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لیے کھٹکھٹایا جائے۔

میں نے گذشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی اب پھر ادھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے ہے نظر بایں حال چند امور دریافت طلب ہیں۔ جناب کے اخلاق کریمانہ سے بعید نہ ہوگا اگر ان سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے۔

(1) اول یہ کہ حضرت شیخ اکبر نے تعلیم حقیقت زمان کے متعلق کیا کہا ہے اور ائمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے۔

(2) یہ تعلیم شیخ اکبر کی کون سی کتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں۔ اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اول کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کرسکوں۔

(3) حضرات صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقتِ زمان پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں۔ مولوی سید انور شاہ مرحوم و مغفور نے مجھے عراقی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا اس کا نام تھا درایۃ الزماں۔ جناب کو ضرور اس کا علم ہوگا۔ میں یہ رسالہ یکھا ہے۔ مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے اس لیے مزید روشنی کی ضرورت ہے۔

میں نے سُنا ہے کہ جناب نے درس وتدریس کا سلسلہ ترک فرمادیا ہے اس لیے مجھے یہ عریضہ لکھنے میں تامل تھا۔ لیکن چونکہ مقصود خدمت اسلام ہے' مجھے یقین ہے کہ اس تصدیعہ کے لیے جناب معاف فرمائیں گے اور جواب باصواب سے ممنون فرمائیں گے۔

باقی التماس دعا۔

Marfat.com

مخلص

محمد اقبال" [1]

غیر شرعی رسومات سے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بڑی نفرت تھی۔ ان کے ملفوظات میں جگہ جگہ اتباع سنت نبوی کی تلقین ہے اور بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے لیے شریعتِ نبوی کے اتباع سے بڑھ کر کوئی فخر نہیں ہو سکتا۔ [2]

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو شعر و سخن سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ لیکن پھر بھی شعر خوب کہہ لیتے تھے۔ اُن کی ایک فارسی غزل ملاحظہ ہو۔

صبا ز طرہ شبرنگ مہوش طناز کیم گدائے در مفلسی کوتاہ دست توئی کہ ذرہ صفت را با

آسماں بردی عرض ادائے نیاز است ورنہ حاجت نیست رہین ساقی چشم کہ جرعہ

بچشانند بہ بزم بادہ فروشاں بہ نیم جونہ خرند مراز پیر مغاں راز ہائے سربستہ است

کشود نافہ مشکیں بروئے اہل نیاز کجا ایں غالیہ عطری وقصہ ہائے دراز چگونہ شکر تو

گوید کمینہ بندہ نواز کمال حشمت محمود البحر ایاز! ز جام چہرہ ترکاں مہوشان حجاز متاع

زاہد طماع چہ حج وصوم و نماز فغاں ز اوعظ خود بیں کجا است محرم راز

اگرچہ حسن تو از مہر غیر مستغنی است

من آں نیم کہ از ایمان خویش آیم باز

Marfat.com

باب دوازدہم

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نصف صدی کی اصلاحی اور تبلیغی جدوجہد کے بعد جب آفتابِ تونسہ غروب ہونے لگا تو خواجہ اللہ بخش نبیرۂ شیخ نے قدموں میں سر رکھ کر عرض کیا۔

"بابو! من از تو ہیچ چیز دیگر نمی خواہم
پس ہمیں می خواہم کہ نعلین فقیران ترا
راست کنم"

یہ جملہ سن کر شیخ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ فرمایا: **ونفخت فیہ من روحی** اور جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ شاہ غلام نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرزند کالے صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خواجہ الہ بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سر پر دستار باندھ کر ان کو سجادۂ مشیخت پر بٹھا دیا۔ خواجہ اللہ بخش مدت العمر اپنے دادا کی طرح روحانی اصلاح و تربیت کے کام میں سرگرم رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی میں چشتیہ سلسلہ کی رونق ان ہی کے دم سے تھی۔ وہ علم و عمل، لطف و کرم، زہد و اتقا کا مجسمہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دل و دماغ کی بڑی خوبیوں سے نوازا تھا اور انھوں نے ان صلاحیتوں کو دم واپسیں تک سلسلہ کی نشر و اشاعت میں استعمال کیا۔ غلام حسین نے ان کے متعلق سچ کہا ہے۔

روشن از مہر جمالش برج دین !!
آفتاب آسماں فخر زمیں

خواجہ اللہ بخش، ماہ ذالحجہ 1241ھ کو تونسہ میں پیدا ہوئے تھے۔ مولوی محمد صالح

Marfat.com

نے تاریخ کہی۔ زہے بیدار بخت' جب تعلیم حاصل کرنے کی عمر ہوئی تو خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مولوی محمد امین کے سپرد کر دیا۔ مولوی صاحب صاحبِ کمال عالم تھے۔ انھوں نے قرآن پاک کے علاوہ' فارسی نظم اور عربی صرف ونحو کی بھی تعلیم دی۔ پھر حدیث کا درس دیا۔ جب اس سے فارغ ہو گئے تو دادا نے سلوک ومعرفت کی تعلیم کے لیے خود اپنے پاس بلایا۔

ابتدائی زمانہ میں خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہایت شان وشوکت کی زندگی بسر کرتے تھے' اچھے لباس کا شوق تھا۔ اچھی اچھی گھوڑیاں سواری میں رکھتے تھے۔ جب بڑے ہوئے تو ان سب چیزوں سے منہ پھیر لیا اور نہایت سادہ زندگی بسر کرنے لگے۔

خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نماز روزے کا پابند تو بچپن ہی سے بنا دیا تھا۔ عمر کے ساتھ ساتھ عبادت وریاضت کی طرف بھی دلچسپی بڑھتی گئی۔ مناقب المحبوبین میں حاجی نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ صاحبزادہ صاحب اکثر ہماری کوٹھری میں آ کر کہا کرتے تھے: حاجی صاحب ہمارے لیے دعا کرو۔ خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کے دینی جذبے سے بے حد خوش ہوتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی زندگی ہی میں دلائل الخیرات عطا فرما کر کہا۔ اب مجھ سے یہ نہیں پڑھی جاتی اب تم پڑھا کرو اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ شجروں پر میری طرف سے تم ہی دستخط کر دیا کرو۔ خواجہ اللہ بخش نے اس ہدایت پر یہاں تک عمل کیا کہ خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد بھی ان ہی کا نام شجروں میں لکھتے رہے۔ خاکسار کے جد امجد مولوی فرید احمد صاحب مرحوم کے شجرہ پر تحریر فرماتے ہیں:

"الٰہی بکربت وغربت خاکراہ دردمنداں
سلیمان عاقبت شیخ فرید بخش بخیر گرداں"

ہندوستان کا سفر:

خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سجادہ پر بیٹھنے کے بعد خواجہ اللہ بخش نے

Marfat.com

ہندوستان کا سفر کیا اور مشائخ سلسلہ کے مزارات پر حاضر ہوئے۔ بیکانیر کی ایک مسجد میں تین چار دن تک قیام کیا اور کثیر تعداد میں لوگوں کو داخل سلسلہ کیا۔ نئے مریدوں کو ہدایت کی کہ نماز، روزے کی پابندی کریں۔ راجہ سردار سنگھ والی بیکانیر نے حاضر خدمت ہونا چاہا۔ فرمایا

"ما فقیریم از ملاقات مایاں ترا چہ
سود است دریں جا نیائی"

جب خواجہ صاحب دہلی پہنچے تو بہادر شاہ ظفر نے خدمت میں حاضر ہونا چاہا خواجہ صاحب، حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی درگاہ میں مقیم تھے۔ بہادر شاہ ملاقات کے لیے آئے تو وہ دوسرے دروازے سے نکل کر جنگل کی طرف چلے گئے۔ بہت منت سماجت کے بعد واپس آئے۔ بہادر شاہ نے شرفِ قدم بوسی حاصل کیا۔ اگلے دن خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شاہ جہاں آباد تشریف لائے۔ وہاں امراء اور درباریوں نے کثیر تعداد میں اظہارِ عقیدت کیا۔ محلات کی بیگمیں مرید ہوئیں۔ بہادر شاہ نے بھی نذر پیش کی۔

تعمیر کا شوق:

خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تعمیر مکانات کا بڑا شوق تھا۔ خاتم سلیمانی کے مصنف کا اندازہ ہے کہ ان کی بنوائی ہوئی عمارات تقریباً نصف حصہ شہر میں پھیلی ہوئی ہیں فاربس نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے۔

> "ان میں (خواجہ اللہ بخش) میں انتظام و تعمیر کے کام کی بڑی لیاقت تھی۔ انھوں نے لنگر خانے، سرائے و مکانات وغیرہ وغیرہ بنائے۔ جب کہ ان کے دادا کے پرانے خلفاء کا انتقال ہو گیا تو انھوں نے کچے مکانات کو گرا دیا اور فراخ آستانہ درگاہ و مسجد میں بنائے اور ان کے اردگرد پختہ اینٹوں کے مدرسے اور درویشوں

Marfat.com

اور مولویوں کی رہائش کے لیے مکانات بنائے''[1]

ان عمارات میں زیادہ تر مساجد' مدرسے' کنوئیں اور سرائیں تھیں اور ان کی تعمیر سے خواجہ صاحب کا مقصد منسلکینِ خانوادہ اور دیگر زائرین کی سہولت کا سامان مہیا کرنا تھا۔

اخلاق:

خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ انوار العارفین کے معاصر منصف نے لکھا ہے:

''دریں زماں نبیرۂ ایشاں (خواجہ محمد سلیمان) میاں اللہ بخش بر مسندِ ارشاد نشستہ اند' طالبان را ارشادی کنند و از آیندگان و روندگانِ آنجا معلوم گردید کہ کریم النفس و خوش اخلاق اند''[2]

خواہ دشمن ہو یا دوست' جو اُن سے ملتا ان کے اخلاق کا گہرا نقش دل پر لے کر اٹھتا ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ غریبوں اور بے کسوں کی طرف خصوصیت سے توجہ فرماتے پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ اپنی مجلس میں فرمایا:

''در نظر خواجہ اللہ بخش صاحب اہل دنیا را بمقدار یک ذرہ ہم وقعت و قدر نبود و بسیار غریب نواز بودہ اند۔ دنیاداراں را بسیار حقیر و بے مقدار دانندہ ہمچوں خواجہ اللہ بخش صاحب ہیچ فقیر دیدہ و شنیدہ نشد''[3]

خواجہ اللہ بخش صاحب کی نظر میں اہل دنیا کی ذرہ برابر بھی وقعت اور قدر نہ تھی وہ بے حد غریب نواز تھے دنیاداروں کو بہت حقیر اور بے مقدار سمجھتے تھے اور اس معاملہ میں خواجہ اللہ بخش صاحب کے برابر کوئی فقیر دیکھا یا سنا نہیں گیا۔

ہندو کثیر تعداد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ان کے اخلاق سے متاثر ہوتے تھے۔ ایک ہندو آپ کی صحبت سے اس قدر متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا اور آپ

---

1. ص ۱۲   2. انوار العارفین۔ ص ۴۵۷

3. ملفوظات طیبہ ص ۱۴۲

Marfat.com

کی خدمت کرنے لگا۔ آپ نے اس کا نام غلام رسول رکھا۔ اس کے متعلق مصنف خاتم سلیمانی کا بیان ہے کہ وہ زہد و اتقا میں صوفیہ وقت سے سبقت لے گیا تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو اسلامی تعلیم دی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے تفسیر حدیث اور فقہ میں مہارت پیدا کر لی۔ حج بیت اللہ کے لیے گیا۔ واپسی پر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور خواجہ صاحب کی خانقاہ میں بیٹھ کر دیگر اعلیٰ مریدین و خلفاء کی طرح درس میں مشغول رہنے لگا۔ [1]

اصلاحی کوششیں:

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسلمانوں کے ہر طبقہ کی اصلاح و تربیت کی طرف توجہ کی۔ ان کے ملفوظات و حالات میں متعدد واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ طبقہ علماء کی اصلاح پر خاص زور دیتے تھے ان کا خیال تھا کہ علماء کی اصلاح سے مسلم سوسائٹی کا بڑا طبقہ خود بخود صحیح راہ پر آ جائے گا۔ ایک مرتبہ ایک مسئلہ پر مختلف علمانے مختلف فتوے دیے اور گروہ بندی کے زیر اثر شریعت کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔ خواجہ صاحب کو علم ہوا تو بھری مجلس میں ان علماء کی مذمت کی [2]

مرزا غلام احمد قادیانی نے اس وقت اپنے عقائد کی ترویج شروع کی اور اکثر علماء کو مباحثہ کی دعوت دی۔ خواجہ صاحب نے اپنی جگہ بیٹھ کر نہایت سختی کے ساتھ ان فتنوں کی تردید کی اور کوشش کی کہ مسلمانوں کا مذہبی احساس اور وجدان ان گمراہ تحریکوں سے متاثر نہ ہو۔

حضرت خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 13 ستمبر 1901ء (29 جمادی الاول 1319ھ) کو وصال فرمایا۔ تاریخ ہے۔

چراغ جہاں بجھ گیا ہے

خواجہ صاحب کے تین فرزند تھے۔ 1319ھ حافظ موسیٰ۔ حافظ احمد۔ حافظ

---

[1] خاتم سلیمانی۔ ص ۱۹۲ [2] خاتم سلیمانی ص ۲۱۸۔ ۲۱۷

Marfat.com

محمود۔ حافظ موسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسند نشیں ہوئے۔ وہ نہایت کم گو، منکسر مزاج بزرگ تھے۔ 1323ھ مطابق 1906ء کو وصال فرمایا اور خواجہ محمود سجادہ نشین ہوئے۔ وہ بڑے عالم فاضل بزرگ تھے۔ عربی، فارسی، اردو، پشتو، بلوچی وغیرہ زبانوں پر مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حج کے موقع پر اس طرح عربی بولی کہ سننے والے حیران رہ گئے۔ مثنوی کا درس اس انداز میں دیتے تھے کہ حاضرین مسحور ہو جاتے تھے۔

حافظ صاحب کے بعد ان کے صاحبزادے محمد حامد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسند آرا ہوئے۔ آج کل مولانا حافظ سدید الدین صاحب سجادہ نشین ہیں بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔ حالاتِ حاضرہ سے کافی واقفیت رکھتے ہیں اور اصلاحی کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ حافظ محمود صاحب کے سجادہ نشین خواجہ حافظ نظام الدین صاحب ہیں ان سے سلسلہ نظامیہ کا فیض پھیل رہا ہے۔ زہد و تقویٰ میں مشہور ہیں۔

خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مریدین میں مولانا غلام احمد بریاں خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ ان کو تصوف سے بے حد دلچسپی تھی۔ بزرگوں کے حالات اور ملفوظات کی اشاعت میں جو کوشش انھوں نے کی، اس کی مثال ملنی مشکل ہے "ملفوظات خواجگان چشت" فوائد الفوائد، خیر المجالس، کشکول، اخبار الاخیار، اصول السماع وغیرہ کتابوں کو انھوں نے ترجمہ کرا کرا اپنے مطبع مسلم پریس دہلی سے شائع کیا۔ اور اس طرح بہت سی ایسی کتابوں کو محفوظ کر دیا جو اگر اس وقت طبع نہ ہوتیں، تو ضائع ہو جاتیں۔

مولوی ارشاد علی صاحب فریدی اور مولوی فرید احمد صاحب:

خاکسار راقم الحروف کے دادا جناب مولوی فرید احمد صاحب مرحوم اور پر دادا مولوی ارشاد علی صاحب امروہی مرحوم حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مریدین خاص میں تھے۔ اور انھوں نے اپنے مخصوص اور محدود دائرے میں رہ کر سلسلہ کی روایات کی نشر و اشاعت کے لیے پُر خلوص جدو جہد کی تھی۔

مولوی ارشاد علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یکم اگست 1825ء کو امروہہ میں پیدا

Marfat.com

ہوئے۔ اٹھارہویں پشت میں سلسلہ نسب حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جا ملتا ہے۔ مولانا حاجی محمد مہدی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے زانوتلمذ طے کیا۔ حاجی صاحب' موئی (ضلع بریلی) کے رہنے والے تھے' اپنے عہد کے جید عالم تھے۔ دربارِ مغلیہ میں ان کی بڑی قدر تھی۔ اکبر شاہ ثانی نے فصیح الشعرا اور ملک العلما کے خطابات عنایت فرمائے تھے۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بریلی سے امروہہ کا سفر خاص طور پر مولوی ارشاد علی صاحب کی تعلیم کے لیے کیا اور بہت جلد ان کو علم کی دولت سے مالا مال کر دیا۔

مولوی ارشاد علی صاحب کے والد مولوی ابدال محمد صاحب مرحوم نے ان کے بچپن ہی میں سفر آخرت اختیار کیا اور مولوی ارشاد علی صاحب کو عسرت وتنگی میں دن گزارنے پڑے لیکن انھوں نے اس زمانہ میں بڑی' محنت سے پڑھا اور تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد پنجاب چلے گئے جہاں عرصہ تک سرکاری ملازمتوں کے سلسلہ میں رہنا ہوا۔ اس زمانہ کے مشہور انگریز حکام' سرجان لارنس' کرنل ہملٹن' کرنل فیر نگ ٹن وغیرہ کے ساتھ کام کیا۔ غدر 1857ء میں وہ کرنل جی۔ ڈپو۔ ہملٹن کمشنر ملتان کے سررشتہ دار تھے۔ ہملٹن نے حکم دیا کہ پاک پٹن شریف کی خانقاہ سے متعلق سب جاگیریں ضبط کر لی جائیں۔ مولوی ارشاد علی صاحب نے اس حکم سے اختلاف کیا اور ہملٹن کو سمجھایا کہ پاک پٹن شریف وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر تیمور نے بھی اپنی خون آشام تلوار نیام میں رکھ لی تھی۔ ہملٹن نے ان کے اصرار پر اپنا حکم منسوخ کر دیا۔ مولوی ارشاد علی صاحب جب اپنی سرکاری ملازمت کا ذکر فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے اس طرف بھیجا تھا کہ میں بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی درگاہ کی جاگیروں کی حفاظت کروں۔ صرف یہی ایک کام میرا زندگی کا حاصل ہے۔ دیوان اللہ جوایا صاحب سجادہ درگاہ بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ مشائخ سلسلہ چشت کی بعض اہم کتابیں جو مولوی ارشاد علی صاحب نے نقل کرائی تھیں ان کے مقابلہ وتصحیح کا کام حضرت دیوان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے

Marfat.com

خود انجام دیا تھا۔ مولوی ارشاد علی صاحب کے بہت عرصہ تک اولاد نہ ہوئی۔ کافی عرصہ بعد جب لڑکا پیدا ہوا تو حضرت اللہ جوایا صاحب نے فرید بخش نام تجویز کیا۔ ارشاد علی صاحب نے فرید بخش کی جگہ فرید احمد نام رکھا اور اس تبدیلی کی وجہ یہ بتائی کہ بخش سے شرک کی بو آتی ہے۔

مولوی ارشاد علی صاحب کو دینی لٹریچر بالخصوص تصوف کی کتابوں سے خاص دلچسپی تھی۔ انہوں نے زرِ کثیر صرف کر کے اپنا قلمی کتب خانہ جمع کیا تھا۔ آج اس کا ایک عشرِ عشیر خاکسار کے پاس ہے' بیشتر حصہ ضائع ہو چکا۔ اگر یہ کتب خانہ باقی رہتا تو ہندوستان میں مشرقی علوم کے چند مخصوص کتب خانوں میں اس کا شمار ہوتا۔ مولوی ارشاد علی صاحب کے علمی ذوق کی شاہد چند تصانیف بھی ہیں۔ جن میں تین شایع ہو چکی ہیں۔ باقی غیر مطبوعہ ہیں۔ حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی چند مثنویاں انھوں نے شائع کیں۔ پھر 1304ھ میں دو کتابیں بشیر المدائح اور بشیر النصائح لاہور سے شایع ہوئیں۔ انشاء ارشاد فرہنگ ارشاد کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

دسمبر 1900ء میں مولوی ارشاد علی صاحب نے اپنے وطن امروہہ میں وصال فرمایا اور پیر شاہ ابن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار کے احاطہ میں سپردِ خاک کئے گئے۔ سر شیخ عبدالقادر نے جوان دنوں .... انگریزی اخبار (Observer) نکالتے تھے ان کے انتقال پر اپنے رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ان کی خدمات کا ذکر کیا ہے [1]

مولوی ارشاد علی صاحب کے تین فرزند تھے۔ مولوی فرید احمد مرحوم مولوی فضل احمد مرحوم اور مولوی شریف احمد مرحوم۔ اول الذکر حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت تھے۔

جناب مولوی فرید احمد صاحب مرحوم' 1871ء میں بمقام امروہہ پیدا ہوئے۔ عربی اور فارسی کی تعلیم وطن میں حاصل کرنے کے بعد لاہور چلے گئے اور وہاں گورنمنٹ کالج

---

1. The Punjab observer Wednesday, Decmber 26, 1900

Marfat.com

میں بی اے تک پڑھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کرلی۔ ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو اپنے بڑے لڑکے جناب قبلہ مولوی عزیز احمد صاحب نظامی مدظلہ وکیل (خاکسار کے والد ماجد) کے پاس میرٹھ میں قیام کرلیا اور وہیں دسمبر 1942ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اور قبرستان شاہ ولایت میں سپردِ خاک کیے گئے۔

یہ مختصر سا خاکہ ہے ایک ایسے شخص کی زندگی کا جسے اللہ نے علم وعمل کی بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا اور جس کے احسانات کی گرانباری آج بھی دل محسوس کررہا ہے۔

مولوی فرید احمد صاحب نے ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی اور حضرت اللہ جوایا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی گود میں پایا۔ جوان ہوئے تو دیکھا کہ امروہہ کے گلشن علم میں بہار آرہی ہے ایک طرف حضرت مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہنگامہ درس و تدریس برپا ہے۔ تو دوسری طرف حضرت مولانا محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علمی فیوض جاری ہیں۔ تیسری طرف نواب وقار الملک قومی تعلیم وترقی کے لیے بے چین اور سرگرداں نظر آرہے ہیں۔ اس پورے ماحول نے ان کی ذہنی نشوونما پر گہرا اثر ڈالا۔ خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت اللہ جوایا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان کو تصوف کا شوق ملا' مولانا احمد حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے قرآن وحدیث کے مطالعہ کا ذوق حاصل ہوا مولانا محمد حسن سے مذاہب عالم کے مطالعہ کی لگن اور وقار الملک کی صحبت سے مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کا احساس۔[1]

---

[1] نواب وقار الملک ان کے علمی ذوق اور قومی جذبہ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اہم مسائل پر ان سے مشورہ بھی کرتے تھے۔ 14 اپریل 1902ء کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: جناب مخدومی مولوی فرید احمد صاحب سلامت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یونی ورسٹی کمیشن میں بھی گواہی ادا کرنا چاہتا ہوں اور لکھنا شروع بھی کردیا ہے ترجمہ بھی ہوتا جاتا ہے۔ کیا مہربانی سے آپ اس کام میں کچھ مدد فرماسکیں گے۔ اگر کچھ فرصت ہے تو مہربانی سے آج چار بجے تکلیف فرمایئے اور مشکور کیجئے۔ والسلام خاکسار۔ مشتاق حسین۔"

Marfat.com

علمی اعتبار سے مولوی فرید احمد صاحب کی خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے اپنا قصر علم مشرق و مغرب کے سنگم پر تعمیر کیا تھا۔ اگر ایک طرف دینی لٹریچر پر گہری نظر رکھتے تھے تو دوسری طرف مغرب کے علمی اور تحقیقی رجحانات سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ انگلستان اور امریکہ کے بعض اعلیٰ علمی رسائل 40 , 50 سال تک متواتر مطالعہ کرتے رہے۔[1]

ان کے کتب خانہ میں ایک طرف عربی و فارسی کی قلمی کتابیں نظر آتی تھیں تو دوسری طرف انگلستان کی جدید ترین مطبوعات۔ مسلمانوں کی ابتدائی دینی تعلیم پر بڑا زور دیتے تھے۔ ملازمت کے دوران میں مرزاپور، جھانسی وغیرہ میں متعدد مدارس جاری کیے۔[2] قرآن مجید کے مطالعہ پر بے حد زور دیتے تھے۔ گھر کے بچوں کو ترجمہ سے پڑھاتے اور سمجھاتے تھے۔ کہتے تھے کہ جس نے قرآن سمجھ کر نہ پڑھا وہ ایک نعمت سے محروم رہا۔

مولوی فرید احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلوص اور سچائی کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ قومی معاملات میں ان کی دلچسپی کا یہ حال تھا کہ تنخواہ کا بیشتر حصہ مدرسوں، انجمنوں اخبارات اور غریب طلباء کو دے دیتے تھے۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے ظاہری وضع سے علمی تبحر کا اندازہ نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن جب کسی علمی مسئلہ پر گفتگو کرتے تو ایسا محسوس ہوتا گویا ایک سمندر میں تموج پیدا ہو رہا ہے۔

خاکسار راقم الحروف نے اپنی ابتدائی تعلیم ان ہی سے حاصل کی تھی، ان کے

---

[1] انگلستان کے ایک مشہور رسالے Literary Gvi Deandrationalist Review نے ان کی وفات پر رنج کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ تیس سال سے زیادہ تک اس رسالہ کا وہ شوق سے مطالعہ کرتے رہے تھے۔

[2] ملاحظہ ہو اخبار "البشیر" (خان بہادر مولوی بشیر الدین اٹاوہ) 22 دسمبر 42ء مقالات مدیر

احسانات کے اظہار کا یہ موقع نہیں۔ اس کتاب میں اگر کچھ خوبیاں ہیں تو ان کے فیض صحبت کا اثر ہیں جو برائیاں ہیں وہ میری کوتاہی کا نتیجہ ہیں۔

Marfat.com

ماخذ

نام کتب	مصنف	اشاعت
آثار الصنادید	سرسید احمد خان	(مطبوعہ دہلی، پہلا ایڈیشن)
احسن الشمائل	شاہ نظام الدین ملفوظات و حالات شاہ نظام الدین اورنگ آبادی" از خواجہ کامگار خاں	(قلمی نسخہ شیفتہ کلکش، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)
احسن الاقوال	ملفوظات شیخ برہان الدین غریب" از خواجہ عماد بن حماد کاشانی	(قلمی نسخہ مملوکہ پروفیسر محمد حبیب)
احترام الاصفیا	حالات خواجہ محمد اسلم خیر آبادی از مولانا دین محمد	(مطبوعہ 1345ھ)
احیاء علوم الدین	امام غزالی"	(مطبوعہ مصر 1311ھ)
اخبار الاخیار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی فارسی نسخہ	(مطبع مجتبائی دہلی 1309ھ) اُردو ترجمہ مسلم پریس دہلی 1326ھ
اردوئے معلی	خطوط غالب	(مطبع مفید عام آگرہ 1914ء)
السنۃ الجلیہ فی الچشتیہ العلیہ	مولانا اشرف علی صاحب تھانوی	(کتب خانہ اشرفیہ دہلی 1351ھ)
اصول السماع	مولانا فخر الدین زرادی	(دہلی 1311ھ)
انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ دہلوی	(مطبع مجتبائی 1335ھ 1917ء)

Marfat.com

انوارالعیون	حالات وملفوظات شیخ احمد عبدالحق از شیخ عبدالقدوس گنگوہی"	(قلمی نسخہ)
انوارشمسیہا لمسمٰی بہ خطبہ چشتیہ	مولانا امیر بخش	(مفید عام پریس لاہور 1335ھ)
انوارالعارفین	حافظ محمد حسین مراد آبادی	(مطبع صدیقی بریلی 1290ھ)
انوارالرحمان	حالات و ملفوظات مولوی عبدالرحمان صاحب لکھنوی" از مولوی نوراللہ صاحب	(لکھنو 1287ھ)
اولیاءاللہ واولیاءالشیطان	مولانا ابوالکلام آزاد	(مطبوعہ لاہور 1939ء)
الغزالی	مولانا شبلی	(نامی پریس کانپور 1902ء)
الفوزالکبیر	شاہ ولی اللہ دہلوی	(مطبوعہ دہلی)
اقبال نامہ	مکتوبات ڈاکٹر محمد اقبال	(لاہور)
القول المستحسن فی شرح فخرالحسن	مولانا احسن الزماں حیدرآبادی	(مطبوعہ)
المامون	مولانا شبلی	(مطبوعہ آگرہ)
آئین اکبری	ابوالفضل مرتبہ سرسید احمد خاں	
بارہ ماہیہ نجم	حاجی نجم الدین صاحب"	(مطبوعہ)
بحرالمعانی	سید محمد بن جعفر مکی الحسینی خلیفہ حضرت چراغ دہلوی	(قلمی نسخہ)
برکات الاولیا	مولوی سید امام الدین بن مفتی سید عبدالفتاح	(افضل المطابع دہلی 1322ھ)
بزم آخر	منشی فیاض الدین	(رحمانی پریس دہلی 1920ء)

Marfat.com

بہجۃ الاسرار	شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حالات ملفوظات از شیخ نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف	(مطبوعہ)
تاریخ جہاں کشا	عطاملک جوینی	(گب میموریل سیریز)
تاریخ فیروز شاہی	مولانا ضیاءالدین برنی	(مرتبہ سرسید احمد خاں) ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ
تاریخ فیروز شاہی	شمس سراج عفیف	(ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ)
تاریخ فرشتہ	ابوالقاسم ہندوشاہ فرشتہ	(نول کشور)
تاریخ ہند	مولانا ذکاءاللہ دہلوی	(مطبع علی گڑھ انسٹیٹیوٹ 1917ء)
تحفۃ النصائح	شیخ یوسف گدا مرید شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ	(مطبع نور لاہور)
تذکرہ	مولانا ابوالکلام آزاد	(کلکتہ 1919ء نیز لاہور)
تذکرۃ الاولیا	خواجہ فریدالدین عطار	(لاہور)
تذکرہ علماء ہند	مولوی رحمان علی	(نول کشور 1914ء)
تذکرہ بسمل	حالات مولانا انوار الرحمان بسمل مرتبہ مصباح الرحمان صاحب	(راجستان بک ڈپو۔ جے پور)
تذکرہ گلشن بے خار	نواب مصطفٰے خاں شیفتہ	(نول کشور 1874ء)
تذکرہ کاملان رامپور	حافظ احمد علی خاں شوق	(ہمدرد پریس 1929ء)
ترجمان القرآن	مولانا ابوالکلام آزاد	ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوانی منفصلہ ایچ ایف فاربس

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جج ملتان	مقدمہ نمبر 109، 1911ء	(خواجہ حامد و محمود) یونین پرنٹنگ ورکس، لودھیانہ 1913ء
ترجمہ فیصلہ عدالت چیف کورٹ بمقدمہ تونسہ شریف		(گلزار محمدی سٹیم پریس لاہور)
تزک جہانگیری	مرتبہ سر سید احمد خاں	(مطبوعہ علی گڑھ)
تفسیر عزیزیہ	شاہ عبدالعزیز دہلوی"	(قلمی نسخہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)
تفہیمات الٰہیہ	شاہ ولی اللہ دہلوی	(مطبوعہ)
تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار	نواب صدیق حسن خاں	(مطبوعہ بھوپال 1298ھ)
تکملہ سیر الاولیاء	خواجہ گل محمد احمد پوری	(مطبع رضوی دہلی 1312ھ)
تنبیہ الصالحین وہدایۃ الصالحین	فتویٰ جو علماء مکہ اور شاہ محمد اسحٰق صاحب نے بعض غلط نظریات کی تردید میں دیئے تھے	(مطبع سید الاخبار۔ دہلی 1262ھ)
تلبیس ابلیس	علامہ ابن جوزی	(مطبوعہ مصر 1928ء)
تلخیص التواریخ ملقب بہ مفرح دلکشاء	حکیم محمد حسن صاحب امروہوی	(مطبوعہ)
جمہرہ اللغت	ابن درید	(مطبوعہ حیدرآباد)
جواہر فریدی	علی اصغر چشتی	(قلمی نسخہ)
جوامع الکلم	ملفوظات حضرت سید محمد گیسو دراز" مرتبہ سید محمد اکبر حسینی فرزند مطبوعہ انتظامی پریس عثمان گنج،	(حیدرآباد)

Marfat.com

حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی دہلوی	(مع اردو ترجمہ امرتسر)
حدائق الحنفیہ	حالات علما و فقہاء حنفیہ۔ از فقیر محمد جلبی	(مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ، جون 1886ء)
حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	(مطبوعہ جید پریس۔ دہلی)
حیات ولی	سوانح شاہ ولی اللہ دہلوی از مولوی محمد رحیم بخش	(افضل المطابع دہلی)
حیات خسرو	مولانا سعید احمد مارہروی	(نول کشور اسٹیم پریس لاہور 1909ء)
حیاۃ العلماء	حالات علماء سہسوان۔ از سید محمد عبدالباقی	(نول کشور۔ لکھنؤ 1922ء)
حیات مالک	مولانا سید سلیمان ندوی	(دار المصنفین اعظم گڑھ)
حیات جاوید	مولانا الطاف حسین حالی	(مطبع رعد کانپور 1901ء)
حقانیت اسلام	مولانا محمد حسن امروہوی	(مطبوعہ)
خاتم سلیمانی	حالات و ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی از مولوی الہ بخش بلوچی	(خادم التعلیم اسٹیم پریس لاہور 1325ھ)
خاتمہ مراۃ احمدی	مرزا محمد حسن	(کلکتہ 1930ء)
خیر المجالس	ملفوظات حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی	(قلمی نسخہ)
خزینۃ الاصفیاء	مولانا غلام سرور	(مطبع ثمر ہند لکھنؤ 1872ء)
خلاصۃ الفوائد	ملفوظات خواجہ نور محمد	(قلمی)

Marfat.com

دول رانی خضر خان	امیر خسروؒ	(مطبوعہ علی گڑھ)
دیوان بے نیاز	دیوان شاہ نیاز احمد بریلوی	(مطبع آگرہ اخبار آگرہ 1348ھ)
دیوان حسن دہلوی	دیوان امیر حسن علامہ سنجریؒ مرتبہ مسعود علی محوی	(ابراہیمیہ مشین پریس حیدر آباد دکن 1352ھ)
دیوان بہادر شاہ ظفر	حالات وملفوظات پیر سید حیدر شاہ جلال پوری	
ذکر حبیب	مرتبہ ملک محمد الدین	(پنڈی بہاء الدین 1342ھ)
ذکر میر	ذکر میر کے بعد مرتبہ ڈاکٹر عبد الحق	(انجمن ترقی اردو ہند دہلی)
رسالہ احوال پیران چشت		(قلمی)
رسالہ قشریہ	امام قشیری	(مطبوعہ مصر)
رسالہ تحقیق آراضی ہند	شیخ جلال الدین تھانیسری	(قلمی نسخہ)
رسالہ مطلوب فی عشق المحبوب	محمد امیر بہرائچی	(قلمی نسخہ)
رشحات	واعظ الکاشفی	(مطبوعہ نول کشور)
رشد نامہ	شیخ عبد القدوس گنگوہی	(قلمی نسخہ)
روضۃ الاولیاء	میر سید غلام علی آزاد بلگرامی	(قلمی نسخہ)
روضۃ الاقطاب	محمد بلاق چشتی	(مطبع محب ہند دہلی)
ریاض الفصحاء	غلام ہمدانی مصحفی	(انجمن ترقی اردو۔ دہلی 1934ء)
زمزمہ صابری	تسلیم احمد امروہوی	(مطبع حقانی امروہہ 1907ء)
سبع سنابل	میر عبد الواحد بلگرامی	(مطبع نظامی کانپور 1299ھ)

Marfat.com

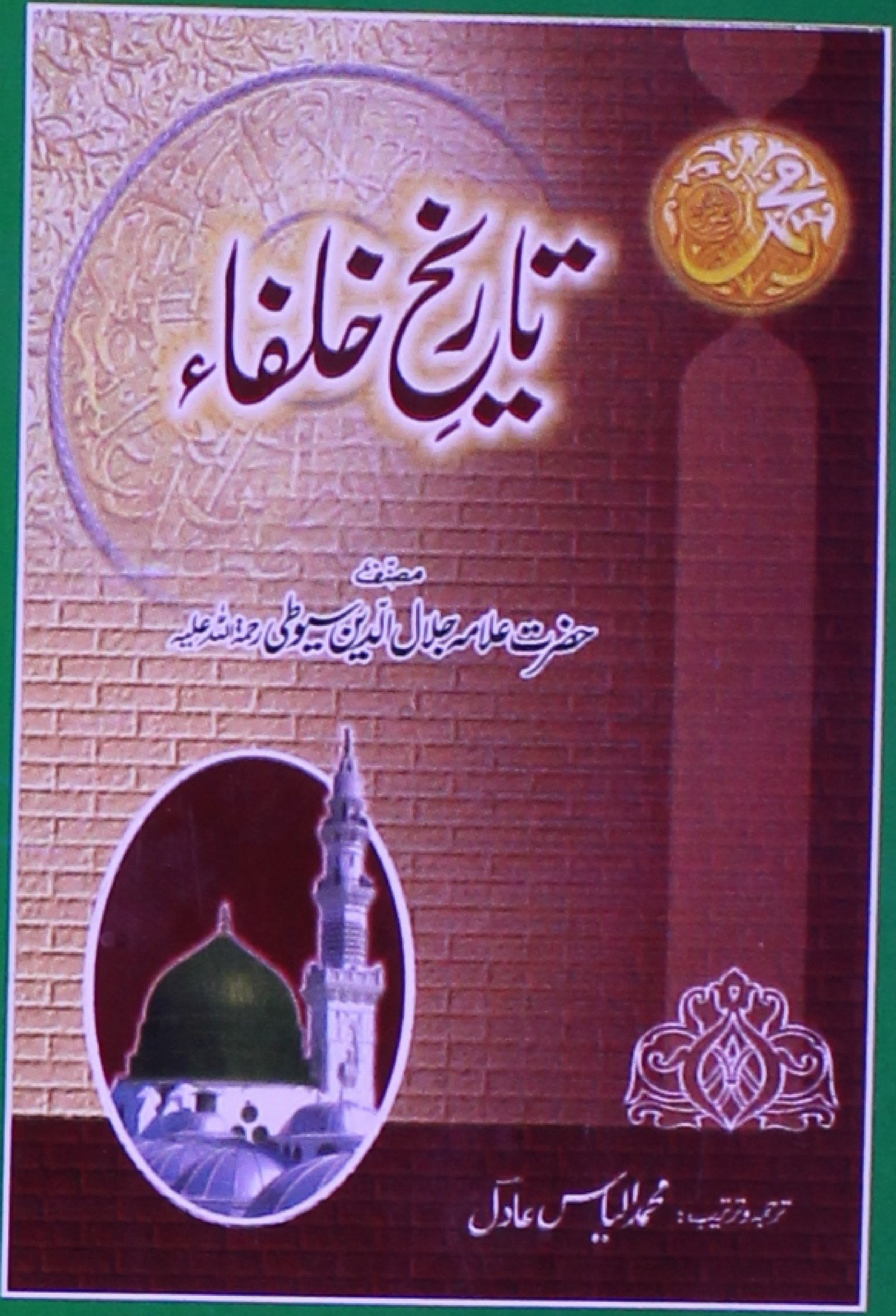

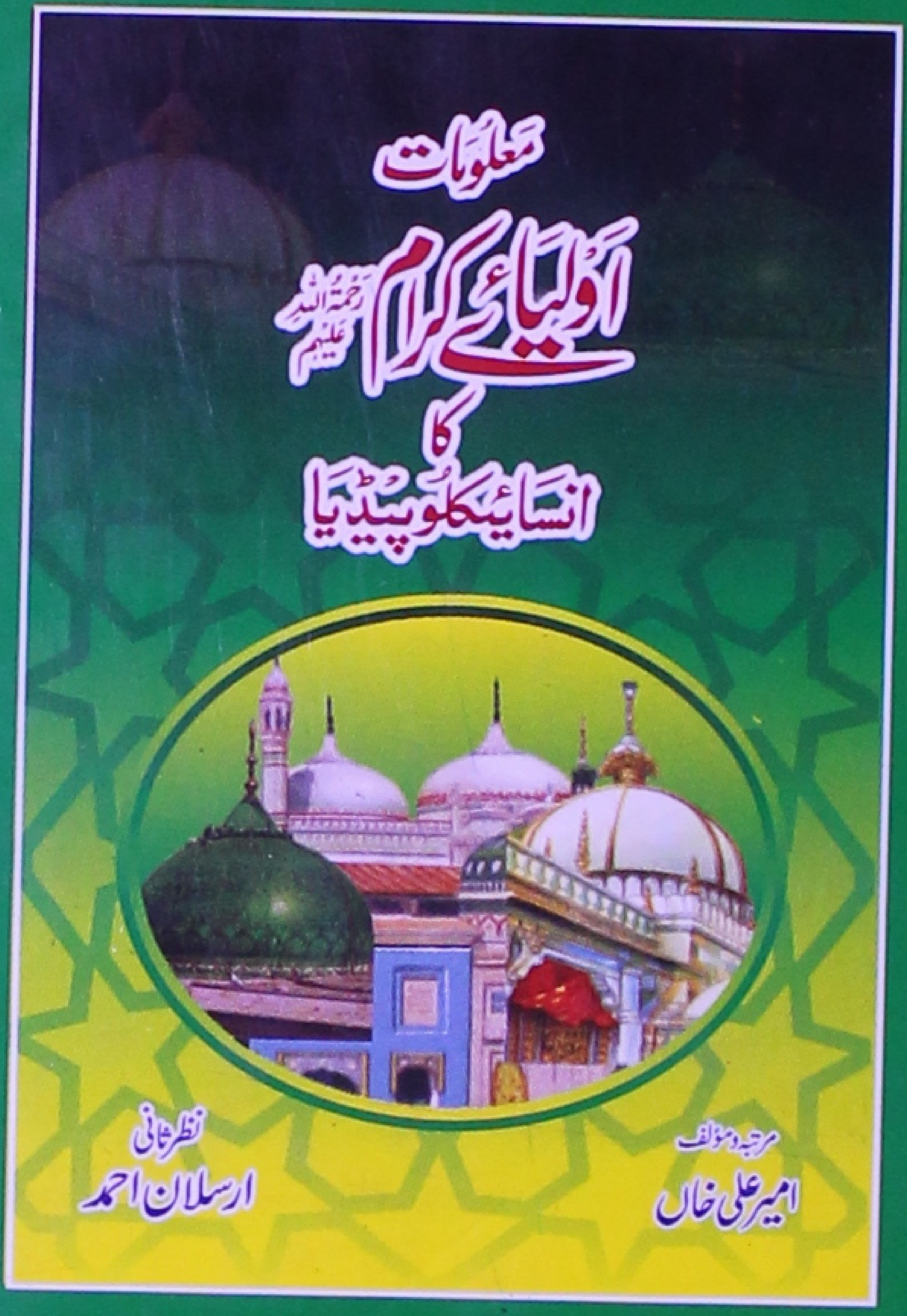

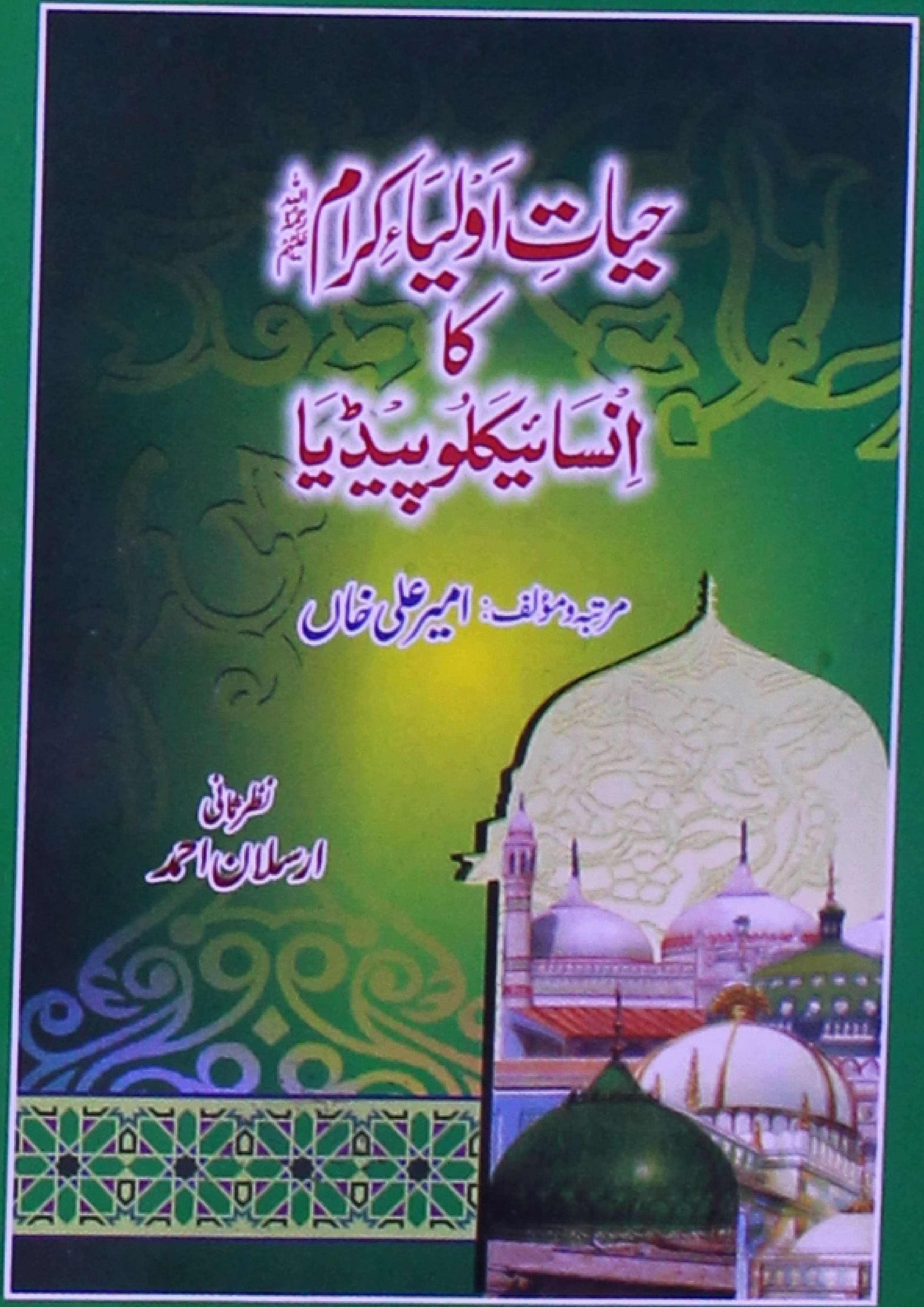

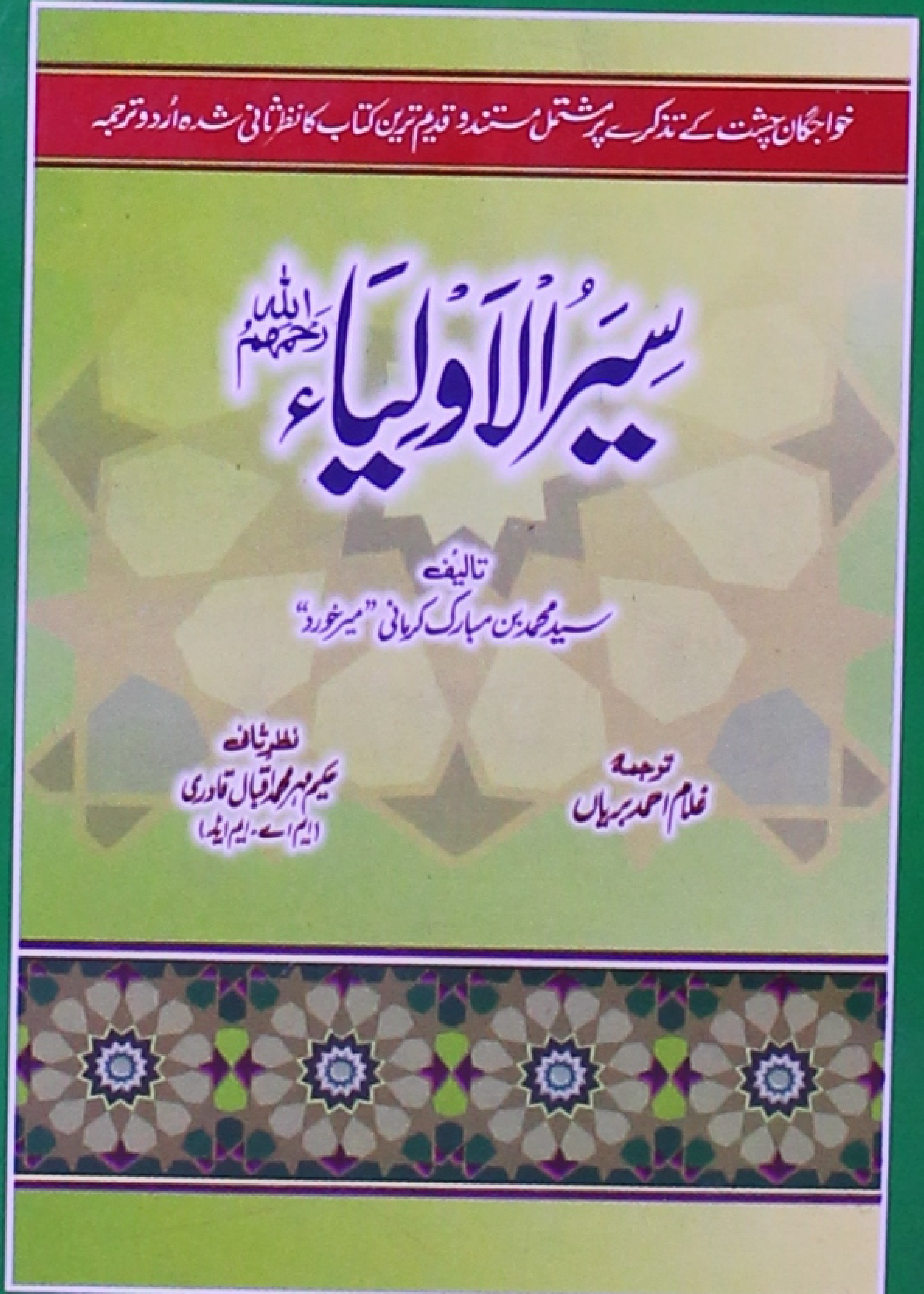

مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور